چاند نگر گروپ آف پبلیکیشنز

کرن

MEMBER APNS CPNE

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپر ایڈیٹرز

بانی ——— محمود بابر فیصل
نگران ——— محمود ریاض
مدیرہ ——— نادرہ خاتون
مدیر اعلیٰ ——— عامر محمود
نائب مدیرہ ——— شعاع عمیر
مدیرہ خصوصی ——— امت الصبور
اشتہارات ——— خالدہ جیلانی

حمد	محسن علوی	11
نعت	امین شاد	11

بیادِ ابنِ انشاء

جب عمر کی نقدی	[illegible] شاکر	12

انٹرویو

نیا سال	شاہین رشید	14
سونیا خان	شاہین رشید	21
میری بھی سنیے	کامران جیلانی	26
مقابل ہے آئینہ	اقصیٰ ماہ نور	270

ناول

من مورکھ کی بات	آسیہ مرزا	30
راپنزل	تنزیلہ ریاض	232

مکمل ناول

گلِ کہسار	فرح بخاری	80
کورنج	صدف ریحان	144

ناولٹ

وہیں لا آؤ	نادیہ احمد	142
تانک سے	مصباح علی	60
تمھیں ادھار ہیں	حیا بخاری	210

افسانے

دھوپ چھاؤں جیسے لوگ	رابعہ افتخار	168
دھنک	عزہ جلیل راؤ	134
حماقی	طیبہ مرتضیٰ	56
برسات	[illegible]	201
[illegible]	مریم جہانگیر	253
ریشمی زنجیر	[illegible]	259
تم فاتح جو ہو	کرن [illegible]	268

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ)	700	روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ	6000	روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا	7000	روپے

مستقل سلسلے

کرن کرن خوشبو، — شعاع ... — 272
یادوں کے دریچے سے، — بشریٰ محمود — 275
مجھے یہ شعر پسند ہے، — شگفتہ سلیمان — 277
کرن کا دسترخوان، — خالدہ جیلانی — 282
موتی ... ہیں — ادارہ — 278
نہلے پہ دہلا — ذوالقرنین — 285
مسکراتی کرنیں، — ... شریف — 280
نامے میرے نام، — مدیرہ کرن — 286

جنوری 2017
جلد 39 شمارہ 10
قیمت 60 روپے

خط و کتابت کا پتہ
کرن
37- اردو بازار کراچی

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ کرن، 37- اردو بازار کراچی

پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام ... 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد کراچی

Phone 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872
Email: kiran@khawateendigest.com Website: www.khawateendigest.com

مُدیرہ

وقت کے بیکراں سمندر میں ایک اور سال کا اضافہ۔

2016ء بہت ہی تلخ و شیریں یادوں کے ساتھ ماضی کا حصہ بن گیا۔ ایک اور نیا سال بہت سے روشن امکانات کے ساتھ ہماری زندگیوں کا حصہ بننے جا رہا ہے۔

سال گزشتہ میں کہیں ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔ ناکامیوں سے دل برداشتہ نہ ہوں۔ ہمت نہ ہاریں۔ وقت کا ہر لمحہ تبدیلی کا مظہر ہے۔ ہو سکتا ہے، آنے والے وقت میں ڈھیر ساری خوشیاں آپ کی منتظر ہوں۔

اگر کہیں کامیابی ملی ہے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ یہ صرف اس کا کرم ہے۔ وہ جب چاہے، جسے چاہے نواز دے۔ انسان کے اختیار میں تو کچھ بھی نہیں۔

وقت کا ہر لمحہ ہمارے لیے قیمتی ہے۔ ہمیں ایک معین اور محدود وقت ملا ہے۔ ہر گزرتا لمحہ ہمیں یہی پیغام دے رہا ہے کہ وہ لوٹ کر نہیں آئے گا۔

زندگی میں امید کی شمع روشن رکھیں۔ یہ امید ہی ہے جو ہمیں ہر آن ہر پل جدوجہد پر اکساتی ہے۔ جو کھو گیا، چھن گیا اس پر افسوس بے کار ہے۔ وقت کے جو لمحے ہاتھ میں ہیں انہیں ضائع نہ کریں۔

اس شمارے میں،

- "نیا سال، نئی امیدیں" مختلف شخصیات سے شاہین رشید کا سروے،
- اداکارہ "سونیا خان" سے شاہین رشید کی ملاقات،
- اداکار "کامران جیلانی" کہتے ہیں "میری بھی سنیے"،
- اس ماہ "اقصیٰ ماہ نور سراج" کے "مقابل ہے آئینہ"،
- "من مورکھ کی بات نہ مانو" آسیہ مرزا کا سلسلے وار ناول،
- "راپنزل" تنزیلہ ریاض کا سلسلے وار ناول،
- "گل کہسار" فرح بخاری کا مکمل ناول،
- "کورنج" صدف ریحان گیلانی کا مکمل ناول،
- "وہ نہیں ملا تو ملال کیا" نادیہ احمد کا ناولٹ،
- "محبتیں ادھار ہیں" حیا بخاری کا دلچسپ ناولٹ،
- "جانگ دے" مصباح علی کا دلچسپ ناولٹ،
- رابعہ افتخار، عزالہ جلیل راؤ، یمنیٰ اختر، حمیرا نوشین، مریم جہانگیر اور کرن اسماعیل کے افسانے اور مستقل سلسلے،

مفت،

کرن کتاب "موسم سرما کے رنگ" کرن کے ہر شمارے کے ساتھ مفت پیش خدمت ہے۔

یہ جرأت سخن ہے، یہ اظہار حال ہے
لکھوں میں تیری حمد یہ دل میں خیال ہے

رحمٰن ہے رحیم ہے تو ذوالجلال ہے
تیری ہو کیا مثال تو بے مثال ہے

کرتا ہوں لا الٰہ تو رکھتا ہوں یہ یقین
اک رب کائنات ہے جو لازوال ہے

رافع ہے تو علیم و لطیف و خبیر ہے
سامع ہے تو بصیر ہے تو ذوالجلال ہے

تیرے سوا کسی پہ بھروسا نہیں خدا
مجھ کو یقین ہے تجھے میرا خیال ہے

رہتی ہے تیرے ذکر میں مصروف یہ زباں
کرتا ادا یہ شکر مرا بال بال ہے

محمد علی علوی

تجھ سا آیا ہی نہیں آج تلک تیرے سوا
کتنے بے رنگ تھے یہ ارض و فلک تیرے سوا

شب معراج میں اک ایسا سفر دیکھا گیا
جس میں جبریل تلک جاتے ہیں تھک تیرے سوا

وہ جو تاریک دلوں میں اُجالے بھر دے
کہیں دیکھی ہی نہیں ایسی چمک تیرے سوا

یہ تو بتلائیں تجھے اپنے سا کہنے والے
کس نے کی پار کبھی حد فلک تیرے سوا

مشک و عنبر کو نگوں دیکھا گیا جس کے حضور
کس کی ہے شاد پسینے کی مہک تیرے سوا

امین شاد

جب عمر کی نقدی ختم ہوئی

پروین شاکر

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آب بقائے دوام لا ساقی

میں حیران تھی کہ ابراہیم جلیس کے جانے کے بعد بھی یہ شعر مجھے اب تک اپنی گرفت میں کیوں لیے ہوئے ہے۔ 1978ء کی بارہویں صبح نے میری حیرت کا جواب دے دیا۔ چاند نگر کا باسی 'شہر حسن کا جوگی' سواد تبسم کا سفیر ابن انشاء ہم سے بچھڑ گیا۔

اردو کے اس البیلے شگفتہ بیان کے فنی منصب کے متعلق کچھ کہنا اس وقت میرے بس میں نہیں۔ ہاں اتنا ضرور کہوں گی کہ فی زمانہ جبکہ ہر اخبار اپنی مالی اور اخلاقی استطاعت کے مطابق ایک نہ ایک کالم نگار ضرور رکھتا ہے 'انشاء جی کے لیے پالیسی وضع کرنے کی جرات کسی میں نہ ہوئی۔ اپنے موضوعات کا تعین وہ خود کرتے تھے اور ان کے قلم کی گرفت میں آتے ہی بات کیا سے کیا ہو جاتی تھی۔ کلاسیکی ادب کا رچا ہوا ذوق 'مشاہدے کی دل آویزی گہرائی اور انداز بیان کی ندرت 'یہ سب چیزیں مل کر ان کے کالم کو ایک دن کی عمر والے کالموں سے بالکل مختلف بنا دیتی ہیں۔ اپنے سیاق و سباق سے ہٹ کر بھی یہ زندہ جاوید ہیں۔ ان کالموں کے بارے میں مختصراً" یہی کہا جا سکتا ہے کہ ان کے ذریعے انشاء جی نے ہماری حس مزاح کی تہذیب کی۔

انشاء جی سے میری پہلی ملاقات آج سے کوئی آٹھ برس قبل ریڈیو اسٹیشن پر ہوئی 'ان دنوں ہم لوگ اردو شاعروں پر ایک سیریز "فنکار" کے نام سے کر رہے تھے۔

میں نے ان کی شاعری پر مضمون لکھنا چاہا تو مجھے "چاند نگر" کے ساتھ انہوں نے "اس بستی کے اک کوچے میں" کا مسودہ بھی تھما دیا۔ میں مبہوت ہو گئی۔

"انشاء جی! آپ مجھے مسودہ دے رہے ہیں' حالانکہ میری آپ سے یہ پہلی ملاقات ہے۔"

"اسی لیے تو دے رہا ہوں تاکہ یہ آخری ملاقات نہ بن جائے۔"

انشاء جی کی اس شگفتہ تاویل سے قطع نظر 'جس چیز نے مجھے سرشار کر دیا' وہ ان کا مجھ پر اعتبار تھا۔ ہمارے درمیان قلم کا رشتہ تھا اور یہ رشتہ ان کی بڑائی کی وجہ سے ساری عمر معتبر رہا۔

اپنے مضمون میں 'میں نے انشاء جی کے ہاں "چاند" کے کردار کا موازنہ شیلے کے "تصور مہتاب" سے بھی کیا تھا اور اپنی دانست میں بڑا معرکہ سر کیا تھا۔ پروگرام کے دوران انشاء جی بے حد سنجیدہ بیٹھے رہے 'مگر دبیز چشمے کے پیچھے سے ان کی آنکھیں برابر مسکرائے جا رہی تھیں۔ اسٹوڈیو سے باہر نکلتے ہوئے انہوں نے بڑی آہستگی سے مجھ سے کہا۔

"بھئی! تمہارا مضمون تو بہت خوب تھا' مگر یہ جو تمہارے شیلے صاحب ہیں ناں' انہیں ہم نے پڑھا ضرور تھا بالکل نہیں ہے۔"

اس دور میں جبکہ موسم اور کنوئیں پر ابلم پر بھی گفتگو کرتے ہوئے دانشور "نطشے یا سارتر یا لورکا" سے بات شروع کرنا پسند کرتے ہیں۔ ایک بہت بڑے آدمی کا چھوٹا سا اعتراف میرا دل موہ گیا اور یوں ہمارے درمیان ساری عمر کے لیے ایک انڈر اسٹینڈنگ قائم ہو گئی۔ ریڈیو پر جب کبھی میری ریکارڈنگ ہوتی 'یہ بہت کم ہوا کہ میں ان سے ملنے تھیوسوفیکل ہال ان کے دفتر نہیں گئی۔ کتابوں کے جھرمٹ میں گھرے ہوئے انشاء جی دیکھتے ہی مسکراتے اور ان کا پہلا سوال عموماً" یہی ہوتا۔ "سناؤ بھئی! کوئی نظم لکھی تم نے؟" "ایک دفعہ شرارتاً" میں نے کہہ دیا۔

"کوئی نیا کالم لکھا آپ نے؟"

انشاء جی نے چوٹ کو انجوائے کیا' مگر پھر اداس ہو گئے۔ میں نے انہیں بہت کم اداس دیکھا تھا' کہنے لگے "اب شعر نہیں ہوتے' لوگ میری شاعری بھولتے جا رہے ہیں' کالم یاد رکھنے لگے ہیں۔"

تب میں نے انہیں یقین دلایا کہ "ایسا نہیں ہے' آپ کی بنیادی حیثیت شاعر ہی کی ہے' لیکن چونکہ "چاند نگر" کے بعد سے آپ کا کوئی مجموعہ نہیں آیا اور کالم لوگ ہر ہفتے پڑھ لیتے ہیں' اس لیے وہ آپ کو ایک کالمسٹ ہی سمجھ بیٹھے ہیں۔"

"نہیں بھئی! کالم تو میں یوں ہی لکھتا ہوں' کبھی کبھی تو دفتر میں ہی بیٹھے بیٹھے لکھ جاتا ہوں۔"

"جی ہاں! کبھی کبھی ایسا ہی لگتا ہے۔"

انشاء جی کا موڈ ایک دم خوشگوار ہو گیا۔ کہنے لگے۔

"کسی دفتری کالم میں تمہاری خبر لوں گا۔"

لیکن وہ بڑے ظرف کے آدمی تھے۔ انہیں صرف چھیڑنے میں مزا آتا تھا' رلانے کی حد تک تنگ کرنا کبھی ان کے مذہب میں شامل نہیں رہا۔ ان کا ظرف تو ایسا تھا کہ ان کی زندگی میں ہی ایک فلمی شاعر نے ان کی شہرہ زمانہ غزل پر کمال ڈھٹائی سے ہاتھ صاف کیا اور وہ بجز ایک شائستہ احتجاجی کالم لکھنے کے اور کچھ نہ کر سکے۔

خیر بات ہو رہی تھی' انشاء جی کی اعلا ظرفی اور فراخدلی کی۔ نو آموزوں کی حوصلہ افزائی میں احمد ندیم قاسمی کے بعد میں نے انشاء جی کو ہی اتنا وسیع القلب پایا۔

یاد آ رہا ہے کہ کچھ عرصے پہلے ٹیلی ویژن سے نئے شاعروں پر ایک سیریز شروع کی گئی تھی۔ "نئی آواز" میرا نمبر آیا تو میں نے ڈاکٹر کشفی کا' ابن انشاء کا نام تجویز کیا۔ "خوشبو" کا مسودہ جس شخص نے سب سے پہلے دیکھا' وہ ابن انشاء ہی تھے۔ مسودہ ہاتھ میں لیا تو بولے۔

"بتاؤ' تم سے کیسا سلوک کیا جائے؟؟"

"ویسا ہرگز نہیں جو اردو زبان کا ایک شاعر دوسرے شاعر کے ساتھ کرتا ہے۔"

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑے' پھر گردن ذرا سی اونچی کر کے بولے۔

"لڑکی! تم سے انصاف کیا جائے گا۔"

دوسرے دن ان کا فون آیا۔ "فوراً" پہنچو۔" میں بھاگم بھاگ دفتر گئی تو وہ میرے اشعار کے اعداد و شمار لیے بیٹھے تھے اور ایک بچے کی سی معصومیت کے ساتھ مجھے میری اپنی تفصیلات فراہم کر رہے تھے۔ اس بار مسکرانے کی باری میری تھی' لیکن میرے ہونٹوں پر نمودار ہونے والے پہلے خم کے ساتھ ہی انشاء جی نے فائل بند کر دی اور بے بسی سے مسکرائے۔

"مشکل یہ ہے کہ تم نے ایم اے انگریزی میں کیا ہوا ہے۔"

پھر دیکھنے والوں نے دیکھا کہ "نئی آواز" انہوں نے کس محبت اور اپنائیت کے ساتھ کیا۔ انہوں نے پیش گوئی کی تھی کہ وہ دن دور نہیں جب "خوشبو" ہر تکیے کے نیچے ملے گی۔ مجھے نہیں معلوم کہ ان کی یہ پیش بینی کس حد تک سچی ثابت ہوئی' لیکن آج اگر وہ زندہ ہوتے تو "خوشبو" کی پذیرائی پر کتنے خوش ہوتے۔ انہیں اس کے ناقابل کے بھی بڑی فکر تھی۔

"بھئی صادقین سے بنوانا۔" انہوں نے کئی بار مجھ سے کہا تھا۔ کاش وہ اپنی اس خواہش کی تکمیل دیکھ سکتے۔

اسی پروگرام کے دوران ڈاکٹر کشفی نے میرا ایک شعر پڑھا تھا۔

دشمن ہے اور ساتھ رہے جان کی طرح
مجھ میں اتر گیا ہے سرطان کی طرح

مجھے یاد ہے کہ اس شعر کو سراہنے کے باوجود انشاء جی نے اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا۔

"مگر بھئی' اس شعر کی امیجری بہت خوفناک ہے۔"

اس وقت تو بات ہنسی مذاق میں ٹل گئی۔ پر کون کہہ سکتا تھا کہ جس مرض کا محض علامتی وجود انہیں شعر تک میں گوارا نہیں تھا۔ ایک دن خود ان کے جسم میں سرایت کر جائے گا اور یہ ہنستا ہنساتا' ایک زمانے کو اپنا اسیر رکھنے والا پیارا آدمی ایک دن اس ہزار پا کے شکنجے میں یوں کس جائے گا کہ اس کے پیارے آنسو بہا رہے ہوں گے اور اسے خبر بھی نہ ہو گی۔

مگر نہیں' شاید اپنے جانے کی اسے کچھ کچھ خبر ہو گئی تھی کہ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں ایک دنیا کو مسکراہٹ بانٹنے والا' ہاتھ پھیلائے کھڑا تھا۔

اب عمر کی نقدی ختم ہوئی!
اب ہم کو ادھار کی حاجت ہے
ہے کوئی جو ساہو کار بنے
ہے کوئی جو دیون ہار بنے

مگر اسے کیا خبر کہ اس کے لیے سال نہیں' دن کیا' لوگ پوری پوری زندگیاں لیے کھڑے تھے۔ عمر کے توشہ خانے کے سب خزانے اس کے نام تھے' پر تقدیر کے آگے سب کے سکے کھوٹے نکلے اور ایک سانس بھی اس کا قرض نہ چکا سکی۔

☼ ☼

قارئین کو نیا سال 2017ء مبارک ہو۔ خدا کرے یہ سال سب کے لیے باعث رحمت و برکت والا ثابت ہو

نیا سال نیا سروے... سال گزرنے پہ کیا لکھیں کہ اب تو ماہ و سال پلک جھپکتے میں ہی گزر جاتا ہے شاید زمانہ واقعی تیز رفتار ہو گیا ہے یا ہماری مصروفیات نے وقت کو مختصر کر دیا ہے۔ ویسے یہ حقیقت ہے کہ "انڈا" ابالنے کے لیے گھڑی پر نظر ودڑائیں تو وقت نہیں گزرتا اور فیس بک کی ورق گردانی میں گھنٹوں گزر جاتے ہیں اور پتا نہیں چلتا... خیر... آپ نئے سال کا سروے انجوائے کریں۔

سوالات

(1) زمانہ ترقی کر رہا ہے۔ نیو ایئر وش کیسے کرتے ہیں۔ واٹس اپ پہ فیس بک پہ یا کال کر کے؟

(2) 2016ء کیسا گزرا کامیابیاں اور ناکامیاں بتائیے؟

(3) 2017ء میں ملک کے حوالے سے کیا دیکھتے ہیں؟

نیا سال نئی امیدیں

شاہین رشید

اسد ملک (آرٹسٹ)

1۔ آج کل جتنے بھی کمیونیکیشن کے ذرائع ہیں جیسے انسٹاگرام فیس بک ٹوئیٹر اور واٹس اپ... سب پہ میں جواب ہی دیتا ہوں۔ خود سے وش نہیں کرتا... کیونکہ میں ہی فیل نہیں کرتا اس لیے کہ ہم نے کوئی خاطر خواہ ترقی نہیں کی ہے۔ ہماری ترقی کے سارے راستے تقریباً بند ہیں' بلکہ بند کیے ہوئے ہیں بیرونی طاقتوں نے... لیکن میں وش کرنے والوں کو جواب ضرور دیتا ہوں... جو رشتے دار اور کلوز فرینڈز ہیں ان پر کال پہ بات ہو جاتی ہے۔

2۔ بہت سے دوسرے برسوں کی طرح یہ برس بھی گزر گیا کامیابیاں اور ناکامیاں تو ساتھ ساتھ چلتی رہتی ہیں... اصل بات تو یہ ہوتی ہے کہ ان سے ہم نے سیکھا کیا ہے... کامیابیوں کو کس طرح انجوائے کیا اور ناکامیوں کو کس طرح فیس کیا' کس طرح برداشت کیا 2016ء 25 نومبر کو جو فلم ریلیز ہو رہی ہے (اب تو ہو چکی ہو گی اور یقیناً" رزلٹ بھی اچھا آیا ہو گا) وہ ضرور اچھی خبر لائے گی سب کے لیے اور ضرور کامیابی سے ہمکنار ہو گی۔

3۔ اگر 2017ء میں یہی حکومت رہی تو پھر تو میں ملک کو آج کے مقابلے میں بہت برے حالات میں دیکھ رہا ہوں... ان لوگوں کو بہت زیادہ پھولتے پھلتے

ہوئے بلکہ پھٹتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ کیونکہ پاکستان میں انہی کی اجارہ داری ہے' انہی کے ہاتھ میں سب کچھ ہے۔ میں تو بہت زیادہ مایوس ہوں ملکی حالات سے کوئی نئی قیادت آئی تو شاید کچھ اچھا ہو جائے ورنہ اسی قیادت کے ساتھ تو مزید ذلت برداشت کرنی پڑے گی۔

شبنم ثانی (رائٹر سیریل "نور جہاں")

1۔ میں عام طور پر فیس بک پہ Status لکھ دیتی ہوں جو کہ سب کے لیے ہوتا ہے۔ کچھ خاص لوگوں کو میسج message کر کے اور بیرون ملک رہنے والوں کو کال کر کے وش کرتی ہوں مبارک باد دیتی ہوں۔

2۔ 2016ء میرا کامیاب ترین سال تھا' پورا سال سفر میں گزرا' ملکی اور غیر ملکی' دوبار امریکہ گئی۔۔۔ اور سب سے بڑی کامیابی میرا لکھا ہوا سیریل "نور جہاں" جو جیو ٹی وی سے آن ایئر آیا وہ بے حد کامیاب ہوا' بے حد پسند کیا گیا۔

3۔ 2017ء میں پاکستان کے لیے بہت سی دعائیں ہیں۔ اللہ ہمارے پیارے ملک کو قائم و دائم رکھے۔۔۔ سیاست تو ہمیں سمجھ آتی نہیں' لیکن اتنی عقل ضرور ہے کہ کوئی بھی اس ملک سے وفاداری نہیں نبھا رہا۔ چاہے وہ حکومت وقت ہو یا عوام' سب ایک دوسرے پر الزام تراشی میں لگے ہوئے ہیں۔ بس اللہ سے رحم کی اپیل ہے۔ وہ ہی رحم کرے ہمارے ملک پہ۔

آغا علی عباس (آرٹسٹ)

1۔ کچھ لوگوں کو ٹیکسٹ میسج ـــــ کے ذریعے وش کرتا ہوں اور کچھ لوگوں کو فون کال کر کے نئے سال کی مبارک باد دیتا ہوں۔

2۔ میرے لیے یہ سال بہت ہی "نیوٹرل" تھا۔ میں نے اس سال دو سیریلز کیے "تم یاد آئے" اور "تیرے میرے بیچ" اور خدا کا شکر ہے کہ دونوں سیریلز بے حد کامیاب رہے' بہت اچھا رسپانس ملا' ناظرین کی طرف سے اور مجھے اندازہ ہوا کہ خدا مجھ پر بہت مہربان ہے۔

3۔ پاکستان کے لیے دعا کرتا ہوں کہ 2017 بہتر سے بہتر ہو۔ میرے حساب سے 2016ء ملک کے لیے بہت ہی اچھا تھا۔۔۔ دہشت گردی کے واقعات کم ہوئے جس کی وجہ سے حالات بہتر ہوئے۔ امید ہے کہ آنے والا سال بھی پاکستان کے لیے اچھا ثابت ہو گا۔

2۔ 2016ء میرے لیے بہت اچھا ثابت ہوا اور اللہ کا شکر ہے کہ مجھے بہت کامیابیاں ملی ہیں۔
3۔ جیسا 2016ء میں ملک تھا۔ ویسا ہی 2017ء میں بھی ہوگا۔ کچھ بھی نیا نہیں ہو سکتا۔

علی ناصر (اینکر بزنس پلس)

1۔ واقعی زمانہ ترقی کر گیا ہے۔ جدید دور آگیا ہے۔ اس لیے "واٹس ایپ" اور فیس بک کا استعمال کرلیتے ہیں۔ گزرے زمانے میں لوگوں کو نیو ایئر کارڈز بھیجا کرتے تھے۔ وہ دور گیا پھر sms کا دور آیا تو لوگوں کا نام لکھ کر ان کو ایس ایم ایس کرتے تھے۔ اب واٹس ایپ اور فیس بک کا دور آیا ہے۔ "واٹس ایپ" سے میں بہت تنگ ہوں کیونکہ اس میں مختلف گروپس کے

تحت بہت فضول قسم کے پیغامات آتے ہیں۔ اس لیے ان سے تھوڑا سا قطع تعلق رہتا ہوں۔ ہاں جس سے کوئی ضروری کام ہو اس سے رابطہ کرلیتا ہوں۔
2۔ انسان جب رات کی نیند کے بعد صبح صحت کے ساتھ اٹھتا ہے تو وہ دن اس کے لیے ایک چیلنج ہوتا ہے۔ کہ مجھے کامیاب ہونا ہے تو میں بھی روز اٹھتا ہوں کامیاب ہونے کے لیے اسی کی امید رکھتا ہوں اور اس کے لیے جدوجہد کرتا ہوں۔ اور اللہ مجھے میری بساط کے مطابق بہت کچھ دے بھی دیتا ہے۔
3۔ ملک کا مستقبل قوم پر منحصر ہے۔ حالات دیکھتے ہوئے ایسا لگتا ہے کہ چیزیں ویسی نہ ہوں جیسی توقع کی ہے۔ لیکن توقع بھی رکھنی چاہیے۔ امید اچھی

شہود علوی (آرٹسٹ)

1۔ تینوں طریقے سے آج کل کی سہولیات سے فائدہ اٹھاتا ہوں۔
2۔ الحمدللہ بہترین سال گزرا۔ کامیابیوں کا تناسب زیادہ ہے۔
3۔ 2017ء ان شاء اللہ پاکستان کے لیے بہترین ہوگا۔

شیف فرح محمد

1۔ ٹیکسٹ میسج۔ کر کے اور وہ بھی سب کو نہیں کسی کسی کو کرتی ہوں۔

رکھنی چاہیے اور میں تو یہی کہوں گا کہ ملک میں امن و اتحاد بہت ضروری ہے۔ جس ملک میں امن و سکون اور تحفظ ہوتا ہے وہ ہی ملک ترقی بھی کرتا ہے۔

ڈی ایس پی الطاف حسین

1۔ نیو ایئر کے موقع پر سب سے پہلے تو اللہ تعالیٰ کے حضور دو نفل شکرانے کے ساتھ حاضر ہوتا ہوں کہ اس نے اپنی رحمت کے صدقے جانے والا سال اچھا گزروایا۔۔۔ پھر میں اپنے دوستوں کو' قریبی رشتے داروں کو اور بہت ہی کلوز فرینڈز کو واٹس ایپ اور فیس بک کے ذریعے مبارک باد دیتا ہوں۔

2۔ اللہ کا بہت شکر گزار ہوں کہ 2016ء بہت اچھا گزرا۔ اللہ نے بڑی کامیابیاں دیں اور بہت رحم و کرم رہا اللہ کا۔۔۔ اور ان شاء اللہ 2017ء بھی ایسے ہی کامیابیوں کے ساتھ گزرے گا' اگر اللہ نے اپنا رحم و کرم ہم پر رکھا تو۔۔۔ اور وہ ضرور رکھے گا۔

3۔ 2017ء میں ہمارا ملک ان شاء اللہ ترقی کرے گا۔۔۔ کیونکہ دہشت گردی کم سے کم ہوتی جا رہی ہے اور امید ہے کہ ختم بھی ہو جائے گی۔۔۔ تو بس اچھی امیدیں ہیں اپنے ملک سے اپنے حکمرانوں سے۔

صباحت بخاری (آرٹسٹ)

1۔ جی بالکل زمانہ ترقی کر گیا ہے اور میں بھی اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے واٹس ایپ' فیس بک اور ایس ایم ایس کے ذریعے سے ہی وش کروں گی اپنے تمام دوستوں کو اور صرف اپنی امی کو کال کر کے نئے سال کی مبارک باد دوں گی تاکہ ان کی دعائیں لے سکوں۔

2۔ الحمد للہ 2016ء بہت اچھا گزرا' اللہ پاک کا جتنا شکر ادا کروں اتنا کم ہے۔ جتنا دیا میرے مالک نے اتنی میری اوقات نہیں ہے' اس کا بہت کرم ہے۔ انسان بھلا کس قابل ہے۔

3 2017ء کے حوالے سے دعا ہے کہ اللہ پاک سے کہ وہ ہمارے ملک کو دشمن کے ہر ناپاک ارادے سے محفوظ رکھے اور دشمن کے ناپاک ارادے کو نیست و نابود کرے۔۔۔ اور ہم سب کے لیے آسانیاں پیدا کرے۔ (آمین) اور ہمارے حکمرانوں کو اللہ اتنی عقل دے کہ وہ اپنے بارے میں نہیں بلکہ اپنے ملک کے بارے میں سوچیں۔ اپنے ملک کے مظلوم عوام کے بارے میں سوچیں کہ جن کے ٹیکس اور خون پسینے کی کمائی

سے وہ اپنے محل تعمیر کر رہے ہیں' 2017ء میں اللہ انہیں ہدایت دے کہ وہ اس ملک کی ترقی کے لیے بھی کچھ سوچیں۔ (آمین)

کراچی کا نام کہیں "منگھائی" نہ پڑ جائے (ہنستے ہوئے) اور مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ 2017ء میں پاکستان بہت اوپر جانے والا ہے۔

ریاض فاطمہ (رائٹر+سماجی کارکن)

1۔ سب سے پہلے تو میں آپ کے ادارے سے وابستہ تمام افراد اور آپ کے ڈائجسٹوں میں لکھنے اور پڑھنے والوں کو اپنی طرف سے نئے سال کی دلی مبارک باد پیش کرنا چاہتی ہوں۔ اس دعا کے ساتھ کہ نیا سال ان سب کے لیے بہت سی خوشیوں کا پیامبر ثابت ہو' ان کی دلی آرزوئیں اور تمنائیں پوری ہوں۔ (آمین)

آپ کے پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ کال کے ذریعے تو نہیں' البتہ ایس ایم ایس کی صورت میں بڑے اچھے پیغام ملتے ہیں۔ تب اندازہ ہوتا ہے کہ واقعی لوگ یاد رکھتے ہیں۔ لیکن فیس بک کے ذریعے وقت بھی بچایا جاسکتا ہے اور پیغام بھی زیادہ بہتر طریقے اور انداز سے بھیجا جاسکتا ہے۔ سو اس سال بھی یہی ہوگا کسی کو واٹس اپ اور کچھ کو فیس بک کے ذریعے یاد رکھا جائے گا۔

2۔ 2016ء اچھا گزرا' سوشل ویلفیئر ڈپارٹمنٹ حکومت سندھ سے وابستہ ہوں۔ دیگر محکموں' این جی اوز اور عوام سے رابطہ رہتا ہے۔ اپنے شعبے سے گہری وابستگی ہے سو اس حوالے سے کامیاب ہوں۔ کامیاب ہونے کے لیے محنت' خلوص' توجہ اور ایمانداری سے کام کرنا ضروری ہوتا ہے' خواہ آپ کہیں بھی کام کررہے ہوں' کہیں کچھ برا بھی ہو تو اسے محض تجربہ سمجھ کر بھول جانا چاہیے۔

3۔ پاکستان ہمارا ملک ہے۔ ہم یہاں رہتے ہیں۔ ہمیں اسے بہتر بنانا ہے اگر ملک و قوم سے محبت کا جذبہ ہمارے دلوں میں زندہ رہے گا تو ہمارا ملک ان شاء اللہ ترقی کرے گا۔ ہر دور میں سچ اور حق کی فتح ہوتی ہے' بس اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔
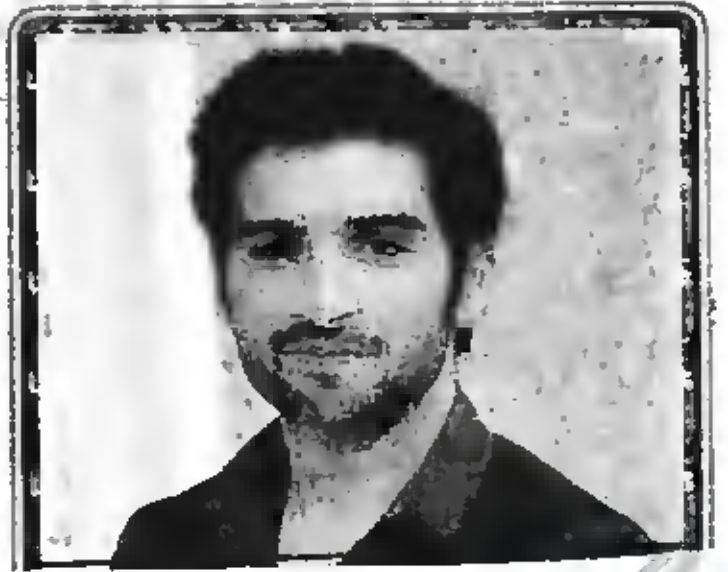
منیب بٹ (آرٹسٹ)

1۔ بے شک زمانہ ترقی کرگیا ہے مگر یہ منحصر ہے اس بات پر کہ آپ نے وش کس کو کرنا ہے۔ اگر فیملی کے ساتھ وقت گزارنا ہے تو پھر فیملی کے ساتھ ڈنر کرکے نیو ایئر وش کریں۔ اور اگر فرینڈز کو وش کرنا ہے تو واٹس اپ بہترین طریقہ ہے اور اگر دور دراز کے لوگ ہیں یعنی سلام دعا والے لوگ ہیں تو پھر فیس بک کے "ان باکس" پہ یا ایک اچھا سا status لگا کر وش کردیتا ہوں۔

2۔ 2016ء ماشاء اللہ بہت اچھا گزرا۔ اور ہر سال آپ کی زندگی میں کچھ نہ کچھ اچھا ضرور آتا ہے یہ اور بات ہے کہ آپ کو نظر نہیں آرہا ہوتا۔ اس کے ثمرات آپ کو بعد میں نظر آتے ہیں۔ اور ہر سال آپ کو ایک قدم آگے ہی لے کر جارہا ہوتا ہے اور میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہو رہا ہے۔ اللہ مجھے ترقی دے رہا ہے اور میں بہت اچھا گرو کر رہا ہوں (Grow)۔ 2016ء میں مجھے بہت کامیابیاں ملی ہیں۔

3۔ 2017ء پاکستان کے لیے ان شاء اللہ بہت اچھا ثابت ہوگا۔ کیونکہ "سی پیک" کا افتتاح ہوگیا ہے اور چائنا کی انوالومنٹ بڑھ گئی ہے کہ الیکٹرک بھی چائنا نے خرید لیا ہے۔ کراچی میں صفائی کا کام بھی چائنا نے لے لیا ہے۔ تو مجھے لگ رہا ہے کہ 2017ء میں

یاسر نواز (ڈائریکٹر+اداکار)

1۔ عید ہو' نیا سال ہو' یا کوئی بھی بڑا تہوار ہو۔ اگر کوئی مجھے sms کرتا ہے تو میں بھی اسے ایس ایم ایس کرتا ہوں۔ مگر اس کے نام کے ساتھ... اکثر لوگ ایک فارورڈ میسج ـــــ کو ڈیڑھ سو لوگوں کو فارورڈ کر دیتے ہیں۔ مگر میں ایسا نہیں کرتا۔ جیسے اگر آپ مجھے ایس ایم ایس کریں گے تو میں آپ کو آپ کا نام لے کر یا لکھ کر مبارک باد دوں گا اور مجھے ایسا ہی کرنا اچھا لگتا ہے کہ سامنے والے کو معلوم تو ہو کہ کسی نے ہمارا نام لے کر ہمیں یاد کیا ہے۔

2۔ 2016ء لکھتے اور لکھواتے گزرا' میں نے دو مووِیز لکھوائیں ایک ساتھ... ایک سیریل کیا "تم کون پیا" اس کی شوٹس ختم ہوتے ہی میں اسکرپٹ رائٹر کے ساتھ بیٹھ گیا... درمیان میں رمضان المبارک بھی آیا... عید بھی آئی... رمضان میں رائٹر اور میں افطاری کے بعد سحری تک کام کرتے تھے۔ تو بس ایسا گزرا 2016ء۔ میری فلموں کے نام ہیں "چکر" اور "مہوالنساء وی لو یو" گھر میں ہی 2016ء گزرا اور بہت اچھا گزرا۔

3۔ آپ 2017ء کہہ رہی ہیں میں کہتا ہوں کہ دو کروڑ ستره' دو ارب ستره سال تک میں پاکستان کو بہت اچھا دیکھتا ہوں۔ ان شاء اللہ اچھا رہے گا' اچھا سوچیں گے۔ اچھی امید رکھیں گے تو سب کچھ اچھا ہو گا۔ مشکلات آئیں گزر گئیں ایک تاریکی رات تھی جو میرے حساب سے گزر گئی اب ان شاء اللہ سب کچھ اچھا ہی ہو گا اللہ ہمارے پاکستان کو رہتی دنیا تک قائم و دائم اور آباد رکھے۔ ترقی کرتا رہے آگے بڑھتا رہے۔ (آمین)

خلیل الرحمٰن قمر (رائٹر)

1۔ زمانہ ترقی کر گیا ہے' یہ میں سوچتا رہتا ہوں اور سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں کہ سچ مچ ترقی کر گیا ہے پھر مجھے یاد آتا ہے کہ ایک زمانے میں میں شادباغ سے مال روڈ آدھے گھنٹے میں پہنچ جاتا تھا' شادباغ سے مال روڈ صرف گیارہ کلومیٹر ہے... اب میں دیکھتا ہوں کہ میرے گھر سے 10 کلومیٹر کے فاصلے پر واپڈا ٹاؤن ہے۔ وہاں میں پونے گھنٹے (45 منٹ) میں پہنچتا ہوں اپنی گاڑی سے۔ تو زمانے نے ترقی کی ہے یا تنزلی کا شکار ہے... یہ مجھے نہیں معلوم اور مجھے شرم آتی ہے کہ جو لوگ فیس بک پہ "فیس بک" کے "ان باکس" اور واٹس اپ میں نیو ایئر وش کرتے ہیں... وش کرنے کا وہی بہترین طریقہ تھا خوب صورت طریقہ تھا جس میں ہم کارڈ بھیجتے تھے' اپنے ہاتھوں سے لکھتے تھے اور جب

محبتیں اپنے بام عروج پہ ہوتی تھیں تو ہم اپنے خون سے لکھا کرتے تھے کہ تمہیں نیا سال مبارک ہو۔
2۔ میں نے زندگی میں کبھی سوچا ہی نہیں کہ ناکامی بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ جو وقت گزر گیا وہ کامیاب تھا ۔ ناکامیاں تو آپ کے آگے ہوں گی جن سے بچنے کی کوشش کریں۔
3 تو اگر یہی جمہوریت چلتی رہی اور یہی چور لٹیرے حکومت کرتے رہے۔۔۔ تو اللہ ہی مالک ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں جمہوریت سے زیادہ گھٹیا لفظ نہیں سنا۔ جو کم سے کم پاکستان میں سوٹ نہیں کرتا۔ میں بہت محب وطن انسان ہوں۔ مگر مجھے آگے کچھ اچھا نظر نہیں آرہا۔ میرے وطن پر خدا کی رحمت ہو۔

2۔ کامیابیاں اور سبق ملے۔ اس لحاظ سے اچھا گزرا۔
3۔ میں اپنے ملک کو ایک روشن پاکستان دیکھتا ہوں۔

علیزے طاہر (آرٹسٹ)

1۔ میں کال کرکے بھی وش کرتی ہوں جہاں ضروری ہوتا ہے اور ویسے بھی واٹس اپ پہ نئے سال کی مبارک باد دیتی ہوں۔
2۔ بہت اچھا گزرا۔۔۔ جو بھی سیریلز کیے۔ ماشاء اللہ سے کامیاب ہوئے۔
3۔ پاکستان کے لیے ہمیشہ اچھا ہی سوچتے ہیں اور اسے اچھا ہی دیکھتے ہیں۔ 2017ء کے لیے بھی دعا ہے کہ اللہ کرے پاکستان ترقی کرے اور قائم و دائم رہے۔

ماہم عامر (آرٹسٹ)

1۔ بچپن کی دوستوں کو اور کلوز فرینڈز کو کال پہ وش کرتی ہوں۔ ویسے تو ان کی شکل دیکھے بغیر میری کوئی خوشی مکمل نہیں ہوتی۔
2۔ 2016ء بہت اچھا گزرا۔ کام کے حوالے

سے بھی اور ویسے بھی اونچ نیچ تو زندگی میں آتی ہی رہتی ہیں۔
3۔ امید کرتی ہوں کہ 2017ء ملک کے لیے اچھا ثابت ہوگا۔ مہنگائی کم ہوگی' لوگوں کے مسائل ختم ہوں گے۔

محمد جنید (نیوز اینکر)

1۔ واٹس اپ اور فیس بک پہ وش کرتا ہوں۔

سونیا خان سے ملاقات

شاہین رشید

ڈرامہ سیریل "سایہ دیوار بھی نہیں" میں "ماں" کا رول کرنے والی ایک پیاری سی خاتون کو دیکھا تو غور کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ تو ماضی کی فنکارہ "سونیا خان" ہیں جنہوں نے میڈیا انڈسٹری کو اپنے بہت سے قیمتی سال دیے ہیں.... جنہوں نے فلم، تھیٹر اور ٹی وی ڈراموں میں کافی کام کیا اور جو ایک رائٹر بھی ہیں اور صاحب کتاب بھی ہیں.... سونیا خان "شوبز میں کافی سال کے بعد واپس آئی ہیں۔ کچھ ماضی اور کچھ حال کے سوالات کے ساتھ ان کے روبرو ہیں۔

★ "جی۔ سونیا صاحب کیسی ہیں آپ؟"

☼ "الحمدللہ۔"

★ "20 سال بعد آپ اسکرین پہ نظر آئیں.... اتنا لمبا گیپ؟"

☼ "جی.... اتنا لمبا گیپ میں نے خود دیا۔ کیونکہ میرے حساب سے اس وقت کچھ کرنے کو تھا نہیں۔ میں 93'94 میں شوبز کو خیرباد کہہ دیا تھا فلمیں اچھی بن نہیں رہی تھیں اور صرف ڈراموں پہ گزارہ کرنا ناممکن تھا۔ اگرچہ جن ڈراموں میں میں نے کام کیا جیسے کہ روزن' سورج کے ساتھ ساتھ اور مدار میرے ایسے سیریلز تھے جو کہ بہت پاپولر ہوئے تھے' مگر ہر ڈرامے میں میں تو نہیں آسکتی تھی نا.... ایک ہی چینل تھا پی ٹی وی.... اور اس کے معاوضے بھی بہت کم تھے' اب نام سے تو گزارہ نہیں ہو سکتا تھا.... مگر میں تو پھر بھی پی ٹی وی کی مشکور تھی کہ اس کی وجہ سے میرا نام ہوا۔"

★ "اب واپسی کی وجہ کیا ہے.... ڈھیر سارے چینل یا دل چاہا کہ کچھ کروں؟"

☼ "مجھے پہلی بار بھی "معنو بھائی" لے کر آئے تھے اور گیپ کے بعد بھی انہی کا اصرار تھا کہ میں دوبارہ اس فیلڈ میں آجاؤں۔ مگر میں نے انکار کر دیا.... یہ بات ہے 2013ء اور 2014ء کی اور پھر میرے دوستوں نے بھی بہت اصرار کیا کہ آپ کو دوبارہ فیلڈ میں آنا چاہیے۔ تو بس سب کے بے حد اصرار پر 2016ء میں میری واپسی ہوئی ڈراموں میں۔"

★ "سایہ دیوار بھی نہیں" میں آپ کا انتخاب کیسے ہوا؟ اور اتنی جلدی آپ کا کردار کیوں ختم کر دیا گیا تھا؟"

☼ "سایہ دیوار بھی نہیں" کے لیے مجھ سے ہم ٹی وی والوں نے رابطہ کیا تھا اور مجھے اس کردار کی آفر دی جو کہ میں قبول کی.... میرے کردار کو لوگوں نے بہت پسند کیا.... شکر گزار ہوں ان کی یہ اور جلدی کیوں ختم

ہے ..... ادب و لحاظ کم ہو گیا ہے ' سینئرز جونیئرز میں جو تمیز ہوا کرتی تھی اس میں کمی نظر آئی ہے ..... اور ایسا ہر دور میں ہوتا ہے ..... نہ کبھی سب کچھ اچھا ہو سکتا ہے نہ سب کچھ برا۔"

★ "معاوضوں میں تو بہت پر کشش اضافہ ہوا ہے ' کیا خیال ہے آپ کا؟"

❊ "آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں ..... معاوضوں میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے اور چونکہ میں ٹی وی میں فی الحال کام کر رہی ہوں تو اس کے بارے میں بتاؤں گی کہ پہلی ٹی وی ڈراموں میں کام کرنے کا معاوضہ سینکڑوں میں ملا کرتا تھا اور اب لاکھوں میں ملتا ہے تو اس فیلڈ میں تو بہت نمایاں فرق دیکھنے میں آیا ہے۔"

★ "آپ کی ایک کتاب بھی منظر عام پر آئی ہے اس کے بارے میں بتائیں کہ کیسے خیال آیا کہ آپ لکھ سکتی ہیں؟"

❊ "جی ہاں ..... میری ایک کتاب "آدھی صدی میں کتنی صدیاں" منظر عام پر آئی ہیں اور مجھے لکھنے کی طرف خیال نہیں آیا بلکہ یہ خیال مجھے "منو بھائی" نے دلایا ..... کہ تم لکھ سکتی ہو ..... چنانچہ میں نے "مسودہ" ان کو بھجوایا انہیں بہت پسند آیا انہوں نے ہی حوصلہ افزائی کی اور کہا کہ اسے ضرور چھپنا چاہیے ..... اور پھر کتاب چھپی اور "منو بھائی" کے ہاتھوں سے اس کی رونمائی ہوئی اور یہ میرے لیے بہت ہی اعزاز کی اور عزت کی بات ہے ..... اور ادبی حلقوں کی طرف سے جو پذیرائی ملی 'جو عزت ملی اس کے لیے میں سب کی بہت مشکور ہوں اور یہ میرے لیے باعث فخر بھی ہے۔"

★ "ڈرامہ سیریل لکھنے کی طرف رجحان ہوا؟"

❊ "نہیں جی ..... نہ رجحان ہوا نہ خیال آیا ..... کیونکہ میرے خیال سے یہ ایک الگ فن ہے۔ الگ ہنر ہے مجھے کوئی تجربہ نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی لکھ رہا ہو تو میں اس کو اسسٹ کر سکتی ہوں اور اس طرح شاید مجھے تجربہ ہو جائے ..... اکیلے سے کچھ کرنے کی ہمت نہیں پاتی ..... اور آنے والے وقت کے لیے کچھ کہہ نہیں سکتی۔"

ہوا تو اصل میں یہ سیریل ناول سایہ دیوار بھی نہیں کا ٹیلی پلے یا سیریل ہے اور چونکہ میرا کردار ناول میں بھی اتنا ہی تھا تو ختم کرنا پڑا ..... اور لوگوں نے بھی پوچھا کہ کردار جلدی کیوں ختم ہوا ..... تو یہی بتایا کہ بھئی کردار ہی اتنا تھا۔"

★ "مزید کیا انڈر پروڈکشن ہے؟"

❊ "میرے آنے والے سیریلز کی شوٹ جنوری 2017ء سے شروع ہوں گی۔ ان میں ایک کا نام "دل بے خبر" ہے اور اس میں میرا جو کردار ہو گا وہ ناظرین کے لیے ایک سرپرائز ہو گا ..... اس لحاظ سے کہ اب تک جو کردار میں نے کیے ہیں وہ ان سے مختلف ہو گا اور ..... عنقریب میرا ایک ویڈیو بھی ریلیز ہونے والا ہے۔"

★ "ایک طویل عرصے کے بعد جب آئیں اس فیلڈ میں تو کیا نمایاں فرق محسوس ہوا آپ کو؟"

❊ "جی ..... بہت فرق ہے۔ پہلے سے زیادہ پروفیشنلزم ہے۔ پہلے سے زیادہ ٹیکنالوجی ایڈوانس ہو گئی ہے۔ کام میں بھی تیزی آئی ہے ..... کافی چیزیں بہتر ہیں۔ مگر وقت کے ساتھ ساتھ اگر کچھ چیزیں بہتر ہوتی ہیں تو کچھ چیزیں زوال پذیر بھی ہوتی ہیں ..... زوال مجھے نظر آیا ہے کچھ چیزوں میں مثلاً "کمرشلزم زیادہ ہو گیا

★ "آج کے ڈراموں کے بارے میں بتائیں کہ کیا آپ ان کے معیار سے مطمئن ہیں اور کہا جاتا ہے کہ ڈائجسٹ کی رائٹر کی سوچ صرف ڈرائنگ روم تک ہے۔۔۔ کیا ایسا ہی ہے؟"

※ "میں نے اب تک جتنا دیکھا ہے مجھے ایسا ہی لگتا ہے کہ جیسے آپ ڈائجسٹ پڑھ رہے ہیں۔۔۔ اور بھی بہت اچھے ڈرامے بن رہے ہیں اور تجربات کیے جا رہے ہیں اور بہت کچھ وہ دکھایا جا رہا ہے جو پہلے نہیں دکھایا جاتا تھا ٹی وی ڈرامہ۔۔۔ "بولڈ" ہو چکا ہے کچھ چیزیں ضرورت سے زیادہ دکھائی جا رہی ہیں اور وہ اگر نہ بھی دکھائی جائیں تو بھی معاشرے میں بہتری لائی جا سکتی ہے۔۔۔ ضروری نہیں کہ بہت نمایاں کر کے دکھایا جائے جیسا کہ ہمارے ڈراموں میں ہو رہا ہے۔ ٹی وی کے لیے کہا جاتا ہے کہ ڈرائنگ روم میڈیا ہے تو اس کے تقاضوں کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔۔۔ اب جیسے انڈیا کی آرٹ موویز ہوتی ہیں جو کہ سینما میں دکھائی جاتی ہیں جو کہ ہمارے اختیار میں ہوتی ہیں کہ ہم دیکھیں یا نہ دیکھیں۔۔۔ لیکن ٹی وی تو سارے مل کر دیکھ رہے ہوتے ہیں اور جو ان چیزوں کو پسند نہیں کرتے وہ بھی مجبور ہو جاتے ہیں دیکھنے پر اور پھر کئی باتوں کو دیکھ کر عجیب سی شرمندگی سی ہو رہی ہوتی ہے۔۔۔ تو میرے حساب سے ایسے بولڈ ڈراموں کی اگر فلم بنا دی جائے تو زیادہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ آپ اتنے کھلے طریقے سے ٹی وی پہ دکھائیں۔۔۔ یہ میری رائے ہے۔۔۔ ضروری نہیں کہ آپ اس سے اتفاق بھی کریں۔"

★ "آپ نے فلم میں بھی کام کیا۔۔۔ کچھ اس کے بارے میں بتائیں' اس فیلڈ میں کس نے متعارف کرایا؟"

※ "اس میں بھی مجھے "منو بھائی" نے ہی متعارف کرایا۔۔۔ اور میرا تو ایسا کوئی ارادہ بھی نہیں تھا کہ فلم میں یا ٹی وی میں کام کروں۔۔۔ کیونکہ جب میں ساتویں جماعت میں پڑھتی تھی تو منو بھائی کو فلم کے لیے ایسے ہیرو ہیروئن کی ضرورت تھی جو اسکول کے لگیں۔۔۔ انہوں نے مجھے ایک تقریب میں دیکھا تھا اور میں ان

کے ذہن میں تھی۔۔۔ چنانچہ انہوں نے میری فیملی سے رابطہ کیا اور کہا کہ ایک فلم کے لیے ہمیں اس بچی کو لینا ہے۔۔۔ گھر والوں نے تھوڑی سی حجت کے بعد حامی بھر لی اور پھر منو بھائی کو بھلا کیسے انکار ہو سکتا تھا۔۔۔ فلم کا نام "دو بھیگے بدن" تھا اور مجھے یاد ہے کہ جب میں فلم کے سیٹ پہ گئی تو اسکول کے ڈریس میں اسکول بیگ کے ساتھ۔۔۔ اور آپ یقین کریں کہ فلم کی ریلیز کے بعد مجھے اتنی آفرز آئیں کہ میں حیران ہی رہ گئی اور 12' 13 فلموں ہوں گی۔۔۔ خیر میں باقاعدہ فلم آرٹسٹ بن گئی۔۔۔ اور یوں میں نے تقریباً "70" فلمیں کیں۔"

★ "کس نے فلم میں بہت شہرت دی؟ اور میں دیکھ رہی ہوں کہ آپ بہت دھیمے لہجے میں بات کرتی ہیں۔ تو فلموں میں اونچی آواز میں کیسے بول لیتی تھیں؟"

※ "مجھے میری پہلی ہی فلم نے شہرت دی۔ جس کا نام میں نے آپ کو بتایا "دو بھیگے بدن" اور جہاں تک دھیمے لہجے کی بات ہے تو یہ والدین کی تربیت کا نتیجہ ہے۔۔۔ پنجابی فلموں میں بہت اونچا بولنا پڑتا تھا۔۔۔ اور میں بولتی تھی۔۔۔ کیونکہ کام تو کرنا ہی تھا۔۔۔"

★ "ٹی وی پہ منو بھائی لائے۔۔۔ پہلی بار ڈرامے میں

بک کس نے کیا آپ کو؟"

✻ "جی... متعارف کرانے والے اور حوصلہ افزائی کرنے والے تو منو بھائی تھے البتہ پہلی بار ڈرامے میں بک کرنے والے عابد علی تھے۔ "سورج کے ساتھ ساتھ" میرا پہلا ڈرامہ تھا اور اس میں میں نے عابد علی صاحب کی بیٹی کا کردار ادا کیا تھا۔۔۔ عجب گل نے ہیرو کا رول کیا تھا۔ اس سیریل میں علامہ اقبال کے پوتے ولید اقبال نے میرے بھائی کا کردار کیا تھا۔۔۔ اور مستنصر حسین تارڑ جیسے رائٹر ہوں تو بھلا ڈرامہ کیوں نہیں پسند کیا جائے گا۔۔۔ بہت مقبول ہوا تھا یہ سیریل۔"

★ "اس زمانے میں تو ڈرامے کے وقت گلیاں سڑکیں سنسان ہو جایا کرتی تھیں... ایسا کیوں تھا؟ ڈرامے اچھے تھے یا لوگوں کے پاس ٹائم بہت تھا؟"

✻ "ڈرامے بہت اچھے ہوتے تھے۔ ڈراموں کی کہانیاں ہمارے اور آپ کے گھروں کی کہانیاں ہوتی تھیں۔ رائٹر بہت اچھے تھے' بڑی ریسرچ اور بڑی محنت کے بعد سیریل آن ایئر ہوتے تھے۔ تو پھر مقبولیت تو لازمی تھی باقاعدہ کاسٹنگ ہوتی تھی' ڈائریکٹر ایسے ہی کسی کو بک نہیں کرلیا کرتے تھے' بلکہ اس بات کا اچھی طرح جائزہ لیا جاتا تھا کہ آیا یہ بندہ یا بندی اس کردار کے لیے فٹ ہے یا نہیں... میرا نہ صرف یہ سیریل مقبول ہوا بلکہ دیگر سیریلز بھی بہت مقبول ہوئے۔"

★ "اب جبکہ آپ دوبارہ اس فیلڈ میں آگئی ہیں تو کردار کے حوالے سے آپ کی کوئی ڈیمانڈ ہوگی؟"

✻ "نہیں کوئی ڈیمانڈ نہیں ہوتی کیونکہ ڈائریکٹر خود فنکار کے اندر سے کردار نکالتا ہے اسے پتا ہوتا ہے کہ کون سا فنکار کس کردار کے لیے فٹ ہوگا۔۔۔ اس لیے میں بھی یہی سوچتی ہوں کہ ڈائریکٹر مجھے جس کردار کے لیے بہتر سمجھے گا بک کرلے گا۔"

★ "ڈراموں میں روتی دھوتی عورتوں کے بارے میں کیا کہیں گی؟"

✻ "ہم دراصل نرم دل اور جذباتی قسم کے لوگ ہیں۔ کسی کا رونا ہم سے برداشت نہیں اس لیے جب عورت کو روتے ہوئے دیکھتے ہیں یا ظلم ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ ہم جذباتی ہو جاتے ہیں اور ہمیں ایسے ڈرامے پسند آنے لگتے ہیں کہ دیکھیں آگے چل کر کیا ہوگا۔"

★ "آپ نے تھیٹر میں بھی کام کیا ہے؟"

✻ "جی بالکل کیا ہے اور مجھے تھیٹر میں لانے والے خالد عباس ڈار صاحب ہیں اور جس زمانے میں میں نے تھیٹر میں کام شروع کیا اس وقت بھی بہت معیاری ڈرامے ہوتے تھے اور ہمیں بہت کچھ سیکھنے کا موقعہ ملتا تھا اگرچہ تھیٹر میں کام کرنا مشکل ہے لیکن سچ پوچھیں تو تھیٹر میں کام کرکے ہی فنکار کو پتا چلتا ہے کہ وہ کتنے پانی میں ہے... پھر فنکار میں خود اعتمادی بھی آتی ہے کہ ہم کچھ کرسکتے ہیں۔"

★ "فلم' ٹی وی اور تھیٹر... دل کہاں لگا اور آسان کون سا میڈیم لگا؟"

✻ "کام کے معاملے میں دل تو سب جگہ لگا... لیکن اچھا ٹی وی کا میڈیم لگا... اور شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے شہرت بھی ٹی وی سے ہی ملی ہے۔"

★ "کس ڈائریکٹر کے ساتھ آپ نے زیادہ کام کیا؟"

✻ "کوئی بہت زیادہ کام تو میں نے ٹی وی پہ نہیں کیا... لیکن پھر بھی مجھے "راشد ڈار" کے ساتھ کام کرنے میں مزا آیا' ان سے میری کیمسٹری کافی ملتی تھی... اور ڈائریکٹر سہیل احمد کے ساتھ کام کرنے کا تجربہ بھی بہت اچھا تھا۔"

★ "گزرے زمانے اور آج کل کے ڈراموں میں کوئی نمایاں فرق محسوس کیا کہ پہلے ایسا نہیں تھا... اب ایسا ہے؟"

✻ "سونیا خان نے سوچتے ہوئے کہا... ہاں اب ڈراموں میں ٹائٹل سونگ آگئے ہیں مجھے یاد ہے کہ میرے ڈرامے "روزن" میں قدیم سانگ تھا...

ڈراموں میں تھیم سونگ اچھے لگتے ہیں۔"

★ "جی.... ڈراموں کے بارے میں تو کافی باتیں ہو گئیں.... کچھ ذاتی زندگی کے بارے میں بھی بتائیے؟"

✲ "ذاتی زندگی کچھ یوں ہے کہ میری ذاتی زندگی بہت سادہ ہے۔ جیسی ہر عورت کی ہوتی ہے۔ میں ایک بیٹی ہوں۔ بیوی ہوں اور ماں ہوں۔ اور مجھ پر بھی وہی ذمہ داریاں ہیں جو ایک خاتون خانہ پہ ہوتی ہیں۔ میرے ماشاء اللہ تین بچے ہیں اور میرے شوہر ایک لاء فرم کے لاء ایڈمنسٹریٹر ہیں.... عام لوگوں کی طرح ہم بھی اپنی زندگی جیتے ہیں۔"

★ "مشاغل؟"

✲ "اگرچہ خاتون خانہ کے مشاغل خاتون خانہ والے ہی ہوتے ہیں۔ لیکن میں تھوڑی سی مختلف ہوں۔ مجھے لکھنے کا بھی شوق ہے اور میں تھوڑی بہت ڈیزائننگ بھی کر لیتی ہوں.... تھوڑا بہت سوشل ورک بھی کر لیتی ہوں.... اور اگرچہ اداکاری کے معاملے میں 20 سال کا گیپ آ گیا مگر اداکار کسی نہ کسی طریقے سے اپنی فیلڈ سے جڑے ضرور رہتے ہیں۔ میں ڈرامے بھی دیکھتی رہی، فلمیں بھی اور ان سب سے واقف بھی رہی۔"

★ "گھریلو امور سے لگاؤ ہے؟"

✲ "بالکل ہے.... میں اپنے گھر کے سارے کام خود کرتی ہوں۔ کھانا بھی پکاتی ہوں، صفائی بھی کرتی ہوں۔ کپڑے بھی خود ہی دھوتی ہوں۔ برتن بھی دھوتی ہوں اور چونکہ ملک سے باہر ہوں تو سارے کام اس لیے بھی خود کرتی ہوں کہ یہاں ملازمین کی سہولیات نہیں ہوتیں اور اپنے کام خود ہی کرنے پڑتے ہیں.... گھر کی آرائش و زیبائش کے لیے اپنے ہاتھ سے بھی چیزیں بناتی ہوں.... گھر میں چونکہ دعوتیں بھی ہوتی رہتی ہیں تو سارا اہتمام خود ہی کرتی ہوں اور الحمدللہ میرے ہاتھ کے پکے کھانے سب کو پسند بھی آتے ہیں۔"

★ "بہن بھائی.... والدین؟"

✲ "میری ایک بہن کی وفات ہو چکی ہے وہ مجھ سے چھوٹی تھی۔ اب میں ہوں اور ایک بھائی.... اور والدین پاکستان میں رہتے ہیں۔"

★ "سیاست سے لگاؤ ہے.... ٹی وی کے کون سے پروگرام پسند ہیں؟"

✲ "سیاست سے لگاؤ ہے اور ٹاک شو زیادہ دیکھتی ہوں اور اپنے فیس بک پہ سیاست کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار بھی کرتی رہتی ہوں۔ ڈرامے زیادہ نہیں دیکھتی لیکن فلمیں زیادہ دیکھتی ہوں اور میوزک سے مجھے بہت لگاؤ ہے.... سیاست میں جو اتار چڑھاؤ ہوتا ہے وہ ہماری ذاتی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس لیے سیاست سے اپ ڈیٹ رہتی ہوں۔"

★ "مزاجاً" کیسی ہیں؟"

✲ "مزاج میرے بدلتے رہتے ہیں، لیکن عام لائف میں میں ایک ہنستے مسکراتے ہنسانے والی انسان ہوں۔ کوشش کرتی ہوں کہ میرے رویے دوسروں کے ساتھ بہتر رہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ میں بھی ایک انسان ہوں، تو دوسروں کے رویے مجھ پر اثر انداز ہوتے ہیں.... اور غصہ آنا ایک فطری عمل ہے، چڑچڑاہٹ بھی ہوتی ہے، رونا بھی آتا ہے.... یہ سارے احساسات ہمارے اندر ہوتے ہیں لیکن بنیادی طور پر ایک صلح پسند انسان ہوں۔ کوشش کرتی ہوں کہ مثبت رویے میری طرف سے دوسروں کو ملیں.... اور یہی خواہش یا توقعات مجھے دوسروں سے بھی ہوتی ہے۔ مگر ضروری نہیں کہ یہ توقعات پوری بھی ہو پائیں.... کیونکہ دنیا میں ہر طرح کے رویوں سے آپ کا واسطہ رہتا ہے اور کبھی کبھی دوسروں کے منفی رویے آپ کے اندر بھی منفی سوچ سوچنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے سونیا خان سے اجازت چاہی۔

☼ ☼

میری بھی سنیے

کامران جیلانی

شاہین رشید

1 "نام؟"
"کامران جیلانی۔"
2 "نک نیم؟"
"کامی۔"
3 "تاریخ پیدائش؟"
"5 اگست 1976ء۔"
4 "تعلیم؟"
"گریجویٹ۔"
5 "بہن بھائی؟"
"ہم دو ہی بھائی ہیں۔ بڑے عدنان جیلانی اور میں' بہن نہیں ہے۔"
6 "شادی ہوئی؟"
"ماشاءاللہ شادی کو آٹھ سال ہو گئے ہیں اور دو بچے ہیں۔ ایک بیٹا ہے "آیان" جو چھ سال کا ہے اور ایک بیٹی ہے۔ جس کا نام انابیہ اور اس کا مطلب ہے "جنت کا دروازہ" انابیہ نام مجھے بہت پسند ہے۔ بیٹی 10 ماہ کی ہے۔"
7 "دو بچوں میں پیار کس سے ہے؟"
"دونوں سے 'کیونکہ ایک نعمت ہے' ایک رحمت ہے۔ دونوں جگر کے ٹکڑے ہیں۔"
8 "مجھے کنٹرول نہیں؟"
"غصے پہ...... مگر اب کنٹرول کر لیتا ہوں' پہلے نہیں کر پاتا تھا جب میں نے دیکھا کہ لوگ وعدہ کر کے پورا نہیں کرتے۔ مس بی ہیو کرتے ہیں تو میں نے سوچا کہ یہ تو سب کچھ پورے معاشرے میں سرایت کر گیا ہے تو میں کیوں اپنا خون جلاؤں۔"
9 "اب غصہ اس وقت تک نہیں آتا؟"
"جب تک کوئی میرے "نرخرے" پہ ہاتھ نہیں رکھ دیتا۔ میں چپ چاپ سکون میں رہتا ہوں اور سیٹ پہ انجوائے کرتا ہوں اور ویسے بھی انجوائے کرتا ہوں۔"
10 "میں دکھتا ہوں کہ؟"
"اس معاشرے میں جھوٹ 'منافقت' بہت زیادہ ہو گیا ہے جو برداشت سے باہر ہوتا ہے۔"
11 "دنیا میں کیا چینج لانا چاہتا ہوں؟"
"اپنے ملک میں تو بہت زیادہ چینج لانے کی ضرورت ہے۔ دنیا میں چینج سے زیادہ اپنے لوگوں میں بھی تبدیلی لانا چاہتا ہوں۔ لوگوں میں صبر کا مادہ ختم ہو گیا ہے تو لوگوں میں صبر لانا چاہتا ہوں۔"
12 "شاپنگ کے لیے ایک لاکھ دیں تو کیا خریدوں گا؟"
"بہت کچھ اور بہت مختلف قسم کی چیزیں خرید سکتا ہوں... میرا کام ایسا ہے کہ مجھے کپڑوں کی ضرورت ہر وقت رہتی ہے وہ خریدوں گا اور کچھ چیزیں فیملی کے لیے خریدوں گا۔"
13 "بائیک چلاتی خواتین مجھے کیسی لگتی ہیں؟"
"کچھ کام عورتوں اور لڑکیوں پر بڑے اچھے لگتے ہیں

اور کچھ کام مردوں اور لڑکوں پر بہت اچھے لگتے ہیں۔ لیکن بائیک چلانے کو میں معیوب نہیں سمجھوں گا کہ آج کل خواتین بھی بہت کام کر رہی ہیں اور وہ اپنی سہولت کے لیے بائیک چلانا چاہتی ہیں تو ضرور چلائیں جب وہ جہاز چلا سکتی ہے تو بائیک چلانے میں کیا حرج ہے۔"

14 "خواتین کب بری لگتی ہیں؟"

"جب میں انہیں سگریٹ پیتے ہوئے دیکھتا ہوں۔"

15 "میں نے اپنے آپ کو تبدیل کیا ہے؟"

"کافی حد تک مجھ میں صبر کی کمی تھی' اب صبر کر لیتا ہوں۔۔۔ ٹینشن لے لیتا تھا۔ اب نہیں لیتا اور سیٹ پہ ہلا گلا کر کے کام کر رہا ہوں۔"

16 "میں چاہتا ہوں کہ لوگ مجھے دیکھ کر کہیں؟"

"کہ یہ بڑا اچھا اور بہت اخلاق والا بندہ ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ کے بیٹھے پیچھے اور آپ کے منہ پر کوئی آپ کی تعریف کر دے تو آپ شکر کے سجدے کریں۔"

17 "اگر کسی ڈرامے کے لیے گنجا ہونا پڑا تو؟"

"ہو جاؤں گا۔۔۔ بس پیسا ٹھیک ٹھاک ملنا چاہیے بلکہ میں جتنے پیسے مانگوں اتنے ہی دینے پڑیں گے۔"

18 "اگر تم مل جاؤ زمانہ چھوڑ دیں گے ہم" یہ شعر کس کے لیے پڑھو گے؟"

"اب کسی کے لیے نہیں پڑھوں گا' کیونکہ اللہ نے بہت کچھ مجھے دے دیا ہے۔"

19 "اچھی اور بری خبر سب سے پہلے سناتا ہوں؟"

"اپنی بیگم سے ہر خبر شیئر کرتا ہوں اور بیگم سے مشورے بھی بہت اچھے لگتے ہیں۔"

20 "اگر میں خودکش حملہ آور ہوتا تو کہاں بلاسٹ ہوتا؟"

"پارلیمنٹ میں (قہقہہ) پاکستان کی پارلیمنٹ میں بلاسٹ ہو گا۔۔۔ سب ختم ہو جائیں' تاکہ ملک صاف ستھرا ہو جائے۔ ویسے اللہ رحم کرے۔۔۔ کل کو واقعی کچھ ہو گیا تو میرا ہی نام آ جائے گا۔۔۔ (قہقہہ) خطرناک سوال ہے۔"

21 "اگر مجھ سے موبائل فون کی سہولت لے لی جائے تو؟"

"ایسا نہ کہیں' ساری روزی روٹی اسی سے چلتی ہے اور سب کی خیر خیریت بھی آسانی سے معلوم ہو جاتی ہے۔"

22 "اگر میں امریکہ کا صدر ہوتا تو؟"

"تو بہت بڑے بڑے کام کرتا اپنے ملک کے لیے۔ ویسے اگر اپنے ہی ملک میں کوئی اچھا عہدہ مل جائے تو زیادہ آسانی کے ساتھ اچھے کام کر سکوں گا۔"

23 "اگر مجھے دوبارہ تعلیمی دور میں جانا پڑے تو کون سے دور میں جاؤں گا؟"

"میں تو جی بالکل بچہ بن جاؤں گا۔۔۔ کیونکہ وہ ہی دور یادگار تھا۔ اسکول و کالج والا دور تو ہر کوئی چاہتا ہے مگر میں دوبارہ سے "کے جی" سے پڑھ کر آگے بڑھنا چاہوں گا۔"

24 "زندگی کا ایک ہی دن ہو تو خدا سے کیا دعا مانگوں گا؟"

"مجھے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز سے نوازا ہوا ہے۔ اس لیے اپنے لیے مغفرت کی دعا ہی مانگوں گا۔"

25 "مجھے اگر بلینک چیک مل جائے تو کتنی رقم لکھوں گا؟"

"پہلے تو یہ پتا چلے کہ اس اکاؤنٹ میں رقم کتنی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ میں لکھ لوں اور چیک باؤنس ہو جائے۔"

26 "اگر جہاز کا اوپن ٹکٹ مل جائے تو کہاں جاؤں گا؟"

"مجھے "ترکی" بہت پسند ہے تو وہیں جانا پسند کروں گا وہاں کے لوگ اور وہاں کا موسم بہت اچھا ہوتا ہے۔"

27 "کوئی گہری نیند سے اٹھا دے تو؟"

"میں تو اکثر گہری نیند سے بے دار ہوتا رہتا ہوں۔ کبھی کوئی ملنے آجاتا ہے۔ کبھی بیگم کو کوئی کام یاد آجاتا ہے۔ مجھے تو اب عادت ہو گئی ہے۔"

28 "اگر کسی اینکر اور مارننگ شو پہ پابندی لگانی پڑی تو کس کو لگاؤں گا؟"

"میں سارے مارننگ شوز پہ پابندی لگا دوں گا.... سب بکواس اور فضول ہوتے ہیں اور ناظرین کو بے وقوف بنا رہے ہوتے ہیں۔ اگر content (مواد) اچھا ہو تو پھر جاری رہنے میں کوئی حرج نہیں۔ ٹوٹکے بتانا بند کریں۔"

29 "کس لمحے نے میری زندگی بدل دی؟"

"جب والد صاحب کا انتقال ہوا.... کیونکہ ان کے ہوتے ہوئے زندگی بہت حسین تھی.... سوچتا تھا کہ زندگی کیسے گزرے گی.... مگر پھر اللہ نے مجھ پر ایسا کرم کیا کہ آج 21 سال ہو گئے اس فیلڈ میں بہت اچھی کمائی کر رہا ہوں۔"

30 "رقم کس انداز میں بچاتا ہوں؟"

"میں ماشاء اللہ خرچ کے حوالے سے بڑا کفایت شعار مشہور ہوں۔ پہلے کنجوس مشہور تھا.... بیٹی کی پیدائش کے بعد گولڈ کی شکل میں سیونگ کرتا ہوں۔"

31 "مجھے کفایت شعار کس نے بنایا؟"

"میری بیوی نے جہاں میں نے فضول خرچی کی وہ فوراً" کہتی ہے آپ درختوں سے اتار کر پیسا نہیں لائے محنت سے کما کر لاتے ہیں اس لیے فضول خرچی نہ کریں۔"

32 "میں خوف زدہ رہتا ہوں؟"

"کہ خدانخواستہ مجھے اگر کچھ ہو گیا تو میری فیملی کا کیا ہو گا۔"

33 "کوئی ایسی تاریخ جو کبھی بھول نہیں سکتے؟"

"جس دن والد صاحب کا انتقال ہوا تھا۔ 30 اکتوبر کا دن تھا۔"

34 "میں آنسوؤں سے رویا تھا؟"

"جب ایک مارننگ شو میں ایک کالر نے میرے والد کی تعریف کی تو میں بے ساختہ رو پڑا۔ جبکہ والد کی وفات پہ مجھے "سکتہ" ہو گیا تھا اور میں رویا نہیں تھا۔ مگر پروگرام میں جب سارا غبار نکلا تو بہت رویا۔"

35 "میں اکثر سوچتا ہوں؟"

"اب میں نے سوچنا چھوڑ دیا ہے حال میں آپ جی رہے ہیں ماضی آپ کا گزر چکا مستقبل کا پتا نہیں... تو بس جو تھوڑا بہت سوچتا ہوں "حال" کے بارے میں ہی سوچتا ہوں۔ فیملی اور کام کا سوچتا ہوں۔"

36 "بات دل میں رکھتا ہوں یا کہہ دیتا ہوں؟"

"پہلے میں ہر بات کہہ دیتا تھا تو مجھے میری بیگم نے سمجھایا کہ آپ اتنے بھی سچے انسان نہ بنیں کیونکہ سچائی لوگوں کو ہضم نہیں ہوتی۔ اگر مجھے کسی کی پرفارمنس بری لگتی تھی تو میں منہ پر کہہ دیتا تھا۔ تو واقعی یہ بات بری تھی۔ اب احتیاط کرتا ہوں۔"

37 "کس ڈیزائنر کے کپڑے پہنتا ہوں؟"

"میں ان چیزوں کو نہیں مانتا اور اگر کسی ڈرامے میں ضرورت ہو تو پھر "ہمایوں عالمگیر" کے ڈیزائن کردہ ڈریسز پہنتا ہوں۔ مجھے برانڈز کا اتنا کریز نہیں ہے۔"

38 "رومانٹک سین کو سنجیدہ لیتا ہوں؟"

"ہرگز نہیں مجھے معلوم ہے یہ ڈرامہ ہے۔ سین اوکے ہوتا ہے تو وہ اپنی راہ لیتی ہے اور میں اپنی، بس کیونکہ ہم فنکاروں کو اپنی حدود کا علم ہوتا ہے۔"

39 "کبھی کسی سین میں کسی کو سچ مچ مارا؟"

"شروع شروع میں بڑا جذباتی انسان تھا اور تھپڑ والا کوئی سین ہوتا تھا تو سچ مچ مار دیتا تھا۔ مگر اب ایسا نہیں ہے۔"

40 "بچپن میں سوچا تھا کہ بڑے ہو کر یہ بنوں گا؟"
"نہیں کبھی نہیں سوچا تھا کہ بڑے ہو کر ایکٹر بنوں گا میں تو بہت شرمیلا انسان تھا۔"
41 "غصے میں کیا کرنے کو دل چاہتا ہے؟"
"یہ غصے کی نوعیت پر ہے کہ غصہ کس بات پر آرہا ہے۔"
42 "ایک محبت جو بھول نہیں سکتا؟"
"بھولنا کیا ہے.... جس سے محبت کی اس سے شادی کرلی۔"
43 "گھومنے پھرنے کا شوقین ہوں؟"
"بہت زیادہ.... موقعہ ملتا ہے تو بیگم کے ساتھ لونگ ڈرائیو پہ نکل جاتا ہوں۔ اور آؤٹنگ پہ جانے کی عادت میرے بیٹے میں بھی ہے۔"
44 "کس کو دیکھے بنا نیند نہیں آتی؟"
"اب تو میری کل کائنات میرے بیٹے اور بیگم ہے۔ بس انہی کو دیکھے بنا نیند نہیں آتی۔"
45 "آئینہ کو کتنا ٹائم دیتا ہوں؟"
"میری بیگم کہتی ہیں کہ میں آئینے کو بہت ٹائم دیتا ہوں۔ جبکہ ایسا کچھ نہیں ہے۔ نارمل ٹائم دیتا ہوں۔"
46 "کس شخصیت کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں؟"
"نہیں ایسی کوئی شخصیت نہیں ہے۔"
47 "بھوک کو کم کرنے کے لیے کیا کھاتا ہوں؟"
"فروٹ زیادہ شوق سے کھاتا ہوں۔"
48 "فٹ رہنے کے لیے کیا کرتا ہوں؟"
"ایکسر سائز کرتا ہوں۔ ہیلدی ڈائٹ بس۔ بھوک کم کرنے کے لیے کم بالکل نہیں کھاتا۔ بلکہ ایکسر سائز پہ زیادہ زور دیتا ہوں۔"
49 "پسندیدہ ذائقے؟"
"ہر ذائقہ پسند ہے' ہر چیز کھالیتا ہوں۔ دال بھی اگر اچھی بنی ہوئی ہوگی تو وہ بھی شوق سے کھالیتا ہوں۔"
50 "کیا اچھا پکا لیتا ہوں؟"
"چائے اچھی بنا لیتا ہوں۔ خوش قسمتی سے میری بیگم بہت اچھی کک ہے۔ بہت ذائقہ ہے ان کے ہاتھ میں۔"
51 "کسی کی تعریف میں بس وہی جملے کہتا ہوں؟"
"ایسا نہیں ہے۔ شخصیت اور اس کا کام دیکھ کر تعریف کرتا ہوں۔"
52 "ایک گیم جو ضرور دیکھتا ہوں؟"
"کرکٹ ضرور دیکھتا ہوں۔"
53 "پسندیدہ ملک؟"
"اپنا ملک بہت اچھا ہے' گھومنے کے لیے ترکی۔"
54 "پسندیدہ شہر؟"
"نادرن ایریاز.... بہت پسند ہیں۔ پہاڑی علاقے بہت خوب صورت ہیں۔"
55 "ایک صحافی جن سے شکایت ہے؟"
"کوئی نہیں.... سب بہت اچھے ہیں بہت عزت کرتے ہیں میری۔"
56 "شوبز میں جگہ بنانے کے لیے کیا ضروری ہے؟"
"محنت اور صرف محنت اور صرف شوبز میں نہیں کسی بھی فیلڈ میں جگہ بنانے کے لیے محنت بہت ضروری ہے۔"
57 "ایک جھوٹ جو اکثر بولتا ہوں؟"
"یہی کہ ابھی مصروف ہوں' ذرا فیملی کے ساتھ نکلا ہوا ہوں.... میرے خیال میں یہ کوئی ایسی جھوٹ نہیں ہے کہ جس سے کسی کا نقصان ہو.... ایسا ہر کوئی کرتا ہے۔"
58 "اپنا ایک ڈرامہ جو فراموش نہیں کر سکتا؟"
"مریم.... کچھ عرصہ قبل ٹیلی کاسٹ ہوا تھا۔"
59 "ایک نصیحت جو لڑکیوں کو کرنا چاہتا ہوں؟"
"میں نے دیکھا ہے کہ لڑکیوں میں صبر کا مادہ بہت کم ہوتا ہے اور یہ خامی شادی کے بعد بہت نقصان دہ ثابت ہوتی ہے تو اپنے اندر برداشت کا مادہ پیدا کریں۔"
60 "گھر آکر دل چاہتا ہے کہ...."
"بچوں کے ساتھ وقت گزاروں' آرام کروں' اپنے پسندیدہ پروگرام دیکھوں' پرسکون ماحول میں فیملی کے ساتھ وقت گزاروں۔"

عباد گیلانی بلڈ کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا ہے۔ وہ اپنی بیوی مومنہ کو طلاق دے کر اپنے بیٹے حازم کو اپنے پاس رکھ لیتا ہے اور دوسری شادی عاظمہ سے کرلیتا ہے۔ حازم اپنی ماں عاظمہ اور بھائی بابر کے ساتھ اچھی زندگی گزار رہا ہوتا ہے' مگر اپنے باپ عباد گیلانی کی بیماری کی وجہ سے فکر مند رہتا ہے۔ جب کہ عاظمہ اور بابر اپنی سرگرمیوں میں مصروف رہتے ہیں۔ عباد گیلانی کو اپنی بیماری میں احساس ہوا ہے کہ اس نے حازم کی ماں مومنہ کے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔ عباد گیلانی مومنہ کے باپ یاور علی کو بلاتا ہے اور اپنی غلطیوں کی معافی مانگتا ہے اور حازم کو خاص طور سے اس کے نانا یاور علی سے ملواتا ہے' مگر حازم اپنے نانا سے مل کر اچھے تاثرات کا اظہار نہیں کرتا' مگر بعد میں اپنے باپ کی خواہش پر ان کے ساتھ اپنے نانا کے گھر جاتا ہے اور اپنی ماں مومنہ سے ملتا ہے۔ ماں سے مل کے تمام شکوے بھول جاتا ہے اور اسے احساس ہوتا ہے کہ اس کے باپ نے اس کی ماں کے ساتھ زیادتی کی ہے۔

حوریہ مومنہ کی بھتیجی سے بے حد محبت کرتی ہے اور مومنہ بھی اسے بے تحاشا چاہتی ہے' حازم جب حوریہ کو دیکھتا ہے تو اس کے دل میں حوریہ کے لیے پسندیدگی کے جذبات ابھرتے ہیں اور یہی حال حوریہ کا بھی ہوتا ہے۔ عباد گیلانی حوریہ سے مل کر بہت خوش ہوتا ہے کیونکہ حوریہ میں اسے مومنہ کا عکس نظر آتا ہے اور حازم سے پوچھ کر اس کے نانا یاور علی سے دونوں کی شادی کی بات کرتا ہے۔

حوریہ اپنی دوست فضا سے بہت محبت کرتی ہے' فضا کی ایک امیرزادے سے دوستی ہے اور وہ گھر والوں سے چھپ کر اس سے ملتی ہے۔ حوریہ کو اس بات سے اختلاف ہے' وہ فضا کو بہت سمجھاتی ہے کہ اس راستے پر نہ چلے' مگر فضا نہ مانی اور آخر کار ایک دن محبت کے نام پر بربادی اپنی قسمت میں لکھوا لیتی ہے اور اس بات کا پتا اس کی سوتیلی ماں جہاں آرا کو چل جاتا ہے اور وہ اپنے بھانجے نصیر سے اس کی شادی کرنے کا پروگرام بنا لیتی ہے۔ جبکہ فضا اس پر راضی نہیں ہوتی حوریہ کو جب پتا چلتا ہے تو وہ فضا کو سمجھاتی ہے اس امیرزادے کو کہے کہ وہ اس سے شادی کرے اور فضا اس کو مجبور کرتی ہے کہ یہ بات

وہ خود اس کو سمجھائے اور فضا کے مجبور کرنے پر جب وہ بابر سے ملتی ہے تو اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوتا اسے بابر سے ہرگز نہیں ملنا چاہیے تھا اور اس بات پہ بھی افسوس ہوتا ہے کہ اس نے ایک غلط لڑکی کو دوست بنایا... اب آگے

بارہویں قسط

جے گی کیسے بساطِ یاراں کہ شیشہ و جام بجھ گئے ہیں
سجے گی کیسے شبِ نگاراں کہ دل سرِ شام بجھ گئے ہیں

وہ تیرگی ہے رہِ بتاں میں چراغِ رخ ہے نہ شمعِ وعدہ
کرن کوئی آرزو کی لاؤ کہ سب در و بام بجھ گئے ہیں

بہار اب کے آکے کیا کرے گی کہ جس سے تھا جشنِ رنگ و نغمہ
وہ گل سرِ شاخ جل گئے ہیں وہ دل تہِ دام بجھ گئے ہیں

"گیلانی ہاؤس" میں صفِ ماتم بچھی ہوئی تھی۔ وسیع و عریض کوٹھی میں لوگ کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔ پارکنگ لاٹ گاڑیوں سے اٹا پڑا تھا باہر سڑک تک گاڑیوں کی لمبی قطاریں تھیں۔

اندر خواتین رو رو کر نڈھال ہو چکی تھیں صدمہ کوئی معمولی تو نہ تھا ایک توانا شجر جڑ سے اکھڑ چکا تھا گیلانی ہاؤس کا جوان جہاں خوبرو کڑیل۔ حازم گیلانی گاڑی کے حادثے میں خالقِ حقیقی سے جا ملا تھا۔ اس کی موت سانحہ تھی ایک پہاڑ بن کر ٹوٹا تھا گیلانی ہاؤس والوں پر....

حوریہ اس حادثے میں زندہ بچ گئی تھی بس چوٹیں آئی تھیں۔ اسے فوری ہاسپٹلائز کر دیا گیا تھا' جہاں وہ مسلسل چھ گھنٹے بے ہوش رہی تھی۔ اس کے بعد ہی ہوش میں آئی اور پھر ہوش کھو دیتی۔ اس کی ذہنی حالت بے حد خراب تھی۔ وہ اس صدمے کو قبول نہیں کر پا رہی تھی کہ حازم اس کا سنگی ساتھی' اس کا محبوب اس سے بچھڑ چکا ہے ہمیشہ کے لیے....

وہ چلا رہی تھی درد سے بلک رہی تھی۔ صدمے سے چور تھی۔ اسے بس چند گھڑیوں کے لیے گیلانی ہاؤس لایا گیا تھا حازم کا آخری دیدار کرانے.... اور جب حازم کو اس کی آخری آرام گاہ تک لے جایا جا رہا تھا وہ بے ہوش ہو چکی تھی اسے اسپتال منتقل کر دیا گیا تھا۔

عباد گیلانی کا وجود تو مٹی کے ڈھیر کی طرح بستر پر پڑا تھا کڑیل جوان بیٹے کی اندوہناک موت نے ان کے اعصاب شل کر دیے تھے۔ وہ بس خالی خالی نظروں سے پرسہ دینے والوں کو آتے جاتے دیکھ رہے تھے۔ بابر گو کہ غم سے نڈھال تھا بھائی کی ناگہانی موت نے اسے صدمے سے دوچار کیا تھا' مگر وہ اپنے اعصاب سنبھالے' سب کو سنبھال رہا تھا۔ ہر آنے والے کو اٹینڈ کر رہا تھا۔

اوھر یاور علی کے گھر میں بھی گویا قیامت ٹوٹی۔ مومنہ کا سینہ تو غم کے اس بوجھ سے پھٹ رہا تھا۔ حازم کا جوان مسکراتا وجود اس کی نگاہوں سے کیسے مٹ سکتا تھا۔ اسے اپنے اعصاب دھنکی ہوئی روئی کی طرح بکھرے محسوس ہو رہے تھے جیسے دل کے اندر صور پھونک دیا گیا ہو.... قیامت کا شور اٹھ گیا ہو.... قیامت ہی تو تھی۔ بائیس سال بعد اس نے "گیلانی ہاؤس" میں قدم رکھا تو' کبھی گمان بھی نہ گزرا تھا کہ یوں جواں سال بیٹے کو کفن میں ملبوس دیکھنے آئے گی۔ اس گھر میں اس کا بیٹا ابدی نیند سو چکا تھا۔ اس سے ہمیشہ کے لیے دور ہو چکا تھا۔ ایک پہاڑ تھا دکھ کا جس کے نیچے اس کی روح دب چکی تھی یوں کہ وہ بین بھی نہ کر پا رہی تھی بس پتھرائی نظروں سے بیٹے کو رخصت ہوتے دیکھ رہی تھی۔

عاظمہ' سیاہ رنگ کے لباس میں ملبوس منتشر بالوں پر ہاتھ پھیرتی غم سے نڈھال' یکدم مومنہ کی جانب بڑھیں اور دوسرے پل کسی ٹوٹی شاخ کی طرح اس کے سینے سے آ لگیں' مگر خود جس کا سینہ کھنڈر ہو رہا تھا وہ اس پر کیا تسلی بھرا ہاتھ رکھتی۔

"ہمارا بچہ چلا گیا مومنہ۔۔۔ وہ ہمیشہ کے لیے ہمیں چھوڑ کر چلا گیا۔ دیکھو۔۔۔ میرا گھر اجڑ گیا یہ کوٹھی ویران ہو گئی۔" عاظمہ بلک بلک کر رو رہی تھیں بین کر رہی تھیں۔ ہر آنکھ یہ منظر دیکھتے ہوئے اشکبار تھی۔ مومنہ بے حس و حرکت دیوار سے لگی اس جگہ کو گھور رہی تھی جہاں کچھ دیر پہلے حازم سو رہا تھا۔ سفید کفن میں چمکتے پرنور چہرے کے ساتھ۔

جن کو اٹھنا ہے وہ تو اٹھ جاتے ہیں چپکے سے شکیل
بعد ان کے گریہ ہی سہی ماتم ہی سہی

"حوریہ۔۔۔ حوریہ کیسی ہے میری بچی۔" ادھر رقیہ بھابھی تڑپ کر پوچھ رہی تھیں۔

"مت پوچھیں اس کی حالت۔ دکھ ہی ایسا ہے غیروں کی آنکھیں بھی بھیگ جائیں۔" کوئی ان سے کہہ رہا تھا۔

"میں جاتی ہوں اس کے پاس۔" وہ بے قراری سے اٹھیں مگر اٹھتے اٹھتے یکدم ان کی آنکھوں سے ایک بار پھر جھرنا پھوٹ نکلا۔ وہ وہیں بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ عورتیں انہیں سنبھالنے لگیں۔

☼ ☼ ☼

حوریہ کی آنکھ کھلی تو اسے اپنا سر اس قدر بھاری لگ رہا تھا جیسے پتھر کی سل ہو۔ کنپٹیوں پر شریان کی جگہ لوہے کی تاریں کھنچی ہوں۔ آنکھیں یوں جل رہی تھیں جیسے ان میں انگارے بھر دیے گئے ہوں۔ وہ آنکھیں کھولنے کی کوشش کرتی تو اسے لگتا۔ آگ کی لپٹیں اٹھ رہی ہوں۔ وہ اٹھنے کی کوشش کرنے لگی مگر چکرا کر سر دوبارہ تکیے پر رکھ دیا۔ ذہن آہستہ آہستہ بے دار ہو رہا تھا جیسے کوئی دھند دھیرے دھیرے چھٹ رہی ہو۔ ہر منظر واضح ہو رہا تھا۔

"حازم۔" اس کے لبوں پر سسکاری کے ساتھ بس یہی نام ادا ہو سکا۔ سفاک حقیقت آگ بن کر اس کی آنکھوں کو ایک بار پھر جلانے لگی۔ نرس اسے ہوش میں آتے دیکھ کر لپک کر اس کے پاس آئی۔ وہ اب تکیے پر اپنا سر پٹخ رہی تھی۔

"میں کیوں زندہ ہوں۔ میں کیوں جھلس رہی ہوں جل کر خاک کیوں نہ ہو گئی۔ مجھے کیوں بچا لیا۔" وہ تڑپنے لگی۔ نرس بڑی چابک دستی سے اس کے ہاتھ میں انجکشن لگانے لگی۔

"پلیز۔۔۔ پلیز مجھے مت سلاؤ۔ میں جاگنا چاہتی ہوں۔ حازم کو دیکھنا چاہتی ہوں۔ وہ چلا جائے گا۔" وہ کرب سے رونے لگی۔

"مجھے جانے دو۔ صرف ایک بار اس کا چہرہ دیکھنے دو۔ وہ سب اسے لے کر جا رہے ہیں۔۔۔ مجھے ملنے دو۔۔۔ پلیز ملنے دو۔" اس کی کرب ناک آوازیں مدھم ہونے لگیں۔ اس کی سلگتی آنکھیں ایک بار پھر بند ہونے لگیں۔

یاور علی، عادل بھائی اور رقیہ بھابھی جب اسپتال پہنچے تو تب تک وہ ایک بار پھر نیند کی وادی میں اتر چکی تھی۔ نرس انہیں حوریہ کی کنڈیشن کے بارے میں بتانے لگی رقیہ بھابھی رونے لگیں۔

"ابا جی۔۔۔ میری بچی کیسے سنبھلے گی۔ کیسے فیس کرے گی ابھی تو آپریشن بھی ہونا ہے اس کا۔۔۔"

"میرا رب بڑا رحیم ہے وہ ہی اسے صبر اور حوصلہ دے گا۔ جو غم دیتا ہے تو بھرتا بھی وہی ہے۔ تم حوصلہ ہار دو گی تو اسے کیسے حوصلہ دو گی۔" یاور علی اپنی نم آلود آنکھیں پونچھتے ہوئے انہیں سمجھا رہے تھے۔ تسلی دے رہے تھے۔

عادل بھائی غم زدہ سے روم سے باہر نکل گئے اور راہداری میں رکھے بینچ پر ہی بیٹھ گئے جیسے مزید چلنے کی سکت نہ ہو۔

حوریہ کا فوری آپریشن ناگزیر تھا چونکہ اس کی ذہنی حالت کے پیش نظر بچے کی ڈلیوری ضروری تھی۔ ورنہ ڈاکٹر کے مطابق بچے پر منفی اثرات مرتب ہو سکتے تھے اور حوریہ کی حالت بھی مزید بگڑ سکتی تھی پھر یہ کیس پیچیدگی اختیار کر لیتا۔ سو رات کو ہی اس کا آپریشن ہونا تھا اور چونکہ بچے کی زندگی اب حوریہ کے لیے بھی بے حد اہمیت اختیار

کر گئی تھی۔ اس کے پاس حازم کی وہی نشانی تھی جیتی جاگتی۔
یہ رات سب پر بہت بھاری تھی۔ حازم اپنی آخری آرام گاہ میں آرام کر رہا تھا اور حوریہ اس کے بچے کو جنم دے رہی تھی۔ بابر اور عاطمہ بھی اسپتال میں تھے۔ عجیب صورت حال تھی۔ غم سے نڈھال سارے وجود ایک اچھی خبر سننے کے منتظر تھے۔ بے قراری سے ادھر ادھر ٹہل رہے تھے اور اندر دو وجود تڑپ رہے تھے' ایک دنیا میں آنے کے لیے دوسرا جانے کے لیے مچل رہا تھا۔
فجر کی اذان کے ساتھ حازم کے بے حد خوب صورت بچے نے دنیا میں قدم رکھ کر زور زور سے رونا شروع کر دیا تھا۔ یہ بتا رہا تھا شاید کہ دنیا ہے ہی رونے اور الم کی جگہ۔۔۔ یہاں خوشی ناپائیدار اور عارضی ہے۔ یہاں کا قیام مختصر اور بلبلے کی طرح پل بھر میں پھوٹ جانے والا' مگر اس کے باوجود ہر آنے والا وجود زندگی کا احساس بھر جاتا ہے۔ مایوس دلوں میں جان ڈال دیتا ہے۔ اس کا رونا ایک خوب صورت ساز کی طرح کانوں کو بھلا لگتا ہے' یہ فطرت قانون ہے۔ قدرت اپنے بندوں کو موت تک پر امید' پر حوصلہ رکھتی ہے۔ اسے دنیا کی حقیقت سے آگاہ کرنے کے ساتھ اسے دنیا کی تمام مراعات بھی دیتی ہے۔
گیلانی ہاؤس میں بھی اس گھپ اندھیرے میں خوشی کی کرن پھوٹی تھی۔ عباد گیلانی کے پتھرائے وجود میں گویا زندگی دوڑ گئی تھی۔ بابر نے ان کی گود میں حازم کا نومولود بچہ ڈالا تو وہ ڈبڈبائی نظروں سے بچے کو دیکھنے لگے۔ دوسرے پل سینے سے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔
"مجھے معاف کر دینا حوریہ۔۔۔ میں مومنہ سے کیا ہوا وعدہ نبھا نہیں سکا۔ میں تمہاری آنکھوں میں ایک قطرہ دیکھ کر خوف زدہ ہو جاتا تھا' تم پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ میں بے بس ہو گیا۔ اتنی ہی عمر میں تم نے زندگی کا انتا بد صورت چہرہ دیکھ لیا ہے۔۔۔ مجھے معاف کر دینا۔" وہ روئے جا رہے تھے۔
"میں ہر ایک سے لڑ سکتا تھا' مگر تقدیر سے نہیں لڑ سکتا۔ میں قدرت کی طاقت کے آگے بے بس ہو گیا۔ مجھے معاف کر دینا حوریہ۔۔۔" وہ بے بسی اور لاچاری کی تصویر بنے تکیے پر سر رکھے روتے رہے۔

☆ ☆ ☆

نصیر کمرے میں داخل ہوا تو ہمیشہ کی طرح فضا نیند کی گولی کھا کر سو نہ رہی تھی بلکہ جاگ رہی تھی اور جاگ تو وہ مسلسل کئی دنوں سے رہی تھی اور آج اس نے سونے کا ڈرامہ بھی نہیں کیا یوں ہی مسہری سے پیر لٹکائے بیٹھی رہی۔ اس نے معمول کے مطابق اپنے کرتے کی جیب سے اپنا موبائل' سگریٹ کا پیکٹ' لائٹر نکال کر تپائی پر رکھتے ہوئے چونک کر اسے دیکھا۔
"کیا بات ہے آج تم سوئی نہیں ہو۔" اس کا متعجب ہونا اتنا غلط بھی نہیں تھا۔
"آج سونے کو دل نہیں کر رہا تھا۔" وہ آہستگی سے بولی اور پلکیں جھپک کر ہلکی سی سانس کھینچتے ہوئے پیروں میں سلیپر ڈالتے ہوئے بولی۔
"کھانا کھائیں گے؟" وہ پھر حیران ہوا' تاہم حیرانگی سمیٹ کر اپنا کرتا کرسی سے اٹھاتے ہوئے بولا۔
"نہیں۔ اماں نے بھی پوچھا میں نے منع کر دیا۔ دراصل آج کچھ پرانے یار دوست مل گئے تھے تو دکان پر ہی کھانا منگوا کر کھا لیا تھا ان کے ساتھ۔" وہ غسل خانے کی جانب بڑھتے ہوئے بولا۔ پھر رک کر اسے دیکھتے ہوئے بولا۔
"ہاں اگر چائے مل جائے تو۔۔۔" پھر ہلکے سے مسکرا کر بولا۔ "تم جاگ رہی ہو مجھے خوشی ہوئی۔ کچھ دیر مل کر بیٹھیں گے' باتیں کریں گے۔" فضا نے بے اختیار اس کی طرف دیکھا پھر یک دم نظریں چرا کر اٹھ کر کمرے سے

باہر نکل گئی۔
عجیب بے زاری اور بے دلی کی زندگی گزار رہی تھی۔ چائے کا پانی چڑھاتے ہوئے اس نے گھر کے سناٹے پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی۔ اسی سے کہیں زیادہ سناٹا تو اسے اپنے اندر محسوس ہو رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا زندگی ٹھہری گئی ہو اور وہ اس دنیا کا ایک بے کار عضو ہو کر رہ گئی ہو۔ جس کا ہونا کیا اور نہ ہونا کیا...
بچے اس کے ارد گرد منڈلاتے مگر وہ اجنبیوں کی طرح ان کے درمیان بیٹھی رہتی۔ اسے سمجھ نہیں آتی کہ وہ ان سے کیا باتیں کرے اور کرے بھی تو کیوں کرے...؟ کیا تعلق تھا اس سے... اس کی یہ بے گانگی لاتعلقی کو گھر کا ہر فرد محسوس کر رہا تھا مگر مصلحتاً "چپ تھا۔ شاید اسے وقت دیا جا رہا تھا ماحول میں ڈھل جانے کے لیے یا...
چائے ابل کر باہر آ رہی تھی۔ اس نے جلدی سے چولہا بند کیا اور کپ میں نکال کر ٹرے میں رکھنے لگی۔
چھوٹا مگر صاف ستھرا کچن بتول آپا کی نفاست پسند طبیعت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ وہ صبح سے دوپہر تک گھر کے کام نمٹاتیں۔ ماسی کے ساتھ ساتھ خود بھی لگ جاتیں۔ پھر شام ہوتے ہی محلے میں نکل جاتیں۔ مغرب پر واپسی ہوتی۔ بچوں کو کھانا کھلا کر انہیں پڑھانے بٹھا دیتیں۔ پھر رات کے کھانے کی تیاری... ساتھ ساتھ موبائل پر کسی نہ کسی سے لمبی لمبی باتیں بھی چل رہی ہوتیں۔ فضا چپ چاپ دیکھتی رہتی کبھی کام میں ہاتھ بٹا دیتی کبھی یوں ہی بددل سی ہو کر منہ لپیٹے پڑی رہتی۔ اس نے جہاں آرا کو کئی بار بتول آپا کو پٹی پڑھاتے بھی دیکھا تھا۔
"آئے ہائے... ابا... کب تک اس کم بخت کے ناز اٹھائیں گے تو اور نصیر۔ اسے اس کی اوقات یاد دلا دیا کرو۔"
"نہ... نہ جہاں آرا... سنبھلنے دو۔ اب کون سا اسے عمر بھر یوں ہی پڑے رہنا ہے۔ سب اسی کو تو سنبھالنا ہے ابھی نئی بیاہتا ہے پہننے اوڑھنے کے دن ہیں۔" وہ بڑے رسان سے کہتیں اور فضا دکھ کے احساس سے سوچتی کہ... وہ کب پہنتی اوڑھتی تھی اور کس کے لیے پہننے اوڑھے... نصیر کے لیے...
سچ ہی کہتے ہیں کہنے والے۔ عورت ناپسند مرد کے لیے اپنی ساری خوب صورتیاں اپنے اندر چھپا لیتی ہے کسی کچھوے کی طرح اور اپنے پسندیدہ مرد کے لیے اس کی ساری خوب صورتیاں خود بخود اجاگر ہونے لگتی ہیں بنا کسی شعوری کوشش کے... اس کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ تھا نصیر نے اس سے آج تک شکوہ نہیں کیا تھا۔ وہ کچھ نہ کچھ چھوٹی موٹی شاپنگ کر کے آتا مگر وہ یوں ہی بیڈ کے کونے صوفے یا کرسی پر پڑی رہ جاتیں یا الماری کی زینت بن جاتیں۔
چائے کپ میں بھر کر وہ کمرے میں لوٹی تو نصیر بستر پر بیٹھا دکان کے حساب کتاب میں لگا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر موبائل اور اپنا رجسٹر بند کر دیا اور پیچھے ہوتے ہوئے اس کے بیٹھنے کی جگہ بنائی۔
"اماں سو گئی ہیں کیا؟" اس کے ہاتھ سے چائے کا مگ لیتے ہوئے پوچھا۔
"ہوں۔"
"اور بچے۔"
"بچے... ہاں... شاید۔" وہ گڑبڑا گئی۔ وہ بچوں کی روٹین سے ان کی ذات تک سے لاتعلق تھی۔ نصیر نے ایک نظر اس پر ڈالی ناگواری کا ہلکا سا رنگ اس کے چہرے پر آ کر گزر گیا تاہم اس کا اظہار نہیں کیا۔ اس کے ہاتھ سے چائے کا مگ لیتے ہوئے بولا۔
"اماں بچوں کو سلا کر ہی سوتی ہیں۔ وہ سو گئی ہیں اس کا مطلب ہے بچے بھی سو گئے ہیں۔ خیر تم کھڑی کیوں ہو بیٹھ جاؤ۔" وہ رسان سے کہتا ہوا اس کے بیٹھنے کی جگہ بنائی تھی۔ وہ کرسی پر جا کر بیٹھنے لگی۔
"ادھر آ کر بیٹھو فضا۔" وہ جلدی سے بولا پھر ہلکے سے ہنسا۔

”بھوت جیسا ہوں، مگر بھوت نہیں ہوں، تمہیں کچھ نہیں کروں گا۔“
فضا بے ساختہ اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی تھی۔ اس کی ہنسی عجیب خود آزار قسم کی تھی جیسے اپنا ہی مذاق اڑا رہا ہو۔ نظریں ملنے پر وہ پلکیں جھکا کر خاموشی سے بیڈ کے کونے پر ٹک گئی۔ ایک بے نام سی شرمندگی محسوس کرنے لگی جیسے وہ اس کے دل کی چوری پکڑ کر یہ بات کر گیا ہو۔
یہ بھی سچ ہے، بہت سے جملے انسان زبان سے نہیں ادا کرتا، مگر اس کے عمل اور رویوں سے از خود ظاہر ہو جاتے ہیں۔ وہ دھیرے دھیرے چائے کی چسکیاں بھر رہا تھا۔ لمحے خاموشی سے ان دونوں کے درمیان سے گزر رہے تھے۔
”اماں کہتی ہیں کہ تم سارا دن گھر میں پڑی رہتی ہو ان کے ساتھ بھی کہیں نہیں نکلتیں۔ بور ہوتی ہو گی، نکلا کرو فریش ہو گی۔“ وہ کہنے لگا۔
”زندگی مشکل اور آسان دونوں راستوں سے گزرتی ہے، مگر تم نے اسے مشکل راستے پر ہی روک رکھا ہے۔“
”کہاں جاؤں۔ ایک باپ کا گھر تھا وہ بھی بند ہو چکا ہے۔“ وہ افسردگی سے بولی پھر جیسے چونکتے ہوئے بولی۔
”ایک بات پوچھوں آپ سے....“
”ہاں کہو۔“ وہ اس کی طرف متوجہ تھا۔ وہ اضطراری انداز میں اپنی سبک سبک انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسائے ہوئے مضطرب دکھائی دے رہی تھی۔
”اس روز آپ نے ابا کا ہاتھ کیوں روکا تھا؟ انہیں مارنے دیتے مجھے.... کیا میں اس قابل نہیں تھی۔ وہ کچھ غلط تو نہیں کر رہے تھے؟“
نصیر اس کی بات پر دھیرے سے مسکرانے لگا۔ ”یہ بات پوچھنے میں تم نے کچھ دیر نہیں کر دی....“
”ہاں۔ میں سوچتی رہی جواب ڈھونڈنے کی کوشش کرتی رہی۔“ وہ صاف گوئی سے بولی۔ ”مگر سمجھ نہیں آیا جب کہ آپ جانتے ہیں کہ میں....“
”دیکھو فضا.... تم میری بیوی ہو، میں نے پوری رضا سے تمہارا حال، ماضی جانتے ہوئے تمہیں اپنایا ہے۔ تمہیں بیوی بنایا ہے اور میاں بیوی ایک دوسرے کا لباس ہوتے ہیں۔ میں اپنا لباس تار تار ہوتے دکھا رہتا کیا؟“ وہ بڑی سنجیدگی سے کہنے لگا اور چائے کا مگ بیڈ کے سرہانے رکھ کر اس کی طرف گھوم کر بیٹھ گیا۔ ”لباس عیبوں کو ڈھانپنے کے لیے ہوتا ہے، عیبوں کو عریاں کرنے کے لیے نہیں۔“
فضا دم بخودی اسے دیکھنے لگی۔ وہ بڑے سادہ سے انداز میں کہہ رہا تھا۔ ”تمہاری غلطی بہر حال چھوٹی نہیں تھی، مگر جہاں تک میرا خیال ہے اس کی سزا تم خالہ کے ہاتھوں خاصی اٹھا چکی ہو اور مجھ سے شادی کر کے بھگت رہی ہو۔ ایک ذہنی آزار کی صورت میں۔“ آخری جملہ کہتے ہوئے وہ عجیب سی دل گرفتگی سے ہنسا۔
”یہ کم تکلیف دہ بات نہیں ہوتی کہ جس سے محبت نہ ہو بلکہ نفرت ہو اس کے ساتھ زندگی گزاری جائے۔ جیسے کسی درد کرتے پھوڑے کے ساتھ ریت پر چلنا۔“ اس نے یہ کہتے ہوئے براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا جو تحیر آمیز بے یقینی سے اس کی جانب اٹھی ہوئی تھیں، وہ پلکیں جھکا گئی۔ کچھ کہنا چاہا، مگر لفظ زبان پر آنے سے پہلے ہی جیسے ٹھٹھر سے گئے۔ وہ اس کی بات کو رد نہ کر سکی۔
”نہیں نہیں۔ یہ سچ ہے یا نہیں، مگر مجھے تو کچھ ایسا ہی لگتا ہے۔“ دوسرے پل وہ سر جھٹکنے لگا اس کے لبوں پہ بڑی کھوکھلی سی مسکراہٹ ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔ وہ اضطراری انداز میں اپنی انگلی میں موجود چھلے کو گھمانے لگی۔
”تمہارے ہاتھ بہت خوب صورت ہیں۔“ اس کی نظریں بھی اس کے ہاتھوں پر جمی تھیں۔ وہ یک دم سٹپٹا کر پلکیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ دوسرے پل فضا کو یک دم اس کے لمس کا احساس ہونے لگا۔ جانے کیسے اس کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس کی نازک انگلیاں جیسے لرز سی گئیں۔ اس نے یوں ہاتھ کھینچ لیا جیسے غلطی

سے تپتے توے پر جا پڑا ہو۔ نصیر کے چہرے پر تاریک سا یا آ کر گزر گیا۔ وہ جھینپ کر اپنے خالی ہاتھ کو تکنے لگا۔
"یہ رشتہ جبراً" قائم تو کر دیا گیا ہے۔ ایک عجیب سی ندامت ہوتی ہے۔ تمہیں تمہاری مرضی سے چھونے کا سوچتا ہوں۔" وہ اٹھنے لگی تو وہ دھیرے سے بولا۔
"میں نے اماں کو بہتیرا سمجھایا کہ خالہ اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھا رہی ہیں۔ بھلا کسی کی غلطی کی سزا جزا دینے والا دوسرا انسان کیسے ہو سکتا ہے' یہاں خطا اور غلطیاں کس سے نہیں ہوتیں۔ بہر حال عمر کے اس دور میں مجھے کسی لڑکی کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کا حق بالکل نہیں ہے۔ جو ہوا بس ہو گیا۔ شاید اگر نہ ہوتا تو اچھا ہی ہوتا۔"
آخری جملہ اس نے بے حد آہستگی سے کہا تھا اس کا انداز خود کلامی سا تھا۔
فضا نے بیڈ سے اٹھتے اٹھتے بس ایک نظر اس پر ڈالی اور جانے کیوں نظریں چرا کر ایک نادیدہ سا بوجھ سینے پر دھرے کمرے سے نکل گئی۔ باہر آ کر وہ یوں ہی تخت پر بیٹھ گئی۔ نصیر کی باتوں نے اس کے اعصاب پر حقیقتاً "بہت گہرا اثر کیا تھا۔
اس کا تو خیال تھا وہ عمر بھر طعنے سنتی رہے گی۔ اس سے معافیاں مانگتی رہے گی۔ صفائیاں دیتی پھرے گی۔ معافی کی بھیک مانگتے مانگتے گزر جائے گی۔ مگر یہ کیا ہوا۔ وہ شخص تو اس کا بوجھ بڑھا ہی گیا۔ یہ عام معافی تو اس کی روح پر بچھوے کی طرح لگ رہی تھی۔ وہ اس انعام کی مستحق نہیں تھی۔ اور سچ تو یہ کہ وہ اپنی نادانیوں کی تھوڑی سزا بھگتنا چاہتی تھی۔ مگر اس شخص کی باتوں نے۔ اس کے رویوں نے اسے ایک نئی اذیت سے دوچار کر دیا تھا۔
وہ اسی شخص سے کھل کر نفرت کرنا چاہتی تھی اس نفرت کا اظہار بھی کرنا چاہتی تھی مگر۔ ایسا لگا اس عام سے کم صورت شکل کے آدمی نے۔ یہ حق بھی چھین لیا اس سے۔ اس کی آنکھوں میں دھند کا غبار چھانے لگا۔
کبھی کبھی ہم خود کو کسی احساس سے کتنا محسوس کرتے ہیں۔ مگر باوجود چاہنے کے بلک بلک کر بین بھی نہیں کر سکتے۔ اس نے سر جھکائے جھکائے دو بہتے موٹے موٹے قطروں کو انگلی کے پوروں سے اڑا دیا۔

☆ ☆ ☆

تجھ کو کس پھول کا کفن ہم دیں
تو جدا ایسے موسموں میں ہوا!
جب درختوں کے ہاتھ خالی ہیں
آئینے جس کو ڈھونڈتے تھے خود
ایسا بے مثل عکس گر تھا وہ
سارے کانٹے سمیٹ لیتا تھا
ایسا انمول ہم سفر تھا وہ
اپنے دل میں سنبھال کر اس کو
آج ہاتھوں سے کھو رہے ہیں اسے
ہچکیاں بندھ گئی ہیں لفظوں کی
آئینہ خانے رو رہے ہیں اسے
اس کو کس روشنی میں دفنائیں
اس کو کس خواب کا بدن ہم دیں
وہ جو خوشبو میں ڈھل گیا یارو!

یاور علی کے گھر میں کسی کے لیے بھی یہ صدمہ کم نہ تھا۔ مومنہ کی عمر بھر کی کمائی' آنکھوں کا نور جگر کا ٹکڑا آن واحد میں جدا ہو کر رہ گیا تھا۔۔۔ حوریہ کی رفاقت کی ڈور آن واحد ٹوٹ کر رہ گئی تھی۔ قدم قدم پر محبت سے تھام لینے والا شوہر' سایہ دار شجر کی مانند رفیق' ٹھنڈی چھاؤں دینے والا بیٹا ان سب سے جدا کر دیا گیا تھا۔۔۔ یہ بڑی صبر آزما ساعتیں تھیں۔

مومنہ کو بار بار اپنا ضبط ٹوٹتا محسوس ہوا۔ وہ رونا چاہتی تھی مگر پھر حوریہ کو دیکھ کر اس کے آنسو پونچھنے لگتی۔ تنہائی میں وہ۔۔ اسے یاد کر کے تڑپتی رہتی۔ یاور علی اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر سمجھانے لگتے۔

''یہ غم خوشی' تکالیف سب عارضی ہیں بیٹا۔ ہم سب کو ہی ایک دن یہاں سے چلے جانا ہے کوئی جلدی چلا جاتا ہے کوئی ذرا دیر سے بس۔ اہمیت اس بات کی نہیں کہ کوئی کتنی دیر زندہ رہا۔ اہمیت اس بات کی ہے کہ وہ کس طرح زندہ رہا۔ وہ تو اپنی خوشبو بکھیر کر گیا ہے۔ وہ سب کو راضی کر کے گیا ہے۔ کوئی قرض اپنے کندھوں پر لے کر نہیں گیا۔

تم ایک عام عورت سے کہیں زیادہ مضبوط اور صابر عورت ہو' مومنہ تم نے بہت کچھ دیکھا ہے۔ مگر مغموم سوچوں کو کبھی پاس نہیں پھٹکنے دیا۔ ہمیشہ تم نے کہا کہ مغموم سوچیں مغموم رکھتی ہیں اور کمزور کر دیتی ہیں۔''

''ہاں ابا جی! مگر اب ایسا لگتا ہے کہ یہ چٹان ٹوٹ گئی ہے ریزہ ریزہ ہو گئی ہے۔ دل و دماغ کے سب ہی راستے بند ہو گئے ہیں جیسے یہ دیا ہمیشہ کے لیے بجھ گیا ہو۔'' مومنہ کی شہد رنگ آنکھوں کے چمکتے پانیوں میں دکھ ہی دکھ بکھرا تھا۔ اسی نے حازم کی فریم شدہ تصویر آہستگی سے ریک پر رکھ دی۔

''چھاؤں اٹھ جائے تو دھوپ کا احساس تو ہونے ہی لگتا ہے نا۔ میری حوریہ کے اوپر اس عمر میں اتنی تیز دھوپ پڑے گی اس کا گمان بھی نہ تھا۔''

''ہاں حوریہ کے لیے یہ سب فیس کرنا کوئی آسان بات نہیں ہے مگر اسے حوصلہ دینا ہمارا کام ہے اور صبر دینا خدا کا۔ وہ اپنے بندے کی جب پیاری چیز چھینتا ہے تو اس کا دل اتنا کشادہ بھی کر دیتا ہے کہ غم اس کے اندر جا کر گم ہو جاتا ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کا بندہ عمر بھر کے لیے ریزہ ریزہ ہو کر رہ جائے۔ وہ ستر ماؤں سے زیادہ چاہنے والا ہے اس کا درد کیوں کر نہ بانٹے گا۔'' یاور علی کی باتیں ہمیشہ اسے راستہ سمجھاتی رہی تھیں۔

''صبر کرو مومنہ۔ یہ دھوپ چھاؤں انسان کی پرورش کرتے ہیں۔ ان کے درجات بلند کرتے ہیں۔ یہ عارضی اور فانی دنیا ہے یہاں آخرت کی تیاری کے لیے ہی ہمیں بھیجا گیا ہے یہ آخری پرچہ سمجھ لو۔'' یاور علی کی آواز ٹوٹنے لگی۔ مومنہ ان کی آغوش میں کسی شیر خوار بچے کی طرح سر ڈال کر بلکنے لگی۔

☼ ☼ ☼

یہ ورق تیری داستان
یہ سبق تیرے تذکرے
میں کروں تو کیسے الگ
تجھے زندگی کی کتاب سے

حوریہ نے بے بی کاٹ میں سوئے ہوئے بچے پر نگاہ ڈالی۔ سرخ و سفید چہرے پر چمکتی شہد رنگ آنکھیں جگنو کی طرح چمک رہی تھیں' ماں کو دیکھ کر ننھے منے ہاتھ پیر زور زور سے ہلاتے ہوئے ہمک رہا تھا۔ کبھی اپنی نرم و ملائم انگلیاں نازک گلابی گلابی ہونٹوں کے درمیان دبا رہا تھا۔ پھر مسکرانے لگتا۔ وہ اٹھ کر اس کے پاس کھڑی ہو کر اسے

دیکھنے لگی۔۔۔ کئی قطرے اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ کر کے گرنے لگے تھے۔۔۔ وہ نڈھال انداز میں نزدیکی کرسی پر بیٹھ گئی۔۔۔

کتنی یادیں چھوڑ کر گیا تھا وہ۔ جیسے کوئی ریلا سا امڈ رہا تھا۔ اس نے آنسوؤں سے بھری آنکھیں زور سے میچ لیں۔ مگر ایسا لگ رہا تھا حازم پوری آب و تاب کے ساتھ اس کے سامنے کھڑا ہو۔

"یار۔ پاپا کہتے ہیں میں تمہاری کیئر نہیں کرتا۔ میں بے حد کیئر لیس (لاپرواہ) ہوں۔" وہ اس کا بازو پکڑ کر اپنے برابر بیڈ پر بٹھاتے ہوئے بولا۔

"ان کی بہو سے شاید پیار بھی نہیں کرتا۔ کیا ایسا ہی کچھ ہے۔" وہ اس کے چہرے پر جھولتی ریشمی لٹ کو پیار سے ہٹاتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانک کر شرارت سے کہہ رہا تھا وہ ہنس پڑی۔

"کیا خیال ہے اب پاپا کے سامنے تم سے رومانس کیا کروں۔ تاکہ انہیں یقین آجائے کہ ان کا بیٹا ان کی بہو کے پیار میں ڈوب چکا ہے اور ابھرنے کا کوئی چانس نہیں بلکہ خواہش بھی نہیں ہے۔"

"آپ ایسی کبھی کوئی بات نہیں ہے۔" وہ مصنوعی پن سے اسے گھورتی اٹھنے لگی۔

"تم شکایتیں تو نہیں لگاتیں میری۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھنے سے روک گیا۔

"ابھی تک تو نہیں لگائی۔ مگر اب لگانے کا سوچ رہی ہوں۔"

"اوہ اچھا۔۔۔"

"جی۔"

"کیا کہو گی کہ آپ کا بیٹا۔۔۔ بہت تنگ کرتا ہے۔ رات رات بھر سونے نہیں دیتا یا یہ کہ بہت زیادہ رومانٹک ہے ٹوٹی پھوٹی پوئٹری بھی سناتا ہے۔" وہ یک دم ہنستی ہوئی اس کے منہ پر ہاتھ رکھ گئی۔ حازم نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔

"اچھا یہ دیکھیں حازم۔۔۔ کتنا پیارا بے بی ہے۔ ہمارا بے بی بھی اتنا ہی پیارا ہوگا نا۔" وہ اسے بچوں کی خوب صورت تصویر دکھانے لگیں۔

"اس سے بھی زیادہ پیارا۔" وہ موبائل لیتے ہوئے اس کے ساتھ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

"نام تو سوچا ہی نہیں اس کا۔ کوئی بہت ہی پیارا سا نام ہونا چاہیے۔"

"ہاں۔ نام تو سوچا ہی نہیں۔ کوئی بہت ہی پیارا سا نام۔ حازم سے ملتا جلتا۔" اس کی آنکھیں آنے والے دنوں کے تصور سے دمکنے لگی تھیں۔ پھر وہ دونوں بہت سے نام چننے لگے۔ مگر کبھی حوریہ اسے ریجیکٹ کرتی کبھی حازم۔

"چلو پاپا کی مرضی کا نام رکھیں گے۔" آخری فیصلہ وہی طے پایا جس پر دونوں متفق تھے۔

یہ حازم کے انتقال سے دو دن پہلے کی رات تھی اس کی قربت کا ہر لمحہ اس کے لیے بے حد قیمتی تھا۔ وہ کسی متاع کی طرح دل میں سمٹتی جارہی تھی۔ وہ دونوں پوری رات جاگتے رہے تھے۔ باغیچے کی معطر فضا میں وہ کتنی دیر اس کا ہاتھ تھامے ٹھنڈی گھاس پر ٹہلتا رہا تھا۔ اس کے کانوں میں محبت کا رس گھولتا رہا تھا۔ کبھی اسے شرارت سے چھیڑتا۔ کبھی بڑی سنجیدگی سے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے لبوں سے، کبھی آنکھوں سے لگا کر کہتا۔

تمہیں پاکر زندگی کتنی خوب صورت ہو گئی ہے حوریہ۔ حالانکہ تم سے شادی سے پہلے بھی زندگی مکمل سی لگتی تھی۔۔۔ مگر جب تم میری زندگی میں داخل ہوئیں۔ تب پتا چلا کہ۔ زندگی تو اب مکمل ہوئی ہے۔ جیسے روح کا کوئی گم ہوا حصہ مل گیا ہو۔ دل کے ساتھ کوئی دھڑک رہا ہے۔ جس دن تمہیں محسوس نہ کروں۔ لگتا ہے دھڑکن رک جائے گی۔۔۔ ہمیشہ میری نظروں کے سامنے رہا کرو جانِ حازم۔۔۔ تم ہٹتی ہو تو جیسے نبضیں رکنے لگتی ہیں۔"

"خدا نہ کرے۔" حوریہ نے جلدی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ "ایسی باتیں نہ کیا کریں آپ۔ آپ ہیں تو میں بھی ہوں۔ آپ کو میری عمر بھی لگ جائے۔" وہ اس کے کندھے سے سر ٹکا لیتی۔

"ارے۔ کون مرنے کی خواہش کرے گا۔ اب تو بس جیتے رہنے کا دل چاہتا ہے۔ یوں ہی تمہیں اپنی آنکھوں کے سامنے بٹھائے رکھوں.... وقت رک جائے۔ صدی بن جائے۔" وہ گلاب کا ادھ کھلا پھول توڑ کر اس کے بالوں میں لگانے لگا۔"

"تمہارے گلاب گلاب وجود سے میری زندگی بھی اسی طرح مہک رہی ہے۔ تم میری سانسوں میں خوشبو کی طرح محسوس ہوتی ہو۔ یہ ہاتھ جب تک میرے ہاتھ میں ہے میری سانسیں چلتی رہیں گی۔" وہ اس کے کانوں میں دھیرے دھیرے رس انڈیل رہا تھا۔

وہ یک دم سسکاری لے کر اس خوب صورت خیالات کی فضا سے نکلی۔ تو اسے اپنے اطراف۔ دبیز تاریکی کا احساس ہونے لگا۔ اس نے آنسوؤں کو روانی سے بہنے دیا.... کہ اتنا ہی تو اب اس کے اختیار میں تھا۔

"تم نے تو کہا تھا حازم.... جب تک یہ ہاتھ میرے ہاتھ میں ہے میری سانسیں چلتی رہیں گی۔ پھر تمہاری سانسیں بند کیوں ہو گئیں؟ اور میری سانسیں.... میری سانسیں کیسے چلیں گی۔ تم نے تو ہاتھ کھینچ لیا۔ میں کس طرح سانس لوں گی۔ کہاں ہے تمہارا ہاتھ۔"

وہ بیڈ کراؤن سے سر ٹکا کر پھر اس اذیت سے گزرنے لگی اور موبائل پر حازم کی تصویر نکال کر اس پر اپنے لب رکھ کر اس کے وجود کی خوشبو محسوس کرنے لگی۔ اس کا مضبوط چوڑا سینہ یاد آ رہا تھا۔ جس پر وہ سر رکھ کر آسودہ ہو جایا کرتی تھی.... اس کے ہاتھوں کا وہ لمس ستانے لگا۔ جو اس کی کمر کے گرد حائل ہو جایا کرتا تھا اور کبھی کبھی تو وہ اسے بچوں کی طرح اپنے وجود میں سمیٹ لیا کرتا تھا۔

اس کی آواز۔ اس کے قدموں کی دھمک۔ جو پھول کی طرح اسے کھلا دیتی تھی.... وہ جب تک نزدیک ہوتا ٹھنڈی چھاؤں کا احساس طاری رہتا۔ اس کی آنکھوں میں اسی کے باطن کی چمک فروزاں ہو کر انہیں وہ چمکتے ہیرے بنایا کرتی تھی۔ کبھی کبھی تو وہ اسے ایک عظیم دیوتا لگتا تھا۔

اس کی مسکراہٹ۔ اس کا لہجہ' اس کے ہاتھوں کی گرمی۔ اس کی آنکھوں کا جنبش دینا۔ کیا کچھ یاد نہ آ رہا تھا۔ ایک روشنی تھا وہ.... ایک پر نور چاند۔ ایک بھرپور شجر۔

جا بجا اس کی یادیں بکھری پڑی تھیں۔ دل کے ہر کونے میں جہاں نگاہ ڈالتی وہی کھڑا دکھائی دیتا۔ وہ یکلخت خود کو تنہا محسوس کرنے لگی۔ ایسی جاں سوز تنہائی تو ہجوم میں بھی محسوس ہو۔ بے بسی کی انتہا پر تھی وہ.... بہت سارونے کے بعد' وہ اٹھی اور نماز پڑھنے لگی۔ کسی حد تک سکون ملا پھر نماز سے فارغ ہو کر یوں ہی بستر پر آنکھیں موند کر لیٹ گئی۔

رقیہ بھابھی اندر داخل ہوئیں تو وہ یوں ہی آنکھیں موندے پڑی تھی وہ کاٹ کے پاس آ کر' اس میں سوئے علی شاہ کو پیار سے دیکھنے لگیں۔ پھر اس کی طرف آئیں۔

"دستور ہی ہو گیا۔" انہوں نے نرمی سے اس کے کندھے کو چھوا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ پنکھے کی ہوا پلکوں سے ٹکراتی تو نمی کا احساس ہونے لگا۔

"نہیں.... بس ایسے ہی لیٹی تھی۔" وہ اٹھنے لگی تو رقیہ بھابھی جلدی سے بولیں۔

"میں تو علی شاہ کو دیکھنے آئی تھی۔ جاگ رہا ہو تو اسے لے جاؤں باہر۔" پھر کاٹ کے پاس آ کر اسے پیار سے چومتے ہوئے بولیں۔ "بدمعاش پوری آنکھیں کھولے جاگ رہا ہے۔ کھیلنا ہے اسے ابھی۔" حوریہ۔ دھیرے سے مسکرا دی۔ وہ رقیہ بھابھی کو دیکھ کر ہمک رہا تھا گویا اسے ابھی گود میں اٹھا لیں گی۔

"حوریہ۔ تمہاری ساس کا فون آیا تھا۔ میرا مطلب ہے عاظمہ کا۔" رقیہ بھابھی علی شاہ کو کاٹ سے نکالتے ہوئے بولیں۔ حوریہ نے ان کی طرف دیکھا پھر یکسر بے کیفیت انداز میں اپنی سابقہ حالت میں چلی گئی اور آنکھیں بند کرلیں۔
"تم سو رہی تھیں میں نے جگایا نہیں۔ بچے کی خیر خیریت پوچھ رہی تھیں۔" پھر اس کے نزدیک آکر بولیں۔ "وہ دراصل چاہ رہی ہیں کہ تم اپنی باقی ماندہ عدت کے دن گیلانی ہاؤس میں ہی پورے کرو۔ وہیں رہو۔" رقیہ بھابھی نے کچھ ہچکچاہٹ کے ساتھ بتایا تو اس نے جھٹکے سے آنکھیں کھول کر ان کی طرف دیکھا۔
"میں نے کہا بھی ان سے کہ حوریہ راضی نہیں ہوگی۔ مگر وہ مصر رہیں کہ تم سے بات کرنی ہے۔ میں نے کہا ٹھیک ہے اس سے پوچھ کر بتادوں گی آپ کو۔"
"کمال ہے امی۔ آپ کو مجھ سے پوچھنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ آپ انکار کردیتیں انہیں۔۔۔۔ اب میرا گیلانی ہاؤس سے کیا واسطہ۔ کس رشتے سے وہاں جاؤں اور رہوں۔ وہ ڈور ٹوٹ گئی ہے۔" وہ دل گرفتگی سے بولی۔
"چلو تم آرام کرو۔ ان کا فون آیا تو میں کہہ دوں گی۔ ہم سب بھی یہی چاہتے ہیں کہ تم اب یہیں رہو۔" رقیہ بھابھی اسے تھپک کر علی شاہ کو اٹھا کر کمرے سے نکلیں۔ جاتے جاتے۔ پوچھنے لگیں۔
"کچھ کھالو۔ بھیجوں تمہارے لیے۔"
"نہیں بھوک نہیں ہے۔ پھپھو کہاں ہیں۔"
"نماز پڑھ رہی ہے۔ تم بھی باہر آجاؤ۔ دل بہل جائے گا۔ تمہارے دادا بھی تمہیں یاد کررہے تھے۔"
"ہاں۔ آتی ہوں آپ جائیں۔" وہ ہلکے سے سانس بھر کر چھت کو تکنے لگی۔ رقیہ بھابھی کمرے سے چلی گئیں۔

☼ ☼ ☼

عاظمہ بابر کے بیڈ روم میں داخل ہوئیں تو وہ بیڈ کے بجائے صوفے پر آڑھا ترچھا لیٹا سگریٹ پھونک رہا تھا۔ کمرا دھوئیں سے بھرا ہوا تھا۔
"اوہ۔ ہوں۔" عاظمہ نے ناک سکوڑی اور بلائنڈ ہٹا کر کھڑکیوں کی سلائڈ کھولنے لگیں۔ "اُف۔ کتنی اسموکنگ کرنے لگے ہو بابر۔"
وہ اپنے خیالات میں گم تھا، عاظمہ کی آمد پر اس کے خیالات کا تسلسل ٹوٹا تھا۔ وہ سگریٹ ایش ٹرے میں بجھانے لگا۔ اور بالوں پر ہاتھ پھیر کر سیدھا ہو بیٹھا۔
"میر علی بتا رہا تھا تم سو رہے ہو۔" وہ پیروں میں گرے کشن اٹھا اٹھا کر قرینے سے صوفے پر رکھنے لگیں۔
"ہاں اس وقت میں سو ہی رہا تھا۔"
"ناشتا بھی نہیں کیا تم نے۔"
"اب دیر ہو چکی ہے۔ ایک پارٹی کے ساتھ ہائی ٹی میں جانا ہے۔" اس نے کلائی میں بندھی گھڑی پر اچٹتی نگاہ ڈالی پھر اٹھ کر انٹرکام کا بٹن دبا کر بولا۔ "میر علی دو کپ چائے بھیج دو۔ مما بھی میرے روم میں ہیں۔"
"کچھ لوگ آرہے ہیں دبئی سے' حازم کی تعزیت کے سلسلے میں بھی اور بزنس ٹور بھی ہے۔" وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا اور کشن اٹھا کر گود میں دبالیا۔
عاظمہ نے اس پر نگاہ ڈالی۔ وہ خاصا بدلا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔۔۔۔ حازم کی موت کے بعد اس کی شرارتیں مسکراہٹیں گم ہو کر رہ گئی تھیں۔
"سرجن بخاری کا خیال ہے کہ عباد کو ہاسپٹلائز کردیا جائے مگر وہ راضی نہیں۔"

"کم آن مما..... آپ کیوں ان کے پیچھے پڑی رہتی ہیں۔ پڑے ہیں نا ایک کونے میں۔ آپ کو کون سی ان کی خدمتیں کرنا پڑ رہی ہیں۔ ملازم ہیں، نرس ہے۔ ڈاکٹرز چیک کر جاتے ہیں۔" بابر نے قدرے بے زاری سے انہیں مزید بولنے سے روک دیا۔ پھر بولا۔ "یہ بتایئے حوریہ سے بات ہوئی آپ کی۔"
"نہیں۔ حوریہ سے تو نہیں ہو پائی۔ اس کی امی سے ہوئی تھی وہ بتا رہی تھیں کہ حوریہ راضی نہیں ہے۔ وہ گیلانی ہاؤس آنے سے انکار کر رہی ہے اور اپنی عدت اور باقی ماندہ زندگی وہیں گزارنا چاہتی ہے۔ اپنے گھر میں۔"
"تام وہ شاید بھول رہی ہے کہ وہ اکیلی نہیں ہے اس کی گود میں حازم کا بچہ بھی ہے۔" بابر کے لہجے کی ناگواری اس کے چہرے سے بھی عیاں تھی۔ "حازم کا بچہ وہاں ایک چھوٹے سے گھر میں کیسے رہ سکتا ہے۔"
"یہی بات میں نے بھی کہی مگر وہ نہیں مانتی۔ میں نے کہا دل بہل جائے گا اس کا یہاں آئے گی تو۔ بس اس کی مرضی۔" عاظمہ نے ایک افسردہ سانس بھری۔ "دیکھا جائے تو صدمہ بھی کوئی معمولی تو نہیں ہے۔"
"ہوں۔" بابر خفیف سا انداز میں ابرو اچکا کر رہ گیا۔ امیر علی ٹرالی گھسیٹتا ہوا اندر داخل ہوا تھا۔
"کچھ کھائیں گے صاحب!" امیر علی چائے کا مگ عاظمہ کو دے کر بابر سے پوچھنے لگا اور اس کا مگ احتیاط سے ٹرالی پر رکھ کر ٹرالی اس کے نزدیک کر دی۔
"اوں ہوں۔" اس نے سر نفی میں ہلا دیا۔ امیر علی کمرے سے باہر نکل گیا۔ اپنے پیچھے دروازہ بھی بند کر گیا۔
"میں سوچ رہی ہوں۔ ابھی اصرار کچھ زیادہ مناسب نہیں۔ وہ عدت اپنی پوری کر لے پھر میں خود... لاؤں گی۔"
"کیا یہاں عدت گزارنے پر پابندی ہے۔ نہ پرائیویسی کی کمی ہے نہ روم کی....." بابر کے انداز میں برہمی تھی جیسے حوریہ کا انکار اسے سخت کھلا ہو۔
"آئی ڈونٹ لائک اٹ (مجھے پسند نہیں یہ) مما کہ حازم کا بچہ وہاں رہے۔"
تو میں بھی کب چاہتی ہوں..... نہ تمہارے پاپا یہ چاہتے ہیں۔ مگر ہم جبر تو نہیں کر سکتے نا۔ کچھ دن گزار لینے دو اسے۔ ذرا غم ہلکا ہو جائے وہ اس کا۔" بابر لب بھینچ کر رہ گیا پھر چائے کا مگ اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔
"علی شاہ تو بالکل حازم پر گیا ہے ہاں اس کی آئیز حوریہ پر گئی ہیں۔ بہت کیوٹ ہے۔" میں نے بہت سی پکس (تصویریں) بنائی ہیں۔" عاظمہ چائے کا مگ تپائی پر رکھ کر اپنا موبائل اٹھانے لگیں۔ ان کے لبوں کی تراش میں ننھے علی شاہ کے لیے ایک پیار بھری مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔
"مائی فٹ۔" بابر نے یک دم چائے کا کپ زور سے کانچ کی ٹرالی پر پٹخا۔ "کس قدر بد مزا چائے بنانے لگا ہے امیر علی۔" بابر کو لگا جیسے اس کے حلق تک میں کڑواہٹ اتر گئی ہو۔ یہ ٹرالی کو پیر سے ایک طرف دھکیل کر کھڑا ہو گیا۔ عاظمہ متعجب ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگیں۔
"چائے تو بالکل ٹھیک ہے۔ ہمیشہ کی طرح۔" اس نے کہتے ہوئے موبائل رکھ دیا اور اپنا مگ اٹھا کر چائے کا ایک اور گھونٹ بھرا۔
"شاید میرا گلا خراب ہے یا پھر دماغ۔" وہ بد تمیزی سے کہتا اپنی وارڈروب کی طرف بڑھ گیا..... اور کپڑے نکالنے لگا۔
"خالی پیٹ چائے بری ہی لگے گی نا۔" عاظمہ نے کہا مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور کپڑے نکال کر باتھ روم میں جا گھسا۔ عجیب تلخی کا گویا غلبہ ہوا تھا ایک آگ تھی جو رگ و پے میں دوڑنے لگی تھی۔
کتنی دیر وہ ٹھنڈے پانی کا شاور لیتا رہا مگر کھولن کم نہ ہو رہی تھی۔ کوئی آدھے گھنٹے بعد وہ فریش ہو کر باہر نکلا۔
بلیک پینٹ اور آف وہائٹ ٹی شرٹ میں ملبوس قرینے سے بال جمار کھے تھے۔ اس کی ڈریسنگ خلاف معمول

سوبر تھی' ورنہ وہ عموماً" جینز اور ہاف سلیوز کی ٹی شرٹ ہی استعمال کرتا تھا۔ اس کے لچک دار گھنے بال عموماً" منتشر ہوتے تھے آج قرینے سے جمے ہوئے تھے۔ گاڑی کی چابی کی بورڈ سے لے کر وہ لاؤنج سے گزرا جہاں عباد گیلانی اور عاظمہ موجود تھے۔ عباد گیلانی کو امیر علی زبردستی کمرے سے باہر لایا تھا۔ وگرنہ حازم کی موت کے بعد وہ بستر سے ہی نہ اترتے تھے۔ بے حد کمزور ہو کر رہ گئے تھے۔ چہرے کی ہڈیاں بھی نمایاں ہونے لگی تھیں۔ بابر کو دیکھ کر وہ دھیرے سے مسکرائے۔ بابر ان کے نزدیک آیا اور ان کے کندھے پر ہلکی سی تھپکی دی۔

"خود کو کمپوز کریں بابا۔ روم سے باہر نکلا کریں۔" پھر امیر علی کی طرف رخ کر کے بولا۔ "زبردستی باہر لے جایا کرو بابا کو۔"

"میں تو بہت کہتا ہوں جی۔ پر یہ نہیں مانتے۔ کہتے ہیں باہر آتا ہوں تو مجھے حازم بابا دکھائی دیتے ہیں۔" امیر علی کچھ آبدیدہ سا ہو گیا۔

"آہستہ آہستہ سب نارمل ہو جائے گا۔ تم انہیں لان میں لے جاؤ۔" بابر خلاف معمول نرمی سے کہتا ہوا عاظمہ کی طرف بڑھ گیا۔

"مما۔ آپ یاور انکل کو کال کر دیجیے گا اور ان سے کہہ دیں کہ علی شاہ سے ملنے کے لیے ہم میں سے کوئی روز روز وہاں نہیں جا سکتا' وہ یہیں اور اسی کوٹھی میں رہے گا۔ وہ حازم کا بچہ ہے ہمارا خون ہے۔ اسے ایک مڈل کلاس گھر میں پلتے بڑھتے نہیں دیکھ سکتا میں۔"

"اوکے۔ میں بات کرتی ہوں۔" عاظمہ نے بحث کرنا بے کار جانا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ بابر کس قدر ضدی اور ہٹ دھرم تھا' جو بات اس کے دماغ میں بیٹھ جاتی پھر مشکل سے ہی نکلتی۔

"اچھی طرح سمجھا دیجیے گا مام۔ ایسا نہ ہو کہ مجھے کوئی اسٹیپ لینا پڑے۔" وہ پلٹ کر بڑے بڑے ڈگ اٹھاتا انٹرس کے خوب صورت گلاس ڈور کو دھکیل کر باہر نکل گیا۔ عباد گیلانی نے چونک کر اسے جاتا دیکھا پھر امیر علی سے بولے۔

"یہ بابر ابھی کیا کہہ رہا تھا۔ کچھ حوریہ کے بارے میں شاید۔۔۔!"

"وہ جی۔۔۔ حوریہ اور علی شاہ بابا کے بارے میں کہہ رہے تھے۔ انہیں یہیں کوٹھی میں لے آنے کی بابت بات کر رہے تھے۔" امیر علی احتیاط سے ان کی کرسی لان میں اتارنے لگا۔

"کیا حوریہ یہاں آنا چاہتی ہے۔" ان کے چہرے پر حیرت اور حیرت کے تاثر میں تشویش بھی تھی۔ "کیا اس نے خود کہا ہے آنے کو۔"

"کچھ ٹھیک سے پتا نہیں مگر بابر صاحب تو یہی کہہ رہے تھے کہ حوریہ بی بی اور علی شاہ۔ کوٹھی میں آکر ہی رہیں گے۔ اچھا ہے نا صاحب۔ آپ کا دل بھی علی شاہ بابا کے آجانے سے بہل جائے گا۔ کچھ رونق ہو جائے گی کوٹھی میں۔"

"امیر علی۔ تم ایک کام کرو۔ میرا موبائل روم میں رکھا ہے لے آؤ۔" عباد گیلانی کے چہرے پر سوچ کی پرچھائیاں تھیں۔ پھر ہلکے سے سر جھٹکتے ہوئے بولے۔ "بہت دنوں سے حوریہ کی خیریت نہیں پوچھی۔ نہ یاور علی سے بات ہوئی ہے۔"

امیر علی ان کی کرسی چمپا کے خوش نما درخت کے سائے میں روک کر اندر چلا گیا۔ یہ کنج اس باغیچے کا سب سے خوش نما کنج تھا۔ اطراف میں سبز سبز بیلوں سے شیلٹرز اور دیواریں بنی ہوئی تھیں کیاری میں جابجا گلاب کے پودے ترتیب سے لگے ہوئے تھے جن میں ہمہ وقت گلاب مہکتے رہتے۔ انہوں نے دیکھا تھا حازم اور حوریہ بھی اکثر یہیں بیٹھا کرتے تھے۔ وہ گلاب کے پودوں کو دیکھنے لگے پھر ایک پھول توڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا کہ جیسے کچھ

سوچ کر ٹھٹک سے گئے۔ بہت کچھ یاد سا آگیا۔ اسلام آباد میں حازم کی موت سے پہلے کی وہ شام۔ جب حوریہ ان کے پاس بیٹھی دنیا جہاں کی باتیں کرتی رہی تھی۔ پھولوں پر باتیں نکلیں تو وہ کہنے لگی۔

"مجھے پھول توڑنے سے بہت خوف آتا ہے پاپا۔" وہ ان کی خواہش پر انہیں حازم کی طرح پاپا کہنے لگی تھی۔

"ارے بھئی کیوں؟ پھولوں کو توڑنے میں کیا ہے۔" وہ حیرت سے پوچھنے لگے۔

"آپ نے دیکھا نہیں پھول جب شاخ سے جدا ہوتا ہے تو کتنی جلدی مرجھا جاتا ہے' اس کی خوشبو ماند پڑ جاتی ہے وہ پتی پتی بکھرنے لگتا ہے۔ اس کا حسن اس کی خوشبو تو اس کے شاخ سے جڑا رہنے پر ہے۔" عباد گیلانی کے لبوں پر دھیمی مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہ تائیدی انداز میں سر ہلا رہے تھے۔

"جدائی۔ ہر کسی کے لیے موت ہوتی ہے پاپا۔ جدا ہو کر بھلا کوئی جی سکتا ہے۔" اور عباد گیلانی کے دل کو اس کی باتیں جھنجوڑ رہی تھیں وہ کبھی کبھی بے ساختگی اور بڑے انجانے میں ان کے دل کے زخموں کے منہ کھول دیا کرتی تھی۔ انہیں اپنا غم یاد آجاتا۔

"ہاں۔ سچ ہی ہے جدا ہو کر پتی پتی بکھر جاتا ہے۔ اور بکھر کر بھلا کوئی جڑا ہے۔" ان کا انداز خود کلامی سا تھا۔ اور آج بھی وہ اس کی باتیں یاد کرکے اپنے لیے نہیں حوریہ کے لیے رو رہے تھے۔ آج وہ بھی جدائی کا جاں سوز غم سہہ رہی تھیں۔ پتی پتی بکھر رہی تھی۔ وہ کرب سے گزرنے لگے۔

✲ ✲ ✲

اس کی آنکھ ابھی کچھ دیر پہلے ہی بڑی مشکل سے لگی تھی کہ موبائل کی مسلسل بجنے والی گھنٹی پر کھلی۔ اس نے بامشکل آنکھیں کھولتے ہوئے تقریباً غنودگی کے عالم میں کال ریسیو کی۔ دوسری طرف بابر تھا۔

"کیا حال ہے۔"

حوریہ کو اعصابی جھٹکا لگا یک دم وہ غنودگی سے باہر نکل آئی اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"سوری۔ اتنی رات مجھے ڈسٹرب نہیں کرنا چاہیے تھا' میرا خیال تھا تم جاگ رہی ہو گی۔ علی شاہ کیسا ہے۔"

"سوری۔ میں عدت میں ہوں۔ آپ سے بات نہیں کر سکتی۔" وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے رکھائی سے کہہ کر لائن منقطع کرنے لگی کہ وہ جلدی سے بولا۔

"تم بات نہیں کر سکتیں۔ مگر سن تو سکتی ہو نا۔"

"سوری۔ عدت کا مطلب ہے مکمل پردہ۔ اور پردے کا مطلب ہے میں کسی نامحرم کی آواز سنوں نہ میری کوئی آواز سنے۔" اس نے یہ کہہ کر لائن کاٹ دی۔

عجیب بات تھی اتنے عرصے میں پہلی بار بابر نے براہ راست اس سے رابطہ کیا تھا۔ ایک عجیب سی وحشت اسے بکھیرنے لگی۔ وہ بستر سے اٹھنے لگی ہی تھی کہ موبائل پھر بج اٹھا۔ کال بابر کی ہی تھی وہ موبائل اٹھا کر کمرے سے باہر آگئی۔ مومنہ تخت پر بیٹھی قرآن پڑھ رہی تھی' اس نے موبائل ان کی طرف بڑھا دیا۔ مومنہ نے چونک کر اسے پھر موبائل کو دیکھا' مگر دوسرے پل مسلسل بجنے والی گھنٹی پر جلدی سے موبائل اس کے ہاتھ سے لے کر ریسیو کیا۔ دوسری طرف بابر ہی تھا مومنہ کی آواز سن کر قدرے ملائمت سے سلام دعا کرنے لگا۔

"علی شاہ کو ہم سب مس کر رہے ہیں۔ پاپا تو اسے بہت یاد کر رہے ہیں۔ بہت دن ہو گئے ہیں اسے دیکھے ہوئے۔"

"ارے تو تم آجاؤ۔ عاظمہ کو بھی لے آؤ۔ تمہارا اپنا ہی گھر ہے۔" مومنہ خوش دلی سے کہنے لگی۔ حوریہ لب بھینچ کر پلٹ کر وہاں سے چلی گئی۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

ایک بے نام سی وحشت اسے بابر کے فون سے ہونے لگی تھی۔ اس نے سوئے ہوئے علی پر نظر ڈالی جو گہری نیند میں تھا۔ اس نے جھک کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔۔۔ وہ ذرا سا کسمایا پھر سو گیا۔۔۔ اس نے سوچا۔۔۔ اس شدید حبس اور گھٹن میں ایک یہ دریچہ کھلا ہوا ہے جہاں سے زندہ رہنے کے لیے ٹھنڈے جھونکے مل جاتے ہیں ورنہ تو اس کا خیال تھا یہ ننھا وجود نہ ہوتا تو وہ ایک مسلسل حبس میں قید ہی تھی کوئی راستہ نہیں۔۔۔ سوائے گہری تاریکی کے۔۔۔ یہ روشنی بن کر اس کے اندھیرے کو کاٹنے آیا تھا۔ اس کے رب نے اسے یہ نعمت عطا کر کے اسے جینے کا حوصلہ دے دیا تھا۔۔۔ وہ اس کے رونے پر بستر سے اتر جاتی۔ اسی بھوک پر تڑپتی۔ وگرنہ تو یوں ہی ایک کونے میں مٹی کے ڈھیر کی طرح بے حس و حرکت پڑی رہتی۔۔۔ بس وہ ہوتی اور حازم کی یادیں۔۔۔ اس کی باتیں۔۔۔ اس نے علی شاہ کے ننھے ہاتھوں کو تھام کر اپنے لبوں سے لگا لیا۔

"میری جان۔ پاپا کی جان۔"

"حوریہ یہ دن کچھ زیادہ طویل نہیں ہو گئے۔" حازم کبھی کبھی اس سے الجھ پڑتا اور بچے کی طرح زِچ ایکٹ کرتا۔ "یار۔ اب تو میرے بچے کو اس دنیا میں آ جانا چاہیے۔"

"ایسے کیسے آ جائے۔ کوئی تین گھنٹے کی مووی چل رہی ہے کہ ادھر سین بدلا اور ادھر بچہ پیدا ہو گیا۔" وہ ہنستی اس کی بچکانا انداز پر۔

"ایسا ہی ہونا چاہیے یار۔۔۔ ادھر آنکھ کھلے اور بچہ میری گود میں۔" وہ بے حد ایکسائٹڈ دکھائی دے رہا تھا۔ "کچھ کرو یار۔"

"کبھی نہیں ہو سکتا سوائے انتظار اور صبر کے۔۔۔ اور صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔" وہ اسے چھیڑنے لگتی۔

"تم تو اسے اندر لے کر بیٹھی ہوا سے محسوس کرتی ہو نا۔ اس لیے پر سکون ہو۔" مصنوعی پن سے اسے گھورا اور پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔

"آپ پہلے مرد ہوں گے جو اتنے بے صبرے ہو رہے ہیں بچے کے معاملے میں۔" وہ اسے آنکھیں دکھاتی۔

"شاید ایسا ہی ہو۔ میں ہر روز اس کا تصور کرتا ہوں کہ یہ ایسا ہو گا ویسا ہو گا۔ اس کی ناک ان کی آنکھیں ایسی ہوں گی اس کے ہونٹ کیسے ہوں گے۔"

"وہ بالکل آپ جیسا ہو گا۔" حوریہ جلدی سے کہنے لگتی۔

"تمہارے جیسا کیوں نہیں؟" وہ اس کی خوب صورت چہرے کو دیکھنے لگا اور اس کی بکھری زلفوں کو اس کے چہرے سے ہٹاتے ہوئے اس کی خوش نما آنکھوں میں جھانکنے لگا۔

"میں چاہتا ہوں۔ اس کی آنکھیں بالکل تمہاری آنکھوں جیسی ہوں۔ مست کر دینے والی۔ دل موہ لینے والی۔" حوریہ نے شرما کر پلکیں جھکا لیں۔

کتنی مخمور ہیں تمہاری آنکھیں
دل کا سرور ہیں تمہاری آنکھیں

اسے ایک ہی گانا آتا تھا جسے وہ ہمیشہ نثر کے انداز میں اور ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں گاتا۔ حوریہ کو بہت اچھا لگتا۔ اس کا لب و لہجہ بڑا پیارا ہوتا۔

تو جس کو دیکھے وہ تاب نہ لائے
پلک جھپکتے ہی وہ تیرا ہو جائے
جلوہ نور ہے تمہاری آنکھیں
دل کا سرور ہیں تمہاری آنکھیں

وہ یکدم اس کے لہجے کے تصور کے حصار سے باہر نکلی۔ مومنہ اس کا موبائل لیے کمرے میں داخل ہوئی تھی وہ

اپنے رخساروں پر پھیلتے قطروں کو پونچھنے لگی۔

"کیوں کیا تھا اس نے فون۔" وہ قدرے ناراضی سے پوچھنے لگی۔

"علی شاہ کو سب بہت مس کر رہے ہیں وہاں۔" مومنہ نے اس کا موبائل تپائی پر رکھ دیا اور اس کے نزدیک چلی آئی۔

"کسی کو ضرورت نہیں ہے اس کو مس کرنے کی۔ یہ میرا بچہ ہے۔"

"پگلی۔ وہ ان کا بھی خون ہے' حازم کی نشانی ہے مس تو کریں گے نا۔ جس طرح مجھ سے رشتہ ہے اس طرح ان سے بھی ہے۔" وہ پیار سے اس کے چہرے پر پھیلی نمی کو اپنی انگلیوں سے پونچھنے لگیں۔

"حازم کا بچہ ان کا اپنا خون ہے۔ اور یہ تو ان کی محبت ہے کہ وہ اس سے محبت کرتے ہیں اور تمہاری اور بچے کی خیریت پوچھتے رہتے ہیں۔"

"مگر حازم کے بعد میرا ان میں سے کسی سے بھی کوئی رشتہ نہیں رہا پھپھو۔" وہ کم سن ناراض بچے کی طرح بیڈ کے کنارے بیٹھ گئی۔ مومنہ اس کی دیوانگی پر دھیرے سے مسکرائیں۔

"ایسا نہیں کہتے حوریہ۔ ہم بہت سے رشتوں کی زنجیر میں تاعمر جکڑے رہتے ہیں جو بظاہر کچھ نہیں مگر ہمیں جوڑے رکھتی ہے۔ یہ تمہارے نہ سہی' تمہارے بچے کے مضبوط رشتے ہیں' جن سے تم بھی عمر بھر جڑی رہو گی۔" مومنہ ناصحانہ انداز میں بولی اور اس کا سر سہلایا۔ اس کے بالوں کی نم آلود لٹ کو اس کے رخسار سے ہٹا کر' اس کی آنکھوں سے نکلنے والے بے آواز آنسوؤں کو پونچھنے لگی جو کسی موتیوں کی طرح ٹھہر ٹھہر کر آنکھوں کے گوشوں سے لڑھک رہے تھے۔

"جب زنجیر کی مضبوط کڑی ہی ٹوٹ جائے تو پوری زنجیر ہی بکھر جاتی ہے پھپھو۔" اس نے جلتی آنکھیں زور سے میچ لیں۔ یک دم ان میں بہت سا پانی روانی سے اترنے لگا۔

"میں بکھر گئی ہوں پھپھو۔ حازم مجھ سے چھن گیا ہے مجھے ڈر لگتا ہے میرا بچہ مجھ سے کوئی نہ چھین لے۔"

"پاگل ہو گئی ہو کیا۔ یہ کیسی باتیں سوچتی رہتی ہو۔ کوئی کیوں چھینے گا تمہارا بچہ۔" مومنہ نے تڑپ کر اس کے گرد بازو حمائل کر دیا۔ وہ یک دم ان کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"آپ کا بچہ بھی تو گیلانی ہاؤس والوں نے چھینا تھا پھپھو۔ آپ نے بھی تو ایسا نہیں سوچا تھا۔" مومنہ کا ہاتھ اس کے بالوں میں لرز کر ٹھٹک گیا۔ اس دھچکے نے اس کو کچھ دیر کے لیے گم صم کر دیا۔

"آپ نے کبھی سوچا تھا اس طرح ہو گا۔"

"اب وقت اور حالات بدل چکے ہیں حوریہ' ان میں سے کسی کو تم سے نہ کوئی ضد ہے نہ پرخاش۔ وہ سب تم سے محبت کرتے ہیں۔ حازم کے بچے سے بھی محبت کرتے ہیں۔" مومنہ نرمی سے تسلی دیتے ہوئے بولی۔ اس کا دل اذیت سے کٹنے لگا۔ اس کی آنکھوں تلے گیلانی ہاؤس میں گزرے روز و شب لہرانے لگے۔ بابر کا چہرہ اس کے دل پر خوف بن کر چھا رہا تھا۔

"تم نگیٹو کیوں سوچتی ہو۔ وہ بھی سب حازم کے بچھڑ جانے کے دکھ میں مبتلا ہیں۔ یہ بچہ اس کی کمی کو پورا کرے گا حوریہ۔ خود کو کمپوز کرو۔ اس طرح تو تم پاگل ہو جاؤ گی۔" مومنہ کا دل اس کو اتنا نراس دیکھ کر کٹنے لگا۔

"میں کیا کروں پھپھو۔ مجھ میں آپ جتنا حوصلہ اور برداشت نہیں ہے۔"

"اچھا چلو۔ رو لو۔" مومنہ نے تڑپ کر اسے خود سے لپٹا لیا۔ "اچھا ہے یہ آنسو بہہ جانے دو۔ یہ آنسو آگ ہوتے ہیں اندر ٹھہر جائیں تو جلا کر راکھ کر دیتے ہیں۔ بہا کر انہیں ٹھنڈا ہو جانے دو۔" مومنہ نے اسے رونے دیا۔

بہت دیر کے بعد وہ قدرے پرسکون ہوئی ہچکیوں ہی میں ان کی گود میں سر ڈالے لیٹی رہی۔

میں جانتی ہوں بھولنا آسان نہیں ہوتا ایک آگ سے گزرنا ہوتا ہے۔ ہر روز روح پر آبلے پڑتے ہیں اور شوہر محبوب بھی ہو تو ہر لمحہ قیامت ہوتا ہے۔ مومنہ سوچ رہی تھی۔ کوئی اس کے دل سے پوچھتا وہ کتنے غم کا بوجھ اٹھائے ہوئے تھی۔

ہاں موت اتنی تکلیف دہ نہیں ہوتی ہوگی جتنا بچھڑنے کے دکھ کے عذاب۔ یہ تو پل پل کی موت ہوتی ہے جڑتے اور بکھرنے کے عمل سے دوچار کرنے والا اذیت ناک سفر۔ دو قطرے ان کی آنکھوں سے نکل کر حوریہ کے گھنے بالوں میں جذب ہو گئے۔

☆ ☆ ☆

بابر اپنے شاندار آفس میں بیٹھا تھا۔ اسے اس آرام دہ کرسی پر خالی ذہن کے ساتھ بیٹھے خاصی دیر ہو چکی تھی۔ فائلیں اس کے سامنے کھلی پڑی تھیں مگر اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ کیا سوچ رہا ہے اور کیا سوچنا چاہتا ہے۔ کبھی حازم کا سراپا اس کی نظروں میں ابھرتا تو ایک بے نام اذیت کے ساتھ ندامت اور شرمندگی بھی روح کو کاٹنے لگتی۔ اس نے سوچا یہ بھی اچھا ہے کہ قدرت انسان کی سوچ پر پردہ رکھتی ہے۔ اگر یہ سوچیں دوسروں پر ظاہر ہونے لگیں یا ہر سوچ پر اس کے چہرے پر کوئی داغ لگ جاتا تو اس کا چہرہ بے حد خوف ناک اور بد ہیت دکھائی دیتا لوگوں کو۔ اسے رہ رہ کر عاظمہ کے ساتھ کی گئی وہ ساری گفتگو یاد آنے لگی تھی جو وہ حازم کے خلاف کرتی رہی تھیں۔ ایک اذیت آمیز ندامت کا احساس ہو رہا تھا آج اسے۔ وہ چونکا اس کے آفس کا گلاس ڈور دھکیل کر لائبہ اندر داخل ہوئی تھی اور چھوٹتے ہی بولی۔

”کیا مصیبت ہے نہ کال ریسیو کرتے ہو نہ گھر پر ملتے ہو نہ خود سے کانٹیکٹ کرتے ہو۔“ اس نے پرس کی خوش نما زنجیر کندھے سے کھینچ کر پرس ٹیبل پر پٹخ دیا۔ ”تھینکس گاڈ کہ یہاں تو مل گئے۔“

”ایسی کیا ایمرجنسی ہو گئی کہ تم یہاں دوڑی چلی آئیں۔“ وہ اسے دیکھ کر بدمزا ہو کر رہ گیا۔ تاہم ظاہر نہیں کیا۔

”ابھی اٹھ ہی رہا تھا تم چند منٹ لیٹ ہو جاتیں تو میں تمہیں یہاں بھی نہ ملتا۔“

”خیر ڈھونڈ تو میں تمہیں لیتی۔ کھونے تو تمہیں دوں گی نہیں۔“ وہ سامنے رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے معنی خیز مسکراہٹ سے اسے دیکھنے لگی۔

”اچھا۔“ وہ استہزائیہ آمیز انداز میں ابرو اچکا کر رہ گیا۔ پھر ہلکی سانس کھینچ کر فائلیں بند کرتے ہوئے بولا۔

”ویسے اطلاعاً عرض ہے کہ مجھے ڈھونڈنے والے بہت ہیں مگر میں اکثر لوگوں کو ملتا نہیں ہوں۔“ بظاہر اس کا انداز عام سا تھا مگر اس کی آنکھوں میں ایک ہلکی سی مسکراہٹ ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔ ایک پر سوچ مسکراہٹ۔ پھر خود کلامی کے انداز میں بولا۔ ”شاید ہم سب اپنی طلب کو ڈھونڈنے میں لگے ہوئے ہیں۔“

”کم آن بابر۔ اتنی بھری دوپہر یہ اتنا گاڑھا فلسفہ مجھ سے بالکل ہضم نہیں ہوتا۔“

”اس بھری دوپہر تو تم بھی مجھے ہضم نہیں ہو رہی ہو۔“ وہ جواباً سوچ کر رہ گیا۔

”تم پوچھو گے نہیں کہ میں کیوں یہاں آئی ہوں تمہیں ڈھونڈتی ہوئی۔“ وہ اسے کرسی سے اٹھتے دیکھ کر بولی۔

”اگر تم خود ہی بتا کر یہ مشکل آسان کر دو تو میں تمہارا احسان مند رہوں گا۔“ وہ ٹیبل سے سگریٹ کا پیکٹ لائٹر اور موبائل اٹھا کر جیب میں ڈالتے ہوئے بولا۔ جواباً وہ اسے گھور کر دیکھنے لگی بلکہ باقاعدہ آنکھیں دکھائیں۔

”آج تم شاید میرے ساتھ ڈنر کرنے والے تھے۔ میں نے عاظمہ خالہ سے کہا تو انہوں نے بتایا کہ تم اپنے فرینڈ کے ساتھ ڈنر پر جا رہے ہو۔“

”مائی سویٹ کزن۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے میں نے تم سے کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۔ ہاں تم نے آفر ضرور کی

تھی۔"
"واٹ۔ بابر یو..." وہ جھٹکے سے کرسی سے اٹھی۔ وہ گلاس ڈور دھکیل کر باہر نکل گیا۔
"بابر تم کتنے چیٹو ہو۔" وہ بھی پرس کندھے پر ڈالتی اس کے پیچھے لپکی اور اس کے ساتھ آفس سے باہر نکلتے ہوئے راہداری میں رک کر بولی۔
"میں تمہارا اتنا خیال رکھتی ہوں۔ تمہیں کمپنی دیتی ہوں اور تم ہو کہ..."
بابر بے ساختہ ہنسا۔ اس کی ہنسی سراسر مذاق اڑانے والی تھی۔
"خدانخواستہ مجھے کیا ہو گیا ہے کہ تم میرا خیال رکھ رہی ہو۔"
"حازم کے بعد تم بہت بدل گئے ہو خاصے سیریس ہو گئے ہو۔ اداس رہنے لگے ہو۔ میں تمہیں کمپنی دینا چاہتی ہوں۔" وہ دونوں لفٹ کے بجائے کشادہ سیڑھیوں سے نیچے اتر رہے تھے۔
"ہاں غم ہی ایسا ہے۔ میں حازم کو بہت مس کر رہا ہوں۔" اس نے ریلنگ پر ہاتھ ٹیک کر ذرا سا رک کر اس کی طرف دیکھا۔ پھر اس افسردگی کے سحر سے نکلتے ہوئے سر جھٹک کر تیزی سے سیڑھیاں اترتے ہوئے بولا۔
"میرا اپنا خیال ہے کہ میں کسی کی کمپنی کی... اسپیشلی تمہاری کمپنی کی بالکل بھی ضرورت محسوس نہیں کر رہا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے وہ حفظ ماتقدم پیچھے ہٹا تھا وہ پرس اٹھا کر اسے مارنے لگی تھی۔ وہ ہنستا ہوا پارکنگ لاٹ کی طرف بڑھ گیا۔
"اچھا یہ بتاؤ کہ ڈنر کر رہے ہو میرے ساتھ یا نہیں۔" وہ بحث سمیٹتے ہوئے اصل مقصد پر آتے ہوئے بولی۔
اپنی گاڑی کا آٹومیٹک لاک کھولتے ہوئے سر نفی میں ہلایا۔ "ابھی تو تم کہہ رہی تھیں کہ تمہیں امی نے بتایا کہ میں اپنے فرینڈز کے ساتھ ڈنر پر جا رہا ہوں۔"
"بابر الس ناٹ فیئر..." وہ اسے ناراض نظروں سے گھورنے لگی۔
"تو تمہیں ڈراپ کر دوں۔"
"تھینکس۔ میری اپنی گاڑی ہے۔" وہ منہ پھلا کر بولی۔
"کم آن لائبہ... اچھے دوست خفا نہیں ہوتے۔"
"اچھے دوست کو خفا بھی نہیں کرتے..." وہ شولڈر پر بکھرے بالوں کے لچھوں کو پیچھے دھکیلتے ہوئے اسے مصنوعی خفگی سے دیکھنے لگی۔
"او کے۔ لیٹس گو۔ لنچ کرتے ہیں کسی اچھے سے ریسٹورنٹ میں۔" پھر کلائی میں بندھی گھڑی پر اچٹتی نگاہ ڈالتے ہوئے بولا۔
"اتنا تو تمہارے لیے کر ہی سکتا ہوں۔ آخر تم مما کی لاڈلی بھانجی ہو۔"
اس کی اس پیش کش پر لائبہ کے پژمردہ چہرے پر یک بیک رونق اتر آئی۔ وہ یک دم کھل اٹھی۔
"وہ... رئیلی۔"
وہ سر اثبات میں ہلا کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لیا۔ وہ بھی جلدی سے فرنٹ سیٹ پر آ بیٹھی۔
"تم کتنے۔ سوئٹ ہو بابر۔" وہ حقیقتاً مسرور دکھائی دے رہی تھی۔ بابر اس کی آنکھوں میں اترتے خمار کو قطعی نظر انداز کرتا ہوا گاڑی بھگائے جا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

دوپہر سے شام ہونے کو آئی تھی وہ بولائی بولائی پھر رہی تھی۔ جیسے کچھ کرنے کو نہ ہو۔ بتول آپا اپنی اکلوتی نند بانو

کے گھر دوپہر کا کھانا کھا کر نکل گئی تھیں۔ بچے اسکول سے آکر کھانا کھا کر سو چکے تھے۔ فضا کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا وہ کیا کرے۔ چکر کاٹ کاٹ کر بھی تھک گئی تو صحن میں رکھی مسہری پر لیٹ گئی۔

ایک بے زاری اور بددلی کا عالم تھا جس میں زندگی تیرتی جارہی تھی۔ اس نے سوچا اب وہ نصیر سے موبائل کا تقاضا کرے گی۔ وہ ہر بار سوچتی وہ آئے گا تو وہ ضرور اس سے کہے گی مگر پھر ہمت ٹوٹ جاتی۔ اس کے اندر کا چور اسے اس فرمائش پر روک لیتا۔ جانے وہ کیا سوچے گا کہ میں نے اتنے عرصے میں اس سے کسی چیز کی فرمائش کی بھی تو موبائل کی۔ اسے موبائل کی کیا ضرورت پڑ گئی۔ اب کون سے اتنے ناطے اس کے پاس رہ گئے تھے۔ ہر رشتے نے تو منہ موڑ لیا تھا اس سے۔ ماں باپ بھائی بابر اور اس کی اچھی دوست حوریہ۔ حوریہ تک نے بھی......

حوریہ کا خیال آتے ہی اس کے زخم جیسے کھلتے چلے گئے۔ اس نے کروٹ بدلی اور فرش کے ڈیزائن پر نظریں گاڑ دیں۔ کچھ لوگوں کو خدا کتنا نوازتا ہے۔ ہر خوشی اس کے قدموں میں ڈھیر ہو جاتی ہے۔ حوریہ بھی ایک ایسی خوش بخت لڑکی تھی۔ حازم جیسا چاہنے والا شوہر اسے ملا تھا۔ دولت کا انبار۔ اعلا اسٹیٹس' عزت' سب کچھ......

اس کے دل سے ہوک اٹھنے لگی۔ وہ اپنا اور حوریہ کا موازنہ کرنے لگی۔ وہ جانے کب تک اذیت آمیز سوچوں میں گھری رہی' جب دروازہ زور زور سے بجنے لگا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

دروازہ بجانے کا انداز تو نصیر کا تھا اسے حیرت ہوئی اس وقت تو وہ دکان سے نہیں لوٹتا تھا۔ اس نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔ نصیر خوشی سے دمکتے چہرے کے ساتھ اندر داخل ہوا اور اسے سامنے دیکھ کر جیسے اس کی خوشی کچھ اور بڑھ گئی۔ وہ بڑے بے ساختہ پن سے اسے کندھوں سے تھامتے ہوئے بولا۔

"ایک سرپرائز ہے تمہارے لیے۔ سنو گی تو خوشی سے پاگل ہو جاؤ گی۔" پھر ادھر ادھر نظریں دوڑاتے ہوئے بولا۔ "اماں کہاں ہیں؟"

"وہ تو بانو آپا کی طرف گئی ہیں۔"

"اچھا' اچھا۔ آؤ تم میرے ساتھ آؤ۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف بڑھا جو کھلا ہوا تھا۔

"مگر کہاں؟ رکیں تو' کہاں جانا ہے۔ کیسا سرپرائز....." وہ جلدی سے اس کی گرفت سے ہاتھ چھڑانے لگی۔

"ارے آؤ تو سہی۔ کچھ دکھانا ہے نا۔ آؤ نا۔"

"آپ بتادیں یہیں پر۔" وہ یکسر بے کیفیت لہجے میں کہتی اس کی گرفت سے ہاتھ چھڑا گئی۔ وہ رک گیا اور چلتا ہوا اس کے نزدیک چلا آیا۔ اس کا سانولا چہرہ کسی اندرونی خوشی سے چمک رہا تھا۔ وہ اسے بڑی محبت سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"تمہیں گاڑی پسند ہے نا۔ بائیک سے چڑتی ہو نا تم۔ تو سمجھو اب تمہیں بائیک سے چھٹکارا مل گیا۔ میں گاڑی لے کر آیا ہوں اپنی بلکہ ہماری....." وہ اسے سرشاری کیفیت میں بتا رہا تھا۔ خوشی اس کے لہجے' آنکھوں ہر جگہ سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔ وہ تحیر آمیز بے یقینی سے نصیر کو دیکھنے لگی۔

"کئی دنوں سے سودا چل رہا تھا آج پوری رقم دے کر لے آیا ہوں۔ تمہیں بتایا اس لیے نہیں کہ جب چابی مل جائے گی تو سرپرائز دوں گا۔ آؤ جلدی سے آؤ..... دکھاؤں..... اماں اور بچے تو۔ خوشی سے پاگل ہو جائیں گے۔" وہ اسے لیے کھلے دروازے کی طرف بڑھا۔

"گاڑی....." اس کا دل پہلی بار خوشی سے دھڑکا تھا۔ اس کے قدم بھی تیزی سے اٹھنے لگے۔ اس کے تصور میں بابر کی چمکتی سی سفید بگلے جیسی گاڑی جھلملانے لگی' جس میں بیٹھ کر وہ خود کو مغرور سی محسوس کرنے لگتی تھی۔ خود کو دنیا کی خوش نصیب ترین لڑکی سمجھنے لگتی۔ تو کیا نصیر بھی ایسی گاڑی لے آیا ہے چمچماتی بگلے جیسی۔

وہ باہر نکلی جہاں ایک اجڑے سے رنگ کی بہت پرانے ماڈل کی گاڑی کھڑی اس کا منہ چڑا رہی تھی۔ اس کا تصور بری

طرح کریش ہوا تھا۔ وہ دل برداشتہ گیٹ پر ہی کھڑی رہ گئی۔ حلق میں جیسے کوئی پھانسی سی اٹک گئی۔ وہ کھل کر سانس بھی نہ لے سکی۔

"ارے فضا۔ وہاں کیوں کھڑی ہو۔ آؤ نا۔ تمہیں چکر لگا لاؤں۔ آئس کریم کھا آتے ہیں۔" نصیر نے اسے بلاتے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ مارے خوشی کے اس کی باچھیں پھٹی جا رہی تھیں۔ اس کا خیال تھا وہ فضا کے خواب کا ایک حصہ آج مکمل کر لایا ہے۔ گاڑی لا کر وہ فاتح اعظم بن گیا ہو، مگر اس کے ٹوٹے ہوئے دل پر ایک اور ضرب پڑی۔ پتا نہیں اس کے خواب ہی بہت اونچے تھے یا وہ اب خوش ہونا ہی نہیں چاہتی تھی۔ وہ مرے مرے قدموں سے آکر گاڑی میں بیٹھ گئی۔

"کیسی ہے؟" وہ اسٹیئرنگ پر ہاتھ ہلکے سے مارتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"میری قسمت اور تمہاری صورت جیسی ہے۔" اس کا دل چاہا وہ کہہ دے، مگر اس کی بے پایاں مسرت سے کھلتے چہرے کو دیکھ کر بس اتنا ہی کہہ پائی۔

"ہوں۔ اچھی ہے، مگر پرانے ماڈل کی معلوم ہوتی ہے۔"

"تو پرانی ہی ہے نئی ماڈل کی تو بہت مہنگی ہوتی ہے۔ اتنے پیسے تو نہیں تھے میرے پاس، مگر یہ بھی اچھی ہے جاپانی ہے۔ جاپانی۔۔۔" جواباً وہ استہزائیہ انداز میں سانس کھینچ کر رہ گئی۔

"چلو۔ چلتے ہیں تمہیں اس خوشی میں آئس کریم کھلا لاؤں اور مٹھائی بھی لے آتے ہیں۔" وہ گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔

"ارے نہیں بچے سو رہے ہیں گھر میں۔"

"سونے دو۔ ابھی نہیں اٹھیں گے۔" وہ بے پروائی سے بولا۔ وہ چپ بیٹھی رہ گئی۔

"دیکھو کتنا زبردست انجن ہے۔ گاڑی کا اصل چیز اس کا انجن ہوتا ہے۔ وہ درست ہونا چاہیے اگر وہ اچھا ہے تو باڈی کا تو مسئلہ ہی کوئی نہیں نیا رنگ و روغن لگالو۔ ٹائر بدل لو۔ گاڑی نئی نکور ہو جائے گی۔" وہ گاڑی چلاتے ہوئے بڑا مطمئن دکھائی دے رہا تھا۔ جیسے انجن سے بے حد مطمئن ہو۔ ایک ٹوٹی پھوٹی مسکراہٹ فضا کے لبوں پر پھیل گئی۔

"کیا بات ہے لگتا ہے تمہیں کچھ زیادہ خوشی نہیں ہوئی۔" وہ آئس کریم پارلر کے سامنے گاڑی روک کر اب کہیں جا کر اس کے چہرے کے تاثرات سے کچھ اخذ کر پایا تھا۔ اپنی خوشی کے دھن میں وہ اس کا روکھا رویہ محسوس ہی نہ کر پایا تھا۔

"اللہ چاہے گا تو نئے ماڈل کی بھی لے لیں گے کبھی نہ کبھی۔۔۔"

"ارے نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ نظریں چرا کر پھیکے سے انداز میں مسکرائی۔ "اچھی ہے۔ بچے خوش ہوں گے جب دیکھیں گے تو۔"

"ہوں۔" اس نے ہلکے سے ہنکارا بھرا۔ "میرے بچے بڑے صابر شاکر ہیں۔ وہ تو چھوٹی چھوٹی بات پر خوش ہو جاتے ہیں۔ یہ تو بہت بڑی ہے ان کے لیے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ اور انداز جتانے والا تھا۔ فضا نے اس کی طرف دیکھا مگر اب وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا بلکہ بڑی سنجیدگی سے ونڈ اسکرین پر نظریں مرکوز تھیں۔ پھر گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔

"میرا خیال ہے آئس کریم بچوں کو ساتھ لائیں گے تو کھالیں گے ابھی مٹھائی لے کر گھر چلتے ہیں۔"

اس کے چہرے پر دمکتی مسرت یوں دم توڑ گئی تھی جیسے کسی نے جلتے دیے کو یک دم پھونک مار کر بجھا دیا ہو۔ بس اب ہلکا ہلکا دھواں اٹھ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

کون سوچ سکتا تھا کہ ہنستی مسکراتی زندگی یوں صحرا بن کر آنکھوں میں چھبنے لگے گی۔ بس پل بھر کا سفر تھا گویا وہ گلستان کا۔۔۔ اب دور تک ویرانہ پھیلا ہوا تھا۔ جس کا دوسرا کوئی سرا نہیں تھا۔ نہ امنگیں تھیں، نہ تمنائیں باقی تھیں۔ بس یادیں تھیں جو کبھی بہلا لیتی تھیں، کبھی دل میں خواہش ڈال دیتی تھیں۔ نہ وہ سسی تھی نہ لیلیٰ نہ نوری، مگر اس نے سسی نوری اور لیلیٰ سب سے بڑھ کر اپنے محبوب کو چاہا تھا۔ اور اب اس محبوب کی جدائی کی اذیت سے بھی گزر رہی تھی۔

اسی انداز سے چل بادِ صبا آخرِ شب
یاد کا پھر کوئی دروازہ کھلا آخرِ شب
دل میں بکھری کوئی خوشبوئے قبا آخرِ شب

صبح پھوٹی تو وہ پہلو سے اٹھا آخرِ شب
وہ جو اک عمر سے آیا نہ گیا آخرِ شب

گھر جو ویران تھا سرِ شام وہ کیسے کیسے
فرقتِ یار نے آباد کیا آخرِ شب

جس ادا سے کوئی آیا اولِ صبح
اسی انداز سے چل بادِ صبا آخرِ شب
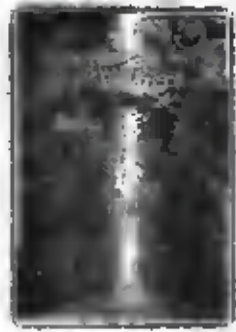
اس نے ڈائری بند کی اور اس پر یوں ہی بیٹھے بیٹھے ٹھوڑی ٹکا دی۔
"عافظمہ تم سے ملنے آئی ہے حوریہ۔" رقیہ بھابھی اس کے کمرے میں جھانکتے ہوئے بولیں۔ وہ چونکی پھر ہلکی سانس بھرتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھی۔
"تم باہر آؤ گی یا میں انہیں کمرے میں ہی لے آؤں تمہارے۔"
"نہیں میں آرہی ہوں۔" وہ اپنی سفید چادر کرسی سے اٹھانے لگی۔ اس کی عدت مکمل ہوگئی تھی مگر اس کا تو دل ایک ہی احساس سے بندھا ہوا تھا کہ اب عمر بھر حازم کی یادوں کے ہمراہ ایک گوشے میں پڑی رہے۔ کوئی مخل نہ کرے۔
"ہاں تم ہی آجاؤ تو اچھا ہے۔ بابر بھی ساتھ ہے۔" رقیہ بھابھی یہ کہتے ہوئے کمرے سے پلٹ گئی تھیں۔ چادر لپیٹتے ہوئے اس کا ہاتھ ٹھٹک گیا۔
یاور علی کے چھوٹے سے صاف ستھرے ڈرائنگ روم میں یاور علی' عادل بھائی کے ساتھ بابر اور عافظمہ بھی بیٹھے تھے۔ جب مومنہ علی شاہ کو گود میں اٹھائے اندر داخل ہوئی۔
علی شاہ کو دیکھ کر بابر میکانکی انداز میں اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔ اس کی نگاہیں بچے پر اٹھیں تو حیرت اور مسرت کے مشترکہ احساس سے جھپکنا بھول گئیں۔ اس نے بے اختیار مومنہ کی گود سے اسے اٹھالیا۔ پھر یک دم جیسے چونک کر کچھ خفیف سا ہوگیا۔
"سوری۔۔۔ میں ایکچوئلی۔۔۔"

"نہیں کوئی بات نہیں۔۔۔" مومنہ اسے نادم دیکھ کر جلدی سے بولی۔
"سو بیوٹی فل۔۔۔ ماشاءاللہ یہ تو اور بھی کیوٹ ہوگیا ہے۔" بابر علی شاہ کو اٹھائے عافظمہ کے پاس آکر بیٹھ گیا۔
"ہاں ہو بہو حازم ہے۔" عافظمہ بھی اسے پیار کرنے لگیں۔ مومنہ دھیرے سے مسکرائی پھر رقیہ بھابھی کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھا تو بولیں۔
"کیا ہوا۔۔۔ حوریہ نہیں آرہی کیا؟"
"آرہی ہے۔"
"ہم نے بھی بے وقت آکر آپ لوگوں کو ڈسٹرب کردیا مگر کیا کریں علی شاہ کو دیکھے بہت دن ہوگئے تھے اور عباد بھی اسے بہت مس کررہے ہیں۔ ہم نے سوچا حوریہ کو اب لے کر ہی آتے ہیں۔ یہ روز روز کہاں آنا جانا کرتے رہیں گے۔" عافظمہ نے بڑی سمجھ داری سے اپنے آنے کا اصل مقصد بھی واضح کررہی تھی۔
حوریہ کے قدم دروازے پر ٹھٹک گئے۔ اسے اپنے اعصاب پل بھر کو کھنچتے ہوئے محسوس ہوئے تھے شاید اس لیے کہ اس کے ذہن کے کسی بھی گوشے میں یہ بات نہیں تھی کہ ان کی آمد کا مقصد یہ تھا۔ اس کی نظریں بابر کی گود میں موجود اپنے بچے پر گئیں اور جیسے کسی خوف ناک خیال سے دل سینے کی دیواروں میں زور سے ٹکرا تھا۔
(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

طیبہ مرتضیٰ

بعض اوقات ہمارے اندر کچھ ایسی خامیاں ہوتی ہیں جو ہماری مشکلات میں اضافہ کرتی ہیں یا ان کی وجہ سے لوگ ہمارے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے مگر بعض دفعہ یہ خامی رحمت بن جاتی ہے۔ میرے کہنے کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ ہمیں اپنی خامیوں کو درست نہیں کرنا چاہیے اور انتظار کرنا چاہیے کہ کب وہ ہمیں فائدہ دیں۔ میں تو صرف یہ بتا رہا ہوں کہ بعض اوقات کوئی خامی خوبی بھی بن جاتی ہے۔

میری سب سے بڑی خامی یہ تھی کہ میں کسی بھی چیز کے متعلق رائے دوسرے شخص کی رائے کے خلاف دیتا۔ جیسے اگر کوئی یہ کہے کہ صبح کا وقت صحت کے لیے بہت اچھا ہوتا ہے تو میں اپنا سارا زور اس بات پر لگاؤں گا کہ صبح کا نہیں شام کا وقت صحت کے لیے اچھا ہوتا ہے۔ اگلا شخص اپنا سر پیٹ لے گا۔ ثبوت اور دلائل لے آئے گا مگر میں اپنی بات پر اڑا رہوں گا۔ میری اس عادت سے گھر والے اور یار دوست سب تنگ ہوتے تھے۔ اللہ جنت نصیب کرے اماں جی کہا کرتیں۔

”رشید احمد کیوں تو ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد بنا کر بیٹھ جاتا ہے‘ کسی دن تیرے مقابلے کا کوئی آگیا نہ تو پتا چل جائے گا۔“ مقابلے کا آیا نہیں‘ بلکہ آئی میری بیوی نازیہ اور واقعی صحیح معنوں میں مجھے سمجھ آگئی تھی

کیوں کہ وہ اپنی اس عادت میں مجھ سے بھی دو چار ہاتھ آگے تھی۔ یقین مانیے، کبھی وہ مجھے اپنی باتوں سے اتنا زچ کر دیتی کہ میرا دل کرتا کہ اپنا سر دیوار پہ دے ماروں۔

ہم دونوں کی کوئی بھی پسند آپس میں نہ ملتی تھی، مجھے چائے پسند تھی اور اسے کافی۔ مجھے نیلا رنگ سخت ناپسند تھا اور اسے نیلے رنگ سے عشق تھا مجھے بارش سخت بری لگتی تھی کیوں کہ برسنے تک تو بارش اچھی ہوتی ہے، مگر بعد میں ہونے والی گندگی اور کیچڑ کی وجہ سے مجھے بری لگتی۔ مگر کیا کہنے میری بیوی نازی کے، بارش کو دیکھ کر بچوں کی طرح ری ایکٹ کرتی بلکہ مجھے چڑانے کے لیے دیوانی ہو جاتی۔ جو سیاسی جماعت مجھے پسند تھی اس کے خلاف ڈھونڈ ڈھونڈ کر تبصرے اور خبریں نکال کر لاتی الغرض ہم ایک دریا کے دو کنارے تھے، جو کبھی بھی کہیں بھی نہیں ملتے تھے۔

☆ ☆ ☆
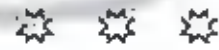
مجھے گجرات سے میری بڑی بہن کے کرائے دار کا فون آیا کہ میں ہر صورت میں صبح آکر ان سے ملوں۔ شکر ہے کہ نازی اس وقت واش روم میں تھی، اگر اس کے سامنے یہ فون آیا ہوتا تو اس نے نہ تو مجھے جانے دینا تھا، بلکہ الٹا میرے گھر میں پانی پت کا میدان چھڑ جانا تھا۔ میں نے خاموشی سے اپنے باس سے چھٹی لی اور صبح گجرات روانہ ہو گیا۔ میری بڑی بہن میری ماں جائی، میرے لیے بڑی بہن ہی نہیں ماں کا رول بھی ادا کرتی تھیں۔ ہم دو ہی بہن بھائی تھے۔ اماں جی کے انتقال کے بعد عابدہ باجی نے میرا پہلے سے زیادہ خیال رکھنا شروع کر دیا تھا نازی میرے دوست کی بہن تھی۔ ہمارے خاندان اور برادری میں میری شادی کی بہت مخالفت کی گئی تھی، مگر عابدہ باجی نے سب کی مخالفت مول لے کر میری شادی کروائی تھی۔ وہ ابھی تک میرے ناز نخرے اور لاڈ اٹھاتی تھیں۔ میں عابدہ باجی کے انتقال کے بعد دوسری دفعہ ماں کی ممتا سے محروم ہو گیا تھا۔ دو ماہ پہلے عابدہ باجی کا انتقال ہو گیا تھا۔ ان کے شوہر پانچ سال پہلے ہی وفات پا چکے تھے، اب صرف ایک آٹھ سال کا بیٹا تھا کاشف، جسے باجی کی وفات کے بعد اس کے تایا نے رکھ لیا تھا۔ باجی کے ہاں اولاد دیر سے ہوئی تھی اگر صحیح وقت پر ہو جاتی تو ان کا بیٹا کوئی انیس بیس سال کا ہوتا ہے۔

خیر میں اندیشوں میں گھرا جب باجی کے گھر پہنچا تو کاشف سیڑھیوں میں بیٹھا رو رہا تھا مجھے دیکھ کر بھاگتا ہوا آیا اور میری ٹانگوں سے لپٹ کر سسکیاں بھرنے لگا۔ وہ روتا جاتا اور ایک ہی بات بولتا جاتا۔

"ماموں مجھے امی کے پاس چھوڑ آؤ" اس کی یہ حالت دیکھ کر میں پریشان ہو گیا میری آواز سن کر باجی کے کرائے دار اکرام صاحب آگئے انہوں نے کہا۔

"میں نے اس لیے آپ کو بلایا ہے کہ کاشف کل چپکے سے بغیر کسی کو بتائے میرے گھر آگیا اور جب سے روئے جا رہا ہے۔ اصل میں مجھے باقی لوگوں سے بھی پتا چلا ہے کہ اس کی تائی اس پر بہت ظلم کرتی تھیں۔ یہ دیکھیں۔" کرائے دار نے مجھے اس کا جلا ہوا بازو دکھایا اور اس کی کمر پر بھی نیل پڑے ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر میرا خون کھول اٹھا میں نے کاشف کے تایا کو فون کر کے خوب سنائیں کہ آپ کے سگے بھائی کی اولاد ہے اور آپ کی روح نہیں کانپی یہ ظلم کرتے ہوئے۔ آگے سے کاشف کے تایا فرمانے لگے۔

"کون سا ظلم ہو گیا ہے اس پر کیا ہم اپنے بچوں کی پٹائی نہیں کرتے اگر میری بیوی نے ایک دو تھپڑ مار دیے ہیں اس کو تو کون سی قیامت آگئی تھی کہ بندہ بغیر بتائے گھر چھوڑ کر چلا جائے۔ اغوا ہو جاتا تو بھیا سب نے مجھے باتیں سنانی تھیں۔ اصل میں یہ اپنی ماں پر گیا ہے تمہاری بہن نے بھی ساری عمر سسرال والوں کی قدر نہ کی، اب بیٹا بھی اسی پر چلا گیا ہے اور جہاں تک بات ہے سگے رشتے کی ہے تو میاں تم بھی سگے ماموں ہو تم کیوں نہیں رکھ لیتے۔" سو یہ کہہ کر فون کاٹ دیا۔

کرائے دار اکرام صاحب نے یہ سن کر کہا۔

"قرب قیامت کی نشانیاں ہیں کہ سگے رشتے دار ایک آٹھ سال کے معصوم بچے کو نہیں رکھ سکتے۔ صحیح

کہتے ہیں ' بھائی اب خون سفید ہو گیا ہے۔ تم کو اسی لیے بلایا تھا کہ تم ماموں ہو ' بہن کی نشانی سنبھالو ' تمہاری بہن تم سے بہت محبت کرتی تھیں' اب تمہاری باری ہے محبت کا قرض اتارنے کی۔"

آخر وہی ہوا جس کا مجھے اندیشہ تھا میرا سر چکرا گیا کہ میں کیا کروں ' ایسا نہیں کہ میرا دل اپنی بہن کے آٹھ سال کے بچے کے لیے تنگ ہو گیا تھا مگر سارا مسئلہ نازی کا تھا۔ اس نے کم و بیش کاشف کی تائی جیسا سلوک کرنا تھا۔ بے شک وہ مار پیٹ نہیں کرے گی مگر بے زاری اسی طرح دکھائے گی۔ کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں بستر پر لیٹے ہوئے میری آنکھ لگ گئی خواب میں بھی اماں جی جوتے سے میری پٹائی کرتے نظر آئیں کہ تو نے بہن کے بچے سے برا سلوک کیا تو یاد رکھیو تجھے روز قیامت دودھ نہ بخشوں گی۔ کبھی عابدہ باجی روتی ہوئی التجا کرتی نظر آتیں۔

خیر میں نے کاشف کو لیا اور لاہور آنے والی کوچ میں بیٹھ گیا۔ سخت پریشانی کا عالم تھا' مجھے صاف نظر آرہا تھا کہ نازی نے ناراض ہو کر اپنے میکے چلے جانا ہے کہ یا تو یہ رہے گا اس گھر میں یا میں رہوں گی۔ اتنے میں مجھ سے اگلی سیٹ پر بیٹھے میاں بیوی کسی بات پر بحث کرنے لگے۔ بحث کم لڑائی زیادہ کر رہے تھے کہ اچانک انہیں دیکھ کر میرے دماغ میں ایک ترکیب آئی اس ترکیب کے کامیاب اور ناکام ہونے کے پچاس فیصد چانسز تھے۔

☆ ☆ ☆

میں نے گھر پہنچ کر کاشف کو کمرے میں جانے کا کہا اور پھر اس کے بیگ کو ٹھوکر مار کر پھینکا۔ نازی جو پہلے ہی کاشف کو میرے ساتھ دیکھ کر حیران تھی میرے رویے کو دیکھ کر مزید حیران رہ گئی۔

"کیا ہے یہ سب؟" اس نے مجھے گھورتے ہوئے کہا "آپ تو آفس گئے تھے یہ کاشف کہاں سے آگیا ہے۔" میں نے دانت چباتے ہوئے کہا۔

"اس کے تایا صاحب فرماتے ہیں کہ ہم اس مہنگائی کے دور میں اسے نہیں پال سکتے ہیں۔ ارے تو میں کیوں پالوں اسے' میں نے یتیم خانہ کھول رکھا ہے" میں نے سر کے بالوں کو نوچتے ہوئے کہا۔ یہ کہہ کر میں نہانے کے بہانے واش روم میں گھس گیا اور اتنی اچھی ایکٹنگ کرنے پر اپنے آپ کو خوب اچھی طرح داد دی۔

صبح ناشتے کی میز پر کاشف کے سامنے پڑی انڈے کی پلیٹ میں اٹھا کر کچن میں لے آیا' جہاں نازی چائے کو دم دے رہی تھی۔ میں نے پلیٹ لا کر اس کے سامنے زور سے پٹخی۔

"یہ کیا ہے؟" میں بولا وہ میرے رویے پر حیران ہوتے ہوئے بولی۔

"انڈہ ہے۔" میں نے غصہ دکھاتے ہوئے کہا۔

"مجھے بھی نظر آرہا ہے انڈہ ہم کو پتا ہے انڈہ کتنے کا آتا ہے۔ بارہ روپے کا آتا ہے۔ میرے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ ہر ایرے غیرے یا یتیموں پر لٹاتا پھروں میں پیسا اپنے لیے کماتا ہوں خیرات بانٹنے کے لیے نہیں' جو کھانا بچ جاتا ہے وہ اسے دے دیا کرو۔" یہ سب کچھ کہتے ہو میرا دل اندر سے ڈر رہا تھا کہ اگر نازی اس معاملے میں میری ہم خیال نکلی تو سارے کیے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔ شام کو آفس سے آتے ہوئے اخبار کا وہ اسلامی صفحہ جس میں یتیموں کے حقوق اور ان کے ساتھ بہترین سلوک کرنے پر جو اجر ملتا ہے۔ اس پر فیچر تھا پھر میں نے بڑے اہتمام کے اس اخبار کو ٹیبل پر ایسے رکھا کہ آتے جاتے نازی کی نظر پڑتی رہے۔

پلان نمبر تین کے تحت میں نے نازی کو چائے لانے کا کہا جب وہ چائے لائی تو میں نے کاشف کو آوازیں دینی شروع کیں' نازی نے میرے پاس صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کیا بات ہے اسے کیوں آواز دے رہے ہیں وہ اور حسن باہر کرکٹ کھیل رہے ہیں۔"

"کیا!" میں نے غصے سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"میں اسے یہاں کھیل تماشے کرنے کے لیے نہیں لایا ہوں اس سے گھر کے کام کروایا کرو اس سے کام والی کو

جو پیسے دیتے ہیں وہ بچ جائیں گے۔ تم تو نری احمق ہو
ارے کاشف کی تائی سے کچھ سیکھو اس سے کام کرواتی
تھیں۔ کس قدر عقل مندی کا ثبوت دیا تھا انہوں
نے۔" نازی غصے میں تنک کر میرے سامنے آکر کھڑی
ہو گئی۔

"میری بات سنیں' مجھے آپ احمق ہی رہنے دیں
میں باز آئی ایسی عقل مندی سے جس میں یتیم اور
معصوم بچے کو تکلیف دی جائے' اور مجھے ایک بات
بتائیں آپ دو مہینے میں ہی عابدہ باجی کو بھول گئے
'ارے بڑی بہن نہیں ماں تھیں وہ آپ کی! مجھے تو ابھی
تک نہیں بھولا کس چاؤ سے وہ مجھے بیاہ کر لائی تھیں۔
ہر تہوار اور نئے موسم کے آنے پر مجھے کپڑے تحائف
بھجواتی تھیں۔"

"ارے بے وقوف عورت میری جیب میں اتنی
طاقت نہیں ہے کہ مہنگائی کے دور میں ایک اور فرد کو
پالوں۔" یہ کہہ کر چائے کی پیالی کو زور سے میز پر پٹخ دیا
جس سے چائے میز پر گر گئی۔ اپنی ایکٹنگ میں جان
ڈالنے کے لیے یہ ضروری تھا۔ بس جی بے وقوف لفظ
سنتے ہی نازی تنتا ہو گئی غصے میں سرخ چہرہ لے کر بولی۔

"یہ کیا آپ مجھے بے وقوف کہتے ہیں اور کبھی احمق
'خود کو عقل کل سمجھتے ہیں۔ اگر آج مجھے اور آپ کو
کچھ ہو جائے تو لوگ حسن اور گڑیا کے ساتھ یہ سلوک
کریں گے' یہ سوچ کر میری روح کانپ جاتی ہے۔
رشید ہم نے کل کو اللہ کے سامنے بھی پیش ہونا ہے'
اس بات کو بھی ذہن میں رکھیں' اور آپ تو ویسے ہی کم
ہمت ہیں اور سوا نیزے پر ہر وقت بیٹھے رہتے ہیں۔
ارے ٹھنڈے دماغ سے سوچیں تو ہر مسئلے کا حل نکل
آتا ہے۔ میں نے سب پلان کر لیا ہے۔ باجی کے مکان
کا جو کرایہ اور ان کے میاں کی پینشن سے آنے والے
سارے پیسے کو آپ بینک میں کاشف کا اکاؤنٹ کھلوا کر
جمع کروا دیجئے' جو اس کی تعلیم اور ضروریات کے لیے
کافی ہو گا۔ کاشف' حسن کے ساتھ اس کے کمرے
میں رہے گا' آپ پریشان نہ ہوں بس۔ جہاں چار رہ سکتے
ہیں تو پانچویں کی گنجائش آسانی سے نکل آئے گی۔"

"یہ سب تو ٹھیک ہے نازی بی بی' مگر یاد رکھنا یہ سب
تم اپنی رضا سے کر رہی ہو۔ کل کو کسی معاملے کو لے کر
گھر میں لڑائی یا فساد ڈالا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔"
نازی نے دوسرا چائے کا کپ لا کر میرے سامنے رکھتے
ہوئے کہا۔

"مسئلہ ہو گا تو فساد ڈلے گا' جب کوئی مسئلہ ہی
نہیں ہے تو لڑائی کیسی!"

میری ترکیب کام کر گئی تھی۔ نوے فیصد کام ہو گیا
تھا دس فیصد رہ گیا تھا جو میں نے کاشف سے کروایا اس
کو بولا کہ اگر تم مامی کا خیال رکھو گے تو تمہاری ماں کی
روح بہت خوش ہو گی۔ ماں کی روح کو خوش کرنے کے
لیے کاشف ہر وہ کام کرنے کی کوشش کرتا جس سے
نازی خوش ہوتی۔ میں بچوں کو گھومانے لے کر جاتا تو
واپسی پر نازی کی پسند کی کھانے کی چیزیں ضرور لاتا اور
کہتا کہ یہ کاشف نے میرے پیچھے پڑ کر تمہارے لیے لی
ہیں' پتا نہیں تم نے اس پر کیا جادو کر دیا ہے ہر وقت مامی
مامی کرتا رہتا ہے۔ نازی اس بات پر بہت خوش ہو
جاتی۔

☆ ☆ ☆

یقین مانیے اگر میں کاشف کو سرپرستی میں لینے کی
بات کرتا تو وہ سب باتیں جو میں نے بولی تھیں نازی
بولتی اور سختی سے اس بات پر ڈٹ جاتی کہ کاشف کو ہم
اپنے گھر نہیں رکھیں گے مگر ذرا سی سمجھ داری سے
کام لے کر میں نے نازی کی خامی سے فائدہ اٹھایا۔ میں
پھر کہہ رہا ہوں خامیاں دور کرنے کے لیے ہوتی ہیں
اپنانے کے لیے نہیں لیکن اگر اپنی یا کسی کی خامی سے
کوئی جائز فائدہ ہوتا ہو تو ضرور اٹھانا چاہیے۔ اب
میرے گھر میں راوی چین ہی چین لکھتا ہے اور مزے
کی بات یہ ہے کہ اماں جی اب خواب میں جوتا لے کر
میری پٹائی بھی نہیں کرتی ہیں۔

☆ ☆

مصباح علی

گھنگھور گھٹا جھومتی، ڈولتی آئی تھی اور پھر گنگناہٹ کے ساتھ برسنا شروع ہو گئی۔ گزشتہ رات کئی گھنٹے چھنتی دھاڑتی بارش برسی تھی۔ ماربل کا صحن مسلسل بارش نے درمیان سے چمکا کر شفاف کر دیا تھا، مگر اردگرد سے جمی گیلی مٹی اور پتوں نے غلیظ سا بارڈر بنا دیا تھا۔ ہمیشہ سے کاہل، سست اجیارہ ماسی کو کوستی، بڑبڑاتی ہوئی فرش دھونے کی کوشش کر رہی تھی۔ اپنی نکمی عادات سے مجبور جھاڑو کا کام بھی وانپر سے لینے لگی۔ اس کی واضح بڑبڑاہٹ میں ماسی کے لیے صلواتیں تھیں۔ غالباً" وہ دن چڑھے تک آئی تھی اور ماں کی ڈانٹ پھٹکار پر فرش اسے دھونا پڑا۔

"دو بوندیں گر جائیں تو کم بخت چھٹی کے لیے دریائے نیل بہا دیتی ہے، رات تو پھر طوفان آیا تھا جس نے سڑک پر خوب بدتمیزی پھیلائی، اب کہاں آئے گی منحوس۔" وہ منہ کے زاویے بگاڑتے اس کی نقلیں اتارنے لگی۔

"ہائے! باجی چھوٹے دا پیر پھسل گیا، لات ٹوٹ گئی، قسمیں وڈی نوں تاپ چڑھ گیا۔"

وہ تو جانے کیا کیا نقلیں اتارتی۔ مگر پاس سے گزرتے بھائی جان اسے دیکھ کر بھونچکا رہ گئے۔

"جیا! خیریت، یہ کیسے منہ چڑھا رہی ہو، کس سے باتیں کر رہی ہو۔" انہوں نے چاروں طرف گھوم کر دیکھا جب کوئی نظر نہ آیا تو پیار سے اس کے کندھے پکڑے۔ "کہیں ٹھنڈ سے تمہارے دماغ پر اثر تو نہیں ہو گیا۔" ان کی اتنی اچھی اداکاری پر اجیارہ کلس کر رہ گئی اور جب ناک منہ چڑھانے کے علاوہ کوئی جواب نہ دیا تو خود ہی مسکرا دیے۔ "اچھا! یہ صبح ہی صبح آبشار سے کھیلنے کا اثر ہے۔ چچ چچ۔"

ان کے افسردہ لہجے پر اس کا جی چاہا آبشار کا رخ انہی کی طرف موڑ دے، مگر وہ گردن سے "ہونہہ" کہہ کر دیوار کو وانپر سے صاف کرنے لگی ساتھ ساتھ پانی کا پریشر بھی مار رہی تھی، تاکہ چپکی ہوئی مٹی تو اترے۔ ابا جان پنڈلیوں تک شلوار چڑھائے سنبھل، سنبھل کر صحن عبور کر گئے۔ غالباً" خاموشی سے اس لیے گزرے کہ بیٹی رانی صحن دھو رہی ہے، کوئی بعید نہیں کب پلٹے اور پانی کا رخ انہی کی طرف کر دے یا پھر پائپ پٹخ کر روتی بسورتی آکر لیٹ جائے کہ مجھ سے کام نہیں ہوتا، اس مصیبت سے جان چھڑواؤ۔ بیٹی کی جان تو چھوٹ جائے گی، مگر زوجہ ان کی جان کو آجائیں گی۔ پہلے ہی بیٹی کا نکماپن ان کے کندھے پر رکھا ہے۔

"میاں تم نے بگاڑ رکھا ہے، تب ہی تو کچھ آتا جاتا نہیں مہارانی کو۔" عافیت اسی میں ہے کہ دبے پاؤں نکلو۔ چچا بھی ابا کی تقلید کرتے خراماں خراماں تھے۔ مگر ان کی پشاوری سینڈل کی چوں چراں پر اجیارہ نے گردن گھما کر دیکھا۔ اس کی رحم طلب فریادی نگاہ پر چچا نے ہونٹ بھینچ کر ہنسی روکنے کی ناکام کوشش کی۔ گویا اس کی بے بسی پر لطف اندوز ہوئے ہوں۔ اسے چچا کی مبہم ہنسی ذرا نہ بھائی۔ وہ گردن جھٹک کر دیوار پر برسات کرنے لگی۔ ایک تایا جان تھے جو بڑھاپے کی بنا پر آہستہ آہستہ سیڑھیاں اترتے ہوئے کھنکارے اور

جاتے جاتے اس کے سر پر پیار کرتے گئے۔

"میری گڑیا کو صبح ہی صبح فرش دھونا پڑ گیا۔ نازک سی جان ہے۔ تمہاری اماں بھی اتنا اتنا بوجھ لاد دیتی ہے۔" وہ آنکھیں بند کیے خود ترسی کے عالم میں ان کی ہاں میں ہاں ملا رہی تھی۔

"چلو گڑیا کوئی بات نہیں۔" انہوں نے پچکارتے ہوئے اس کی کمر کو تھپکا۔ "جب دھونے کھڑی ہو ہی گئی ہو تو اچھی طرح پانی ڈالو۔۔۔ وہ کونے میں خاصی مٹی جمی ہے۔"

اس کی آنکھیں جھٹکے سے کھلیں اور وہ حیرت سے انہیں دیکھنے لگی۔ گو کہ اپنے اوپر ترس کھاتے تایا جان کتنے اچھے لگے تھے' بالکل اپنے اپنے سے۔ وہ تو ہمدردی سمیٹنے کے لیے ابھی لیٹنے کو تھی مگر انہوں نے بھی پچھلے کونے کی طرف اشارہ کر کے گویا اس کی کاہلی جتا دی۔ اس نے نبولی نکلتے ہوئے انہیں گیٹ پار کرنے تک گھورا تھا۔ پھر آڑھا ترچھا منہ کر کے ان کی نقل اتارتے ہوئے پائپ کے منہ پر انگلی رکھی اور پانی کی تیز دو دھاریں اس کونے پر برسانی شروع کیں۔ خاصی گرد

سرک' سرک کر باہر نکلی تو اس نے دور سے ہی ہاتھ بڑھایا اور وانیہ سے اسے کھینچنا چاہا' مگر دونوں ٹانگوں کے درمیان یقیناً "پائپ" آگیا تھا اور وہ الجھ کر دھڑام سے گری۔

"اوئی۔" ہونٹوں پر ہلکی سی سسکاری تھی۔ اس نے پہلے آگے پیچھے گردن گھمائی۔ گو تسلی کی' کسی نے دیکھا تو نہیں اطمینان ہونے پر چوٹ سہلاتی کھڑی ہوگئی۔ گیٹ بند ہونے کا تو یقین تھا' اسی لیے اندرونی کمروں اور خاص کر اوپر پورشن کی طرف زیادہ گھوم رہی تھی۔ غالباً "کہیں تایا جان کے پوتا' پوتی نے تو گرتے نہیں دیکھ لیا۔ منحوس دانت نکال نکال کر ہنسیں گے۔ کوئی بعید نہیں ٹیرس پر ہی ملنگوں کی طرح دھمالیں شروع کردیں۔

"جیا آپی گر گئیں' واہ واہ۔" تاکہ جنہوں نے نہیں دیکھا وہ منادی سن لیں اور اگر چچا کے بیٹوں نے دیکھ لیا تو خبیث ہونٹ سی لیں گے اور آنکھیں ہنسیں گی۔ کمینے کئی دن بام پیش کریں گے' ٹکور کے لیے گرم ریت دیں گے مگر صد شکر کسی نے نہیں دیکھا۔ اچھی خاصی چوٹ کے باوجود وہ آہستہ آہستہ کمر کا نچلا حصہ سہلا رہی تھی۔

"کوئی کام تو ڈھنگ سے کرلیا کرو۔ سستی کی مار' فرش ہی دھونے کو کہا تھا' مکھیوں کی طرح گرتی پڑتی کیوں پھر رہی ہو۔" کھڑکی کی جالی میں سے میمونہ نے اسے گرتے دیکھا تو بڑبڑاتی ہوئیں باہر آئیں۔ ساری دنیا کی لڑکیاں بھاگم' بھاگ کام کرتی ہیں اور یہ ست الوجود میرے لیے رہ گئی تھی' مجال کیا جو کوئی کام منحوس ڈھنگ سے کرلے' موبائل پر بڑی پٹ' پٹ انگلیاں چلتی ہیں' مگر جھاڑو پکڑتے ہاتھ ٹوٹتے ہیں۔" وہ مسلسل بولتی ہوئیں برآمدہ پار کرتیں اس کے سر پر پہنچ گئیں اور ایک ٹھوکا بھی لگایا۔ "دفعان ہو اندر' جاکر کپڑے بدل۔ میں خود لگالوں گی وانیہ۔" اس سے وانیہ چھینتے ہوئے نظریں اس کے گیلے لباس پر ...

"اتنی زور سے بے عزتی ضرور کرنی تھی' آرام سے لے لیتیں۔" اس نے بھی جھٹ وانیہ چھوڑا اور اپنی گیلی شلوار میں سے قمیص کھینچی' شکوہ کرتی برآمدہ پار کرنے لگی ہی تھی کہ ڈور بیل بجی۔

"پہلے باہر دیکھو کون آیا ہے۔" میمونہ کے نئے حکم پر اس نے بالکل انجان بنتے ہوئے گردن موڑ کر پوچھا۔

"ہوں امی مجھ سے کچھ کہا ہے۔"

"نہیں تمہارے ابا سے کہا ہے۔" میمونہ کی گھر کی پر وہ بے نیازی سے بولی۔

"ابا تو کب کے دکان پر چلے گئے۔"

تینوں بھائیوں کی مشترکہ کپڑے کی دکان تھی اور صبح سویرے تینوں آگے پیچھے چلے جاتے تھے۔ آج تو اس نے تینوں کو ساتھ ساتھ جاتے دیکھا تھا' پھر وثوق سے کیوں نہ کہتی' مگر اس کی بے نیازی میمونہ کی پچھاڑنے توڑ دی۔

"بتاؤں تجھے میں۔" اس سے پہلے کہ وہ وانیہ اٹھاتیں وہ پاؤں جما کر بھاگتی ہوئی گیٹ کی طرف لپکی۔ اس نے ایک دو "کون کون" کی رٹ کے بعد دروازہ کھول دیا۔

"اف! یہ مرزا غالب پھر اتنی جلدی آگیا' ہائے میرے ربا! لگتا ہے اس کے گھر والے بھی اس سے اکے (اکتائے) پڑے ہیں۔" اجیارہ کی نظر جیسے ہی اس پر گئی تو وہ دانت کچکچا کر رہ گئی۔

"محترمہ! بندہ ناچیز اندر آنے کی اجازت طلب کرتا ہے' کیا راستہ دیں گی آپ؟" وہ دروازے کے بیچ و بیچ کھڑی تھی۔ غالباً "اسی لیے وہ مودبانہ انداز میں جھک کر اس سے اجازت طلب کررہا تھا۔

"جی تو چاہتا ہے اجازت نہیں دھکا دے دوں' وہ بھی گٹر میں۔" وہ دل میں سوچتے ہوئے راستے سے ہٹ گئی۔ کیونکہ ماں کچھ فاصلے پر ہی موجود تھیں۔ اگر کوئی الٹا سیدھا سن لیا تو بغیر کسی کا لحاظ کیے وہ عزت افزائی کریں گی جو آنے والے کے گاؤں تک گنگناتی جائے گی۔ فراست اس کے قریب سے گزر کر میمونہ کے پاس آگیا اور سلام پیغام' حال احوال بتانے لگا۔ وہ ڈھیروں دعائیں' شاباشیاں سمیٹ کر سیڑھیاں پھلانگتا

اوپر چلا گیا اور وہ میمونہ کا اس کے ساتھ رس ٹپکاتا لہجہ سن کر دل مسوس کر رہ گئی۔

"اب جلدی سے نہا دھو کر' اپنی کتابیں ڈھونڈو' فراست آگیا ہے' اس سے کہوں گی آسان نوٹس بنا دے گا تجھے۔" ابھی تو ان کا لہجہ ہضم نہ ہوا تھا کہ دوسرے اعلان نے دماغ ہی سن کر دیا۔

"کتابیں ڈھونڈنے کا تو ایسے کہہ رہی ہیں' جیسے کئی برسوں سے تلاش گمشدہ کے اعلان ہو رہے ہوں' نکال لیتی ہوں' ابھی تو وہ آیا ہے' آپ آتے ہی اسے پڑھانے کا کہہ دیں گی؟؟" ابھی وہ کمرے تک بھی نہ گئی تھی کہ ماں کے ارادے منہ میں کڑوے بادام بھر گئے۔

وہ تڑپ کر پلٹی اور ناک منہ چڑھاتے ہوئے زینے کی طرف گھورا جہاں سے ابھی وہ گیا تھا۔

"اب سے کہوں گی تو تم شام تک ہی نکالو گی۔" انہوں نے وائپر ٹھکانے پر رکھا۔ بیسن میں ہاتھ دھوئے۔ گردن موڑے اس کے بگڑتے زاویے دیکھ رہی تھیں۔ اس کی تنی بھنوئیں میمونہ کی پاٹ دار آواز پر ڈھیلی ہوئیں۔

❋ ❋ ❋

میمونہ ہمیشہ ہی اس کی عزت افزائی ایسے ہی کرتی تھیں۔ ان کی یہ تیئس سالہ اکلوتی بلکہ انوکھی اولاد جس کے رگ و پے میں کاہلی' سستی' کام چوری رچی بسی تھی' بلکہ ہڈیوں میں گھلی تھی۔ اوپر سے غائب دماغی' صرف نت نئے فیشن کے علاوہ کسی چیز میں دلچسپی نہ تھی۔ پڑھائی لکھائی سے کوسوں فاصلہ رکھتی' گھر کی صفائی ستھرائی میں دل نہ لگتا' سلائی کڑھائی سے جی متلا جاتا' کچن کی گرمی سے چکر آنے لگتے۔ مگر چار و ناچار یہ سب جلے دل گردوں سے کرنا پڑتا تھا۔ کیوں کہ میمونہ اپنی اس انوکھی کو ہر کام میں طاق دیکھنا چاہتی تھیں۔ حالانکہ ماہر تو وہ بھی کسی کام میں نہ تھیں' بلکہ وہ بالکل انہی پر پڑی تھی۔ مگر وہ کیا کہتے ہیں کہ اگلی نسل کا پہلا قدم تھی' اسی لیے اس پر سختی تھی۔ اکثر وہ اسے بہت سمجھانے والے انداز میں پچکارتیں۔

"میرے کون سے اماں' ابا پڑھے لکھے تھے' جو مجھے پڑھاتے' ورنہ میں تو جانے کیا سے کیا بن جاتی۔"

"تو میں کون سا منگروں کی اولاد ہوں' جو پنگوڑے میں حفظ کر لیتی' بس آپ ماں ہونے کا رعب جھاڑتی ہو۔" وہ بھی انہی کی اولاد تھی' فوراً" بدک کر تو با تو ہوتی۔

آج کل سب سے اہم ایشو اس کی تعلیم تھی۔ غالباً" اس کے ساتھ کی سب لڑکیاں بی اے کر چکی تھیں۔ کچھ آگے تعلیم حاصل کر رہی تھیں اور کچھ بیاہی گئیں۔ مگر وہ زنگ شدہ ابھی سیکنڈ ایئر میں تھی۔ (زنگ شدہ کا خطاب میمونہ کی طرف سے تھا۔) میٹرک تو جیسے تیسے تین سالوں میں ہو ہی گیا تھا۔ اس کے بعد ایک سال کا سانس لیا' مگر اگلے سال فرسٹ ایئر میں سپلی آگئی۔ یہ صلاحیت اس میں خوب تھی' نہ وہ کلاس چھوڑنے پر آمادہ ہوتی' نہ کتابیں اسے۔ آخر فراست سے گزارش کی گئی۔

"بھئی تم ہی وقت نکال کر اسے سمجھا دیا کرو۔"

فراست تائی جان کا خاصا ذہین پڑھاکو (بالکل نام جیسا) بھانجا تھا۔ وہ ایک سال سے وہاں تائی جان کے پورشن میں رہ رہا تھا۔ غالباً" ماسٹرز سوشیالوجی کے بعد ایک اخبار میں جاب کرنے لگا۔ اپنا گھر نزدیکی گاؤں میں تھا۔ وہاں اعلا تعلیم کے مواقع ناپید تھے۔ ویسے تو خیر ان کے گھر بھی تعلیم کی کوئی خاص اہمیت نہ تھی۔

"زیادہ پڑھا لکھا شخص درخت پر لگے زیادہ پکے پھل جیسا ہوتا ہے' ذرا سی ہوا سے گرا' پھٹا' پیٹ کا رزق بننے کے بجائے مٹی کا بن جائے۔" یہ فلسفہ ان کی والدہ کا تھا اور اسی سوچ کے تحت دونوں بڑے بھائی' باپ کے ساتھ آڑھت بیوپاری تھے۔ زمین اپنی تھی۔ بیویاں پکی گاؤں کی آئیں۔ آٹھویں جماعتیں پاس دو بہنیں' زمین داروں کے گھر بیاہی گئیں۔ مگر وہ سارے کنبے سے الگ تھا۔ ایک تو حاضر جستہ دماغ' اوپر سے تعلیم کا شیدائی۔ اپنے بل بوتے پر ماسٹرز میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ مزید علمی پیاس بجھانے کے لیے ابھی ایم فل کر رہا تھا۔ مشہور اخبار سے جاب کی آفر آئی

جو اس نے ہاتھوں ہاتھ لی۔ گاؤں سے روزانہ آنے کا مسئلہ تھا۔ خالہ کے بھرپور اصرار پر ان کے گھر رہنے لگا۔ لیکن اس کا یہ مسئلہ بھی اخبار والوں کی طرف سے جلد حل ہونے والا تھا۔ غالباً" وہ اپنے ہونہار صحافی کو فاصلوں کی دھول میں اڑانا نہیں چاہتے تھے۔ اسے وہاں رہتے چند دن ہی گزرے تھے کہ اجیارہ کی نالائقی اور کاہلی کھل کر سامنے آگئی۔ دیکھنے میں خوب صورت فرسٹ کلاس فیشن ایبل لڑکی "کند ذہن" وہ ہک دک رہ گیا۔ پھر خالہ اور میمونہ کی درخواست پر وہ اسے باقاعدہ تعلیمی مدد دینے لگا تھا۔ گویا سارے گھر کو اس کی تعلیمی فکر تھی۔ غالباً" کبھی میمونہ نے سنا تھا۔ "پڑھی لکھی عورت یونی ورسٹی کے برابر ہوتی ہے۔"

جیسے ہی یہ قول انہوں نے تائی جان کے کانوں انڈیلا تو دونوں ہی دل و جان سے اس پر عمل کرنے لگیں۔ گھر کی خواتین کو نئی نسل کو پڑھانے کا شوق ہوا۔ گھر کے مرد پکے کاروباری تھے۔ ان کی بلا سے کوئی یونی ورسٹی بنے یا دکان۔ پڑھتا پڑھے' نہیں تو کام کاج سیکھاؤ اور بیاہ دو۔ تایا جان نے اسی لیے اپنی دونوں بیٹیوں کی شادی ایف۔ اے کے دوران کردی اور بیٹا میٹرک کے بعد ہی دکان پر جانے لگا۔ جب کاروباری گر سیکھ گیا تو شادی ہوگئی اور بچوں کی آمدورفت شروع۔ میمونہ کی ایک ہی بیٹی تھی ان کے دل میں یونی ورسٹی کی خواہش زور پکڑنے لگی۔ غالباً" خود تو پڑھی لکھی نہ تھیں' اسی لیے زبان انتہائی سادہ' عام' بلکہ کھلی تھی' لیکن حسرت تھی کہ اکلوتی بیٹی تعلیمی میدان میں معرکہ کردے' دنیا کو چکا چوند کردے۔ انگریزوں سے بھی زیادہ اچھی فرفر انگریزی بولے۔ تاکہ وہ یونی ورسٹی بن جائے اور آگے کی نسلیں بین الاقوامی یونی ورسٹیاں اور اسی جہت میں دونوں دیورانی جیٹھانی جت گئیں۔

چھوٹی کلاسوں میں اجیارہ کو وہ خود پڑھاتیں۔ غلط تلفظ رٹوا دیتیں۔ وہ مس سے مار کھا کر روتی بسورتی گھر آجاتی۔ آخر فیصلہ ہوا ٹیوشن رکھ دی جائے۔ محلے کی باجی کے پاس چھوڑا گیا' جس نے مزید باجا بجا دیا۔ اسے دیکھ کر فیشن اور میک اپ کے جدید انداز دماغ میں بسیرا کرنے لگے۔ ہاں کسی حد تک فائدہ بھی ہوا۔ تھوڑی مشکل سے ہی سہی' مگر اگلی جماعت میں چھلانگ لگ جاتی۔ وہ کد کڑے لگاتی بائیس برس کی عمر میں ایف۔ اے تک پہنچ ہی گئی تھی۔ چھوٹی چچی کی چودہ سالہ ربیجہ خاصی پڑھاکو اور چست چالاک تھی۔ پڑھائی کے ساتھ ساتھ دونوں تائیوں کے ساتھ اکثر کام کاج میں ہاتھ بٹا دیتی اور خوب شاباش لیتی۔ مگر کیا مجال جو کبھی اجیارہ کے کسی کام میں ہاتھ بٹا دے۔ یقیناً" اس کی سست فطرت سے واقف تھی۔ اسی لیے ذرا سی مدد پر باقاعدہ بیوپاری بن جاتی تھی۔ غالباً" وہ بھی اکثر ہی کام کاج کے دوران اس سے مدد مانگ لیتی جواب میں وہ کمینہ پن دکھاتی تھی۔

"آپی! پہلے بتاؤ کھلاؤ گی کیا؟"

"زہر۔" اجیارہ پھنکارتی۔

"وہ تو تم خود ہی کھالو۔ بلکہ پہلے برتن دھولو' پھر بھلے سے کھالینا' ورنہ مجھے ہی آپ کے حصے کے دھونے پڑیں گے۔" غالباً" کچھ دیر پہلے وہ سبز سبز جھاگ اڑاتی مار دھاڑ کرتی برتنوں کے ساتھ لنچ کر رہی تھی۔ جب ربیجہ کچن میں آکر چھوٹے بچوں کے لیے چپس بنانے کھڑی ہوئی۔ اس کے فارغ ہوتے ہی اجیارہ نے اس سے ہیلپ چاہی اور وہ حسب معمول کورا جواب دے کر اپنی پلیٹ اٹھا مٹکتی ہوئی باہر نکل گئی۔

"اللہ کرے پلیٹ سمیت گر جاؤ۔"

"آپی وہ تو تم ہی گرتی ہو' چیزوں سمیت بھی اور۔۔۔۔"

اس نے "اور" خوب کھینچا۔ "چیزوں کے بغیر بھی۔" وہ ہانک لگا کر رکی نہیں' غالباً" اس کا صبح والا گرنا وہ دیکھ چکی تھی یا میمونہ کی پلٹ دار عزت افزائی سے اندازہ لگایا۔ اجیارہ کا جی چاہا اس کی پشت پر گلاس دے مارے' مگر میمونہ کے قدموں کی دھمک نے اسے اپنے ارادوں سے روکے رکھا۔

"تم سے ابھی تک یہ دو برتن نہیں دھلے۔ پڑھوگی کس وقت۔" وہ اسے شام کے برتنوں کا کہہ کر ٹیوشن میں گئی تھیں اور تقریباً" گھنٹے بعد لوٹیں۔ کچن میں گھر گھن کر اندر جھانکا' جہاں بیٹی برتنوں میں الجھی

تھی۔

"دو... یہ دو تھے۔" اس کی پہلے ہی جملے پر آنکھیں پھٹ گئیں۔

"چلو سو تھے... مگر ابھی تک نہیں دھلے... میں سامنے سے مل کر بھی آگئی... سستی کی مار۔" انہوں نے آستین کہنیوں تک چڑھاتے ہوئے اس کے کندھے پر دھموک جڑا۔

"جا' جاکر کتابیں نکال' فراست میرے کمرے میں بیٹھا سب بچوں کو پڑھا رہا ہے' اور تم یہاں برتنوں سے سر پھوڑ رہی ہو۔" کتابیں اور فراست... سنتے ہی اس کے تیور بدل گئے۔

"اس سے تو بہتر تھا برتن ہی دھوتی رہتی' کم از کم طارق عزیز تو نہ سننا پڑتا۔" وہ گیلی قمیص کا دامن نچوڑ کر جھٹکتے ہوئے بڑبڑائی اور مرے' مرے دل سے کمرے کی طرف چل دی۔

☼ ☼ ☼

لوگ کیوں چھپ گئے خدا جانے
میں نے تو صرف روشنی کی ہے

وہ کاپیوں پر گردن جھکائے بھابھی کے بچوں کا ہوم ورک چیک کر رہا تھا۔ ڈھیلے قدموں کی آہٹ پر اسے سو فیصد یقین تھا کہ وہ ہی ہوگی اور جیسے ہی خفیف سی نگاہ اٹھائی تو برجستہ شعر نکل آیا۔ ویسے عجیب ہی معمہ تھا۔ فراست جیسا ریزرو۔ اپنے کام سے کام رکھنے والا شخص جب بھی اس پر نظر ڈالتا تو لبوں پر کوئی شعر گدگدانے لگتا تھا اور وہ اندر تک کلس جاتی۔ یقیناً" وہ جانتا تھا کہ ادب سمیت ذہانت طلب ہر کام سے محترمہ کی جان جاتی ہے۔ بلکہ اسی لیے اس سے چڑ کھاتی ہے۔ ایک تو بھاری سا نام اوپر سے پڑھائی لکھائی' تعلیمی لیکچر' پھر شعروں کی زبان الگ۔

"بیٹھو۔" اس نے بھنوئیں اچکا کر اسے سامنے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔ وہ کتابیں میز پر رکھتے ہی علم التعلیم کی کتاب گود میں دھر کر سامنے بیٹھ گئی گو کہ خاصا آسان مضمون فراست کے مشورے پر رکھا گیا تھا۔ مگر اسے کھولتے ہی اجیارہ کو جمائیاں آنے لگتیں۔ انگڑائیاں توڑنے کو جی چاہتا۔ اب بھی وہ جھولتی' ڈولتی' بار بار آنکھیں جھپک کر نمی روکتی صفحے الٹ پلٹ کر رہی تھی۔

کچھ جہد مسلسل سے تھکاوٹ نہیں لازم
انسان کو تھکا دیتا ہے' سوچوں کا سفر بھی

"بی بی یہ کتاب مجھے دیں' میں بتا دیتا ہوں کون سا سنانا ہے۔" گویا اس کی اکتائی شکل سے واضح تھا کہ اسے اپنا مطلوبہ صفحہ بھی یاد نہیں۔ وہ اس کے اسی انداز پر بھرپور کیف ہو کر شعر کہہ گیا۔ وہ مرتی کیا نہ کرتی۔ کڑوا گھونٹ نگل کر برداشت کر گئی اور کتاب اس کے سامنے رکھ دی۔

"وہ تعلیمی مشاورت ایک سہ پہلو عمل ہے؟ اس پر بحث کریں؟"

وہ جانتا تھا کہ بحث تو وہ بہت دلچسپ کرے گی اور سارے دن کی تھکاوٹ بھک سے اڑا دے گی شاید اسی لیے ایسا سوال داغا گیا۔ پہلے تو وہ گول گول آنکھیں گھماتی' پلکیں جھپکتی ہونقوں کی طرح اسے دیکھتی رہی گویا کہاں سے شروع کرے' مگر جیسے ہی شروع ہوئی تو جانے کہاں کا بازو' کہاں کی ٹانگ' کس کی پسلی' کس کی ہڈی' اس نے عمرانیات' ایجوکیشن' اسلامیات' مطالعہ سب مضمون ملا دیے۔ کہاں کی مشاورت کس سے ملا دی' کیوں ملا دی؟ وہ حیرت سے ماتھے پر بل ڈالے' کبھی اسے دیکھتا' کبھی صفحے پلٹتا۔ وہ کہاں سے کیا سنا رہی ہے' بس نان اسٹاپ گاڑی کی طرح بھاگے جا رہی ہے؟

"او... او خاتون رکیں۔ کہیں تو فل اسٹاپ بھی لگتا ہے۔" غالباً" اس کی بریکیں فیل دیکھ کر وہ دونوں ہاتھوں سے اسے رکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ جب وہ رکی تو اس نے بھی گہرا سانس لیا۔ "یہ آپ کیا سنا رہی تھیں؟ اختیاری مشاورات جو اختیار میں ہو' غیر اختیاری جو بے اختیار ہو جائے۔ اسلامی نقطہ نظر کے مطابق' شملہ وفد کے تحت وغیرہ وغیرہ۔ بی بی بک میں تو ایسا کچھ بھی نہیں لکھا ہوا' قسم لے لیں کہیں بھی ایسا کچھ

نہیں لکھا ہوا۔" وہ اس کا مضحکہ خیز رٹا بلکہ رٹے سن کر خاصا بوکھلا گیا اور کسی حد تک ہنسی بھی دبا گیا۔ "یہاں ہے تعلیمی مشاورت کا ٹاپک ' ادھر سے یاد کریں۔"

وہ اس کی اول فول کو نظر انداز کر گیا اور خاصا واضح نشان لگا کر ' صفحہ موڑ کر کتاب اسے تھما دی۔ جواب میں اجیارہ کا تیوریوں بھرا ماتھا اور بل ہل کر پڑھنے پر وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔

میمونہ اپنے اور فراست کے لیے چائے بنا کر لائی تھیں۔ غالباً "چائے سے تھکاوٹ" بانی رہے اور کچھ زیادہ دیر ان کی مہارانی کو پڑھا دیا جائے۔ انہوں نے اسے تھما کر ہلکی آواز میں ٹی وی آن کیا۔ ٹی وی ٹرالی کا رخ اچھا خاصا اپنی جانب موڑا اور سامنے بیٹھ گئیں۔ اجیارہ کی گردن کتاب پر جھکی تھی ' مگر ترچھی نظروں سے آئینے میں منعکس اسکرین نظر آ رہی تھی سو واضح تو نہیں ' مگر گزارے لائق سمجھ آ ہی رہا تھا۔ یقیناً" وہ یک لخت خاموشی چھانے پر چونکا تھا اور اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تھا۔ اس نے کوفت زدہ سے ہونٹ بھینچے اور میمونہ سے کہا۔

"آنٹی پلیز اسے بند کر دیں۔ یہاں تو پہلے ہی حالات۔۔۔؟" اس نے تاسف بھرے انداز میں نفی میں سر ہلایا تھا ' جس پر میمونہ شرمندہ ہونے کے بجائے اجیارہ کو گھورنے لگیں۔

"چلو تو اپنا پڑھ۔ اسی جاہل کی وجہ سے آواز کم رکھی تھی ' مگر مجال کیا جو کتاب پر نظر ٹکا لے۔" وہ اجیارہ کو ڈپٹتی ہوئی اپنا کپ اٹھائے باہر نکل گئیں۔ ٹی وی بند کر گئی تھیں۔ اب ان کا رخ سیڑھیوں کی جانب طرف تھا۔ ان کا من پسند ڈرامہ لگا تھا۔ یقیناً" اب بھابھی کے کمرے میں دھاوا بولنا تھا۔ اجیارہ چوری پکڑی جانے پر دانت کچکچاتے ' بھنویں سکیڑے اسے کوستی ' رٹے لگا رہی تھی اور وہ ہلکی ہلکی چسکیوں میں اس کے ناگوار انداز بغور دیکھ رہا تھا۔

"آئی تھنک نیکسٹ ویک آپ کے پری بورڈ شروع ہونے والے ہیں۔" اس نے دہکتے دیے کو مزید سورج دکھا دیا۔

"دکم بخت کو مجھ سے پہلے ڈیٹ شیٹ پتا چل جاتی ہے۔" وہ کہہ تو نہ سکی ' مگر مرا سا "جی" کہہ کر چپ کر گئی۔

"آپ کی تیاری سے تو نہیں لگتا۔" اس نے خالی کپ میز پر رکھا اور دوسری کتاب اٹھا کر چند سطریں ہائی لائٹ کرنے لگا۔

"جانے کیا نہیں لگتا اندھے کو ' جتا تا کیا چاہ رہا ہے ' کالج والے میرے اعزاز میں پیپرز کینسل کریں گے یا پھر میں فیل ہو جاؤں گی۔ ہونہہ بڑا آیا پڑھاکو ' لمبوترا میرے دماغ کا مذاق اڑانے والا ' اپنی ناک نہیں دیکھتا جیسے پھٹی جراب میں سے انگوٹھا باہر آیا ہو۔" وہ منہ کا زاویہ بگاڑے پہلو بدل کر زور ' زور سے رٹے لگانے لگی۔

✡ ✡ ✡

اسے دنیا کا ہر وہ شخص برا لگتا تھا جو کسی کام کاج کا کہہ دے یا پڑھنے لکھنے کا مشورہ دے دے۔ اپنی زندگی ہے ' کسی سے ادھار نہیں مانگی ' جو پوچھ پوچھ کر برتوں یا مشوروں پر عمل کروں ' مگر نہ جی یہاں تو ہر کوئی اس کی فکر میں دبلا ہوا جا رہا ہے ' اوپر سے یہ مرزا سر پر لاد دیا گیا ' باقی سب نے الگ باتیں بنا بنا کر مغز کا دہی بنا رکھا ہے کہ سب نالائقوں والے مضمون رکھے ہیں ' پھر بھی کچھ آتا جاتا نہیں ' کوئی کند ذہن کہتا ہے ' کوئی زنگ آلود مادہ ' کوئی جاہل ' تو کوئی بھوسے کے طعنے دیتا ہے ' اب اسی کند بھوسے کے ساتھ اگلے ہفتے داخلہ ٹیسٹ بھی دینے ہیں ' ٹیسٹ بھی امریکی امداد سے کم نہ تھا بھئی ' فیل ہو گئے تو روک لیا جائے ' اچھی دھونس ہے ' دہشت گردی ' بھتہ پروری روکی نہ جائے ٹیچرز کو آرام کرسی سے روکا نہ جائے ' سلیبس آسان بنایا نہ جائے ' بس غریب اسٹوڈنٹس پر زور چلتا ہے ' ساری زندگی اماں سمیت گھر والوں کی "دکم بخت ' منحوس ' ست الوجود ' جہالت کا پہاڑ" جیسے القاب سنے اب کالج والے کہتے ہیں انگلش میں ٹینس بناؤں ' قصے کہانیاں لکھوں بھلا اردو میں تو پڑھا نہیں جاتا ' غیروں کی زبان فر فر لکھ دوں '

جانے غیر ملکی زبان سیکھا کرمتا کیا ہے 'نا بھئی نا' یہ مجھ سے نہیں ہونے والا۔" انگلش میں تو مشکل سے ہی تین نمبر آئیں گے۔

اس شام سمیت پورا ہفتہ پیپروں کی تیاری کے بجائے انہی اندازوں میں گزار دیا۔ ظاہر ہے جیسا ہفتہ گزرا' ویسی تیاری اور تیسرا رزلٹ آگیا۔ اسے رزلٹ کی فکر تھی' نہ گھر بتانے کی۔ البتہ پرنسپل کا خوف تھا جس نے گھر والوں کو بلانے کا فتویٰ لگا دیا۔ غالباً "ان کے سامنے اعزازیہ بخشا تھا۔ وہ خاصی بجھی بجھی تھی' کرے تو کیا کرے۔ آخر حل وہی "مرزاجی" نکلے۔

وہ ڈرائنگ روم کے صوفے پر ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔ باتیں کرنے کی مدھم سی آواز باہر تک آرہی تھی۔ وہ دروازے کے باہر کئی چکر لگا کر خوب اندازہ لگا چکی تھی کہ یقیناً "وہ اندر اکیلا ہے اور موبائل پر کسی سے بات کر رہا ہے۔ موقع اچھا تھا۔ وہ دبے قدموں اندر چلی گئی۔ اس کی منمنائی شکل پر خوب **سکینیت** چھائی تھی۔

"آپ سے ایک کام تھا۔" اسے دیکھتے ہی وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور چند لمحے بعد فون بند کر دیا۔

"ہوں... خیریت۔" اس کی **کھکھیائی صورت**' سٹپٹاتی آنکھیں دیکھ کر وہ قدرے حیران تھا۔

"وہ... میرا۔" اس نے تھوک کا گولہ اندر پھینکا۔

"میرا رزلٹ آگیا ہے۔"

ہم کو سب معلوم ہے محسن' حال بس گرداب ہے کیا
آنکھ نے سچے گر سیکھے ہیں' سورج کی دربانی سے

"شعر پڑھتے منحوس کا منہ نہیں پکتا' چھالے نہیں پڑتے۔" وہ جبڑے بھینچ کر رہ گئی۔

"کیا بنا محترمہ۔ اینل ہو گئیں۔؟"

"سب میں تو نہیں ہوئی۔" جواب ترکی بہ ترکی۔

"اچھا سب میں ہونا چاہ رہی تھیں۔" وہ صوفے کی پشت چھوڑتے ہوئے برجستہ بولا تھا۔

"نہیں... وہ صرف انگلش' ایجوکیشن اور..." اس نے پھر تھوک دھکیلا۔ "اردو..." غالباً "اردو کا ذکر کرتے ہوئے زیادہ شرم محسوس ہوئی کہ اپنی قومی زبان میں بھی فیل ہو گئی۔ حالانکہ اس کی اردو کے حالات تو وہ خوب جانتا تھا' کبھی جو ڈھنگ کا محاورہ بتایا ہو گرامر گردان کے تو کیا کہنے' تشبیہات کا نہیں پتا تھا۔ ابھی چند ہفتے پہلے ہی کی بات تھی جب ریحہ کو وہ تشریح لکھوا رہا تھا' اس میں ایک شعر آگیا۔

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے ادھر نکلے' ادھر ڈوبے ادھر نکلے

فراست نے از راہ جانچ اس سے مطلب پوچھ لیا۔

"محترمہ آپ وضاحت کر سکتیں ہیں کہ اقبال صاحب کیا فرما رہے ہیں۔"

"اس میں کون سی مشکل بات ہے۔" وہ فخر سے تو ایسے بولی جیسے کلیات اقبال پنگوڑے میں سن رکھی ہو۔ وہ اندازہ لگانا چاہتا تھا مگر اندازے نے تو آنکھیں مکمل ہی پھاڑ دیں۔ وہ چند سیکنڈ آنکھیں سکیڑے کھڑی رہی' پھر خاصی مدبر صورت بنا کر انہیں تکنے لگی۔

"اک بات تو بتائیں؟ انکل خورشید اقبال کے دور کے لگتے تو نہیں' پھر ان کے جینے کا ذکر علامہ اقبال نے اتنے برس پہلے کیسے کر دیا۔" یاد رہے بھئی دیوان خورشید صاحب ان کی گلی میں نکڑ والے گھر میں رہتے تھے۔ شکل و صورت کے خاصے بارلیش آدمی' سر پر جناح کیپ رکھے' سفید کلف شدہ سوٹ پہنے اور چہل قدمی کے دوران تسبیح کے مسلسل دانے گراتے ایک مکمل فرشتہ صفت لگتے تھے۔ اور پچھلے دنوں ہی مقامی الیکشن جیتے تھے۔ ان کی پرہیز گاری کو جیتنے کا سہرا تو سب ہی مانتے تھے اور اگر کبھی کسی ایک حلقے میں ہار جاتے تو دوسرے میں بھاری اکثریت سے ابھر کر نکلتے تھے۔ مگر اسے حیرت تھی کہ مانا علامہ اقبال بہت پہنچے ہوئے صوفی تھے' مگر آنے والوں لوگوں کے نام و کام کے درست اندازے کیسے لگا لیے۔ وہ تو حیرت میں جانے اور کیا کیا کہہ جاتی' اس کے جمود کو ریحہ اور فراست کے مشترکہ فلک شگاف قہقہے نے توڑا۔ وہ انہیں بھنائی شکل کے ساتھ ایسے دیکھنے لگی جیسے ان کی ذہنی حالت پر شبہ ہو۔

"میں نے کوئی لطیفہ سنایا ہے' جو پاگلوں کی طرح

ہنس رہے ہو۔" اسے سچ مچ غصہ آگیا تھا اور خاص کر ربیحہ کا اس کے ساتھ ملنا تو آگ لگا گیا۔ جب کہ وہ رخ موڑے منہ پر ہاتھ رکھے خود کو نارمل کرنے کی کوشش میں تھا۔

یہ بات اتنی پرانی تو نہ تھی جو فراست کی یادداشت میں نہ ہوتی۔ آنکھیں سکیڑے لبوں میں ہنسی دبائے اسے تک رہا تھا۔

"اچھا تو محترمہ! تینوں اہم سبجیکٹ... ابھی یہ صرف ہے۔" وہ اس کے لفظ "صرف" پر ششدر تھا۔ غالباً" اس نے کتنی بار اس میں تعلیمی شوق ابھارنے کے لیے دلچسپ کتابیں' اخبار' میگزین لا کر دیے' کچھ افاقہ نہ ہوا تو بہترین ڈائجسٹ لا کر دیے کہ شاید کوئی پڑھی لکھی ہیروئن ہی ایمپریس کر جائے یا کسی مصنفہ کا جملہ دل میں ٹھہر جائے اور پڑھنے پر اکسائے' مگر نہ جی۔ وہ خاتون صرف رنگین سرورق غور سے دیکھ کر ویسے پیرہن بنواتی جوتی' پرس' جیولری میک اپ کر کے خود کو بھی سرورق ہی سمجھتی تھی۔ پھر صرف سرورق کا نتیجہ تو یہی نکل سکتا تھا۔

ہم جان سے جائیں گے' تب ہی بات بنے گی
تم سے تو کوئی راہ نکالی نہیں جاتی

سر کھجاتے ہوئے اس کا قہقہہ چھوٹتے' چھوٹتے بچا تھا۔ غالباً" شعر سنا کر اس کے بگڑے تیور دیکھنے کا مزا ہی کچھ اور تھا۔ جس سے وہ اب بھرپور لطف اندوز ہوا۔

"تو دیسہ پھر بندہ ناچیز آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہے۔"

"وہ... پرنسپل... نے کسی بڑے کو بلایا ہے۔" وہ اٹک کر بولی تھی۔

"کیوں... مار کھانے کے لیے... واہ دوشیزہ! پڑھیں آپ نا اور جوتوں کا سہرا ہمارے سر' وہ بھی پڑھانے کے جرم میں... نا بھئی نا' میں باز آیا ایسی استادی سے... اب میں اتنا بھی بڑا نہیں ہوں۔" وہ کانوں کو ہاتھ لگاتا ہوا سیدھا ہو بیٹھا۔ اس بے مروت کے صاف انکار سے اجیارہ کی آنکھوں میں بے بسی ابھری۔

"تم ایسا کرو انکل کو بتا دو۔ وہ خاصے بڑے ہیں' ایک تو پرنسپل ان پر ہاتھ ڈالنے سے گریز کرے گی' دوسرا وہ تمہیں بھی کچھ خاص نہیں کہیں گے۔ ہاں۔" اس نے ہاں خوب مد لگا کر کھینچا۔ "اگر اعزازیہ ڈیل چاہیے تو میمونہ آنٹی کو لے جاؤ۔ ایسا دیں گی کہ پرنسپل بھی دنگ رہ جائے گی۔" اس کا خوب ریکارڈ لگانے پر وہ بھنا گئی۔

"آپ کو نہیں جانا تو مت جائیں۔ خواہ مخواہ مشورے دیے جا رہے ہیں۔ بڑا آیا مشورہ خان۔" وہ آخری جملہ دانتوں میں دبائے باہر نکل گئی۔ مگر ہوا کے دوش پر اس کے ادب کی ہانک سماعتوں میں لاوا بھر گئی۔

کس منہ سے لڑ سکے گی سیاہ ستم شعار
دشمن کے ہاتھ اپنی ہر اک گھات بیچ کر

وہ جتنا جی بھر کر اس کے متلون مزاج سے محظوظ ہوتا تھا اتنا منمنائی صورت پر ترس بھی کھا گیا تھا۔

* * *

وہ سبز شیشے کی بڑی سی میز پر کہنیاں ٹکائے پرنسپل کے روبرو بیٹھا تھا۔ باتوں کے دوران اس کی انگلی میز پر رکھے ورلڈ گلوب کو دھیرے' دھیرے گھما رہی تھی۔ غالباً" وہ صبح ہی اپنے پریس آفس کے ضروری کام نپٹا کر پہلی فرصت میں اس کے کالج گیا تھا۔ اس نے اپنا تعارف اپنے پریس کارڈ سے کروایا تھا۔ پرنسپل اس سے بڑے تپاک انداز میں ملیں۔ جہاں وہ اس کی ذہانت و قابلیت سے متاثر ہوئیں۔ وہاں اجیارہ کے کزن ہونے پر حیرت بھی ہوئی تھی۔ وہ بہت دیر اس کی کارکردگی پر بحث کرتے رہے۔ اس نے اجیارہ کی تمام تعلیمی ذمہ داری اٹھانے کا وعدہ کیا تھا۔ صرف وعدہ ہی نہیں کیا تھا' بلکہ وہاں سے رخصت ہونے کے بعد سنجیدگی سے عمل بھی کیا تھا۔ اس نے اجیارہ کو آسان ترین انگلش اردو گرائمر لا کر دیں اور اس میں سے اہم ترین چیزیں رٹوائیں۔ اسے ہر مضمون کے سادہ الفاظ میں نوٹس بنا کر دیے' اس کا پورا شیڈول بنایا اور باقاعدگی سے اس پر عمل در آمد بھی کروایا اور جانچ کے لیے اس کے ٹیسٹ بھی لیے' یہ اسی کی محنت کا ثمر تھا کہ گرمیوں کی

رخصتی کے ساتھ اجیارہ پر نالائقی کی چھاپ بھی رخصت ہو گئی۔ اس نے انٹر میڈیٹ کی چوٹی سر کرلی تھی۔ کس ڈویژن میں کی' کتنے نمبروں سے کی اس سے کسی کو سروکار نہ تھا۔ البتہ پاس کا مارجن ہی بہت خوش آئند تھا۔ سب کھل گئے۔

"ہماری گڑیا نے کدو میں تیر آتار ہی لیا۔" تایا جان چم چم منہ میں ڈالتے ہوئے گویا ہوئے۔

"ہاں بھائی' اس نے بھی نالائقوں کی قبر پر لات دے ماری۔" ابا جان قوالوں کی طرح گردن دھنتے ہوئے برفی سے بھرے منہ کو مزید بھرنے لگے۔

"توبہ کرو میاں۔ مردوں کو تو بخش دو' قبروں پر لاتیں مارنا کوئی اچھی بات ہے؟" میمونہ کانوں کو چھوتی ڈپٹ کر بولیں' مگر جیسے ہی نظر بتیسے کے نیچے دبے ڈھوڈے پر گئی تو جھٹ اٹھا کر منہ میں رکھ لیا۔

"اب اتنا بڑا کارنامہ بھی نہیں ہو گیا کہ آپ لوگ مٹھائی کھا کھا کر اپنا شوگر لیول آؤٹ کردیں۔" چچی نے سامنے کھلا رکھا مٹھائی کا ڈبا اٹھایا۔ جس میں چند چیزیں ہی ڈول رہی تھیں۔

"سنا تھا پیپرز بھی بڑے آسان آئے تھے۔" بھائی جان جو ابھی گفتگو میں شامل ہوئے تھے انہوں نے اوپر سے ہی لڈو اچک لیا۔

"جی نہیں۔" اجیارہ جو تایا جان کے بوڑھے کندھوں پر کہنیاں ٹکائے محبت بھرا بوجھ ڈال رہی تھی فوراً" اترا کر بولی۔

"میں نے محنت ہی بہت کی تھی۔" وہ تولیے سے گیلے بال رگڑتا چند لمحے پہلے ہی باتھ روم سے نکلا تھا۔ ایک تو مٹھائی کے ساتھ ہوتا انصاف کوفت دینے لگا اوپر سے اجیارہ کی فخریہ تنی گردن۔ وہ کتنی دیر خاموش رہتا۔ وہ تولیہ اسٹینڈ پر پھیلاتے ہوئے مڑا۔

یہ نہیں دیکھتا وہ نکتہ نواز
کس نے پاپڑ زیادہ بیلے ہیں

"بچے! پاپڑ والا ہی پاپڑ زیادہ بیلے گا۔ یہ کیا بات ہوئی بھلا۔" تائی جان کو بھانجے کی بات خاک۔ لیے نہ پڑی تھی۔ وہ پھولے گالوں میں شیرے سے بھری انگلی

گاڑھے حیرت سے اسے تک رہی تھیں کہ جانے کیا کہہ گیا۔ البتہ کسی کو سمجھ آئی یا نہیں مگر اجیارہ کو اتنی سمجھ ضرور آئی کہ شعر پڑھا گیا ہے اور شاعری سے تو وہ اب تک الرجک ہو گئی تھی۔ اسی لیے وہ دانت جما کر بولی۔

"ایک مشورہ دوں آپ کو' فہم و فراست صاحب۔" سب کی گردنیں اس کی جانب ایسے اٹھیں جیسے وہ بہت بھاری لفظوں میں اس کا شکریہ ادا کرنے لگی ہو۔ اور وہ دھیمی مسکراہٹ دبائے بھرپور متوجہ تھا۔

"آپ بزم طارق میں اپلائی کیوں نہیں کرتے' میرا خیال ہے طارق صاحب خاصے بوڑھے ہو گئے ہیں' اتنے اشعار تو ان کی یادداشت میں نہ ہوں گے جتنے آپ کے منہ سے ابلتے ہیں۔" سب نے ہی اس بدلحاظ کو گھورا۔ چچا نے ذرا قریب ہو کر ڈپٹا تو وہ پاؤں پٹختی گردن مارتی "ہونہہ" کہہ کر نیچے چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

اس کی جانے بلا اب احترام کرتی ہے اس کی جوتی۔ معرکہ تو ہو گیا سر' اب تو وہ کبھی قلم کاغذ کو ہاتھ نہ لگائے اور اس بندے کو جس کی آنکھیں کالے کالے لفظوں کی طرح گھومتی' ہاتھ ہردم صفحے پلٹتے دکھائی دیں اور زبان بالکل قلم کی طرح تیز چلتی ہو' اوپر سے شعر سیاست دانوں کے بیانوں کی طرح ہر پل بدلتے ہوئے۔

"نا بابا ایسے بندے کے تو پڑوس سے بھی نہ گزروں گی۔" وہ کتنے دن مستقبل کی یہی پلاننگ بتاتی رہی۔ غالباً" اس کی اہم وجہ نگی آپی (تایا جان کی بڑی بیٹی) کا مشورہ بھی تھا۔ غالباً" وہ اپنے سسرال سے اسے تحفے سمیت مبارک باد دینے آئی تھی۔ وہ میمونہ کے پاس بیٹھی ایک کندھے پر بیٹے کو جھلا رہی تھی اور دوسرے ہاتھ سے نمکو اٹھا کر پھانکتی اور چچی کو مفت مشوروں سے بھی نواز رہی تھی۔

"چچی ایمان سے میری مانو! اجیارہ کی شادی کردو۔

بائیں سے اوپر تو ہو رہی ہے "اگر ایف بی اے کا انتظار کیا تو یہ بوڑھی ہو جائے گی اور آپ بوڑھی ترین۔۔۔"

"ہائے! تنگی آپی کے منہ میں گھی شکر اللہ ایک اور لڈو جیسا بیٹا دے آپ کو۔" اس کے تو سنتے ہی من میں گل بتاشے پھوٹنے لگے۔ غالباً" وہ قریب ہی لیٹی کھٹنے جھلاتی ہوئی ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ مگر سماعتیں تنگی کی طرف تھیں۔ اسی لیے من ہی من میں شہنائیاں گونجنے لگیں۔

"اتنی کم تعلیم کو آج کل کون پوچھتا ہے تنگی اب تو سب چاہتے ہیں پڑھی لکھی بہو آئے' تاکہ نسلیں سدھر جائیں۔" میمونہ کی تشویش پر جہاں اس کا ماتھا سلوٹوں سے بھرا' وہاں تنگی نے سوئے ہوئے بیٹے کو بستر پر لیٹایا اور تسلی سے بولی۔

"ایسی بھی بات نہیں چچی۔ ایف۔ اے تو کرلیا ہے' سدھار لے گی نسلیں بھی۔۔۔ ویسے بھی چچی شکل و صورت تو خوب ہے اس کی' پھر اچھے رشتے آنے کی عمر بھی یہی ہے' اگر آپ تعلیم کا جھومر سجانے کا سوچتی رہیں تو اس کے بالوں میں چاندی کی تاریں چمک آئیں گی۔"

"تمہاری نظر میں ہے کوئی۔" میمونہ نے اپنی خواہش دبا کر ذرا تنگی کے قریب ہوتے ہوئے پوچھا تھا۔ غالباً" الگ الگ پورشنز میں رہتے ہوئے بھی آپس میں خوب الفت پائی جاتی۔ راز و نیاز کے ساتھ مشورے اور حل بھی سوچے جاتے۔

"ہاں چچی۔۔۔" تنگی بھی قدرے راز داری سے قریب ہوئی۔ اس کا تو دل اچھل کر منہ تک آگیا۔ دل کی دھڑکن سارنگی کا ساز بن گئی۔ غالباً" اس کی دلی مراد پوری ہونے جا رہی تھی۔ دلہنا پے کا اسے بہت شوق تھا کہ پڑھائی لکھائی سے جان چھٹے۔ بس سج سنور کر مٹکے۔ اپنے ارمان بلکہ رومان پورے کرے۔ چاروں طرف مہکتے موتیوں جیسے عروسی جوڑے بکھر گئے۔ اور تنگی آپی ان میں دل جان سے رنگ بھرنے لگی تھیں۔

"چچی! میری ساس اپنے چھوٹے بیٹے کے لیے رشتہ ڈھونڈ رہی ہیں' کہو تو بات کروں۔" عالی شان جوڑے میں لگتا تھا انگارے بھر گئے۔ دھواں کان' ناک سے نکلنے لگا۔ سب جھلملاتے موتی چھنا کے سے ٹوٹ گئے۔ اس کا جی چاہا اچھلتے دل کو دانتوں میں چبا کر قیمہ کردے۔ وہ شعلہ بار نگاہوں سے تنگی کی پشت گھورنے لگی۔

"اللہ کرے تنگی! تمہیں موٹے شیشوں والی عینک لگ جائے' تم بوڑھی نہ لگو' بڈھی کھوسٹ لگو' تمہارا یہ کپا سا بیٹا رات کو چلا چلا کر تمہاری نیند حرام کردے۔" ابھی تو بددعائیں دل میں جاری تھیں' مگر جیسے ہی میمونہ بڑی بھابھی کی پکار پر تنگی کو ابھی آنے کا کہہ کر باہر نکلیں وہ اس پر جھپٹ پڑی اور سر ہلاتے ہوئے چلچلائی۔

اچھا تو وہ آپ کے خیال میں "اچھا" رشتہ ہے" وہ "اچھا" زور دے کر بولی۔ "وہ توری کے منہ والا چشما تو میرے لیے ہی رہ گیا۔"

"ہائے ہائے کیا ہو گیا۔" تنگی ہاتھ سے اسے دور دھکیلتے ہوئے بولی۔ گویا وہ اوپر ہی چڑھی آرہی تھی۔

"وہ کیوں ہونے لگا توری کے منہ والا۔" اسے ایک چپت بھی لگائی۔ "بے وقوف اس نے ایم۔ بی۔ اے کر رکھا ہے' ٹیلی کام کمپنی میں آفیسر ہے' وہ تو دن رات کی پڑھائی نے کچھ کمزور کردیا اور عینک لگ گئی' پر تمہیں کیا پتا پڑھائی کی کمزوری کا۔"

"اچھا بھئی' اگر میں پڑھ نہیں سکتی تو ساری عمر اسے کشتے کھلاتی رہوں' شیشے چمکاتی رہوں؟ اچھی سزا ہے یہ۔"

"تم زیادہ ہی بدتمیز نہیں ہو گئی ہو۔" تنگی نے اسے دھموک جڑا۔ آخر اتنے پڑھے لکھے دیور کی اتنی توہین' وہ غرائی۔ "اور تم کون سا حور پری ہو' کدو جیسا منہ ہے تمہارا' جیسے کدو کو پیلیا بلکہ سفیدیا ہو گیا ہو۔"

"آپی کیا ہے۔" اس نے اپنے گول منہ کو مزید بسور کر گول کیا۔ "آپ یہ تو سوچیں جس شخص نے جانے کیا کیا پڑھ کر عینک چپکالی' سوکھ کر ککڑی (اتر) بن گیا' وہ میرا کیا حشر کرے گا' خدا کے لیے آگے بات مت چلانا' میری پیاری آپی۔" وہ دلار سے اس کے کندھے دباتی

جانے کیا کیا منتیں مانگتی رہی کہ سب کے چاہتے بھی بات آگے نہ بڑھی۔

☼ ☼ ☼

رشتے کی اک مہم سی گھر بھر میں پھیل چکی تھی۔ گھر کی سب خواتین ہی اس میں سرگرم تھیں۔ چھوٹی چچی کل ہی اپنے میکے کی کسی تقریب سے ہو کر آئی تھیں اور خوشی خوشی اپنے قابل بھتیجے کا ذکر جیٹھانی سے کردیا۔ ان کا بھتیجا سی اے کرنے کے بعد انکم ٹیکس کے محکمے میں اڈیٹ تھا۔

"سی۔ اے۔" پتا چلتے ہی اس کی جان نکل گئی' ٹانگیں کانپنے لگیں۔

"لگتا ہے وہ تو اپنے ماں' باپ سے بھی پہلے پیدا ہوا ہوگا' تب ہی اتنا پڑھ گیا۔" اس کی روح اندر تک لرز رہی تھی اور اس لرزے سے بچنے کے لیے چچی کو چپ کروانا بہت ضروری تھا۔ وہ موقع دیکھ کر ان کے کمرے میں جا گھسی۔ واہ رے قسمت! چچی اکیلی تھیں اور بیڈ پر لیٹی تھیں۔ وہ ان کے قدموں میں بیٹھ کر پاؤں دبانے لگی۔ چچی کو پہلے تو حیرت ہوئی' پھر سیدھی ہو کر دونوں ٹانگیں پھیلا دیں۔ گویا دبا رہی ہے تو ڈھنگ سے تو دبائے' وہ کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد گویا ہوئی۔

"چچی جان! میں آپ کے برتن' جھاڑو' پوچا سب کرلوں گی۔ سارے کام سیکھ لوں گی' روزانہ آپ کو دباؤں گی' مگر خدا کے واسطے اس رشتے کو یہاں ہی دفنا دو۔" وہ ہل ہل کر پنڈلیاں دباتے ہوئے لجاجت سے بھری تھی۔ "چچی! خود سوچو بھلا' اتنا پڑھا لکھا بندہ میرے کس کام کا۔" ان کو اس کی بات پر غصہ تو بہت آیا' جی چاہا ٹانگ کھینچ کر دے ماریں اور زمین بوس کردیں۔ مگر پھر سوچا جو لڑکی پہلے ہی راضی نہیں' اپنے منہ انکار کررہی ہے' بعد میں جانے کیا رنگ دکھائے گی۔ آخر ان کا پڑھا لکھا بھتیجا ہے۔ ایک سے ایک خوب صورت لڑکی مل جائے گی۔ وہ جان بوجھ کر اس کی لٹیا کیوں ڈبوئیں۔ غور کرنے پر ان کا ارادہ بدل گیا اور طریقے سے جیٹھانی سے معذرت کرلی۔ مگر اس کی شادی کی فکر اپنی جگہ سب کو لاحق تھی۔ پھر بھابھی بھلا کیسے پیچھے رہتیں۔ وہ بھی ساس کے آگے نمبر بنانا چاہتی تھیں اور مقدر سے ان کا ایک وکیل کزن ضرورت رشتہ کی لائن میں لگا تھا۔

"چچی جان! اگر آپ کہیں تو میں پھپھو سے بات کروں' آج کل وہ اویس کے لیے لڑکی ڈھونڈ رہی ہیں' پھر ہماری اجیارہ تو ماشاء اللہ ہے' ہی لاکھوں میں ایک۔"

وہ ان کے پیچھے کھڑی بالوں میں بینڈ پرو رہی تھی۔ بھابھی کے پہلے جملے ہی دماغ بھنا گئے۔

"کیوں؟ کیا دنیا ان پڑھوں سے خالی ہوگئی ہے؟ سارے جاہل مرگئے؟ جو ایک سے ایک نمونہ میرے لیے نکل رہا ہے' اگر دنیا کا آخری بچا خاندان بھی پڑھا لکھا ہوا' تو میری طرف سے انکار ہے۔" اس کے تو تلووں لگی اور کہیں بجھ بھی نہ بجھنے کا نام نہ لے رہی تھی۔ اسی لیے میمونہ سے پہلے بول پڑی۔ غالباً "سب خواتین تخت پر بیٹھے ساگ کاٹ رہی تھیں اور آنکھیں بھابھی کی پیش کش پر چمک رہی تھیں' مگر اجیارہ کی تڑخ پر سب پیچھے کو گھومیں۔ میمونہ دانت جما کر چلائیں۔

"شرم نہیں آتی بے حیا۔"

"ہاں میں حیا میں دوپٹے سے منہ چھپاتی پھروں اور آپ باندھ دیں مجھے کسی پڑھاکو' دانشور' یا وکیل کے پلے بھلا وہ پڑھ لکھ گئے' اس میں میرا کیا قصور' ساری زندگی یہاں کند ذہن کے طعنے سنے' باقی زندگی بھی بھوسا ہی سنوں۔" وہ مسلسل تلملا رہی تھی۔

"ویسے تو ویسے ہی وکیل ہے' تعلیم پر جراح کرتے اس کی زبان پر چھالے تو پڑیں گے نہیں' البتہ میرا بھیجا ضرور پکا جائے گا' خدارا رحم کھاؤ مجھ پر۔۔۔۔"

"منحوس اندر دفع ہوجا۔ لڑکیاں ایسے معاملے میں نہیں بولتیں۔" اس کی بھنائی تقریر پر میمونہ نے اسے جوتے کا اعزاز دیا اور اس نے بروقت جگہ بدل کر خود کو بچایا۔

"ہاں میں اندر دفع ہوجاؤں' تاکہ جو جی میں آئے کردے آپ کی گٹھ جوڑ اتفاق کمپنی۔"

اب سے خواتین کا آج کل اتنا سر جوڑ ذرانہ بھارہا تھا۔ غالباً" اچھی طرح جانتی تھی کہ مسئلہ سب کا ایک ہی تھا اور خاصا خوب صورت بھی مگر حل سب خطرناک بلکہ ہولناک نکال رہے تھے اور انہی ہولناکیوں نے اس کی آنکھوں میں مرچیں بھردیں۔ زبان پر تو ویسے ہی لگی تھیں۔

"میری تو ایک ہی خواہش ہے جہاں میری شادی ہو اس کے آگے پیچھے سلسلہ نسلوں میں بھی کوئی پڑھا لکھا نہ گزرا ہو محلہ بھی اوبز (اردو) سے واقف نہ ہو بھلے کسان کا بیٹا ہو نائی ہو یا قصائی۔ مگر نہ مجھے پڑھائی کے طعنے دے نہ بچوں کو پڑھانے کی بات کرے۔"

بچوں کا سنتے ہی تائی جان نے دانتوں میں انگلی دبائی باقی سب کی بھی آنکھیں ابل پڑیں اور ربیحہ "ہوں ہوں" سر دھن رہی تھی جیسے کہہ رہی ہو "یہ ہوئی نہ بات" مگر اجیارہ سب کے زاویوں کو خاطر میں لائے بغیر بولے گئی۔ "بلکہ ایسا کنبہ ملے جہاں کتابیں کاغذ پھاڑ کر کشتیاں جہاز بنانے کا رواج ہو۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھی اور خیالوں میں اپنے ڈھیر بچوں کے ساتھ پلی بھرے بڑے سے ٹب کے کنارے بیٹھی کشتیاں چلا رہی تھی۔ اس کی کشتی تو چھوٹی چچی کے دھموکے نے ڈبوئی تھی۔

"بے شرم۔ سوچ تو لے کیا اول فول بک رہی ہے بچوں کا ذکر کرتے ذرا حیا نہیں آرہی۔"

"چچی شرع میں کیا شرم جب آپ لوگ میری شادی کے درپے ہوں گے شادی ہوگئی تو بچے بھی ہوں گے اب کیا اس معاملے میں بھی کاہلی سے کام لوں گی۔" وہ پاؤں پٹختی انداز چلی گئی تھی اور سب منہ پہ ہاتھ رکھے حیرت سے آنکھیں منہ پھاڑے اسے تکتے رہ گئے۔ غالباً" سوچ رہے تھے آج وہ بولی تو خوب کھلا ڈلا بولی۔ اس کی ڈھٹائی کا تو جلدی حل نکالنا پڑے گا۔

میمونہ کا تو بس نہ چلتا تھا کہ گڑھا کھودیں اور اس میں اسے دبادیں۔ ان بڑھوں کا سن کر ہی کلیجہ منہ تک آگیا تھا۔ سارے ریڈھی چھابے والے نظروں کے آگے آکر رک گئے۔ مگر بات تو مسئلے کا حل نہیں تھا۔ اب انہیں خاموشی سے ہی خود کو کچھ کرنا تھا۔ البتہ اس کی سات نسلوں والی خواہش انہیں ہر پل بے تاب رکھتی۔ ان کی تو شدید خواہش بیٹی کو یونی ورسٹی بنانے کی تھی مگر اس کے خطرناک ارادوں نے یونی ورسٹی زمین بوس کردی اور میمونہ نے ملبے پر بیٹھ کر رونے دھونے کے بجائے شادی کی نئی عمارت بنانے کا سوچا اور دل ہی دل میں دعا کی۔

"چلو داماد ہی کالج جیسا مل جائے کچھ تو اس کی تعلیم کا خاندان بھر میں رعب پڑے اگر ایسا ہو تو وہ پل نہ لگائیں اسے رخصت کرنے میں۔"

☼ ☼ ☼

ساؤنڈ سسٹم فل والیوم پر چھوڑے وہ برآمدے میں نصب قد آدم آئینے کے سامنے لہرا رہی تھی۔

نینوں میں سپنا

سینوں میں بجنا مجا پہ دل آگیا

جانے آئینے میں کون سا ان پڑھ سجنا فصل کاٹتا دکھائی دے رہا تھا جو آگے سے ہٹنے کا نام نہ لے رہی تھی۔ کنواری خوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی اور ایسا چنچل سپنا تب ہی آتا تھا۔ جب تائی جان اور میمونہ گھر نہ ہوتیں دراصل دونوں دیورانی جٹھانی میں حد درجے کا پیار تھا اور عادات میں مماثلت ہر جگہ بہتات سے اور اکھٹے آنا جانا بلا ضرورت شاپنگ کے بہانے بازار گھوم پھر کر بھلے کھا کر آجانا میش بہا محلے اور میکے میں سفارتی دوروں پر نکلنا اور پھر گھر آکر ان کے حالات پر گھنٹوں بحث کرنا کسی پر افسوس اور کسی پر دہرے ہو کر ہنسنا پھر وہ بحث انہی دکھی ڈراموں سے مل جاتی اور آخر میں ٹی وی چلا کر من پسند پروگرام دیکھا جاتا رائٹر پروڈیوسر کے خیالات و حالات زندگی پر تبصرہ کیا جاتا۔ اس سارے قصے میں اجیارہ اور بھابھی کے چاروں بچے پیش پیش ہوتے چھوٹی چچی نے کتنی بار دونوں جٹھانیوں کو سمجھانا چاہا۔

"بھابھی جان! بچوں کو سدھارنے کے لیے پہلے خود

سدھرنا پڑتا ہے۔ اپنا آپ بھول کر انہیں مکمل ماحول دینا پڑتا ہے' خود پر کتنی پابندیاں لگانی پڑتی ہیں' انہیں پڑھانے کے لیے خود وقت دینا پڑتا ہے' تب جا کر بچے کی شخصیت نکھرتی ہے' اور اچھا رزلٹ دیتے ہیں۔" "پڑھانے اور اچھے رزلٹ تک کی بات تو سمجھ میں آجاتی ہے مگر پابندی اور خود سدھرنے والی بات اور پھر وقت۔؟ وہ سمجھ سے باہر تھی اور خاص طور پر اس لیے کہ سب سے چھوٹی دیورانی ہو کر مشورے دیتی ہے' بڑی آپا بن کر اپنی عقل کا رعب جھاڑتی ہے' اوپر سے پابندیاں بھی لگائے گی۔ ہونہہ۔

"بھلا اب میکے اور محلے سے کٹ کر تو نہیں رہا جاتا' میل ملاپ' رشتے داروں سے ہی تعلقات بنتے ہیں' دنیا داری بھی کوئی چیز ہے۔" ناگواری لیے جواب تائی جان کی طرف سے آتا۔

گھر بھر میں صرف چھوٹی چچی کے بچے تھے جو مناسب تفریح کے ساتھ پڑھنے لکھنے کے شیدائی تھے۔ بڑے دونوں جڑواں بیٹے ایف ایس سی میں تھے اور بیٹی میٹرک میں' تینوں بچے ہونہار اور اعلا کارکردگی پورے خاندان میں نمایاں یقیناً" یہ چچی کی کاوش تھی کہ بچوں کی خاطر ہر معاملے کو بیلنس میں رکھتیں ۔میکا شہر میں تھا۔ طریقے سے آتیں جاتیں' محلے بازار میں ضرورت کے تحت نکلتیں۔ مگر جٹھانیاں صرف بچوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر محلے سے مذاکرات پر نکل جاتیں' پھر بھی ان کی خواہش کہ بچے تمیزدار ہوں اور یونیورسٹیاں بنیں۔

اب بھی وہ دونوں بھابھی کے بچوں سمیت خیر سگالی کے جذبات لیے سامنے والوں کے گھر گئی تھیں' ان کی بیٹی کراچی سے آئی ہوئی تھی اور وہ بیٹی دھن کا حق ادا کرنے کوئی تیسری بار گئی تھیں اور گھر میں اجیارہ بی بی آئینے کے سامنے سپنوں کا تاج محل سجائے کھڑی تھی۔ اس نے گلابی ہونٹوں پر مزید سرخی سے رنگ بھرا' لپ اسٹک "آئینہ شیلف" پر رکھتے ہوئے۔ ہونٹ آپس میں مس کیے۔ چھائی گھٹا سے گھنے لمبے گیسوؤں میں برش پھیرنے لگی۔ وہ مست ہوا کے جھونکے کی

طرح موسیقی کے سروں پر جھک رہی تھی' اس کی کافر اداؤں کو دیکھ کر بنجارے کو شاعری آجائے۔ وہ تو پھر فراست تھا۔ شاعری جس کی راہوں کی دربان تھی اور گارنش بجالاتے ہوئے لب سجاتی۔

کتنی دیر سے اس کی کوفت زدہ نگاہ گاہے بگاہے بھٹک رہی تھی۔ غالباً" وہ سامنے ٹیرس پر بیٹھا تھا۔ رامین نے اسے "آج کا نوجوان' اقبال کا شاہین" موضوع پر ایک مباحثہ لکھنے کو دیا تھا' اس کے اسکول میں اقبال ڈے تھا اور مباحثہ لکھوانے کے لیے کتنے دن سے وہ فراست کی راہ دیکھ رہی تھی۔ دراصل دو ماہ پہلے اسے ایک نیوز چینل میں بطور اینکر جاب مل گئی۔ رہائش کا بندوبست چینل کی طرف سے مزید بہترین ہو گیا۔ گو کہ زندگی خاصی پر آسائش مگر مصروف ہو گئی تھی' پھر بھی خالہ جان کے گھر کبھی کبھار چکر لگا لیتا تھا۔ آج وہ پورے بیس دن بعد آیا تھا اور رامین نے کاپی قلم دے کر تقریر لکھنے کی فرمائش کر دی۔ وہ ٹیرس پر کرسی رکھے بیٹھ گیا۔ وہ انگلیوں میں دبے قلم کو تواتر کاغذ پر مار رہا تھا شاید آغاز جملے ترتیب دینا چاہ رہا تھا مگر فل والیوم میں "نینوں میں سپنا سپنوں میں جانے کیا کیا کا ارتعاش' اور سامنے ٹہنی پر جھولتے اکلوتے گلاب کی طرح اٹھلاتی اقبال کی شاہینہ۔" وہ تقریر پر یکسوئی دے ہی نہ سکا۔ وہ جیسے ہی کوئی لفظ لکھنے لگتا نگاہ پھر لہراتی کلی پر اٹھتی۔ اس کے ماتھے پر چند گہری سلوٹیں سی ابھری تھیں۔ غالباً" کانوں میں اماں کے جملوں کی بازگشت چکرانے لگی تھی۔

"ایمان سے بہت ہی خوب صورت ہو گئی ہے اپنی جیا' تو چہرہ تو بالکل کپاس کے کھلے پھول جیسا ہے' بس تھوڑا سا گاجر کا رس چھڑک لو' اس کی آنکھیں تو ایسے چمک رہی تھیں جیسے تازی موٹی موٹی جامن ہوں دیسی انار کے دانے بھی کیا سفید چمکتے ہوں گے' جو اس کی دندیاں (دانت) چمک رہی تھیں۔ واہ! کیا قد کاٹھ نکالا دیکھتے ہی مجھے تو بھرا بھرا رسیلا گنا یاد آگیا اور جب نگاہ بوہڑ کے درخت پر داڑھی نماں جھولتی شاخوں پر گئی تو اس کے تیزی سے بڑھتے بال یاد آگئے جو کمر سے نیچے

جا رہے تھے۔" اس کی جلد جانے کس چکنائی سے ملائی تھی اور ناک کس سبزی سے وہ تو بس آنکھیں پھیلا کر ماں کو تکتا رہ گیا۔ دراصل اس کی ماں کچھ دن پہلے ہی شہر بہن کے پاس رہنے آئی تھیں۔ وہ اجیارہ کو دیکھتے ہی حیران رہ گئیں اوپر سے اس کی خوش مزاجی۔

"واہ کتنی پیاری بچی ہے۔" "غالباً" وہ ہر پل ان کے ساتھ چپکی رہی۔ ایک تو وہ میٹھا بولتی تھیں دوسرا ہر وقت سادہ زبان میں نانی جان اور میمونہ گاؤں کے ہر گھر کا قصہ سناتیں جو اجیارہ کا من پسند مشغلہ تھا۔ وہ پان کھانے کی شیدائی تھیں تو اجیارہ سونف سپاری کھانے کے چکر میں انہیں بار بار پان لگا کر پیش کرتی رہتی، وہ تو اس کے سگھڑاپے پر فریفتہ ہو گئیں اور گھر آتے ہی اس کی خوبیوں میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیے۔ اور فراست ماں کے اشارے سمجھ کر دنگ رہ گیا۔

"لیکن اماں!"

"کیا لیکن۔۔۔" وہ اس کے بولنے سے پہلے ہی زور سے بولیں۔

"دیکھو فراست میاں! تمہارا جو جی چاہا تم نے کیا، اپنی مرضی کی، پڑھا لکھا غیروں کی چاکری کی، باہر کی خاک چھانی ہم کچھ نہ بولے مگر شادی ہماری مرضی سے کرنی پڑے گی۔ بس میں نے فیصلہ کر لیا اور تمہیں ماننا پڑے گا۔"

"اماں مجھے پڑھی لکھی سمجھ دار بیوی چاہیے کپاس چگنا جانتی نہیں۔"

"کیوں۔۔۔ کیا اب لوگ ڈگریاں کھانے لگ گئے یا پھر تم ان پر پکوڑے رکھ کر کھاؤ گے۔" اماں کے واضح انداز پر اس کی آنکھیں پھٹیں اور منہ سے لمبا سا "جی" نکلتا رہ گیا اور جب اس کی نظر بڑی بھابھی پر گئی جو بوا کو طعنے دیتی ہوئی لکڑیاں تنور میں ڈال رہی تھی "غالباً" بوا سے آگ ڈھنگ سے نہیں لگی تھی اور دوسری بھابھی بوا کے ساتھ مل کر گندم ٹینکی اسٹور میں پہنچا رہی تھی۔ اس سے پہلے کپڑے دھلوائے تھے تو فراست کو ایک اور بہانہ مل گیا۔

"اماں وہ بہت ست ہے کوئی کام ڈھنگ سے نہیں آتا" وہ بھابھیوں کی طرح بھاگم بھاگ کام نہیں کر سکتی۔"

"ارے میاں رہنے دو، شادی سے پہلے سب ایسی ہی ہوتی ہیں اور پھر میں نے کون سا "بھاگ اجیارہ بھاگ" کی ریس لگوانی ہے۔"

"اماں وہ یہاں گاؤں میں نہیں رہ سکے گی آپ کے ساتھ۔۔۔" اس نے آخری پتا پھینکا۔

"تو میاں شہر کے بنگلے میں بھینسوں کا باڑہ بناؤ گے؟ وہ یہاں نہیں رہے گی تو میں اس کے ساتھ رہ لوں گی اب بہو اور بنگلے کا لطف میں نہ دیکھوں شہر میں۔" اماں تو شاید سب کشتیاں جلا چکی تھیں۔ وہ بے چارہ سر تھام کر رہ گیا۔ پہلے ان کے سامنے منمناتا رہا پھر احتجاج کیا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئیں اور آخر میں منہ پھلا کر صاف کہہ دیا۔ "جا میاں جا۔۔۔ میری ناراضی پر سے گزر کے، جو جی میں آئے کر لے۔" اب اتنی ناراضی کیسے برداشت کرتا، اپنا سا منہ لے کر سوچتا رہ گیا کہ اسے کیا خبر تھی کہ اس کے بگڑے زاویوں سے لطف اندوز ہوتا اس کی کم عقلی پر دل میں جھومتا ساری زندگی کی انٹرٹینمنٹ بن جائے گا "غالباً" اسے اجیارہ بلکہ کسی سے بھی کوئی دلی وابستگی تو تھی نہیں "غالباً" ایک بار اس کی کلائی سستی یا نالائقی کو دیکھ کر ایسے ہی کوئی شعر لبوں تک آگیا تھا۔ پھر جو اس کے زاویے بنے اور بگڑے وہ اندر تک مسرور ہو گیا، بات بے بات اسی سرور کو دوبالا کرتا گیا۔ تعلیمی مدد میمونہ اور خالہ کے بھرپور اصرار پر دی تھی، پھر روتی بسورتی شکل سے ہمدردی ہو گئی تو سنجیدگی سے توجہ دی لیکن یہ کبھی نہیں سوچا تھا کہ ہمدردی گلے کا ہار بلکہ ماتھے کا سہرا بننے والی ہے۔ اس نے ماں کی منتیں کر کے کچھ دن سوچنے کا ٹائم مانگا۔ پر سوچتا کو کس خوبی تو سوچتا۔

اب بھی وہ چین کو تھامے انگلیاں ہونٹوں پر رکھے مسلسل اسے لہراتے بالوں میں برش مارتے دیکھ رہا تھا اور کانوں میں اماں کی عجیب و غریب تشبیہات جو خاصی مضحکہ خیز بھی تھیں گونج رہی تھیں۔ وہ زمین وارثی تھیں۔ اسی لیے ہر فصل مثل بونے سے اسے ملا دیا تھا۔ بے شک لطف آمیز ملایا مگر کیا خوب اک اک

عضو ملایا تھا۔ فراست نے بھی اسے دل کی آنکھ سے نہیں دیکھا تھا۔ وہ تو ہمیشہ حسن لطیف سے تکتا تھا۔ مگر اب جب دل کی آنکھ کھلی تو چہرہ کھل گیا اور گداز دل میں گدگدی ہونے لگی۔ سو یہ نالائق سہی مگر قابل رشک اس کا معصوم چہرہ بھی تھا۔ وہی فراست میاں جو ماں کی تشبیہات سے اندر تک جھنجلا گئے تھے' اس وقت اس جوان دوشیزہ کے سحر میں بری طرح جکڑتے چلے گئے۔ بھابھی جان نے گرم گرم پکوڑے پلیٹ میں رکھے اور دو تین چٹنیاں بھی' ایک کپ میں چائے انڈیلی اور ٹرے اٹھا کر اس کے سامنے رکھ دی۔ وہ کم صم سے فراست کو بہت غور سے دیکھتی رہیں پھر اس کے سامنے ہاتھ لہرایا۔

"او بھائی۔"

"ہوں۔ہاں جی" وہ بری طرح چونک گیا۔ کسی حد تک کھسیانا بھی ہوا' اور نظروں کا زاویہ بھی بدلا۔

"ایسا الوکھا کیا ہے بھئی وہاں۔ اتنی دیر سے پکار رہی تھی' تم سن کے ہی نہیں دے رہے۔" غالباً" بھابھی کچن میں ہی اسے پکار رہی تھیں جب وہ نہ آیا تو وہ خود آگئیں اور زور سے بولیں۔

"کہاں تھے تم بھائی؟"

"بھابھی کی بات پر اس کے مبہم سے ہونٹ پھیلے اور پھر سامنے ادھر ہی دیکھنے لگا۔"

کیا کہوں کہ وہ گل ہے کہ شبنم' غزل ہے کہ غزل

"تم نے دیکھا ہی نہیں' اس کا سراپا یار۔"

بھابھی نے اس کی کھوئی نظروں کے تعاقب میں سراپا دیکھنا چاہا۔ وہاں اقبال کی شاہینہ اپنے دھماکا خیز حسن و انداز سے آئینہ توڑ دینے کے درپے تھی۔

"یہ کیا چکر ہے بھئی اور کب سے جناب۔" وہ مکمل لڑاکا عورتوں کی طرح دونوں ہاتھ کمر پر رکھے' ابرو اوپر تلے نچا کر تفتیشی کیم بنی تھیں' اور وہ بھنویں اچکا کر گل اور ہونٹ مسلتا کھڑا ہو گیا۔ اس کے چہرے کی شادابی بھابھی سے چھپ نہ سکی۔ تب ہی تو وہ تھانیداروں کی طرح چور پکڑ لینے پر گھور بھی رہی تھیں اور مسکرا بھی رہی تھیں۔

"وہ تو یہ بات ہے! جانتے بھی ہو' تمہارے بارے میں اس کے الوکھے خیالات کیا ہیں۔" اس نے بھنویں ملا کر پوچھا۔

"کیا؟"

"طارق عزیز' مرزا غالب' ادب کا گم شدہ سرمایہ' کتابوں کی دیمک اور جانے کیا کیا کہتی پھرتی ہے۔" بھابھی نے وہ سب بتایا جو گردان وہ وقتاً" فوقتاً" کرتی تھی۔

"یہ تو پھر بڑے اعزاز کی بات ہے' کہاں اتنی بڑی شخصیات' اور کہاں میں۔" وہ فخر سے مسکرایا اور جب بھابھی نے سابقہ رشتوں کے انکار کی وجہ' اور پھر اجیارہ کی سات نسلہ خواہش کا بتایا تو فراست کا فلک شگاف قہقہہ چھوٹ گیا تھا۔

"کیا واقعی۔" وہ تصدیق کرتا کتنی ہی دیر گردن اٹھائے ہنستا رہا اور پھر پھیپھڑوں سے خوب زور سے ہوا پھینک کر قدرے تاسف سے بولا۔

"مائی ڈیئر بھابھی! اسے ماحول نے ایسا بنا دیا تھا۔ ہر وقت جس قسم کے القابات سے اسے نوازا جاتا ہے ان سے تو اچھا بھلا آدمی کتابوں سے نفرت کرنے لگے۔" وہ پینٹ کی پاکٹس میں ہاتھ ڈالے ہوئے بھابھی کے روبرو کھڑا تھا۔

"بھابھی بچوں کو بہتر سوچ دینے کے لیے' پہلے خود کو سوچ دینا پڑتی ہے' اور ایک آنٹی ہیں خود را فضیحت دیگراں نصیحت والا معاملہ ہے۔" اس کی باتیں بالکل چھوٹی بچی جیسی لگی تھیں تب ہی ان کی ناگوار سی بھنویں سمٹیں یقیناً" وہ خود بھی مزاجاً" دونوں بڑی سالسوں کی ہمنوا تھیں مگر وہ ان کی ناگواری کو خاطر میں لائے بغیر اپنا مدعا پیش کرتا رہا تھا۔ "بہرحال آپ فکر نہ کریں' میں کرلوں گا اسے سیٹ اور رہی اس کی ڈیمانڈ تو آئی تھنک سو میں اس کی مطلوبہ کوالیفکیشن پر پورا اترتا ہوں۔" وہ سینے پر ہاتھ باندھتے ہوئے تھوڑا سا ادب سے جھکا۔

"بھائی۔ ابا' دادا کے بارے میں تو آپ سب جانتے ہیں باقی چار پشتوں کی تحقیق بھی کروالیں۔"

وہ مزید بلند قہقہے کے ساتھ تھوڑا سا پنجوں کے بل اونچا ہوا غالباً" اجیارہ کی خواہش گدگدا رہی تھی۔
"وہ یقیناً" اس کے دوسرے قہقہے پر بے طرح چونکی تھی۔ تب ہی بجنا کا سحر ٹوٹا اور پیچھے گھوم کر دیکھا۔ پہلے اس کی سانس رکی' پھر آنکھیں پھیل گئیں۔
"یہ خبیث کب آیا' نہ جانے کیا کر رہا ہے۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی کمرے کی جانب مڑی۔ "ایک تو کمینہ خوب صورت بھی اتنا ہے۔ بھلا اس کو اگر پڑھنے کی بیماری یا شاعری کے دورے نہ پڑتے تو کیا قباحت تھی۔ مگر نا بابا نہ میرے اللہ مجھے تو معاف ہی رکھ۔" بے وقت کی دعا سے اسے جھرجھری آگئی اور تیزی سے کمرے کی جانب لپکی۔ ابھی دروازے تک بھی نہ پہنچی تھی کہ اس کی پکار نے اسے بے حس و حرکت' ساکت کر دیا۔
"اوہ۔ خاتون۔"
خاتون تو مڑ کر دیکھنے سے پہلے ہی پتھر کی ہو گئی تھی اور وہ اس کی حس سماعت بچی رہنے پر مسکرا دیا تھا۔
"وہ یہ آپ کو بی اے کا کورس لا کر دیا تھا۔ کیا بنا' کھول کر بھی دیکھا یا۔" بھلا اب "یا" کی تصدیق وہ کیسے کرتی' کیا بتاتی کہ انہیں الٹی کھا گئی (پھپھوندی) کیا چوہے۔ بس ایک کینہ توز نظر موڑ کر اسے دیکھا اور کچکچاتی ہوئی کمرے میں چلی گئی۔
"میری ڈگری سے اسے جانے کیا ملے گا' بلاوجہ ہی باؤلا ہوا جا رہا ہے' ہونہہ۔" وہ پورا دن کمرے سے نہیں نکلی تھی۔

☆ ☆ ☆

کئی دن سے بھابھی خوب پھولی جا رہی تھیں غالباً" ساسوں کو فراست کے خیالات پہنچا کر اپنے نمبر بنالیں سو وہ اچھے سے موقع کی تلاش میں تھیں۔ بھئی اتنے پڑھے لکھے' سمجھ دار بندے نے' پورے کنبے میں صرف انہیں قابل اعتبار سمجھا تب ہی اپنا انتا عشق ان سے شیئر کیا تھا۔ اب وہ طریقے سے ہی بتائیں گی ناکہ وہ خوش ہو کر انہیں مہینے ڈیڑھ مہینے کے لیے میکے جانے دیں۔" ان کے پھول پھول کر کپا بنے دل سے ہوا بڑے چچا نے یہ کہہ کر نکال دی۔
"بھئی۔ تیاریاں شروع کرو' میں اجیارہ کے لیے زبان دے چکا ہوں۔"
"ہیں۔ کہاں۔ کس کو۔؟" میمونہ اور تائی جان سانس روک کے تھوڑی پر انگلی جماتے ہوئے اکٹھے بولی تھیں۔
"یہ بھی بتا دوں گا تم سانس تو نکال لو۔"
"اجی! تم ہمارے سانس نکلنے پر ہی تلے رہنا' اپنی لاڈلی کے خیالات بھول گئے۔؟" غالباً" میمونہ کو بیٹی کے خیالات نے خوب دہلایا تھا اور جانے کس دل سے انہوں نے اس کے خیالات جوں کے توں میاں تک پہنچائے تھے۔ انہیں تو سن کر کچھ تاسف نہ ہوا بلکہ شادی کے لیے مناسب رشتہ ڈھونڈنے لگے۔ اور ان کی تلاش جلد ہی اللہ نے ختم کر دی۔
"ہاں بیگم! میری لاڈلی کو نہ پڑھا لکھا محلہ چاہیے اور نہ ہی سات پشتیں' مجھے شرافت چاہیے تھی اور تمہاری پسند اللہ کرے منظور تھی سو طے ہے۔" غالباً" لڑکے کے باپ نے ان سے اور تایا جان سے بہت عاجزی سے بات کی تھی۔ پھر دیکھا بھالا شریف خاندان' باوقار' لڑکا سب سے بڑھ کر ان پڑھوں کا چشم و چراغ' اکلوتی بیٹی کے لیے سب کی خواہش ہی یک جاں ہو گئی تو زبان دے دی۔ اب مردانہ زبان تھی دے دی سو دے دی' عورتوں کی طرح تھوڑی بار بار منہ میں رکھ کر چبا ڈالو' یقیناً" اسی لیے اجیارہ کی بولتی بند رہی۔
حتمی فیصلہ ہونے پر تیاریاں زور زور شور سے ہونے لگیں۔ تائی جان' میمونہ اور کبھی کبھار چھوٹی چچی بازار جاتیں ڈھیروں سامان سمیٹ لاتیں بھابھی بے چاری اپنا سا منہ لیے سارے گھر کے بکھیڑے سمیٹتیں سو وہ مکمل منافق بنی چہرے پر خوش گوار تاثر مگر کٹے دل سے کام کرتیں۔
"کیا ہو جاتا' اگر میرے ذریعے رشتہ ہوتا' ساری زندگی سسرال پر ٹانگ اوپر رہتی' ہونہہ' کمینے کو کتنی جلدی پڑی تھی۔" ہے تاب ہوا جا رہا تھا۔"

وہ قوال کے ہمنوا بنی خوب تالیاں پیٹتی روٹیاں پکارہی تھیں۔ساسوں کی شاپنگ دیکھ کر سارا غصہ آنے پر نکلا۔

☼ ☼ ☼

اجیارہ کو اتنا تو اندازہ تھا کہ ابا کی پسند ابا جیسی ہی ہوگی کتاب تو دور کی بات' اخبار تک بھائی جان سے بھی پڑھ لیتے ہیں' انگریزی انہیں سمجھ نہیں آتی' سب اطمینان تھا۔لیکن دل کی کھدبد کا کیا کرتی سو بیچہ کی منتیں کی اس راشی نے بڑا کی رشوت لے کر اس طرح گوش گزار کیا۔

"آپی تم خوش نصیب ہو' عین پسند کا رشتہ ملا گاؤں کے خاندانی زمین دار گھر کا پچھلا صحن خاصا نیچا ہے یقیناً" برسات میں خوب پانی جمع ہوتا ہوگا' بس تم دریا کنارے بیٹھ کر' خوب ڈبکیاں لگانا بچوں کے ساتھ کشتیاں چلانا' ارے ہاں! لڑکے کے باپ' بہن بھائی بھابھیاں خیر سے کسی نے دسویں کو چھونے کی مجال نہیں کی' تم تو پھر ایف اے پاس ہو' اندھوں میں کانا راجا بلکہ کانی رانی۔" اس کی صداقت ٹپکاتی آنکھیں دیکھ کر اجیارہ کے چہرے کی رعنائی بڑھ گئی۔کہ چلو کتابوں اور اماں کی پھٹکار سے خلاصی ملی' وہاں بھی کوئی زور نہیں ڈالے گا۔وہ دل جان سے کانی رانی بننے کو تیار تھی۔یہاں شادی کی تیاریوں نے زور پکڑا ادھر تائی جان کی بہن نے دھرنا مار دیا۔بقول ان کے نایاب بجوبے کی شادی بھی طے کر چکی ہیں' گاؤں میں شہر جیسی سستی اور نفیس ورائٹی نہیں اسی لیے شاپنگ اور مشوروں کے لیے بہن کے پاس ادھر آئی ہیں۔مشورے تو خیر اجیارہ ایک سے ایک دیتی۔

"خالہ اپنی بہو کو بالکل شہر کی ہوا نہ لگنے دینا' زبردستی اپنے ساتھ رکھنا' اپنے رنگ میں ڈھال لینا' کوشش کرنا زیادہ سے زیادہ بہو بیٹے کے بیچ رہنے کی' یہ آج کل کی پڑھی لکھی لڑکیاں بڑی خطرناک ہوتی ہیں' کہیں آپ کے بیٹے کو آپ سے متنفر نہ کردے" اور بڑھاپا رل دے آپ کا' فرصت نہ دینا لمحہ بھر کی میاں کے پاس بیٹھنے کی۔" میمونہ اور تائی جان آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھیں اور خالہ جان لپٹا لپٹا کر چوم رہی تھیں "کتنی پیاری بچی ہے" اور وہ دل میں مسرور ہو رہی تھی فراست کی پڑھی لکھی میلی کچیلی گوبر اٹھاتی بیوی دیکھ کر' اور وہ مکھی کی طرح بھنبھناتا اس کے آگے پیچھے (پڑھی لکھی غالباً" خالہ جان نے بتایا تھا)

"میری فراست کی دلہن تو اچھی خاصی پڑھی لکھی خوب صورت ہے۔" شاپنگ میں بھی یہی حال تھا۔خالہ جان کے ساتھ زبردستی ساتھ ہو لیتی غالباً" دوبارہ زندگی میں ملاقات ہونا ہو' کلسے دل کا بدلہ اتارنے کا ایک موقع ہاتھ آیا تھا یقیناً" فراست کے پہننے اوڑھنے سے اس کی نفیس پسند کا تو پتا تھا۔

"وہ بھی کیا یاد کرے گا" کس کو چھیڑا تھا۔" اس نے دل کھول کر اس کی دلہن کے لیے چمکیلے' شوخیلے بھڑکیلے لباس پسند کیے' انتہائی تیز رنگوں پر سنہری کڑھائی کی بھرتی تو کہیں حد سے زیادہ سلمیٰ' ستارہ۔آج تو اس نے حد کردی گہرے پیرٹ رنگ کے اطلسی سلک کے سوٹ پر دہکتے آتشی اور گولڈن کڑھائی کا جال بننے دے دیا جس پر بڑے بڑے سنہرے نگ بھی لگنے تھے۔وہ دل میں بڑی محظوظ ہوئی "بڑا آیا نفاست پسند مغلیہ شاہکار' مجھے شعر سنانے والا لوفر لفنگا" اب اپنی طوطا پری کو اس جوڑے میں دیکھ کر بھلے پوری غزل لکھ ڈالے اور کارنش بھی بجا لائے۔" اجیارہ کی پسند پر خالہ تو کھل کھل جارہی تھیں مگر تائی جان ناگوار دل مسوس کر رہ گئیں۔لیکن جب اس نے کھٹے پیلے رنگ کا بڑا سا پرس اٹھایا' جس پر سرخ ہونٹ اور کالی نیل پالش زدہ ناخن بنے تھے تو خالہ بھی چونک گئیں۔

"بچے یہ کیا پسند کرلیا' تمہارے پاس تو کبھی ایسی چیزیں نہیں دیکھیں۔"

"خالہ! نئی دلہنوں میں آج کل یہی فیشن چلا ہوا ہے' دیکھنا آپ کی بہو کو کتنا پسند آئے گا۔بس بیٹے کو یہ چیزیں بعد میں دکھانا' کتنا خوش ہوگا' سرپرائز۔" وہ انہیں قائل کرنے کے لیے پورا زور لگارہی تھی۔وہ

بھی مزا سا" "اچھا" کہہ کر رہ گئیں تائی بھی سوچتی رہ گئیں۔

"جہیز کے لیے تو ایسی فیشنی چیزیں پسند کی نہیں' موا فیشن بھی تو روز بدل جاتا ہے' کیا خبر جہیز خریدنے کے بعد ہی آیا ہو۔" عروسی جوڑا انہوں نے بیٹے سے منگوانے کا کہہ کر ٹال دیا۔ یہ نہ ہو کہ پہلے دن ہی ماں پر چڑھائی کردے۔ اس کی پسند بیٹے سے مختلف لگ رہی تھی۔ غالبا" اجیارہ نے جامنی' سبز اور آتشی چٹاپٹی کا غرارہ پسند کیا تھا اور اس کی دلی خواہش تھی خالہ یہ تو لے ہی لیں۔

"کیسا مزا آئے گا جب اس کے کمرے میں پتلی شو لگے گا' بھر گاؤ تکیہ لگا کر' اس گوٹے کناریوں پر کمینہ پورا دیوان لکھ ڈالے' کاش وہ بزم میں بھی دیکھ سکتی' جب اس کے منہ سے غزل کے بجائے نوحہ نکلنے کے' میرے تو جلے دل پر پھوار بن کر برسے وہ لمحہ واہ۔" کوئی لمحہ قبولیت کا بھی ہوتا ہے' اور یہ پھوار کس صورت برسے گی اسے سب نے انجان رکھا ہوا تھا۔ شاید اس کے معیار پر کوئی رشتہ اترتا نہ تھا' اسی لیے ہر بات بالا بالا طے ہوتی تھی۔

✵ ✵ ✵

وہ سرخ چمکتے پیرہن' عروسی میک اپ اور نفیس جیولری میں اپنے ابا کے گھر سے رخصت ہوئی تھی نہ صرف تمام رسموں کے دوران بلکہ سارے راستے وہ کلن گردن گرائے اپنی دنیا میں مگن ان پڑھ زمین داروں کا جہاں آباد کیے بیٹھی رہی' جہاں شعروشاعری تو دور کی بات کاغذ قلم سے کسی کو لینا دینا نہیں تھا۔ اس کے آگے پیچھے کمیوں کی قطاریں تھیں اور وہ چوہدرائن بنی گاؤ تکیہ لگائے سب پر حکم چلا رہی تھی۔ چودھویں کا چاند سنہری کرنوں کے ہالے میں تیر رہا تھا۔ ٹمٹماتے ستاروں کے جھرمٹ کسی لیلیٰ کی طرح چھپ کر اپنے مجنوں کا دیدار خاص کر رہے تھے۔ وہ گھٹنوں پر ٹھوڑی ٹکائے۔ ان پڑھ سجنا کے سپنوں میں غوطہ زن تھی۔ اسے بھاری قدموں کی آہٹ قریب آتی محسوس ہوئی' اس کا دل پھڑک کر سینہ پسلیاں سب توڑ دینے کو تھا۔ دھیمی خوشبوؤں میں رچا بسا وہ اس کے قریب آبیٹھا تھا' اجیارہ نے جھکے سر کو مزید جھکالیا۔ اس نے بہت ادب سے دیوان غالب اس کی گود میں رکھ دی۔

میرے پہلو میں بیٹھ کر جاناں' تیری پہلو تہی کمال کی ہے
بات تو بھی نہ کر سکا اب کے' بات اب کے بی کمال کی ہے

"کمال" اس کی سمجھ میں جانے آیا تھا یا نہیں جب اس کا مخصوص بھاری لہجہ کان کے پردوں سے ٹکرایا تو اجیارہ کی پتلیاں دیوان غالب پر دائیں بائیں گھومی۔ اس نے بے یقینی سے گھونگھٹ جھٹ سے الٹ دیا اس کی آنکھیں ایسے ابلی تھیں جیسے ابھی باہر نکل آئیں گی۔ سانس خشک اور پتلیاں مزید اوپر چڑھنے لگیں۔ گود بھرائی میں دیوان غالب تھی' بی اے کا کورس بھڑکیلے لباس' خاص کروہ "منقوطاری" سوٹ اور پیلا پرس بھی تو اس کے چہار اطراف طواف کرنے لگے اور اوپر سے خالہ کو بہو کے حوالے سے دیے گئے مشورے۔

"اف یہ شامت" وہ عنقریب بے ہوش ہونے کو تھی۔ مگر فراست میاں کی بانہیں اسے تھامنے کو بے قرار ہوگئیں۔

ہم جانتے ہیں آپ کو' نازک بہت ہیں آپ
جو بھی گزرے گی آپ پہ' اس کو سہیں گے ہم
کچھ بھی نہیں ہے بات تو پھر ختم کیجیے
کچھ ہے تو پھر سنائیے' سب کچھ سنیں گے ہم

وہ اس کی بازو پر دھری ہوئی پھٹی آنکھوں سے ہونقوں کی طرح اسے دیکھ رہی تھی۔ کہ پہلی رات ہی وہ سننے' سنانے کی باتیں کر رہا تھا۔ بھلا اس نے کون سا سبق یاد کیا ہوا تھا' اس نے تو بی اے کی کتاب کو ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔ اب بھلا اسے ہوش کیونکر آئے۔۔؟ مگر وہ پھر بھی شرارتی لبوں پر ایک کے بعد ایک شعر سجائے اجیارہ کو بدرو درخشاں مستقبل دکھا رہا تھا۔

✵ ✵

صدف ریحان

بیڈ کی سائڈ ٹیبل پر رکھا موبائل بہت دیر تک تھرتھراتا رہا۔ اسٹڈی کے دوران ڈسٹربنس کے خیال سے وہ سائلنٹ موڈ پر کردیتی تھی۔ پڑھتے پڑھتے کب آنکھ لگی' خبر ہی نہ ہوئی۔ بھاری بھرکم کتاب سینے پر دھرے وہ بے ترتیب سی سو رہی تھی۔ جب دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھی۔ لپک کر دروازہ کھولا۔

"لگتا ہے سوگئی تھیں' سوری بیٹا! مجبوری میں جگانا پڑا۔ بات کچھ یوں ہے کہ جلدی سے اپنا ضروری سامان لے کر آجاؤ۔ گھر سے گاڑی آپ کو لینے آئی ہے۔" ہاسٹل کی ملازمہ باہر کھڑی تھی۔ جو پیغام دیتے ہی الٹے پیروں مڑ گئی۔

گھر سے گاڑی! مگر اس وقت؟ بھلا کیوں؟ مندی مندی آنکھیں پوری کی پوری کھل گئیں۔ دل کی رفتار مارے گھبراہٹ کے بے ربط ہوئی۔

"اللہ سائیں خیر!" زیر لب بڑبڑاتی اندر پلٹی تو سب سے پہلا خیال سیل فون کا آیا' جسے جھپٹ کر آن کیا' تو سامنے ہی مسڈ کالز شو ہو رہی تھیں' لرزتی انگلیوں سے کال بیک کی۔ کوئی پانچویں بیل کے بعد وہاں سے آواز آئی' اس کے بولنے سے بھی پہلے۔

"ہاں کونج... میں نے گاڑی بھیجی ہے' پریشانی کی کوئی بات نہیں' بس تم آجاؤ۔" اور کھٹ سے فون بند۔ وہ دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔

"پریشانی کی کوئی بات نہیں۔" ادی رئیسہ نے خاص طور پر یہ ہی جملہ کیوں بولا۔ پھران کا لہجہ' وہ ٹھٹک گئی۔ ہو نہ ہو ضرور کوئی بات ہے۔ گاڑی بھیج کر بلانا

اور پھر وہ بھی رات کے اس پہر' بجھتی اسکرین کو پھر سے روشن کیا' وقت دیکھا گیارہ بج کر چالیس منٹ ہو رہے تھے۔ یعنی اگلا دن شروع ہونے میں فقط بیس منٹ باقی تھے۔

وہ قریباً" پچھلے چھ سات سال سے ہاسٹل کی زندگی گزار رہی تھی اور پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ اسے یوں اچانک سے بلاوا آتا۔ وہ اسٹڈیز کی وجہ سے کم ہی گاؤں جاتی تھی۔ کیونکہ گاؤں جاکر تو اس کا ویسے ہی بہت حرج ہو جاتا کہ وہاں تو کتابیں ساتھ لے جانا بھی بے کار ٹھہرتا' اماں کی صورت دیکھتے ہی اسے ہر چیز بھول جاتی' بس فکر رہتی تو ان کی' ان کے کھانے پینے کی۔ ان کی صحت کی۔ ان کی ادویات' ان کے بکھرے کمرے کی' جہاں لگتا مہینوں سے کسی نے جھانکا تک نہیں۔ وہ ماسی شریفاں سے ناراض ہو جاتی' جو بے چاری شرمساری وضاحتیں دیے جاتیں۔ پھر جب سے اماں کمرے کی ہوئی تھیں حویلی کا سارا انتظام آپوں آپ اس دوسری عورت کے ہاتھ میں چلا گیا تھا' جو اپنے احکامات پر انہیں پھرکی کی طرح نچائے رکھتی تھی اور وہ آتے جاتے اسے بھی خون خوار نظروں سے گھورتی۔

"یہ دو دن کے لیے آکر یوں بھاگ دوڑ کر کے دیکھنے والوں کو کیا جتانا چاہتی ہو چھوری! حد ہوگئی یعنی ہمارا کیا کرایا کسی گنتی شمار میں نہیں' اڑے ہم چھیپے (پاگل) ہے تا جو ادھر بیٹھے ہیں۔ تم سے زیادہ تمہاری ماں کا خیال رکھتے ہیں۔ اتنی ہی پروا ہے تو ڈالو سب کتابوں کو چولہے میں اور آکر خدمت (خدمت) کرو اس کی۔"

انہیں فضول بولنے کا مراق ہے۔ وہ جانتی تھی سو کان دبا کر سنے جاتی اور یہ بھی علم تھا کہ اگر ان کے بعد کوئی اپنی بولی بولے تو وہ اچھا خاصا فساد ڈالنے والی عورت ہے۔ اس کی فتنہ سامانیوں سے اماں کس طرح نبرد آزما رہی تھیں' وہ اپنی آنکھوں سے سب دیکھتی آ رہی تھی اور وہ ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ اس کا کہا گیا کوئی ایک بھی لفظ اس کے یہاں سے واپسی کے بعد اماں کے لیے وبال بن جائے۔ چپ چاپ کڑوی گولیاں نگلے جاتی۔ مگر اب کیا بات ہوئی ہے۔ سوچنے کا وقت نہیں تھا ادی رئیسہ کال پک نہیں کر رہی تھیں۔ جو زیادہ باعث تشویش تھا۔ الماری میں سے ہینڈ بیگ نکالا' زپ کھول کر سیل فون اندر پھینکا اور کھونٹی سے چادر اتار کر لپیٹتی وہ کمرے سے نکل آئی۔

☼ ☼ ☼

دن کے اجالے میں ہاسٹل سے ادی رئیسہ کے گھر تک کا سفر سوا سے ڈیڑھ گھنٹے کا ہو جاتا تھا اور اس پہر تو سڑکوں پر ٹریفک برائے نام تھا۔ دور تک جلتی بجھتی روشنیاں' تیزی سے گزرتے مناظر' گاڑی کے انجن کا شور' پھر بے وقت کی پریشانی' اگلے لمحوں کا دھڑکا اس نے سیٹ کی بیک سے سر ٹکا لیا۔ دماغ غنودگی میں ڈوب گیا۔ اک جھٹکا لگا تھا۔ آنکھ کھلی' سامنے روشنیاں ہی روشنیاں تھیں۔ چاچا بجل نے گاڑی گھر کے بجائے کہیں اور لا روکی تھی کہ اگلی نگاہ عمارت کے ماتھے پر جگمگاتے بڑے بڑے حرفوں تک گئی تھی اور رہا سہا سکون بھی گیا۔ یہ شہر کا معروف ترین اسپتال تھا۔

"اللہ سائیں خیر۔" سامنے سے ادا اظہر چلے آ رہے تھے' جنہوں نے اس کے گاڑی سے نکلتے ہی کچھ بھی پوچھنے سے پہلے سر تھپک کر گویا تسلی دی تھی۔ پھر چاچا بجل سے کچھ کہا اور مڑ کر اسی راستے ہو لیے۔ ان کے قدموں کے پیچھے بھاگ کر جانے کتنی راہداریاں طے ہوئیں۔ وہ ہانپ گئی تھی۔ جب وہ اک کمرے کے آگے رکے' بیٹھنے کا کہا اور خود دائیں طرف نکل گئے۔ انگلیوں میں پھنسی تسبیح چہرے پر دونوں ہاتھ رکھے ہل ہل کر دعا کرتی کمرے کے باہر لگی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھی وہ ادی رئیسہ ہی تھیں' جنہوں نے آہٹ پر ہاتھ ہٹائے تھے' اسے دیکھ کر بازو پھیلا دیے۔

"ادی.... ادی سب خیریت تو ہے نا' آپ لوگ یہاں یوں اچانک' کون ہے؟ ادھر کیسے لائے ہیں؟" وہ ان کے شانے سے لگی بے تابانہ پوچھتی چلی گئی۔ رئیسہ نے دونوں ہاتھوں سے اس کا چہرہ تھام کر پھونک ماری' ماتھا چوما۔

"اماں کو لے کر آئے ہیں۔ ان کی طبیعت بگڑ گئی تھی۔" اور اس کا دم لبوں پر آ اٹکا۔

"اماں... اماں... مگر کیسے... ابھی کل ہی تو میری بات ہوئی ہے۔ وہ تو بالکل ٹھیک تھیں۔ یہ ایک دم سے آخر ایسا کیا ہوا؟ کیوں ہوئی ان کی طبیعت خراب؟ کہاں ہیں وہ۔" وہ مضطربانہ اٹھی۔ رئیسہ نے ہاتھ پکڑ کر پھر سے بٹھایا اور بند دروازے کی طرف اشارہ کیا اوپر جلی حروف میں I.C.U کندہ تھا۔

"او میرے اللہ!" اسے ڈھیر سارا رونا آیا۔ ابھی کل ہی تو ان کی ہشاش بشاش آواز سنی تھی اور دل کو تسلی ہوئی تھی کہ وہ بخیریت ہیں۔ بہت ساری باتیں کی تھیں ماں بیٹی نے' وہ بار بار پوچھتی رہی۔ "آپ اپنی صحت کا خیال رکھتی ہیں نا۔ کھانا وقت پر کھاتی ہیں۔ دوا کا ناغہ تو نہیں کرتیں۔ اماں اپنے مخصوص انداز میں دھیمے سے ہنس دی تھیں۔

"میری دمی بھی نا بالکل چری ہے۔ مجھے کیا ہونا ہے بھلا' جسے رب نے اتنی پیاری شہزادیوں جیسی بیٹی دی ہو اور وہ اتنی دور سے بیٹھ کر بھی خیال رکھے تو بھلا بتاؤ بیمار پڑ سکتی ہوں میں' تو میری فکر میں ہلکان نہ ہوا کر بس دھیان سے اپنی پڑھائی کر میری بچی۔ جس دن تو ڈاکٹرنی بن جائے گی نا میں اسی دن سب دوائیاں چھوڑ دوں گی' صحت مند ہو جاؤں گی۔"

"اور اس سے پہلے کیوں نہیں۔" وہ ان کی بات پر مسکائی تھی۔

"ڑے بابا دوسرے ڈاکٹروں پر تو بھروسا کر کے دوائیاں کھا رہی ہوں' پر تیرے جیسی چری بیٹی کا کیا

بھروسا۔" ان کے لہجے میں شرارت چھپی تھی۔ جسے بھانپتے ہوئے وہ چلائی۔

"کیا مطلب ہے آپ کا۔" اور اماں ہنسے جارہی تھیں۔ وہ بھی ہنس دی اور اب آنکھ سے جھڑی لگی تھی۔ رئیسہ نے کندھے پر بازو پھیلا کر ساتھ لگالیا۔

"میں تمہیں اس وقت نہ بتاتی' مجھے پتا تھا تم ایسے ہی پریشان ہو جاؤ گی' مگر کیا کرتی' وہ بے ہوشی میں بھی تمہارا ہی نام لے رہی تھیں۔ دعا کرو' انہیں ہوش آجائے' مجھے یقین ہے تمہیں دیکھتے ہی وہ اپنی بیماری بھول جائیں گی۔" اور ان کے لیے دعا تو وہ ہر ہر سانس کے ساتھ کرتی تھی۔ اس کا ان کے سوا تھا ہی کون' اک وہی تو تھیں اس کی ماں' اس کی سکھی' دکھ سکھ کے ساتھ' زندگی کا حسن' اس کی تمام کائنات ان ہی کے دم سے تو تھی۔ بہنیں تو کب کی اپنے اپنے گھربار والی ہوگئی تھیں۔ بابا رہے نہیں تھے' جب تھے' تب بھی ان سے وہ شفقت اور محبت نہ ملی جو ایک بیٹی کا حق ہوتا ہے۔ بیٹیاں پیدا کرنا اماں کا گناہ تو نہیں تھا۔ مگر سزاوار وہی ٹھہرائی گئی تھیں' اسی لیے تو چوتھی بیٹی جب فقط پانچ ماہ کی تھی تو بابا' بیٹے کی چاہ میں ان پر بہاج (سوتن) لے آئے تھے۔ وہ اماں کی وہ بیٹی تھی' جس نے ہوش سنبھالتے ہی ان کے آنسو اپنی ننھی پوروں پر چنے تھے۔ وہ ان کے اک اک درد کی گواہ تھی۔ راتوں کو ان کے سینے سے لگی ان کی ہچکیاں سنا کرتی اور بڑی حیران نگاہ سے ان کی آنکھوں سے ٹوٹتی لڑیوں کو تکیے میں جذب ہوتے دیکھا کرتی۔

"اماں کس نے مالا (مارا) ہے؟" اس کے معصومیت بھرے سوال شروع ہوجاتے' اماں سسکیاں حلق میں گھونٹ لیتیں' سرنفی میں ہلتا۔ "کیا بابا نے۔" وہ سرے ڈھونڈتی۔ وہ بچی ضرور تھی' مگر رویے جانچنے کے لیے عمر کی حد مقرر نہیں' اسے بھی نظر آتا تھا اماں کے ساتھ بابا کے اکھڑے تیور اور وہی بابا جب چھوٹی اماں کے پاس بیٹھے ہوتے تو مسکراہٹیں ان کے لبوں سے جدا نہ ہوتیں۔ تب اس عورت کے ساتھ ساتھ اسے بابا بھی انتہائی برے لگتے اور وہ بے دھڑک اماں کے سامنے کہہ بھی دیتی۔

"بابا بالکل بھی اچھے نہیں ہیں۔ وہ مکرم اور معظم سے تو پیار کرتے ہیں' مجھ سے نہیں کرتے' آپ کو بھی دبکے (ڈانٹ) دیتے ہیں۔ بابا گندے ماٹھو (آدمی) ہیں۔"

"او نہوں۔" اماں ٹوکتیں۔ "مکرم اور معظم ان کے بیٹے ہیں۔ وہ ان سے پیار کرتے ہیں تو ہم سے بھی کرتے ہیں اور مجھے وہ کب ڈانٹتے ہیں بھلا اور پتا ہے جب تم رلت کو سو جاتی ہو تو بابا کمرے میں آکر تمہارا ماتھا چومتے ہیں' تمہارے سرہانے ٹافیاں رکھ کر جاتے ہیں اور پھر میں جو ہوں' میں اپنی بیٹی سے اتنا پیار کرتی ہوں۔" اماں کو اپنا رونا بھول جاتا اسے بہلاوے دینے لگتیں۔

اور وہ اکثر رات کو آنکھیں موند کر جھوٹ موٹ کی سوتی بنی رہتی' اسے بابا کا انتظار ہوتا' کب وہ آئیں' کب ماتھا چومیں اور بچپن کی کتنی ہی راتیں اسی آس

میں کٹ گئیں۔ وہ جان گئی تھی اماں جھوٹ کہتی ہیں
اور ایک عورت کی زندگی میں ہوتا کیا ہے علاوہ جھوٹ
کے' اگر وہ یہ بھی نہ بولے تو جیسے کیسے' سچ صرف
کڑوا ہی نہیں زہر بھی بن جائے۔' اگر وہ ایک بار ہی خود
سے بول دے تو سچ کنواں ہے۔ سچ کھائی ہے۔ سچ موت
ہے۔ عورت کو زندہ رہنے کے لیے جھوٹ بولنا ہی پڑتا
ہے' کتنی جھوٹی ہوتی ہے نا یہ عورت بھی۔ اس کے
کچے ذہن نے یہ حقیقت بہت پہلے جان لی تھی۔ وہ
وقت سے پہلے ہی سمجھ دار ہوگئی تھی۔

اس نے اماں کو کبھی نہیں جھٹلایا تھا۔ اسے بھی ان
کے بہلاوے اچھے لگتے تھے۔ اسے ماں کو زندہ رکھنا تھا
اور خود کو بھی۔ اماں میں تو اس کی جان اٹکی تھی۔ کل وہ
کتنے خوش گوار موڈ میں باتیں کر رہی تھیں۔ ان کی
آواز بتا رہی تھی۔ ان کی صحت بہت بہتر ہے تو پھر شام
تک آخر ایسا کیا ہوگیا' وہ اس حال کو آپہنچیں۔ بے
قراری حد سے سوا تھی' دل کو پنکھے لگے تھے۔ رئیسہ پھر
سے تسبیح پھیر رہی تھیں۔ ماسی شریفاں کونے میں جاء
نماز بچھائے نوافل ادا کر رہی تھیں۔ وہ ان کے پاس آ
بیٹھیں گھٹنوں پہ سر رکھ لیا' جانے کتنے پل بیتے۔

"اللہ سائیں ہے ناپٹ (بیٹا) پھر کس بات کی فکر۔
دل جائے رکھ' سبھی دھی سب خیر ہوگی ان شاءاللہ۔"
ماسی شانہ تھپکتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"اماں اچانک سے کیسے بیمار ہوئیں ماسی۔۔۔ کیا کوئی
بات ہوئی تھی حویلی میں؟" اس نے سر اٹھایا' بھیگے
رخسار بتا رہے تھے مسلسل بے آواز رو رہی ہے۔

"جیسے لوگوں کے درمیان وہ رہتی ہے' وہی بہت
بڑی بات ہے پٹ۔ اللہ بخشے (بخشے) سائیں وارث
کو۔ خود تو چلا گیا اور ایک سدا کی مصیبت چھوڑ گیا
تمہاری ماں کے سر پر' خانہ خراب ہو اس زال کا'
ساری عمر گزار دی دوسروں کی زندگی اجیرن کرنے میں'
جب کی آئی ہے کم ذات اک دن بھی سکھ کا سانس
نہیں لینے دیا اماں حسنہ کو۔ اور اب دیکھو تم' کیا شوشا
اٹھا رہی ہے۔ حد ہی ہوگئی۔"

"کیا مطلب؟ کیا ہوا ہے۔ کیا کہا ہے اس نے اماں
سے کھل کر بتائیں مجھے۔"

"چھوڑ پٹ کیا کرے گی سن کر' جی ہی جلے گا۔ پہلے
کیا کم فکریں ہیں' بس تو امڑ کی زندگی مانگ۔ باقی سب
ٹھیک ہوجائے گا۔" انہوں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا
دیے تھے۔ اس کے لب بھی محو مناجات ہوگئے۔

☆ ☆ ☆

ہارٹ اسپیشلسٹ شاہ جمال سے اس نے خود اماں
کی تمام کیس ہسٹری ڈسکس کی تھی۔ یہ انہیں دوسرا
ہارٹ اٹیک تھا۔ گو کہ رپورٹس کچھ خاص حوصلہ افزا
نہیں تھیں' مگر بقول ڈاکٹر کے بہترین علاج' احتیاط'
خوراک اور مکمل طور پر ہر طرح کے ڈپریشن سے دور
رکھ کر انہیں مزید کسی پیچیدگی سے بچایا جاسکتا ہے۔

"اماں اب واپس گاؤں نہیں جائیں گی' میرے
پاس رہیں گی اور میں ہر طرح سے ان کا خیال رکھوں
گی۔" یہ بات تو رات ہی ادی رئیسہ نے کہی تھی۔

"ہاں ٹھیک ہے ادی! آپ کچھ دن اماں کو اپنے پاس
رکھو' پھر میں انہیں اپنے گوٹھ لے جاؤں گی۔" ادی
شمسہ نے بھی اپنی خدمات پیش کی تھیں۔

"اور میرے بچے تو ابھی کہہ رہے ہیں کہ اماں کو گھر
لے کر چلیں۔" نفیسہ نے کہا تھا۔

"اماں اب حویلی میں ان لوگوں کے درمیان نہیں
رہیں گی' ان کی صحت اور زندگی کے لیے ایسا کرنا بہت
ضروری ہوگیا تھا' مگر اب یہ بات صرف چند روزہ تو
نہیں تھی' اس کا کوئی مستقل حل نکالنا ہوگا۔ بیٹیوں
کے گھروں میں وہ کتنے دن تک رہ سکیں گی' جبکہ ایسا ان
کی خوددار طبیعت کو ہرگز گوارہ نہ ہوگا۔ تو پھر کیا کیا
جائے؟ دوسری صورت میں مجھے میڈیکل ادھورا چھوڑ
کر حویلی میں ان کے پاس رہنا ہوگا' مگر اماں اس پر بھی
راضی نہ ہوں گی کہ میری تعلیم ان ہی کا تو خواب ہے تو
پھر؟" ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ ادا اظہر سے کہا جائے کہ کوئی
چھوٹا موٹا فلیٹ ڈھونڈ دیں' جہاں وہ اور اماں ایک
پرسکون زندگی گزار سکیں۔ دوسروں کی نفرتوں سے
دور۔ عداوتوں سے پرے' ایک دوسرے کی سنگت

میں ایک ساتھ' ہاں یہ ایک بہترین آپشن ہے۔ یوں میری بھی تمام فکریں ختم ہو جائیں گی؟ وہ جوڑ توڑ کرتی آرہی تھی کہ دروازے پر ہی ٹھٹک کر رک گئی۔ اماں کہہ رہی تھیں۔

"مجھے اپنی سب بیٹیاں بہت پیاری ہیں۔ پر کونج تو میرا دل ہے میری آنکھیں ہے وہ۔ وہ میری حیاتی کا وہ خواب ہے جس کی تعبیر کے لیے ہی تو میں زندہ ہوں۔ بہت چاہت تھی میری کہ میں تو پڑھ لکھ نہیں سکی مگر میری بیٹیاں زیادہ سارا پڑھ لکھ کر اپنی زندگیاں سنواریں' لیکن ہوا کیا' ان کے باپ نے ہی میری آنکھوں سے خواب نوچ دیے۔ سائیں وارث نے اس عورت کے غلط مشوروں کی بھینٹ میری تین بیٹیوں کو چڑھا دیا۔ رئیسہ کو اس سے دگنی عمر کے مرد کے حوالے کیا گیا۔ شمسہ کو دوسری بیوی بنا دیا گیا۔ نفیسہ کو ایک جاہل کے سپرد کر دیا۔ مجھ سے پوچھے بغیر ان کے فیصلے کیے گئے اور میں مجبور چپ رہی۔ میں نے اپنی جان پر گزرا ہر وار سہا' مگر میری بچیوں کے دکھوں نے مجھے اندر سے کھا لیا ہے۔ ان کے لیے میں کچھ نہ کر سکی۔ میرے ہاتھ بندھے رہے۔ وائے قسمت ان کے مقدر بھی مجھ سے جدا نہیں تھے اور میں نے سوچ لیا تھا کونج کو میں اپنے کسی فیصلے کی نذر نہیں ہونے دوں۔ اس کے فیصلوں کا اختیار میں نے سائیں وارث کی زندگی میں ان کے پاؤں پڑ کر اس سے لیا تھا۔ اسے بڑے واسطے ڈالے تھے کہ ایک بیٹی کی حیاتی تو مجھے بخش دو۔ میں اسے خوب لکھانا پڑھانا چاہتی ہوں۔ میں اسے اس قابل کرنا چاہتی ہوں کہ کل کو وہ اپنے پیروں پر کھڑی ہو جائے' کسی کی محتاج نہ رہے۔ میں نہیں چاہتی کہ وہ کاٹھی (لکڑی) بنے' جسے تم جیسے لوگ کسی بھی چولہے میں جھونک دو اور وہ تو جلے ہی ہم بھی اس کے سیک (گرمی) سے مریں' بلکہ میں تو اسے وہ پورا درخت بنانا چاہتی ہوں آئندہ جس کی چھاؤں میں ہماری قبریں بھی ٹھنڈی رہیں اور اس نے تو مجھے حامی بھری تھی اور اس لیے تو اس نے اپنی نہر کنارے والی بنی (زمین) بھی کونج کے نام لگا دی تھی' تاکہ اس کی

تعلیم کا زُرچا پورا ہوتا رہے۔ مگر اب وہ عورت کہتی ہے سائیں وارث کوبج کی زندگی کا فیصلہ اس کے ہاتھ میں دے گیا تھا۔ اسے اختیار دے گیا تھا کہ وہ جہاں چاہے اس کا سنگ (رشتہ) کردے اور اس نے فیصلہ کرلیا ہے۔ حد ہے نا' ادا سائیں! میرے ہوتے ہوئے کوبج کی ماں کے ہوتے ہوئے وہ کیسے اس کے لیے کوئی فیصلہ کرسکتی ہے' مگر وہ کہتی ہے کہ اس نے زبان دے دی ہے۔ مگر میں کیسے مان لوں ادا سائیں! میں کیسے اپنی کوبج کو کسی جہنم میں دھکا دوں' میں یہ برداشت نہیں کرسکتی۔" اندر اماں پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں۔

باہر کھڑے کھڑے اس کا شدت سے دل چاہا اس عورت کو شوٹ کر آئے جو ان کی زندگیوں میں عذاب کی صورت اتری تھی۔

"بکواس کرتی ہے' وہ عورت اسے بکنے دو جو وہ بکتی ہے۔ تم نے کیوں اس کی بات کو دل سے لگالیا۔ خود کو اکیلا سمجھتی ہو کیا۔ ہم سب ہیں نا تمہارے۔" ماہی' اماں کو دلاسا دے رہی تھیں۔

"ٹھیک کہہ رہی ہے تمہاری بھاجائی۔ ہم بیٹھے ہیں ابھی۔ تمہارے سر پر ہاتھ رکھنے والے وارث۔" اس نے اپنی زندگی میں جو بھی بیٹیوں کے لیے فیصلے کیے وہ باپ تھا' حق رکھتا تھا' ہم نے کچھ نہیں کہا' مگر اب تم ہو کوبج کی ماں' اس کے لیے کسی بھی فیصلے کا اختیار صرف تمہیں ہے۔ کوئی ایرا غیرا زبان چھوڑ اپنی جان بھی کہیں دے آئے' تمہیں پروا نہیں ہونی چاہیے۔ تم گھبراؤ مت۔" ماما سائیں بھی اندر تھے اور اماں کو بھرپور تسلی دے رہے تھے۔

"کیسے نہ گھبراؤں ادا۔ وہ بہت شاطر عورت ہے۔ اس کی چال بازیوں کو میں جانتی ہوں۔ پچھلے چار ماہ سے لے کر اس نے میرا جینا عذاب کر رکھا ہے۔ ایک ہی رٹ ہے اس کے رنڈوے بھائی سے کوبج کا نکاح کروں۔ جبکہ سارا زمانہ جانتا ہے اس کے پچھن' کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ اس کی فطرت' کہنے والے تو یہ بھی کہتے ہیں' اس نے اپنی زال کو خود زہر دے کر مارا ہے۔ اس کی زمین کے لالچ میں اب ایسی صورت میں ہے۔"

"اس بے غیرت کی ہمت کیسے ہوئی اس نے ایسا سوچا بھی کیسے۔ اس کی یہ جرات کہ اس بدمعاش کے لیے ہماری بچی کا نام لے اور تم نے اتنے مہینوں سے ہمیں بتایا تک نہیں' پہلے بتاتیں تو اب تک میں اس کا منہ بند کرچکا ہوتا۔" ماما سائیں کو شدید غصہ آیا تھا۔

"کیسے بتاتی ادا' وہ مجھے دھمکیاں دے رہی ہے۔ ادا سائیں! آپ کو اللہ کا واسطہ میری کوبج کے سر پر ہاتھ رکھ دیں۔ مجھے بہت فکر ہے۔ وہ برے لوگ ہیں کچھ الٹا سیدھا نہ کردیں۔ میں تو جیتے جی مر جاؤں گی۔ نہیں سہہ سکوں گی میں۔" اماں حد درجے ڈری ہوئی تھیں' زار زار روتے انہوں نے ماما سائیں کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے' جنہوں نے بے تابانہ بہن کو گلے لگایا تھا۔

"ان لوگوں کا علاج تو میں بہت اچھے سے کرسکتا ہوں' ہمیشہ تمہارے منہ کو چپ لیے رہا' انہیں تو میں دیکھ لوں گا' تم اس طرف سے کوئی فکر مت رکھو۔ باقی اگر تم اس میں راضی ہو تو کوبج صرف تمہاری ہی نہیں میری بھی بیٹی ہے۔ اب تم جلدی سے چنگی بھلی ہو کر گھر جاؤ' میرا تم سے وائدہ (وعدہ) ہے۔ اس سے اگلے ہی دن میں اپنی امانت لینے آجاؤں گا۔ جاول تمہارا بھتیجا ہی نہیں تمہارا بیٹا بھی ہے' اب خوش۔" انہوں نے تو آناً فاناً "فیصلہ سنا دیا تھا۔ وہ جو اگلے قدم پر کمرے میں داخل ہونے والی تھی وہیں دہلیز پر بت بن گئی۔

☼ ☼ ☼

"کہاں ہو؟" ہوا کے دوش پر اڑتا' لہراتا' لڑکھڑاتا پیغام نما سوال آیا تھا "راستے میں۔" اسٹیئرنگ پر ایک ہاتھ جماتے دوسرے سے دو لفظ ٹائپ کیے اور اسی ہوا کے سپرد کر ڈالے۔

"آج موسم کتنا آفت ہے نا۔" جھومتی ہوا نے ایک بار پھر اپنا پلو جھاڑا تھا۔ جانے اب یہ سوال تھا یا اطلاع۔ مگر اس کے پیچھے کوئی خاص بات ضرور تھی۔

"ہاں میں بھی دیکھ رہا ہوں' تو پھر؟" دو گھنٹے جم میں لگانے کے بعد وہ خاصی تھکن محسوس کر رہا تھا۔ گھر پہنچ

کر آرام کرنا چاہتا تھا' جو کہ اب مشکل لگ رہا تھا اور وہی ہوا۔ ہوا کے دامن میں نہ اگلا مشورہ تھا' نہ پیغام' بلکہ سیدھا سیدھا حکم نامہ۔

"لانگ ڈرائیو پر چلنا ہے۔ میں تیار ہوں جلدی پہنچو۔" اور وہ جس ماحول سے تھا وہاں مرد سدا سے حکم دینے کے عادی ہوتے ہیں۔ حکم دینا ان کی گھٹی میں ڈالا جاتا ہے۔ ماننا ان کی سرشت نہیں ہوتی اور وہ یوں تو اس کی ہر ہر ادا پر نثار ہوتا تھا' مگر اس کی یہ ہی عادت مردانگی پہ ضرب کی طرح لگتی۔ اس نے ہمیشہ ہر کام اپنی منشا و مرضی سے کیا تھا۔ مشورہ ہو یا حکم۔ چڑ تھی اس کی۔ بس ایسا ہی اکھڑ مزاج تھا وہ۔ موبائل ڈیش بورڈ پر ڈال کر میوزک آن کیا۔ اب چاہے ٹیون بجتی رہے اس کی بلا سے۔ گاڑی کی اسپیڈ انتہائی سلو کردی۔ آدھ گھنٹے کی مسافت پورے سوا گھنٹے میں طے کر کے جب اپنے بلاک کی طرف ٹرن لیا تو وہ سجی سنوری ٹیرس پر کھڑی دور ہی سے نظر آگئی۔ دھیان ہتھیلی پر دھرے سیل فون پر تھا۔ یقیناً" وہ اسے اب تک پچاسیوں ٹیکسٹ کر چکی تھی۔ مگر پروا کسے تھی وہ کون سا اٹھارہ سو اسی کا محبوب تھا' جسے محب کو انتظار کے اک لمحے سے گزارنا بھی گراں بار لگتا تھا۔ وہ تو اکیسویں صدی کا محبوب تھا' الٹی کھوپڑی کا' جس کا محب اس کے انتظار میں صبح سے شام بھی کرلے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

محبت تو ہے ہی برداشت کا دوسرا نام۔ وہ محبت ہی کیا جو ذرا سی کڑکتی دھوپ نہ جھیل سکے اور ابھی تو اسے فریش ہونا تھا' پھر اچھی سی چائے پینا تھی' کیونکہ چائے چاہے کسی فائیو اسٹار ہوٹل کی ہی کیوں نہ ہو اس کے حلق سے نہیں اترتی تھی۔ چائے ہو تو بس خالص دودھ کی۔ گاڑی کی آواز پر اس نے سر اٹھا کر دیکھا تھا۔ چتون خوب بیکھے تھے۔ اس نے مسکرا کر ہاتھ ہلا دیا' پتا تھا ابھی دوڑتی آئے گی۔ چوکیدار نے گیٹ کھول دیا اور سامنے نظر جاتے ہی نہ صرف بریک پر پاؤں پڑا بلکہ ہونٹوں پر مچلتی مسکراہٹ بھی غائب ہوئی۔ بلیک بلینو جگر جگر چمک رہی تھی۔

"او گاڈ... بابا سائیں... یہ کب آئے؟" ٹیرس کی طرف نگاہ کی' وہ موجود نہیں تھی۔ یعنی وہ ادھر ہی آرہی تھی۔ "اف" جھٹ دروازہ کھول کر اترا' گیٹ بند کرتے چوکیدار کو پرے دھکیل کر باہر کو دوڑ لگائی۔ وہ اپنے گیٹ سے نکل رہی تھی۔

"بہت برے ہو تم' اتنی دیر لگادی۔ یہ صرف دس منٹ کی تو ڈرائیو ہے۔ جم سے واپسی پر اتنی دیر تو نہیں لگتی' کہاں رہ گئے تھے۔ کب سے ویٹ کر رہی ہوں' کتنے ٹیکسٹ کیے' تم نے چیک تک نہیں کیا' حد ہوتی ہے لاپروائی کی۔ تمہیں احساس ہے کہ...." وہ نان اسٹاپ شروع ہو چکی تھی۔ جاذل نے بازو سے پکڑا اور کھینچتا ہوا واپس گیٹ تک لے گیا۔

"بلیو می' تم بہت پیاری ہو' تمہاری سب عادتیں بے حد اچھی ہیں' مگر یہ جو ایک ہی سانس میں بولے چلی جاتی ہو نا' سچ میں' بہت بری لگتی ہو اور سنو ادھر آنے کی غلطی مت کرنا' بابا سائیں آئے ہوئے ہیں۔ لانگ ڈرائیو کا پروگرام پھر کسی موسم میں اوکے۔" اس کا گال تھپتھپا کر وہ جلدی سے پلٹا۔

"ارے رکو.... سنو.... جھری...." وہ آوازیں دیتی رہ گئی۔

"سائیں وڈا دو گھنٹے سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" سارا سین ملاحظہ کرتے دانت نکوستے چوکیدار نے مطلع کرنا ضروری سمجھا۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اندر کو ہولیا۔ غیر یقینی نظارہ تھا' گھر کا گھر جمع تھا اور وہ بھی شام کے اس پہر اوا امان' عبید' اسرار بھاجائی سندھل' شہلا' زرین حتی کہ سب بچے بھی' بابا سائیں نے آخر ایسا کیا منتر پھونکا تھا جو سب اپنے اپنے کام چھوڑ کر یہاں آبیٹھے تھے اور ایسے چپ گویا سانپ سونگھ گیا ہو؟ اس کے سلام نے سب میں جان ڈال دی' سب ہی نے سر گھما کر دیکھا تھا اور سب ہی کی آنکھوں میں بڑا عجیب سا تاثر تھا۔

"وہ میرا شہزادہ' کدھر رہ گئے تھے' شیر جوان! کب سے راہ تک رہا ہوں تمہاری۔" وہ بابا سائیں کا چھوٹا اور لاڈلا لخت جگر تھا۔ وہ اس سے بے پناہ پیار کرتے تھے۔ مگر آج سے پہلے ایسا والہانہ استقبال کبھی نہیں کیا

تھا انہوں نے 'اٹھ کر بازو وا کر دیے۔ واہ بے غیرت' وہ اندر ہی اندر سہمتا' لمبا تڑنگا چھ فٹا نوجوان ان کے سینے سے جا لگا۔ اگر ان کا پیار بے تحاشا تھا تو ان کا غصہ بھی الامان۔

"سوری بابا سائیں! مجھے آپ کے آنے کی خبر نہیں تھی' کچھ دیر ہو گئی وہ راستے میں ٹریفک۔۔۔"

"خیر ہے ابا۔ اتنی دیر سویر تو شہر میں معمولی بات ہے' بیٹھو تم۔" انہوں نے تو اسے کوئی جھوٹا بہانہ تراش کر گناہ گار ہونے سے بھی بچا لیا۔ شانہ تھپک کر پاس بٹھا لیا۔

"دھی سند ھل۔۔۔" انہوں نے مراقبے میں سر ڈالے بیٹھی بہو کو آواز دی جو ہڑبڑا کر سیدھی ہوئیں۔

"جی۔۔۔ جی بابا سائیں۔۔۔"

"اماں دیکھ رہی ہو میرا بچہ تھکا ہوا آیا ہے۔ جاؤ اس کے لیے کوئی پانی لے کر آؤ اور بچو تم سب اٹھو اور فافٹ اپنی اپنی تیاری کرو' ایک گھنٹہ تک ہمیں گاؤں کے لیے نکلنا ہے۔"

"گاؤں کے لیے اور اس وقت۔۔۔ خیر تو ہے بابا سائیں۔" ان کی بات پر کسی نے سر بھی نہیں ہلایا تھا' ہاں اٹھنے کے لیے سب ہی نے پر تول لیے۔ وہ بے اختیار پوچھ بیٹھا۔

"ہاں ہاں۔۔۔ مالک کا کرم ہے' سب خیر ہے' تم تسلی سے مانی پانی (کھانا دانا) کھاؤ' میں بھی بیٹھے بیٹھے تھک گیا ہوں' کچھ دیر آرام کروں گا' پھر بات کرتا ہوں تم سے۔۔۔" وہ دونوں گھٹنوں پر ہتھیلیوں کا دباؤ ڈالتے اٹھ کھڑے ہوئے ان کے پیچھے ہی باقی سب بھی تتر بتر ہونے لگے۔

"کیا ہوا ہے' یہ آج بابا سائیں اتنی تیزی میں کیوں ہیں اور یہ ایک دم سے سب کو گاؤں لے کر جانے کا کیا پلان ہے۔ اوھر سب ٹھیک تو ہے۔" اس کی پریشانی فطری تھی۔ ادا اسرار سے پوچھا جنہوں نے بس اک جاندار مسکراہٹ اچھالی اور سیڑھیاں چڑھ گئے۔

"کیا ہوا ہے بھاجائی۔" سند ھل کا چہرہ بتا رہا تھا کوئی غیر معمولی بات ہے۔

"اوہ بھائی۔۔۔ گھبراتے کیوں ہو۔ کچھ نہیں ہوا' سب خیر ہے' بابا سائیں نے کہا ہے نا۔" کہ تم سے بات کرتے ہیں۔ تو پھر سمجھو ان ہی کے کرنے کی کوئی بات ہو گی ہمیں کیا پتا۔ چلو سند ھل چل کر میرے کپڑے شپڑے ڈالو بیگ میں اور ہاں اپنے کپڑوں میں وہ سوٹ ضرور رکھنا جو ابھی عید پہ۔۔۔" ادا امان بیوی کا ہاتھ پکڑ کر لاؤنج سے نکل گئے۔ وہ بھی کندھے اچکاتا بیڈ روم میں چلا آیا اور جب تقریباً" ایک گھنٹہ بعد بابا سائیں نے اسے بلا کر جو کچھ کہا اسے سنتے ہی لگا کہ لاشاری ہاؤس کی پوری چھت اس کے سر پر آن گری ہے۔

☼ ☼ ☼

حویلی میں گہما گہمی بڑھتی ہی جا رہی تھی اور تو اور اللہ جانے کس نے مائی سکھاں کو اطلاع کر دی تھی' وہ اپنا سارا ٹولہ لیے آن حاضر ہوئی اور پھر جو انہوں نے پاٹ دار آوازوں میں شگن کے سہرے شروع کیے تو ہر طرف سماں بندھ گیا۔ حویلی کی تاریخ میں یہ پہلی شادی تھی جو اس قدر سادگی اور خاموشی سے انجام پا گئی تھی۔ ورنہ اس سے پہلے کی شادیاں تو گاؤں برادری والوں کو اب تک یاد تھیں۔ مہینوں پہلے ایسی دھوم دھام اور رونق رہتی کہ دن اور رات کا فرق مٹ جاتا۔ اوطاق پر اتنی دیگیں پکتیں کہ گاؤں والوں کو چولہا گرم کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔

سراج احمد لاشاری کو اللہ نے نہ صرف مال کی نعمت سے نوازا تھا' بلکہ وہ کثیر الاولاد بھی تھے۔ سات بیٹوں اور تین بیٹیوں میں جاذل لاشاری ان کی آخری اور عزیز ترین اولاد تھا۔ وہ اس وقت ماں کی گود میں آیا تھا' جب زہرہ بی بی بچے پیدا کر کر کے اور پال پال کر ناک و ناک آچکی تھیں' پھر اس کی پیدائش کے بعد وہ بہت زیادہ ہی بیمار بھی ہو گئی تھیں' مگر حویلی میں اس کی دیکھ بھال کرنے والے کم نہیں تھے۔ ملازماؤں کے علاوہ بہن بھائیوں نے اسے ہتھیلی کا چھالا بنا لیا۔ وہ تو ان سب کے لیے ننھا منا کھلونا ثابت ہوا تھا۔ سب ہی ان

کے یوں ناز نخرے اٹھاتے کہ سن شعور آنے تک وہ خود کو کسی ریاست کا شہزادہ سمجھنے لگا۔ اسے ہمیشہ من چاہا ملا‘ کبھی کوئی خواہش رد نہ ہوئی‘ یہی وجہ تھی کہ مزاج سب سے نرالا ہو گیا۔ وہ سب بھائیوں میں خوبرو تھا اور اسے یہ احساس دلایا بھی خوب ہی گیا‘ کچھ جوانی کی دہلیز تک آتے کئی آنکھوں نے جتایا تو شخصیت میں کچھ اور کلف لگ گیا۔

خاندان کی پرانی ریت تھی کہ بچوں کی نسبتیں اکثر ان کے بچپن میں ہی ٹھہرا دی جاتیں‘ مگر سوئے اتفاق کہ وہ حویلی کا واحد سپوت تھا جو ایسے کسی بھی عتاب سے بچا رہا‘ باقی بھائی بے چارے اپنی اپنی ”قسمتیں“ بھگت رہے تھے اور اس کے لیے سب ہی کی آنکھوں میں بہت سے خواب تھے۔ سب کے ارمان تھے کہ اس کے لیے کوئی شہزادی نہ سہی تو کم از کم کہیں کی نواب زادی تو ضرور ہی لے کر آئیں اور وہ سب کی سرگرمیوں سے بے پروا اپنی دنیا میں مگن تھا کہ چند ماہ پیشتر لاشاری ہاؤس کے پڑوس میں آباد ہونے والی خان فیملی کی سوہا رجب خان اسے بے طرح بھا گئی۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ نازک اندام‘ دلکش خال و خد‘ بے حد اسٹائلش سا انداز رکھنے والی سوہا تیکھے نقوش اور اکڑ و مزاج رکھنے والے جاذل لاشاری پر فریفتہ ہو گئی۔ اس کا وقت بے وقت لاشاری ہاؤس کے چکر لگانا اور آتے جاتے خاص اس سے حال احوال پوچھنا اور یوں ہی باتوں کو طول دیے جانا‘ پھر نوبت ٹیلی فونک گفتگو تک بھی آ گئی اور بس پھر... وہ کہاں تک دامن بچاتا۔ بات بڑھتی ہی گئی۔ یہاں تک کہ سندھل نے بھی معاملہ بھانپ لیا اور ان سے شہلا اور زرین کو بھی خبر ہو گئی۔ ان سب کو کیا اعتراض ہوتا تھا بھلا‘ اچھے خاصے کھلتے پتے خاندان کی خوب صورت لڑکی تھی‘ پھر سب سے بڑھ کر جاذل کی پسند۔

مگر معاملہ تھوڑا سا گڑبڑ تب ہوا جب دو چار بار سراج احمد لاشاری نے بھی اسے دیکھا‘ وہ اپنے اسی لاپروا اور ماڈ حلیے میں ہوتی تھی‘ جو انہیں سخت ناگوار گزرا۔ فی الفور بیویوں کو ٹوکا کہ گھر کی بچیاں سمجھ دار ہو رہی ہیں‘ اس طرح کی لڑکی کا آنا جانا کنٹرول کرو۔ جاذل تک ان کا حکم نامہ پہنچا۔ تب سے وہ محتاط ہو گیا۔ جب بابا سائیں آتے وہ سوہا کو ادھر آنے سے روک دیتا کہ شومئی قسمت اسی کی طرح وہ بھی کسی کی سننے والی نہیں تھی۔ خصوصاً ”ذاتی معاملات میں انتہائی من موجی لڑکی تھی اور وہ ابھی سے اس پر کوئی سختی نہیں کرنا چاہتا تھا‘ ہاں بعد میں تو پھر اپنے خاندان اور مزاج کے مطابق ڈھال ہی لیتا۔ اسے کیونکہ گمان ہی نہیں‘ یقین بھی تھا کہ ہر خواہش کی تکمیل کرنے والے بابا سائیں اس معاملے میں بھی مایوس نہیں کریں گے‘ لیکن...

وہ سختی سے دانت پر دانت جمائے بیٹھا تھا۔ اردگرد بڑھتا شور اعصاب پر گراں بار ہوتا جا رہا تھا‘ کوئی کند چھری لیے اندر ہی اندر دل چیرے دے رہا تھا اس کا۔ زندگی کبھی ایسا برا مذاق بھی کر سکتی ہے‘ یہ تو تصور کے ہزارویں حصے میں بھی نہ تھا۔ سدا پھولوں کی رتھ پر سواری کرنے والا گویا اچانک سے کانٹوں پر آ پڑا تھا۔ دل کی بستی پر ایسا ڈاکا پڑا تھا کہ چہار اور خواہشوں اور ارمانوں کی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ ہر جا خون ہی خون تھا۔ وہ پورا اونچا مرد اپنی تمام عمر میں پہلی بار کسی مقام پر ایسا بے بس ہوا تھا کہ جی چاہ رہا تھا پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔ آس پاس کیا ہو رہا ہے۔ کون آ رہا ہے۔ گلے لگ رہا ہے۔ کیا کہہ رہا ہے۔ اسے قطعاً ”خبر نہیں تھی۔ اندر اٹھتے بگولوں کا شور باہر کے شور پر غالب آنے لگا تو وہ کسی طرف بھی دیکھے بنا‘ دھڑ دھڑ کرتا سیڑھیاں چڑھ گیا۔ بی بی جان مبارک بادیاں دینے آنے والیوں میں گھری کھڑی تھیں۔ مگر اس کا جانا انہوں نے بغور دیکھا تھا۔ شہلا نے سندھل کو کہنی ماری تھی‘ جن کے ہونٹوں پر بنا عنوان کی مسکراہٹ رینگ گئی۔

”تم نے دیکھا جاذل کو۔ ابھی کیسے سب کے بیچ سے اٹھ کر اوپر گیا ہے۔“ سامنے سے آتی زرین کو بتانا بھی ضروری تھا‘ وہ الگ جھنجلائی ہوئی تھی۔

”ہیں... کب... کیوں؟ اف میں تو اپنی مصیبت

میں پڑی ہوں۔ بھلا ایسی بھی کوئی شادیاں ہوتی ہیں۔ آدھے گھنٹے میں بندوق کی نال پر تیاری کرواکر سارے کنبے کو گھسیٹ لائے بابا سائیں۔ جلدی جلدی میں' میں تو گڑیا کا دودھ کاڑھا لانا ہی بھول گئی۔ اب اس کا پیٹ خراب ہو گیا ہے۔ بار بار ڈائپر گندہ کر رہی ہے۔ تنگ ہو گئی ہوں میں تو۔۔۔"

"اور میرے بچوں نے مجھے تنگ کیا ہوا ہے۔ کل ٹیسٹ ہیں دونوں کے۔ اب رو رہے ہیں کہ اسکول نہ پہنچے تو ڈانٹ لگے گی۔ اور یہ شادی بھی بھلا کوئی شادی ہے۔ بے چارے گھوٹ (دولہا) پر تو قیامت گزر گئی ہے قیامت۔" شہلا نے اپنا دکھڑا رونے کے ساتھ اصل مدعا بھی بتایا۔

"ویسے اس پر تو جو بیتی ہے سو بیتی ہے۔ اچھا تو پھر غریب کونج کے ساتھ بھی نہیں ہوا۔ باپ کے گھر بھی سکھ نہیں ملے' ترستے ہی ساری عمر گزر گئی اور اب تقدیر نے نئی گھات لگائی۔ پتا نہیں کیا ہوگا۔" زرین کو آنے والے وقت کا دھڑکا لگ گیا۔

"تم لوگ اپنی باتوں میں لگی ہو۔ ذرا گھر آئے مہمانوں کو بھی دیکھ لو' ہر آئے گئے کو میں اکیلی ہی منہ دوں کیا۔ تم لوگ تو جیسے پرائی شادی میں آئے ہو۔ سندھل ہے تو خود مہمان بنی بیٹھی ہے۔ باقی زینب اور سیمین کدھر ہیں' کچھ پتا نہیں۔ مجھے ہر ہر موقع پر سمجھانا پڑتا ہے۔ اللہ جانے کب عقل آئے گی' تم لوگوں کو۔۔۔" بی بی جان کو جانے کس بات پر غصہ تھا جو آکر ان پر نکال دیا۔ دونوں گھبرا کر ادھر ادھر ہو گئیں۔ وہ سر جھٹکتی سیڑھیاں چڑھ گئیں۔ پہلے وہ جلال کے کمرے میں ہی آئی تھیں' بڑا سارا سجا سجایا کمرہ بھاں بھاں کر رہا تھا' پھر تو انہوں نے ایک ایک کمرہ دیکھ ڈالا۔ لیکن وہ تو جانے کہاں چھپ گیا تھا۔

"اف۔۔۔ اللہ سائیں۔۔۔ اس لڑکے کو عقل دے' آج تو پورا گوٹھ گھر میں آ بیٹھا ہے۔ اس کی کوئی ایسی ویسی حرکت ناک کٹوا دے گی ہماری۔ ہائے کدھر جاؤں میں۔ اری او زلیخا۔ تم نے جلال کو اوپر آتے دیکھا ہے' کس کمرے میں گیا وہ۔" انہوں نے اسٹور سے برتن نکالتی ملازمہ سے استفسار کیا۔

"نہیں بی بی جان' میں نے نہیں دیکھا' مگر مجھے لگا ہے کہ اوپر والی چھت پر کوئی گیا ہے۔ کہیں وہ چھوٹے سائیں ہی نہ ہوں۔ آپ ٹھہریں ادھر۔ میں دیکھ کے آتی ہوں۔" وہ ہاتھوں میں تھامے تھال چارپائی پر رکھنے کو جھکی۔

"نہیں تم جاؤ' اپنا کام کرو' میں خود دیکھ لیتی ہوں۔" اور زلیخا کا اندازہ بالکل درست تھا' کھلی چھت کے آخری کونے پر بنے کبوتروں کے کابک کے پاس وہ فرش پر گھٹنوں میں سر دیے بیٹھا تھا۔ جلال نے سر اٹھایا اور لپک کر ہانپتی کانپتی ماں کو تھام کر دیوار کے ساتھ لگی چارپائی پر لا بٹھایا۔

"آپ کیوں آگئی ہیں یہاں تک۔ طبیعت خراب ہو گئی تو۔۔۔" وہ نیچے بیٹھ کر ان کے گھٹنے دبانے لگا۔

"چل ہٹ پرے۔ مجھے نہیں چاہیے تیری جیسی اولاد کی خدمت۔ یہ کیا حرکت تھی بھری محفل میں سے یوں اٹھ کر آتے ہیں کیا۔ گوٹھ والوں کے علاوہ برادری کے بھی چار لوگ آئے ہوئے ہیں اور سارے کے سارے آنکھوں کے اندھے نہیں ہیں کہ کسی نے تمہارے ماتھے کی تیوریاں نہ دیکھی ہوں گی' لوگوں کو تو رائی چاہیے پہاڑ بنانے کے لیے' حسنہ بے چاری تو پہلے ہی بیمار پڑی ہے۔ اگر برادری میں کسی نے کچھ الٹا سیدھا بول دیا اسے جاکر تو سوچو کیا گزرے گی اس کے دل پر۔۔۔"

"اور جو میرے دل پر گزر رہی ہے اس کی فکر کی آپ میں سے کسی نے' آپ تو سارے جانتے تھے نا' بابا کو کسی نے نہیں سمجھایا۔ خوب صورت چہرہ تپ کر سرخ ہو رہا تھا۔ بی بی جان کو شدید غصے کے باوجود اس پر پیار آگیا' ہاتھ پکڑ کر بٹھانا چاہا' وہ اینٹھتا ہاتھ چھڑا کر دور ہو گیا۔

"تیرے بابا' بہن کو قول دے چکے تھے' پھر کیا سمجھاتے ہم انہیں۔"

"ہاں۔۔۔ بابا سائیں قول دے چکے تھے جو انہوں نے نبھا دیا اور جو قول میں کسی کو دے چکا ہوں' اس کا

کیا ہو گا اب کیسے بھروں گا میں کفارے وہ تو یہ سنتے ہی مرجائے گی۔" وہ روہانسا ہو رہا تھا۔ بی بی جان نے ہونہہ کرکے سر جھٹکا۔

"کوئی نہیں مرتا ایسی باتوں سے۔ سب اپنی آئی پر ہی جاتے ہیں۔ تمہارے قول کی عزت تمہارے باپ کے قول سے زیادہ بھی کیا۔ تم سے پہلے چھ پت (بیٹے) بیاہے ہیں ہم نے اور ان سب کے فیصلے تمہارے بابا سائیں نے ہی کیے تھے اور تم کیا سمجھتے ہو تم پہلے بیٹے ہو اس حویلی کے جس نے دل لگی کی ہے۔ ارے باقی سب بھی تیرے ہی بھائی ہیں۔ چھ کے چھ میرے گھٹنے پکڑ پکڑ کر روئے ہیں اپنی شادیوں سے پہلے۔ اسرار نے تو اپنی کلاس فیلو کے پیچھے اس چھت سے کودنے کی دھمکی دی تھی۔ میں نے بھی کہہ دیا تھا۔ بیٹا تم کود نہ کو دو میں خود تمہیں دھکا دے دوں گی۔ ارے بابا جس اولاد کو ماں باپ کی محبت اور عزت سے زیادہ باہر والے پیارے ہو جائیں ایسی اولاد کو دھکا ہی دینا چاہیے اور وہ امان وہ رئیسہ کے پیچھے دیوانہ ہوا پھرتا تھا۔ اسے تو سندھ بدھ بھول گئی تھی اپنی بھی۔ پر کیا کرتے سندھل منگ تھی اس کی۔ اسے چھوڑتے تو سارے خاندان میں فساد مچتا۔ پھر رئیسہ پر الگ انگلیاں اٹھتیں۔ اس کو کیوں برا بنواتے بس پھر جو فیصلہ تھا وہ پورا کیا۔ پھر کیا ہوا۔ جب زال گھر آئی بچے بھی ہو گئے تو سب دل لگیاں بھول بھال گئے اب کسی کو یاد بھی نہیں وہ پرانی باتیں ہم بھی ایک دن سب بھول جاؤ گے۔"

"مگر بی بی جان!" وہ تڑپ کر کچھ کہنے لگا کہ انہوں نے ہاتھ اٹھا کر وہیں روک دیا۔

"ساری باتیں بعد میں میرے بچے ابھی تم صرف یہ دیکھو یہ فیصلہ جیسے بھی ہوا اور جن حالات میں ہوا سب تمہارے سامنے کی بات ہے۔ حسنہ پھوپھی ہے تمہاری۔ تمہارے باپ کی لاڈلی چھوٹی بہن ہے۔ اس نمانی نے ساری زندگی بڑے دکھ بھوگے ہیں اور ایسی حوصلے والی کہ کبھی کسی کے آگے روئی نہیں۔ اب اگر انتہائی مجبوری میں اس نے بھائی کے آگے دامن پھیلایا تو بھلا وہ کیسے موڑتے اور پھر کمی کیا ہے کونج میں بس۔ اچھی خوب صورت ہے۔ دھیمے مزاج کی لڑکی ہے۔ پڑھی لکھی سمجھ دار ہے پھر اس حویلی کے اصولوں کو جانتی ہے۔ خاندان کی عزت اور وقار کو کیسے سنبھالنا ہے اسے علم ہے۔ ارے باہر کی چلتی پھرتی عورت کا کیا بھروسا کس مزاج کی ہو نہ وہ ہمیں جان سکے نہ ہم اسے سمجھ سکیں۔ بس تم اب یہ یاد رکھو کہ کونج ہی تمہاری کنوار (دلہن) ہے۔ اس کی عزت اور مرتبہ اب وہی ہے جو اس حویلی کی پہلی بہوؤں کا ہے اور دیکھو اسے اپنی معشوقی کے ناکام قصے سنانے کی بالکل ضرورت نہیں۔ پہلے اپنی ماں کے حوالے سے بہت پریشان ہے وہ بچی۔ خبردار اس سے کچھ الٹا سیدھا مت کہنا۔ جانتے ہو نا اپنے بابا کو بیٹوں سے زیادہ بہوؤں کی قدر کرتے ہیں وہ اور میں بھی کوئی غلط بات برداشت نہیں کرسکوں گی اگر تم نے اپنا ذرا سا بھی غصہ کونج پر اتارا تو مجھ سے اپنا تعلق ختم سمجھنا۔" وہ پائے کا سہارا لے کر اٹھیں جلال نے ہونہہ کرکے سر جھٹکا۔

"اب آرام سے نیچے اتر آؤ گھر مہمانوں سے بھرا ہوا ہے۔ سب پوچھیں گے تمہارا۔" وہ کہتیں نیچے کو چل دیں۔ جبکہ اس نے اک زوردار ٹھوکر بے قصور دیوار کو رسید کی۔

☼ ☼ ☼

وہ جیتا جاگتا انسان تھا اس کے اپنے کچھ خواب تھے کچھ پلاننگز تھیں جن سے وہ کسی صورت دست بردار نہیں ہو سکتا تھا اور کسی کی خاطر تو بالکل نہیں۔ اسے کسی کی مجبوریوں سے کوئی لینا دینا نہیں تھا مگر بابا سائیں نے اسے کچھ ایسے بے دست و پا کیا کہ وہ پھڑپھڑا بھی نہ سکا۔ انہوں نے اسے دھمکا کر ایک فیصلہ تو منوالیا تھا لیکن اب اس کے بعد کے سب فیصلے اس کے اپنے ہوں گے۔ اپنی زندگی کے سبک روی سے بہتے دریا میں پتھر پھینک کر تلاطم برپا کرنے والوں سے کوئی رعایت نہیں برتے گا اس نے سوچ لیا تھا اور چاؤ پورے کرنے کے نام پر جب اپنی جیب خالی اور بہنوں

بھابھیوں کی مٹھیاں گرم کر کے کمرے میں آیا تو ارادہ یہ ہی تھا کہ وہ ان پڑھی لکھی' سمجھ دار لڑکی کو کسی دھوکے میں نہیں رکھے گا' سب بتا دے گا' تاکہ وہ اس سے کسی بھی قسم کی توقعات وابستہ نہ کرے۔ مگر ساتویں قدم پر اسے بالاختیار دھچکا لگا۔ ساتویں قدم پر اس لیے کہ کمرے میں آ کر بیڈ کی طرف نگاہ نہیں ڈالی تھی۔ نخوت سے منہ اٹھائے وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آیا تو آئینے میں پڑتے عکس نے چونکا ڈالا۔ وہ جو گزشتہ کئی گھنٹوں سے جل سلگ رہا تھا۔ ایک دم اوپر جیسے کسی نے یخ ٹھنڈا پانی ڈال دیا۔ سرخ زرتار دوپٹا صوفے پر پڑا تھا۔ سارا زیور سینٹرل ٹیبل پر۔ جسے اس کے انتظار میں سر جھکائے بیٹھے ہونا چاہیے تھا' وہ پیروں سے سر تک چادر تانے ہوئے تھی۔ جاذل بت بن گیا۔ دماغ میں کلبلاتے اودھم مچاتے خیالات بھی ساکت ہو گئے۔ چند ساعتوں بعد اک گہرا سانس لے کر وہ خود کو مزید ریلیکس کر رہا تھا۔

اچھا ہوا اس نے خود ہی منہ چھپا لیا' ورنہ سامنا ہونے پر پتا نہیں کیا کچھ کہہ دیتا میں اسے' پھر اتنے دن ہو گئے پھوپھی کی بیماری کی وجہ سے بھی تھک گئی ہوگی' ٹھیک ہے آرام کرے' وہ واش روم میں جا گھسا' کچھ دیر بعد آرام دہ ٹراؤزر شرٹ میں باہر آیا۔ ٹیبل پر رکھا سیل فون اٹھا کر ٹیرس کا دروازہ کھولتا اودھر کو نکل گیا۔ وہ کسی سے بات کر رہا تھا' ہلکی ہلکی آواز آ رہی تھی' مگر واضح نہ تھی' پھر شاید اسے دھیان آیا تھا۔ دروازہ بند کر دیا' ساتھ ہی آواز آنا بھی بند ہو گئی۔ ہر طرف خاموشی پھیل گئی۔

کونج نے چادر سرکا کر منہ باہر نکالا' کمرے کی ہر چیز تو چمک دار اور روشن تھی' پھر اسے ہی کیوں دھندلا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ ذرا سا سسک کر تکیے کے سہارے نیم دراز ہوئی۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی اس نے منہ دھو کر خشک کیا تھا' مگر سارا چہرہ پھر سے بھیگ رہا تھا۔ سرخ آنکھیں' اب تو پپوٹے بھی سوج کر درد کر رہے تھے۔ پلکیں نیر بہا بہا کر تھک چکی تھیں' مگر اندر سے بپھرے سمندر میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ وہ جوں کا توں کناروں سے سر پٹخ رہا تھا۔

جب وہ ماں کی گود میں آئی تھی تو انہوں نے اس کا نام کچھ اور ہی رکھا ہوگا' مگر جب دادی مرحومہ نے دیکھا تھا تو ناک چڑھا کر بولیں۔

"اڑے مار پڑے' یہ کیا پیدا کر دیا ہے۔ یہ تو صفا کونج ہے۔ (کم صورت سیاہ پرندہ) اور بس تب سے ہی وہ کونج ہو گئی۔ جبکہ اماں اسے کہا کرتیں تھیں کہ میری بیٹی بولتی بہت میٹھا ہے۔ بالکل کونج کے جیسا اور پھر جیسے کونج فضاؤں میں پرواز کرتی ہے' نا ویسے ہی میری بیٹی کے نصیب بھی اونچے ہوں گے' اونچے بہت اونچے' سب سے بلند' دیکھنا نام کا بڑا اثر پڑتا ہے انسان کے نصیب پر۔۔۔ اور اس میں کوئی شک نہیں تھا' اس کی قسمت نے بھی کونج کا سا ہی روپ دھار لیا تھا۔ ماں نے تو اس کے لیے ان گنت رنگوں سے خواب بنے تھے' ایک ایک موتی بڑے ارمانوں سے اس کی پلکوں پر جڑا تھا۔ مگر پھر جانے ماں خود ہی کیوں ڈر گئی اسے ہمت کے سبق پڑھاتے پڑھاتے' وہ حوصلہ کیوں ہارنے لگی' بنا سوچے سمجھے' جانے بوجھے اسے کھائی سے بچانے کی کوشش میں اپنے ہی ہاتھوں کنوئیں میں دھکا دے بیٹھی۔

ہائے میری بھولی اماں! تم نے تو اپنے خون پر اعتبار کیا' مگر تم کیا جانو جسے میرے لیے نجات کا راستہ سمجھی ہو وہ تو ایک بند گلی ہے' جہاں میں آ پھنسی ہوں۔ ہائے میں کیسے تمہیں بتاتی' کیسے توڑتی تمہاری خوش فہمیوں کے بت۔ اوی رئیسہ' شمسہ' نفیسہ تو تم سے آ کر اپنے دکھڑے کہہ دیتی تھیں' پر میں کس زبان سے سناؤں گی اپنے درد' پہلی بار میں نے تمہارے لبوں پر جھلکتی مسکراہٹ کا الگ سا رنگ دیکھا ہے۔ میں نے تم سے ہی تو سیکھے ہیں ماں' من پر چاہے کتنے ہی چرکے کیوں نہ لگے ہوں' پر تن پر سے بھرم کی چادر نہ سرکے۔ عورت تو کھڈی پر چڑھا سوت ہے۔ جتنے بل پڑیں گے اتنا حسن نکھرے گا۔ تم نے تو میرے سکھ ہی چاہے ہیں اماں اور مجھے اب تم سے صرف اک دعا چاہیے کہ میرا دل پتھر کا ہو جائے بس اور شاید مقدر میں اب رونا ہی

لکھا جا چکا تھا۔ وہ بہت روئی تھی' اماں کی تو حالت ہی ایسی نہ تھی کہ ان سے کچھ کہا جاتا' ہاں بہنوں سے اس نے صاف کہا تھا کہ وہ جاذل لاشاری سے شادی نہیں کرے گی۔

"کیا کمی ہے' خاندان کا خوب صورت نوجوان ہے۔ پڑھا لکھا ہے۔ اتنا مال متاع ہے ان کے پاس۔ نصیبوں والیاں ہوتی ہیں جنہیں ایسا مکمل گھر ملتا ہے۔ تمہیں تو رب کا شکر ادا کرنا چاہیے اور تم نخرے کر رہی ہو۔" ادی شمسہ نے بھی حسب توفیق کان کھینچے۔

"میں نخرے نہیں کر رہی' میں چند دن پہلے ایک سیمینار اٹینڈ کرنے گئی تھی۔ وہیں اسے ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں دیکھا تھا۔ وہ ایک خوب صورت لڑکی کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا اور جس طرح دونوں بات چیت کر رہے تھے لگتا تھا پرانی شناسائی ہے۔" آخر اس نے بلی تھیلے سے باہر نکال ہی دی۔ ہانڈی میں ڈوئی گھماتی رئیسہ کے ہاتھ اک پل کو تھمے تھے۔ اگلے لمحے پھر متحرک ہو گئے۔

"ہاں تو ہو سکتا ہے یونی ورسٹی میں کہیں ساتھ پڑھتی ہو۔ ہو گی کوئی جاننے والی۔"

"تمہیں کیوں تعجب ہوا۔" نفیسہ نے پوچھا۔

"وہ اس لیے تعجب ہوا کہ اس لڑکی کے ساتھ دو ماہ پہلے بھی میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ اس کی گاڑی میں تھی' فرنٹ سیٹ پر اس کے برابر۔" وہ صوفے پر دونوں پاؤں اوپر کیے مسلسل ہل رہی تھی۔ آنکھوں کی پتلیوں پر جیسے وہ منظر پھر سے جاگ گیا تھا۔

"اوہو۔" شمسہ نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔

"توڑے چری۔ بس اتنی سی بات پر شادی سے انکار... آج کل تو لڑکا لڑکی کی دوستی عام سی بات ہے۔ وہ بھی اس کی کوئی اچھی دوست ہو گی' اگر ان کے درمیان اس سے بڑھ کر تعلق ہوتا تو کیا جاذل اب تک گھر والوں کو نہ بتاتا۔"

"بتایا ہو گا۔ ہو سکتا ہے ماما سائیں نہ مانے ہوں۔" وہ قیاس کے گھوڑے پر چڑھی تھی۔

"یہ تم کیوں اتنی پریشانی لے رہی ہو۔ ماما سائیں نے اس سے پوچھ کر ہی فیصلہ کیا ہو گا' کوئی یوں ہی تو نہیں شادی کا دن مقرر کر گئے۔ چلو تم جا کر اماں کو دیکھو اور ہاں خبردار ان سے ایسی کوئی بات نہ کرنا۔" اور بس اک یہیں آ کر اس کے سارے حوصلے دم توڑ گئے۔

اماں سے کچھ نہ کہا' چپ چاپ کڑوا گھونٹ نگل لیا اور اس کے وسوسے جھوٹے نہ تھے۔ رسموں کے دوران جب اس کا دوپٹا جاذل پر بھی ڈال کر ان کے درمیان آئینہ رکھا گیا تو اس نے کن اکھیوں سے دیکھا' اس کے چہرے پر پتھروں کی سی سختی تھی۔ پھر جب سب جیٹھانیاں اسے کمرے میں لے کے آئیں۔ شہلا بولی۔

"ہمارا جاذل بہت پیارا ہے۔ اس کی ہمیشہ دل سے قدر کرنا' کبھی کوئی دکھ مت دینا اسے۔"

"بے چارہ پہلے ہی اتنا دکھی ہو گیا ہے۔" سندھل زیرلب بڑبڑائی تھی' مگر ایسے کہ اس نے بخوبی سن لیا۔ زرین نے کہا۔

"ارے چھوڑو بھی بھابی۔ کس بات پر دکھی' ہماری کونج بھی کسی سے کم ہے کیا' دیکھنا جاذل سارے غم وم بھول جائے گا' یوں بھی لڑکوں کی عادت ہوتی ہے جب تک اپنا آھورا (جانوروں کے کھانے کا برتن) پکا نہ ہو جائے' وہ ادھر ادھر کی گھاس چرتے رہتے ہیں۔ اور کئی تو بعد میں بھی باز نہیں آتے' جیسا کہ ادا اماں۔" زینب نے باقیوں کو آنکھ ماری۔

"نہیں... ہیں... ایسی مجال نہیں میرے مڑس (شوہر) کی۔ جان نہ نکال دوں گی میں۔" سندھل چمک کر بولی' سب ہنس دیں' وہ اب اک دوجے کو چھیڑ رہی تھیں۔

وانٹڈ اور ان وانٹڈ کا فرق کیا ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ بہتر کون جانتا ہو گا۔ وہ سن شعور سے یہ دکھ سہہ رہی تھی' ہاتھ اٹھا کر مانگی جانے والی دعاؤں کی قدر و منزلت اور ہوتی ہے۔ بن مانگے مل جانے والی تو اکثر نعمتیں بھی بے مول ہو جاتی ہیں۔ محبت کا موتی بخت والوں کا نصیب بنتا ہے۔ قبل اس کے اگلا دھتکارے وہ خود پرے ہٹ جائے گی۔ وہ دل کو سمجھا کر ہی اس

منزل تک آئی تھی۔ فی الحال تو چادر کی پناہ ہی مناسب حل لگا۔ اف۔۔۔ مگر ایک تو یہ آنسو' قدرت نے آٹھ سمندر بہائے ہیں' سات سمندر زمین کو بخش دیے اور آٹھواں عورت کے اندر رکھ دیا۔ جو ذرا ذرا سی بات پر بھی ٹھاٹھیں مارنے لگتا ہے۔ اسے خود اپنی کمزوری پر غصہ آیا۔ جب اوکھلی میں سر دے ہی دیا ہے تو اب رونا کیسا۔ بس بے پروا ہو جاؤ' وہ اپنے آپ کو گھرک رہی تھی اور یوں ہی خود سے لڑتے لڑتے آنکھ لگ گئی۔ نیند تو کانٹوں پر بھی آجاتی ہے' وہ تو پھر نرم بستر پر تھی۔ جانے کون سا پہر تھا۔ وہ کسی ویرانے میں تھی۔ دہشت سی دہشت' چاروں اور سے سیاہ آندھی کے بگولے اٹھ رہے تھے۔ پھر یک لخت بین کی آوازیں' کوئی چلا رہا تھا۔

"اماں۔۔۔ اماں۔۔۔" وہ ڈر کر پکار رہی تھی۔ چیخ رہی تھی۔ مگر وہ کہیں نہیں تھیں۔

"اف۔۔۔" وہ تڑپ کر اٹھی۔ بے اختیار منہ پر ہاتھ رکھ کر آواز دبائی۔ جاذل بالوں میں انگلیاں پھنسائے بیڈ کے قریب ہی کھڑا تھا۔ اسے یوں بدحواسی سے بے دار ہوتا دیکھ کر کچھ کہتا رک گیا۔ ضرور کوئی برا خواب دیکھا تھا' تو کیا اس کے لاشعور کو خبر ہو گئی تھی۔ اسے حیرت ہوئی۔ مگر کیسی حیرت' وہ ماں کی لاڈلی بیٹی تھی اور ماں نے اپنا فرض ادا کر دیا تھا۔ اب ان کی ہر منزل آسان ہو گئی تھی۔ جن ہاتھوں سے اس نے اپنے لیے اب صرف ایک دعا چاہی تھی' افسوس کہ اب وہ ہاتھ نہیں رہے تھے۔ اس کی چیخیں سینے میں ہی گھٹ گئیں' تو کیا اس کے بدقسمت ہونے میں کوئی آڑ نہیں رہی تھی؟

☼ ☼ ☼

کتنے ہی دن گزر گئے تھے۔ لیکن اسے ابھی بھی یوں ہی لگتا تھا اماں کہیں سے نکل کر سامنے آجائیں گی۔ کوجی منجھی منٹھڑی کوجی۔ کوجی میری پیاری بیٹی ان کی پیار بھری آواز سماعتوں میں ویسے ہی تازہ تھی۔ اس کا دل ماننے پر آمادہ ہی نہ ہوتا تھا کہ ہمیشہ دعاؤں کے حصار میں باندھے رکھنے والی اماں جا چکی ہیں۔ اس کے دل شکستہ کو صبر آتا ہی نہ تھا۔ وہ بند کھڑکی سے سر ٹکائے جانے کب سے کھڑی تھی۔ باہر بادل برس رہے تھے' اندر اس کی آنکھیں۔ رئیسہ کمرے میں آئی تھیں' پیچھے ہی ملازمہ کھانے کی ٹرے اٹھائے ہوئی تھی۔

"کوجی میری جان! وہ صرف تمہاری ہی ماں نہیں تھیں کوجی۔ وہ ہماری بھی ماں تھیں۔ مجھے دیکھو۔ جانے والوں کے ساتھ جایا جاتا نا تو یہ دنیا اب تک ویران ہو گئی ہوتی۔ کوئی بھی دکھ سہنے کو نہ رہتا یہاں' مگر مشکل یہ ہے کہ جینا پڑتا ہے۔ اپنے لیے نہیں تو کسی اور کے لیے اور اسی کا نام زندگی ہے۔ دعا اور صبر ایسا سہارا ہے' جو بڑے بڑے غم سے نکال دیتا ہے۔ تم بھی رونے کے بجائے دعا کیا کرو' دل کو سکون ملے گا اور اب ذرا اپنے گھر بار کی بھی فکر کر لو۔ ماہی سائیں کا کئی بار فون آچکا ہے۔ وہ اور بابا سائیں لینے کے لیے آرہے ہیں تمہیں۔"

"آپ انہیں منع کر دیں۔ میں حویلی نہیں جاؤں گی' میں تو واپس ہاسٹل جا رہی ہوں۔ میری پڑھائی کا بہت حرج ہو گیا ہے۔" وہ کھڑکی سے ہٹ کر الماری کھولے اپنی چیزیں نکالنے لگی۔

"تمہاری پڑھائی کی فکر اب صرف تمہیں ہی نہیں' اب تم سے زیادہ بابا سائیں کو بھی ہے۔ اماں نے ان سے وعدہ لیا تھا کہ وہ تمہاری تعلیم جاری رکھیں گے اور تمہارے لیے گاؤں میں اسپتال بنوانے کا ان کا خواب بھی پورا کرنے میں مدد کریں گے اور اب تم شہر میں ہی لاشاری ہاؤس میں باقی بیویوں کے ساتھ رہو گی اور وہیں سے کالج آیا جایا کرو گی۔ بابا سائیں تمہارے ہاسٹل رہنے کے حق میں نہیں ہیں۔ ماہی نے خود کہی ہیں مجھ سے یہ ساری باتیں اور اب تم آرام سے کھانا کھاؤ۔ میں وسائی سے کہتی ہوں۔ وہ سمیٹ دے گی سب سامان۔" رئیسہ کمرے سے نکل گئیں۔ کوجی نے ہاتھوں میں تھاما کپڑوں کا ڈھیر فرش پر پٹخ دیا۔

☼ ☼ ☼

"بابا سائیں' رات تمہیں کال کرتے رہے۔ تم نے

پک ہی نہیں کی' کدھر بزی تھے۔" اس کا فیورٹ چیز آملیٹ ٹیبل پر رکھتے شہلا نے پوچھا۔

"اچھا... پتا نہیں' میں نے موبائل ہی چیک نہیں کیا۔ رات بہت دن بعد بکس لے کر بیٹھا تھا' تو سیل سائلنٹ موڈ پر کردیا۔ ایگزامز میں کم ٹائم رہ گیا ہے۔ سوچا کچھ پڑھ ہی لیں۔" اپنے آگے رکھی بریڈ چھوڑ کر اس نے زرین کی پلیٹ میں دھرے پراٹھے کا نوالہ توڑا۔ جس نے گھورتے ہوئے پلیٹ ہی اس کے آگے کھسکادی۔

"ماشاء اللہ... ماشاء اللہ... شکر ہے تمہیں بھی خیال آیا اسٹڈیز کا۔ نظر اتار لینا تھی اپنی۔" شہلا نے میٹھا سا طنز کیا۔

"آپ اتار دیں۔" وہ مزے سے زرین کا پراٹھا اڑا رہا تھا جو برے برے منہ بناتی سوکھے توس نگل رہی تھی۔

"تو بھلا ہم کیوں اتاریں' خیر سے تمہاری کنوار (دلہن) آجائے گی تو وہی اتارے گی ساری نظریں۔" بھاپ اڑاتی چائے کا کپ لیے آتی سندھل نے ٹھٹھا لگایا۔ جازل نے ترچھی نظر سے دیکھا اور سر جھٹک کر پھر پلیٹ پر جھک گیا۔

"آج بابا سائیں اور بی بی جان آرہے ہیں' ان کا میسج ہے تمہارے لیے' شام کو اگر تم کہیں بزی بھی ہو تو اپنے سارے کام ترک کرکے ان کے ساتھ کونج کو لینے جاؤ گے رئیسہ کی طرف۔" شہلا اپنا ناشتا بھی لے آئی تھی کرسی سنبھالتے ہوئے بتایا۔

"سوری... شام میں تو بہت بزی ہوں' بالکل بھی ٹائم نہیں ہے' کسی بھی فالتو کام کے لیے اور جب بابا سائیں اور بی بی جان خود آرہے ہیں تو جہاں چاہے جائیں اور جسے چاہے لائیں۔" وہ نیپکن سے ہاتھ صاف کر رہا تھا' انداز ایسا ہی تھا جیسا کہ...

"میری بلا سے۔"

"پھر تمہیں بابا سائیں کی بھی خبر ہے' اب اگر شام میں تم گھر میں نہ ہوئے تو وہ سخت ناراض ہوں گے اور الٹا ہم سب پر غصہ کریں گے کہ تمہیں روکا کیوں نہیں۔ ارے بھئی کیا کیا بہانے بنائیں گے ہم۔" سندھل نے اعتراض اٹھایا۔ وہ گرم گرم چائے کے دو گھونٹ بھر کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"بہانے کس لیے۔ جو بات ہے وہ بتادیں۔ وقت نہیں ہے میرے پاس... پہلے ہی فضول کی مصیبت کے باعث دماغ الٹ رہا ہے میرا اتنے دن اپنی اسٹڈیز پر توجہ نہیں کرسکا۔ اب اگر پڑھنا چاہ رہا ہوں تو پھر وہی تیخ لگا رہے ہیں آپ لوگ اور ہاں پلیز ایک ریکویسٹ آپ تینوں سے ہے۔ بابا سائیں کی بھانجی آرہی ہے یہاں۔ جازل لاشاری کی منکوحہ نہیں اور اگر کبھی بائے چانس سوہا کا اس سے سامنا ہوا تو آپ نے اس سے یہ ہی کہنا ہے۔ کم از کم اسے علم نہ ہو کہ وہ یہاں کس رشتے سے آئی ہے اور آنے والی کے کانوں میں بھی یہ بات ڈال دیجیے گا۔" وہ موبائل اور گاڑی کی چابی سنبھال کر اٹھا۔

"ہائیں... ہائیں یہ کیا بات کر رہے ہو۔ ہوش میں تو ہو' کونج تمہاری بیوی کی حیثیت سے آرہی ہے اور اس گھر کی بہو بن کر۔ اب اتنی بڑی بات کو ہم کیسے چھپائیں گے' کس کس سے' کہاں کہاں پردے ڈالیں گے ہم۔"

"ڈال لیجیے گا جیسے آپ سب نے اور بہت سی باتوں پر پردہ ڈالا ہوتا ہے۔ بالکل ویسے ہی' جیسے فدا کا رزلٹ ادا اماں سے چھپایا گیا اور دوبارہ پیپر کلیئر کروانے کے لیے بھاری فیس' سہیلی کی شادی کے لیے شاپنگ کا نام لے کردی گئی اور بالکل ویسے ہی جیسے ادا اسرار کے منع کرنے کے باوجود غزل کو اسکول ٹرپ پر مری بھیجا گیا۔ نانی کے گھر جانے کا کہہ کر اور بالکل ویسے ہی جیسے آپ میرے معصوم برادر ان کی ہی کمائی سے خریدی گئی چیزیں اکثر اپنے میکے کے نام سے پیش کرتی ہیں اور بالکل ویسے ہی۔" "اوکے' چلتا ہوں' وہ ایک خوب صورت مسکراہٹ ان کی نذر کرتا چلا گیا۔

"دیکھو بھلا چھورا تو صفا چرپا ہو گیا ہے۔ باتیں سنی اس کی۔ ہائے بے چاری کونج' پہلے ہی اتنے دکھ اٹھا چکی ہے نمانی اب یہ ظالم پتا نہیں کیا کرے گا اس کے

ساتھ۔ ہائے ہائے کسی کے ایسے برے نصیب بھی نہ ہوں۔" سندھل ہاتھ مل رہی تھیں۔ ان کی ہمدردیاں جو کل تک اس کے ساتھ تھیں اب یک دم پلیٹ کر کونج کی جانب ہوگئیں۔
"غزل کے اسکول ٹرپ پر جانے کا اسے کیسے معلوم۔" شہلا حیران سی بڑبڑا رہی تھی۔
"ارے مجھے کیا خبر۔" سندھل کو غصہ آگیا۔ الٹا ہاتھ لہرایا۔
"ہونہہ.....! نخرے دکھا رہا ہے۔ خواہ مخواہ' بابا سائیں کے سامنے کرے نہ یہ باتیں تو وہ طبیعت درست کردیں اس کی۔ اب ہم گھر میں چلتی پھرتی کونج کو روح قرار دے دیں۔ ہم نہیں بتائیں گے تو کیا کوئی اور بھی نہیں بتائے گا اس کی سرچ تھی کو۔ خاندان والے آتے جاتے رہتے ہیں۔ ہم کس کس کے آگے ہاتھ جوڑیں گے۔ یہ زندگی ہے کوئی ڈرامہ تو نہیں"۔ شہلا کڑھی۔
"ویسے کتنا مزا رہے گا' میں نے ایسے ناول پڑھے ہیں۔ جس میں ہیرو کو ہیروئن پسند نہیں ہوتی اور وہ اسے بری طرح اگنور کرتا ہے اور آج کل تو ڈرامے بھی ایسے چل رہے ہیں۔ آپ نے عمیرہ احمد کا وہ ڈرامہ دیکھا' کیا نام ہے اس کا....." زرین اک نئی سوچ میں پڑ گئی۔ اس کے بچے ابھی بہت چھوٹے تھے اور ایسے کوئی سیکرٹس نہیں تھے جن پر اسے پریشانی ہوتی۔ رہ گئی بات شوہر کی کمائی سے خریدی چیزیں میکے والوں کے کریڈٹ میں ڈالنے کی تو ایسا اکثر خواتین کرتی ہیں' اس میں برا کیا ہے۔ جٹھانیاں اسے گھور رہی تھیں۔
"جب ڈرامے کا نام یاد آجائے تو شام کے کھانے کے بارے میں بھی سوچ لینا۔ آج کی کچن کی ذمہ داری تمہاری ہے۔" سندھل کرسی کھڑکا کر اٹھیں اور اسے ہکا بکا چھوڑ گئیں۔

☆ ☆ ☆

لاشاری ہاؤس آج سے پہلے وہ کوئی دو بار آئی تھی' ایک بار تب جب ماما سائیں نے جدید طرز تعمیر کا یہ پیارا گھر خریدا تھا اور بی بی جان نے سارے خاندان کی دعوت کی تھی اور یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ بہت چھوٹی تھی۔ بقول اماں' تب وہ نیا نیا چلنا سیکھ رہی تھی۔ ہاں دوسری مرتبہ اسے یاد تھا۔ وہ اوا اسرار اور شہلا کی شادی پر آئی تھی۔ بڑی بڑی کھڑکیوں والے کمرے اونچے سفید ستونوں اور کھلے دالان کے سرخ ٹائلز' کئی قسم کے پھولوں سے سجا سرسبز لان اسے مبہوت کر گیا تھا۔ وہ مسحور سی پورے گھر میں پھری تھی' پھر کئی راتوں تک اماں کے بازو پر سر رکھے ماما سائیں کے شہر والے گھر کو یاد کرتی رہی تھی اور اماں اس کی باتیں سن کر کہتیں۔
"اللہ سائیں میری مٹھڑی کونج کو بھی ایسا پیارا سا گھر دے گا۔" یہ ان ہی کی دعا تھی جو منظور ہوئی۔
اور آج اتنے عرصے بعد عجب تھا کہ اسے یہاں آکر کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ لاشاری ہاؤس تو پہلے سے کہیں زیادہ نکھر گیا تھا۔ لیکن اس کا دل بالکل بجھا ہوا تھا۔ بی بی جان اور بابا سائیں کے ساتھ جاذل لاشاری بھی اسے لینے آیا تھا۔ مگر اس کی شکل دیکھتے ہی کوئی بھی بتا دیتا کہ وہ دراصل آیا نہیں بلکہ لایا گیا ہے اور وہ بھی کافی تگ و دو کے بعد۔ تمام عرصے میں اس نے اک بار بھی نگاہ اٹھا کر کسی کو بھی نہیں دیکھا تھا۔ نہایت فرماں بردار شاگرد کی طرح سر جھکائے اپنے سیل فون پر مصروف رہا۔ گھر آنے کے بعد سے وہ جو "ابھی آیا" کہہ کر گیا تھا تو ہنوز غائب است۔ ماما سائیں خوب تھک چکے تھے' وہ آرام کے لیے اپنے کمرے میں چلے گئے' بی بی جان بھی نماز کے لیے اٹھ گئیں۔ کونج اب بچوں کے گھیرے میں تھی۔
"چاچی تو کہیں سے بھی نئی دلہن نہیں لگ رہیں۔ کتنا ڈل کلر پہن رکھا ہے آپ نے۔ آپ کو پتا ہے چاچا سائیں کو برائٹ کلرز بہت پسند ہیں۔ انہوں نے تو کبھی ہمیں بھی اس طرح کے کلرز نہیں پہننے دیے۔ کبھی کوئی غلطی سے پہن بھی لے تو اسے اتنی باتیں سناتے ہیں کہ توبہ۔ لگتا ہے آپ کو بھی ان سے ڈانٹ پڑ چکی ہے۔" اس کی مسلسل کم گوئی پر غزل نے تبصرہ

کیا تھا۔

"یہ تو اپنی شادی پر بھی اچھے سے تیار نہیں ہوئی تھیں۔ تب ہی تو اس دن چاچا سائیں کو بہت غصہ تھا۔ اتنی سادہ لہن کوئی اچھی لگتی ہے بھلا۔ وہ اوی سوہا ہے نا۔ اتنی تیار ہو کر آتی ہیں ادھر اور چاچا سائیں کی ان سے خوب دوستی بھی ہے۔ آپ بھی ویسی بن جائیں اچھی لگیں گی۔" مرک نے اپنی عقل اور گفتگو میں حصہ ڈالنا ضروری سمجھا۔

"اونہوں..." پاس سے گزرتی شہلا نے بیٹی کو گھر کا۔ "بہت فضول بولتے ہو تم لوگ۔ چلو سب بچے اپنے اپنے روم میں جاؤ۔ اور زرین تم کونج کو اس کے کمرے میں لے جاؤ' بہت دیر سے بیٹھی ہے' تھک گئی ہوگی۔" اور زرین تو جیسے اس انتظار میں تھی' اس کا ہاتھ پکڑے کھڑی ہوگئی۔ وہ اسے بتاتی بھی جارہی تھی کون سا کمرہ کس کا ہے۔ جاذل کا بیڈ روم سیکنڈ فلور پر تھا۔ وہ دروازے کے باہر ہی رک گئی۔ کیا میں اس فلور کے بھی سارے کمرے دیکھ سکتی ہوں۔ بڑی معصوم سی فرمائش تھی پھر زرین اس کو سارے کمرے دکھاتی رہی۔ کونے کا آخری کمرہ باقیوں کی نسبت چھوٹا تھا۔ فرشی نشست پھولدار قالین پر ڈھیر سارے کشن۔ اک دیوار میں شیلف بنے مختلف کتابیں' دوسری طرف کم اونچائی والے ٹیبل پر کمپیوٹر اور فائلیں دھری تھیں۔ سامنے کی دیوار میں فریج ونڈو' روشن ہوادار اور پرسکون جگہ۔ کونج کو یہ کمرہ بہت اچھا لگا۔

"یہ کمرہ کس کا ہے؟" اس نے زرین سے سوال کیا۔

"یہ کمرہ خاص کسی کے استعمال میں تو نہیں ہے' بس جس کا دل چاہے سکون سے کام کرنے کو تو ادھر آکر بیٹھ جاتا ہے' میں خود بھی کبھار گھر اور بچوں سے گھبرا جاؤں تو ادھر آکر چپکے سے بیٹھ جاتی ہوں۔ گھنٹہ دو گھنٹہ کوئی ناول پڑھتی ہوں یا پھر کوئی مووی دیکھ لی تو دماغ فریش ہو جاتا ہے۔ تمہیں بھی اچھا لگا دیکھ کر۔"

"ہاں بہت۔ تو کیا میں بھی اپنی کتابیں یہاں رکھ سکتی ہوں۔ اکچولی مجھے عادت ہے اکیلے پڑھنے کی تو..."

"ہاں ہاں کیوں نہیں ضرور رکھو جہاں مرضی بیٹھ کر پڑھو۔ تمہارے لیے تو ہم سب کو بابا سائیں کی طرف سے خاص ہدایات جاری ہوئی ہیں کہ ان کی بھانجی پلس بہو کو یہاں کوئی تکلیف نہ ہو سب اس کے آرام کا خیال رکھیں۔ جب تک وہ اپنی پڑھائی مکمل نہیں کر لیتی تب تک گھر کی کوئی ذمہ داری بھی اس پہ نہ ڈالی جائے۔ وہ خود سے اٹھ کر کوئی کام نہیں کرے گی۔ حتی کہ پڑھائی کے دوران اسے چائے پانی بھی ہم پہنچائیں تو بس پھر موج کرو تم۔ اب سے یہ کمرہ سمجھو تمہارا' کوئی تمہیں ڈسٹرب نہیں کیا کرے گا۔ ہاں البتہ جاذل کی کوئی گارنٹی نہیں۔ وہ تو تنگ کرنے کے سارے حق رکھتا ہے نا پھر..." زرین شرارت سے مسکرا رہی تھی وہ شیلف میں لگی کتابوں کی طرف یوں متوجہ تھی جیسے کچھ سنا ہی نہ ہو۔

"اور یہ جاذل ابھی تک آیا نہیں پتا نہیں کدھر رہ گیا۔ خیر آجائے گا اور سنو اس کا خصوصی دھیان کرنا کافی بگڑا ہوا ہے ہمارا شہزادہ۔ یہ نہ ہو کہ تم بس کتابوں ہی میں گم رہو۔" وہ مخلصانہ مشورہ دے رہی تھی۔ کونج کے لبوں پر اک بے نام سی مسکراہٹ پھیل کر معدوم ہوگئی۔

"اچھا اب اپنے بیڈ روم میں چلو جاذل آنے ہی والا ہوگا۔" اور اس نے سر ہلا دیا۔

کمرے میں تو وہ آگئی تھی' مگر ایک کے بعد اگلا قدم اٹھانا دوبھر ہوگیا۔ کمرہ اپنے مکین کے اعلا ذوق کا مظہر تھا۔ ہر چیز بہترین فرش کے قالین سے لے کے چھت کے فانوس تک ہر ہر شے اپنا مول خود بتا رہی تھی۔ محل سونے کا ہی کیوں نہ ہو اگر وہاں نوالے بھی سونے کے کھانے پڑیں تو زندگی کس قدر اذیت رساں ہو جائے گی۔ زندان کی دیواریں چاہے سنگ مرمر سے ہی کیوں نہ تراشی گئی ہوں وہ ہوتا تو پھر بھی زندان ہی ہے۔ پھر جہاں مکین ہی اپنا نہیں اس مکان سے کیا لینا دینا۔ ادھار کا سودا کتنے دن تک چلتا ہے آخر۔ نہ اس نے کسی سے قرض لینا تھا نہ کسی پر بار بنتا تھا سو خاموشی

سے اپنا سامان تلاشا جو دو بیگز پر مشتمل تھا اور ملازم اوپر ہی رکھ گئے تھے۔ ڈریسنگ روم کی الماری کی سائیڈ میں پڑے بیگز اسے جلد ہی مل گئے۔ ایک کتابوں سے بھرا تھا دوسرے میں کپڑے اور دیگر اشیائے ضرورت تھیں۔ اس نے کتابوں والا سوٹ کیس گھسیٹا اور اس کمرے تک لے آئی۔ سٹیلف میں اپنی کتابوں کی جگہ بناتے نظر ونڈو سے باہر پڑی تھی کھلے گیٹ سے گاڑی اندر آ رہی تھی۔ اس نے جاذل کو اترتے دیکھا جو برابر والوں کے ٹیرس کی طرف دیکھتا بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ ہاتھ ہلا رہا تھا اور وہ کسے دیکھ رہا تھا اس میں یقیناً کوئی ابہام نہیں تھا۔ کونج نے لب بھینچ لیے اندر کہیں اک پن چبھی تھی۔ جھٹ کھڑکی کے پردے برابر کیے لپک کر دروازے کی کنڈی چڑھائی۔ وہ وہیں دیوار کے ساتھ کمر ٹکائے اکڑوں بیٹھ گئی تھی۔ اس نے تو نہ رونے کا قصد کیا تھا' لیکن آوارہ آنسو پلکوں کی باڑھ پھلانگتے رہے۔

✲ ✲ ✲

"ذمہ داری" کتنا بھاری لفظ ہے نا پھر جب اس کے ساتھ خواہ مخواہ بھی لگ جائے تو کتنا وزن بڑھ جاتا ہے اسے سب میں چھوٹا اور لاڈلا ہونے کا ہمیشہ ہی فائدہ ہوا تھا کہ اس کے سر پر کسی بھی طرح کا کوئی بوجھ نہیں تھا۔ وہ شروع ہی سے اپنی نیند سویا اور جاگا تھا۔ دل چاہا کھایا دل کہا تو رد کر دیا۔ اس کی اپنی مرضیاں تھیں مگر اب تو جیسے اسے بابا سائیں نے آڑے ہاتھوں ہی لے لیا تھا ایک مصیبت کے پیچھے اتنی مصیبتیں ہوں گی اسے اندازہ نہ تھا۔ وہ جو یونیورسٹی جانے کے لیے صرف پندرہ منٹ پہلے بستر چھوڑتا تھا اب اسے پورے ڈیڑھ گھنٹہ قبل اٹھنا پڑ رہا تھا وہ بھی ان کی لاڈو رانی کا شوفر بننے کے لیے حد ہی ہو گئی یعنی کہ اب یہ اوقات رہ گئی تھی جاذل لاشاری کی۔ وہ بہت بھنایا بہتیرے عذر بیان کیے شور و غوغاں کیا' مگر وہ بابا سائیں ہی کیا جو کسی کی سن جائیں۔

"کونج تمہاری ذمہ داری ہے اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھنا فرض عین ہے۔ تمہارے لیے تم اسے روز کالج چھوڑنے جاؤ گے اور لے کر بھی آؤ گے اور اس امر میں کوئی کوتاہی نہ ہو۔"

"مگر بابا سائیں وہ کالج سراسر میرے روٹ کے الٹ ہے' میں نے بھی صبح یونیورسٹی پہنچنا ہوتا ہے' میں کیسے کروں گا مینیج۔" اسے تاؤ پہ تاؤ آ رہے تھے بس نہیں چل رہا تھا سامنے ہی نظریں جھکائے بیٹھی اس "ذمہ داری" کو اٹھا کر کہیں پھینک آئے۔ جس کی وجہ سے اس کی پرسکون زندگی میں بھونچال آ گیا تھا۔

"جوان جہان آدمی ہو۔ گھر بار بن گیا ہے۔ اب مینیج کرنا نہیں سیکھو گے تو کب کرو گے۔" ان کے پاس ہر بات کا جواب تھا۔ وہ دانت کچکچا کر رہ گیا۔

گندم سی رنگت' تیکھے نقوش' متناسب قامت' سرو قد' کونج سے اسے کوئی ذاتی عناد نہ تھا وہ بے تحاشا خوب صورت نہیں تھی تو ایسی کم صورت بھی نہیں تھی۔ اس کے سادگی بھرے پیکر میں خاص تمکنت سی تھی۔ جاذل نے اس کی صراحی دار گردن کو اٹھا ہی دیکھا تھا آنکھوں میں ٹھہرا عجیب سرد سا تاثر اگر کچھ وقت پہلے وہ اس کی زندگی میں آئی ہوتی تو وہ ضرور اسے خوش دلی سے قبول کر لیتا' لیکن اب جب کہ وہ کہیں اور قول و قرار کر چکا تھا' سوہا رحب خان اس کی رگ رگ میں بس چکی تھی' اس سے الگ ہونے کا تصور ہی محال تھا۔ وہ تو اسے سب صاف صاف بتانے کا سوچے ہوئے تھا' مگر ایسا موقع ہی نہ آیا یا تا حال۔ کونج جس طرح اس سے چھپ رہی تھی لگتا تھا بھابھیوں نے اسے حقیقت سے آگاہ کر دیا تھا۔ جاذل نے سند حل سے پوچھ بھی لیا۔

"تم آپ لوگوں نے بتایا ہے کونج کو میرے اور سوہا کے متعلق!"

"تو بھلا ہم کیوں بتائیں گے اسے۔ وہ بے چاری پہلے ہی اتنی دکھی ہے ہم سے تو نہیں لگائی جائیں گی اس کے دل پر ضربیں' تم نے سوہا کو بتانے سے منع کیا تھا اور ہم نے رازداری برتی ہوئی اس پر بات کھلنے نہیں دی۔ باقی تمہارے جو قصے ہیں تم ہی نمٹاؤ۔" وہ صاف

کہہ گئیں اور وہ حیران و ششدر۔ پھر کونج کا گریز! اتنے دنوں میں وہ اس کے کمرے میں تو کیا سامنے بھی نہیں آئی تھی اور وہ خود تو بالکل بھی نہیں گیا تھا اس کمرے تک بھی۔ اب بابا سائیں نے دونوں کو آمنے سامنے لا بٹھایا تھا اک نئے تذکرے کے ساتھ۔ اب چاہے وہ سیدھا لٹکتا یا پھر الٹا۔ ذمہ داری تو بہرحال اسی کی تھی۔ پھر روز صبح وہ اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ کر جانے لگی۔

✲ ✲ ✲

"ارے رکو... رکو۔ ٹھہرو۔" چادر لپیٹے کتابیں سنبھالتی کونج ابھی کار سے چار قدم پیچھے تھی جب کھلے گیٹ سے سوہا بھاگتی ہوئی اندر آئی اپنے مخصوص حلیے میں بلو ٹائٹس پر پنک امبر ایڈ شارٹ شرٹ پہنے گلے میں نام کا دوپٹا کہنی پر لٹکتا قیمتی بیگ دوسرے ہاتھ میں اسمارٹ فون۔

"ہائے سوئیٹو۔ ہاؤ آر یو؟" وہ بے دھڑک فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھ گئی۔ کونج اپنی جگہ ٹھٹک کر رکی۔

"فائن۔" جاذل لاشاری کے ہونٹ ہی نہیں آنکھیں بھی مسکرائی تھیں۔ اسے دیکھ کر۔

"ہیلو پڑھاکو گرل کیسی ہو تم؟" رخ ماہتاب اس کی طرف ہوا جو اسی کشمکش و پیچ میں تھی کہ آیا گاڑی میں بیٹھ جائے یا اب الٹے پیروں کھسک لے۔ چند دن پہلے آئی تھی وہ ادھر تو شہلا نے تعارف کروایا تھا ہی کہہ کر جس کی جاذل نے التجا کی تھی مکمل حوالہ کیوں نہ بتایا نہ شہلا نے وضاحت کی نہ کونج نے پوچھا۔

"ارے آجاؤ کونج تم تو وہیں بت بن گئی ہو یار۔ ایکچولی کیا ہے کہ کل سے میری گاڑی ورکشاپ پر ہے۔ مجھے آج یونیورسٹی جلدی پہنچنا ہے۔ بہت ضروری لیکچر ہے۔ پاپا سے ان کی گاڑی کی چابی مانگی تو انہوں نے صفاچٹ انکار کر دیا' میں نے تو فرینڈ کو کال کی تھی کہ مجھے پک کرتی جائے۔ بٹ تمہیں نکلتے دیکھا تو سوچا صبح سویرے تمہارے سفر کو خوب صورت بنا دیا جائے۔ کیوں ٹھیک کیا نا!" وہ شرارت بھرے تفاخر سے کہہ رہی تھی۔ جاذل نے سینے پر ہاتھ رکھ کر سر خم کیا۔

"زہے نصیب' جناب زہے نصیب۔ آپ کا یہ احسان بندہ تاعمر نہیں بھولے گا۔ کیا ہی اچھا ہو کہ آپ یوں ہی مائل بہ کرم رہیں اور میری ہر صبح حسین تر ہو جائے۔"

"اوہ شیور۔ آپ کی اس درخواست پر ضرور غور کیا جائے گا۔" سوہا بھی اسی کے سے انداز سے بولی پھر دونوں ہنس دیے۔ کونج کھلوا "کرہا" پچھلا دروازہ کھول کر بیٹھی۔

"سچ میں اگر ایسا ہو جائے ناں تو پھر تو میرا پیٹرول کا خرچ بھی بچے گا۔ اور اسی رقم سے میں مزید شاپنگ بھی کر لیا کروں گی۔" اس نے تو فٹافٹ پلان بھی ترتیب دے ڈالا جاذل کے ماتھا پیٹنے کی کسر رہ گئی۔

"اف۔ ایک تو تمہارا شاپنگ کا کریز سچ میں پاگل ہو تم لڑکی۔ کپڑے خرید خرید کر تم نے کوئی کنواں بھرنا ہے کیا؟ ہر ہفتے تو پورا ایک بورا خریدتی ہو تم' سالوں بعد ایک بار پہنے سوٹ کی باری آئی ہوگی۔ کیوں باپ کی محنت کی کمائی اجاڑنے پر تلی ہو۔ میری مانو تو ایک چادر خرید لو اچھا تو لگا ہے اس کے بعد باقی کے سارے خرچے خود بخود ختم ہو جائیں گے۔" بے اختیار بیک دیو مرر سے کونج کو دیکھا اتنی بڑی چادر کے پیچھے وہ کس رنگ اور کس اسٹائل کا ڈریس پہنے ہوئی تھی اتنے دنوں میں وہ کچھ جان ہی نہیں پایا تھا۔ پیروں میں کینوس شوز' وہی ایک بلیک لیدر کا بیگ۔ جس میں سے موٹی موٹی کتابیں جھانک رہی ہوتی ہیں ایک ہاتھ میں نوٹ بک۔ یہ تھا اس کا حلیہ۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی وہ چادر سے منہ ڈھانپ لیتی تھی' اب وہ کس رنگ کی لپ اسٹک استعمال کرتی ہے یا وہ بھی نہیں اندازہ ہی نہیں تھا۔ اور سوہا تو سراپا پیار تھی جسے دیکھتے ہی طبیعت ف ہو جائے ہر روز نئی خوشبو نیا رنگ' جو دیکھنے والی آنکھ کو نئی ترنگ اور سرور عطا کرے وہ اس کے مفت مشورے پر حسب توقع بھڑک اٹھی۔

"توبہ توبہ تم نے مجھے کوئی تھانی (گاؤں کی رہنے والی) سمجھ رکھا ہے جو چادر لپیٹ کر پھروں۔" پھر ایک دم

سے کونج کا خیال آیا تو سرتھم بولی۔

"سوری یار تم مائنڈ مت کرنا۔" اور اس نے مائنڈ نہیں کیا تھا ہر انسان اپنے ماحول اور فطرت کے مطابق ہی الفاظ استعمال کرتا ہے لیکن وہ بولے بھی نہ رہ سکی۔

"چادر لپیٹنے والی ہر عورت گوشائی نہیں ہوتی اور نہ ہر شہری عورت چادر کے بغیر گھومتی ہے۔ چادر صرف وہ عورت لیتی ہے جسے اللہ توفیق دے۔" اس کا ٹھہر سنجیدہ لہجہ جاذل نے ایک بار پھر بیک ویو مرر سے دیکھا۔

"یہ گلا سوٹ کر رہا ہے تمہیں، کب لیا یہ ڈریس۔" وہ اس کا دھیان من پسند موضوع کی جانب موڑ چکا تھا اور اس کا دھیان جو بار بار ٹوٹ رہا تھا۔

تقدیر بھی کیسی عجیب کتاب ہوتی ہے۔ ایک باب ختم ہوتے ہی نیا باب جاتا ہے اور اگلا پہلے سے زیادہ مشکل تر۔ زندگی تو درجہ بہ درجہ سبق پڑھانے پر تلی تھی۔ بہت سی اذیتیں جھیلی تھیں مگر اب جو آزمائش آپڑی تھی یہ بحر کن تھی اور تکلیف یہ کہ کوئی دکھ سننے والا بھی نہ تھا وہ کہاں اپنا مقدمہ لے جاتی۔ وہ پچھلی سیٹ پر ایسے ہی بیٹھی تھی جیسے کوئی فالتو سامان پڑا۔ وہ اک دوجے میں مگن تھے یا نہیں بے تکلف مسکراہٹیں۔

پھر روز ایسا ہونے لگا اللہ جانے سوہا کی گاڑی ورکشاپ سے آچکی تھی یا ابھی تک وہیں تھی وہ روز صبح بھاگم بھاگ آکر فرنٹ سیٹ پر بیٹھ جاتی۔ دونوں ہنستے مسکراتے رہتے جاذل پہلے اسے ڈراپ کر کے بقیہ سفر میوزک سے شغل فرماتا مگر اس دن سوہا کے اترنے کے بعد اس نے گاڑی اسٹارٹ نہیں کی۔ کونج کے کان منتظر تھے کہ اب شور مچا کہ تب۔ اور شور تو مچا لیکن میوزک کا نہیں اس کی اپنی دھڑکنوں کا۔ وہ جو اپنے ہی دھیان میں تھی اس کے تلخی بھرے لہجے پر چونک اٹھی۔

"مانا کہ بابا سائیں نے محترمہ کی ڈرائیوری کا شرف بخش رکھا ہے۔ مگر مجھے بالکل ہی ڈرائیور نہ سمجھ لیا جائے۔ مہربانی ہوگی اگر آپ آگے تشریف لے آئیں تو۔" وہ اس سے مخاطب تھا اتنے عرصے میں پہلی بات وہ بھی زہر بھری، کونج چپ چاپ پچھلی طرف سے اتر کر آگے آبیٹھی۔

"نوازش۔" اس نے اسٹیرنگ تھمایا۔ اور میوزک آن کرنا بھول گیا تھا شاید کئی خاموش لمحے ان کے درمیان سے بولتے گزر گئے۔

"بہتر ہوگا کہ تم کسی قریبی میڈیکل کالج میں اپنا مائیگریشن کروالو میرے اپنے بہت سے مسائل ہیں۔ میں زیادہ وقت تک یہ ڈیوٹی انجام نہیں دے سکوں گا۔" چند ثانیوں بعد وہ جھنجلایا ہوا سا کہہ رہا تھا۔ کونج نے اک نظر اس کے بھرے بھرے سرخ چہرے کو دیکھا پھر سبھاؤ سے گویا ہوئی۔

"میرا یہ تیسرا سال ہے۔ میں وہاں اچھے سے ایڈجسٹ کر چکی ہوں۔ اب ایک دم سے کسی نئے ماحول میں جاکر پڑھنا مشکل ہوگا میرے لیے۔"

"اور جو مشکلات میرے لیے کھڑی ہو چکی ہیں ان کا کیا ہوگا اچھی مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ میری اپنی روٹین بے طرح ڈسٹرب ہو کر رہ گئی ہے۔ کئی کام ادھورے پڑے ہیں، میری اسٹڈیز متاثر ہو رہی ہیں منہ اندھیرے اٹھنا پڑتا ہے آپ جناب کے لیے پھر واپسی کے لیے کلاسز بنک کر کے بھاگتا ہوں میں۔ اس ٹریفک کا جو حال ہے وہ بھی کسی سے چھپا نہیں۔ بیس منٹ کا سفر ایک گھنٹے پر محیط ہو جاتا ہے۔ اور جو سفر ہو ہی گھنٹے کا اس کا تو کہنے ہی کیا۔ میرا تو سارا دن ہی ڈرائیونگ کرتے گزر جاتا ہے۔ تھک جاتا ہوں حتیٰ کہ نیند بھی پوری نہیں ہو پا رہی، اچھا مذاق ہے۔ میرے ساتھ جانے کس گناہ کی سزا ملی ہے۔" وہ تپا تپا سا جو منہ میں آیا بولے گیا۔ وہ لب بھینچے سننے پر مجبور تھی۔

اس میں غلط ہی کیا تھا سب سچ ہی تو کہہ رہا تھا وہ۔ من چاہا کام کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو کٹھن نہیں لگتا، نا چاہتے ہوئے تو ایک گلاس پانی کا بھرنا بھی تھکا دیتا ہے۔ اس کی آنکھیں بھی سنا رہی تھیں تھکن کے قصے۔ اتنے دن جو وہ مروت نبھا گیا تھا تو یہ بھی بہت تھی۔ اگلی صبح آنکھیں ملتا ٹیبل پر پہنچا تو صرف زرین

تھی کچن میں۔ جس نے اطلاع دی کونج تو کب کی چلی گئی کالج۔ "کہہ رہی تھی تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں تمہیں آرام کرنے دیا جائے۔" اور اس نے یوں اطمینان سے ہاتھ جھاڑے گویا خس کم جہاں پاک۔ واپس روم میں آکر بیڈ پر گر سا گیا یعنی مزید ڈیڑھ گھنٹہ سکون سے سو سکتا تھا وہ۔

☆ ☆ ☆

بی بی جان کی کال آئی تھی۔ اس نے تو بڑی خوش دلی سے سلام کیا تھا لیکن وہ تو لٹھ پکڑے اس کی آواز کے ہی انتظار میں تھیں جو شروع ہوئیں تو اس کا منہ کھولنا محال ہو گیا۔

"بی بی۔۔۔ آں۔۔۔ ذرا۔۔۔ میں۔۔۔ یہ۔۔۔ اف۔۔۔ فیں۔۔۔ سنیں۔۔۔" وہ بار بار بولنے کی جسارت کرتا اور جھڑک کر چپ کروا دیا جاتا وہ تو مون سون کے بھرے بادلوں کی طرح برسے جا رہی تھیں۔

کی طرح برسے جا رہی تھیں۔

"یہ۔ یہ عزت رکھی ہے تم نے ہماری۔ باپ کی باتوں کا بس اتنا ہی پاس ہے تمہیں۔ اڑے وہ بچی پندرہ دن سے بسوں ویگنوں کے دھکے کھا رہی ہے۔ غیر مردوں سے بھری گاڑیوں میں سفر کر رہی ہے۔ اور تم پڑے مزے سے اینڈتے رہتے ہو۔ تف ہے تمہاری غیرت پر۔ شاباش ہے اس نمانی پر بھی 'روز بات کرتی ہوں اس سے اور اس نے ایک دن بھی مجھے تمہاری شکایت نہیں لگائی۔ وہ تو آج باتوں باتوں میں زرین نے مجھے بتایا۔ میرا تو مانو کلیجہ منہ کو آ گیا۔ میری اولاد اور اتنی لاپروا جاذل پتر ہم نے ایسی تربیت تو نہیں کی تمہاری۔ تم ایسا کیسے کر سکتے ہو۔ خدا گواہ ہے تم نے بہت دل دکھایا ہے میرا۔ اب یہ نوبت آگئی کہ سراج احمد لاشاری کی بہو اور اس کے ساتھ غیروں کا سلوک۔ تمہیں کوئی مشکل تھی تو مجھے کہہ سکتے تھے میں کوئی اور انتظام کروا دیتی۔

کہاں ہے کونج میری بات کرواؤ' اس سے بھی تو پوچھوں جو وہ اتنی بہادر بنی پھر رہی ہے۔ تمہارے بابا سائیں کے علم میں یہ بات آگئی تو تم میں سے کسی کی خیر نہیں۔"

ان کا غصہ کسی طور کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔ اور غصہ تو اسے بھی خوب آیا تھا۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس کمرے تک گیا پاؤں کی ٹھوکر سے دروازہ کھولا تھا۔ نوٹ بک پر لکھتی کونج ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی۔ پشت دروازے کی جانب تھی لمبے کھلے سیاہ بالوں سے ڈھکی ہوئی 'دوپٹا کچھ دور بے ترتیبی سے کشن پر پڑا تھا۔ وہ کبھی ادھر نہیں آیا تھا اور اب ایسے اندازے وہ بھی اس وقت۔ اس نے جھپٹ کر دوپٹا اپنی طرف کھینچا۔ بس چند ہی لمحے لگے اور گھنگھور گھٹائیں سبز پردے تلے چھپ گئیں۔ سارا فسوں غائب ہو گیا۔ وہ ہراساں اور استفہامیہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ جاذل نے ہاتھ بڑھایا۔ کونج نے اس کی چوڑی ہتھیلی پر پڑے جدید سیل فون کو دیکھا پھر احتیاط سے اٹھا کر کان سے لگایا۔ بی بی جان اب اس کی کلاس لے رہی تھیں۔ وہ نہایت تابعداری سے ڈانٹیں وصولتی رہی۔ کبھی نچلا لب دانتوں میں داب لیتی کبھی مسکرا اٹھتی۔ اور جاذل نے پہلی بار اسے مسکراتے دیکھا اور پہلی ہی بار دیکھا کہ کسی کے دائیں گال سے آنکھ کے قریب پڑتا بھنور کتنا انوکھا سا لگتا ہے یا تو وہ غضب ناک تیور لیے تھا لیکن اب دیوار سے ٹیک لگائے سینے پر بازو باندھے حیران سا کھڑا تھا۔

"اس بار معاف کر دیں۔ آئندہ خیال رکھوں گی آپ کو پھر کبھی شکایت کا موقع نہیں دوں گی جی ٹھیک۔ اللہ حافظ۔" بات ختم ہو گئی کونج نے اس کی فرصت بھری محویت کو دیکھا کچھ ناگواری سے۔ سیل کمپیوٹر پر رکھ کر وہ دوبارہ سے لکھ رہی تھی۔ موتیوں سی لکھائی قلم چلتا جا رہا تھا پھر روانی میں کچھ کمی آنے لگی اور قلم ٹھٹک کر رک گیا۔ اس نے چہرہ اٹھایا جو صاف شفاف کسی بھی مصنوعی رنگ سے پاک دمک رہا تھا۔ چھوٹے سے نگ والی لونگ سے لشکارے پھوٹ رہے تھے اور گویا پوچھ رہے تھے۔

"آپ تک گئے نہیں کھڑے کیوں ہو۔"

"میں نے کہیں پڑھا تھا کہ عورت کا آدھا حسن اس کے بالوں میں ہوتا ہے لیکن میرا ذاتی خیال ہے کہ۔۔۔" جاذل بولتے بولتے رکا سیل فون اٹھا کر پاکٹ میں ڈالا اور جاتے جاتے کہہ گیا۔ "لیکن میرا ذاتی خیال ہے کہ اتنے لمبے بالوں والی عورت کو دیکھ کر ہمیشہ ہی چڑیل کا گمان ہوتا ہے۔" وہ تو کہہ گیا مگر وہ تادیر کھولتی رہی۔ یہ اور بات کہ اس رات پہلی ہی بار جاذل نے نیند میں بھی ایک چڑیل کو بھٹکتے دیکھا۔

☼ ☼ ☼

دو بیڈ رومز' باتھ' لاؤنج' اوپن کچن' گیلری جہاں دو کرسیاں ایک تپائی رکھنے کے بعد بمشکل اتنی جگہ بچتی کہ دو چار گملے رکھ لیے جائیں۔ یہ تھا وہ اپارٹمنٹ جو اب ان کا مسکن تھا۔

"لاشاری ہاؤس" میں بابا سائیں کی آمد اس روز بالکل اچانک ہی ہوئی تھی انتہائی سنجیدہ تیوروں کے ساتھ انہوں نے تو کسی کے سلام کا جواب بھی نہیں دیا اور آتے ہی ان کے حضور جاذل لاشاری کی طلبی ہوگئی۔ اور پھر بند کمرے سے ان کے لہجے کی گھن گرج باہر آتی رہی۔ گھر کا گھر پریشان کہ ماجرہ کیا ہے اور عقدہ جلد ہی کھل گیا۔

کل اتفاقاً انہوں نے خود بھی اپنے خوب صورت جوان بیٹے کو دیکھا جو پیاری بہو کو کار کے بونٹ پر بٹھائے آئس کریم کھلا رہا تھا تو ان کی کمزور بصارت بھی چکا چوند ہوگئی۔

اس حلیے کے ساتھ وہ کونج ہرگز نہیں ہوسکتی تھی اور وہ کونج تھی بھی نہیں۔ تو پھر وہ کون تھی اور وہ پہچان گئے بس تب سے ان کے تن بدن میں آگ لگی تھی۔ وہ سارے شہر میں ان کی عزت کو بٹا لگائے پھر رہا تھا اور وہ اتنے بے خبر پھر تو انہوں نے وہی کیا جو انہیں کرنا چاہیے تھا۔

"لاشاری ہاؤس کی باہر والی سڑک تو کیا تم مجھے اس علاقے میں بھی نظر آئے تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔ تمہارا گھر بن چکا ہے اب سنبھالو اسے۔ اور دھیان رہے آئندہ تمہاری شکایت نہ ملے مجھے کہیں سے بھی۔" وہ سختی سے تنبیہہ کر گئے تھے۔ اور جاذل لاشاری نے صوفوں پر غصہ اتارا۔ دروازوں کو ٹھوکریں ماریں برتن پٹخے' گیلری کے گملے توڑے کونج ایک کمرے میں دبکی تھر تھر کانپتی رہی صد شکر اس نے بروقت ڈور لاک کرلیا تھا ورنہ کوئی بعید نہیں۔ اب تک اس کا ہی سر پھوٹ چکا ہوتا۔ پھر خدا خدا کرکے طوفان تو تھم گیا لیکن اس نے ساری رات ایک بار پھر اکڑوں بیٹھ کر گزاری۔

☼ ☼ ☼

آج کل سر کھجانے کی فرصت نہ تھی۔ ٹیسٹ چل رہے تھے۔ کل فارماکولوجی کا ٹیسٹ تھا جو اسے سب سے زیادہ مشکل بھی لگتا' رات گئے تیاری کرتی رہی۔ جب ٹینشن کچھ کم ہونے لگی تو بھوک کا احساس جاگا گو کہ نیند بھی خوب آرہی تھی۔ لیکن پہلا احساس غالب تھا۔ وہ بڑی محتاط سی کچن تک آئی تھی نہایت آہستگی سے لائٹ جلائی مگر برا ہو۔ سنک پر چڑھ کر بیٹھے اس چوہے کا جس نے یک دم چھلانگ لگائی اور اس کے پیروں کے درمیان سے ہوتا ہوا لاؤنج کے صوفے تلے گھس گیا۔ کونج نے حتی المقدور چیخ پر قابو پایا لیکن بارے بوکھلاہٹ کے ٹیبل سے ٹکرائی تو کنارے رکھا گلاس گر کر اک چھناکے سے ٹوٹ گیا۔ رات کا سناٹا اور ایسی ہولناک آواز دوسرے بیڈ روم کا دروازہ کھلا اور ٹراؤزر بنیان میں ملبوس جاذل عجلت میں باہر آیا۔

"کیا ہوا؟"

"وہ۔ وہ چ۔ چوہا۔۔۔" آواز گلے میں پھنس گئی۔ رنگ اڑا ہوا تھا۔ معاملہ سمجھ میں آتے ہی بے اختیار جاذل کے حلق سے قہقہہ ابلنے کو تھا۔ مگر لب دبا لیے۔

"اوہ۔ اچھا۔ اچھا۔ چوہا! یعنی کہ صرف چوہا۔ جبکہ میرے خیال میں تو یہاں چوہوں کی پوری فوج کو ہونا چاہیے تھا' ہے نا؟" کچن پر اک طائرانہ نگاہ دوڑاتا وہ کہہ رہا تھا لہجے میں طنز کی آمیزش نمایاں تھی۔ جسے کونج نے بخوبی محسوس کیا۔ جب سے وہ ادھر شفٹ

ہوئے تھے شروع کے دو چار دن اس نے کھانا بھی بنایا تھا۔ صفائی بھی برابر کرتی رہی۔ لیکن جب سے ٹیسٹ شروع ہوئے اسے ساری دنیا بھول گئی تھی۔ صبح اٹھ کر اپنے لیے ایک کپ چائے بنائی دو برتن دھوئے اور کالج کو روانہ ہو جاتی۔ یہاں آکر اسے جو فائدہ ہوا تھا وہ یہ تھا کہ اسی بلڈنگ سے دو اور لڑکیاں بھی اس میڈیکل کالج جاتی تھیں جو اب یہاں سے آٹھ دس منٹ کی واکنگ ڈسٹینس پر تھا۔ اس نے پہلے ہی دن جاذل سے کہہ دیا کہ وہ اس کی طرف سے کسی بھی طرح کی پریشانی مول نہ لے۔ وہ خود آجا سکتی ہے دوسرے لفظوں میں وہ اس کا کوئی احسان نہیں لینا چاہتی۔ جاذل تو بابا سائیں کی وجہ سے متامل تھا مگر جب وہ اس کے بیدار ہونے سے بھی پہلے چلی جایا کرتی تو اس نے بھی منہ پر ہاتھ پھیر لیے۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں پھر پیچھے کچن میں غدر مچانے والا وہی تو ہوتا تھا جسے کالج سے واپسی پر وہ پوری جانفشانی سے سمیٹ لیا کرتی مگر اب کچھ دنوں سے گھمسان کا دن پڑا تھا وہ تو دو دن سے کالج سے ہی کچھ نہ کچھ لے کر کھا رہی تھی باقی دن تو یوں بھی ہوش بھولے رہتے۔ آج مجبوراً ”ادھر آنا پڑا تو یہ نئی افتاد۔ کونج نے ایک تیکھی نظر جاذل پر ڈالی اور بیٹھ کر کانچ سمیٹنے لگی۔

”ویسے تو بہت بہادر ہو۔ اور ایک چوہے سے ڈر گئیں۔ چچ۔ چچ۔“ اس نے اظہار افسوس کیا مسکراتے لبوں کے ساتھ۔ کونج ان سنی کر گئی۔

”مانا کہ تمہاری پڑھائی بے حد ٹف ہے لیکن محترمہ اب اس کے علاوہ بھی آپ کی زندگی میں کچھ ذمہ داریاں ہیں۔ جنہیں سنبھالنا اور سنوارنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ آپ کا پڑھنا۔ اور جتنے تمہاری سمجھ داری کے ڈنکے بجے ہوئے ہیں اس کے بعد تو تمہیں ویسے بھی کسی کوتاہی کا مرتکب نہیں ہونا چاہیے اور جانتی ہو میں تین دن سے بھوکا ہوں شاید تمہیں کسی نے جتایا ہو اگر نہیں تو اب اچھی طرح ذہن نشین کر لو میں باہر کے کھانے نہیں کھاتا میں ہمیشہ گھر کا پکا تازہ کھانا کھاتا ہوں۔ لیکن جب سے تمہارے طفیل اس ڈربے میں آیا ہوں جہاں اور مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے وہاں پیٹ کی دہائیاں بھی سننا پڑ رہی ہیں میں تو وہ ہوں جس نے کبھی خود سے اٹھ کر پانی کا ایک گلاس نہیں پیا تھا اور اب حالت یہ ہے کہ مجھے خود پکا کر کھانا پڑ رہا ہے اگر بی بی جان کو پتا چل جائے تاکہ تم ان کے لاڈلے پیارے راج دلارے بیٹے کے ساتھ کیا سلوک کر رہی ہو تو جانتی ہو کیسی کھنچائی کرے گی وہ تمہاری۔ اب جلدی سے سمیٹو یہ سارا کچن حد ہو گئی اتنی لاپروائی۔ جب تم صفائی نہیں رکھو گی تو اتنی گندگی کو چاٹنے کے لیے چوہے ہی آئیں گے نا۔“ جب وہ کچھ پکا نہیں رہی تو وہ خود بھی کچھ کھا رہی ہے یا نہیں۔ اس فکر میں پڑنے کی بجائے الٹا اسے خوب سنا کر فریج کے باکس میں سے آخری سیب بھی نکال کر دانتوں سے کھاتا اپنے روم میں چلا گیا۔ کونج کا دل چاہا تھا سمیٹے کانچ اس کے سر پر دے مارے مگر ہائے رے حسرت۔

”بی بی جان نے تو کہا تھا کہ گھر کے کاموں کے لیے وہ زلیخا کو بھیج دیتی ہیں۔ مگر یہ حضرت ہی تھے جس نے کہا۔

”ارے نہیں بی بی جان۔ زلیخا بھرے پرے ماحول میں رہنے کی عادی ہے وہ یہاں آکر پریشان ہو گی پھر ہم تو سارا دن گھر میں نہیں ہوتے اور ہم دونوں کا کام ہو گا ہی کتنا کونج سنبھال لے گی۔ آپ خود ہی تو کہتی ہیں آپ کی بہت سمجھدار بہو ہے تو کیا آپ کو اس پر بھروسا نہیں۔“ اور بی بی جان مطمئن ہو گئی تھیں۔ کونج کو غصہ آ رہا تھا کانچ ڈسٹ بن میں پھینک کر فریج کا جائزہ لیا۔ نہ انڈے نہ بریڈ۔ باکس کا بھی صفایا نہ پھل نہ سبزیاں بس دو تین پانی کی ادھ بھری بوتلیں اور جوس کے خالی ڈبے اسے منہ چڑا رہے تھے۔ یعنی اب صرف صبر ہی ہو سکتا تھا اک ٹھنڈی آہ بھرتی وہ کچن سمیٹنے لگی تھی کہ جاذل کپڑوں کا ایک ڈھیر اٹھائے برآمد ہوا۔ ”یہ کام کر لو تو میرے کپڑے بھی پریس کر دینا ان کے علاوہ اس سے کہیں بڑا ڈھیر اندر دھونے والے کپڑوں کا پڑا ہے فرصت ملے تو ان کی فریاد بھی سن لینا اور کبھی اک نظر کرم میرے بیڈ روم پر بھی ڈال دینا یہ نہ ہو کہ کچن

کے بعد چوہوں کا اگلا پڑاؤ ادھر ہو جائے۔" وہ تپتی سلگتی بڑبڑا رہی تھی۔

"ہونہہ۔ رعب تو ایسے ڈال رہا ہے جیسے میں نوکر لگی ہوں اس کی۔ اچھی مصیبت گلے پڑی ہے مشکل ہو گئی ہے میری' اف اماں جاتے جاتے کسی نافرمانی کی سزا دے گئی ہو مجھے؟" اور دروازے کے ساتھ لگا جاذل ٹھوڑی کھجاتے ہوئے بغور اس کے ارشادات سن رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"کہاں ہو؟"

"مت پوچھو بہت بزی۔"

"پھر بھی۔ شکل ہی نہیں دکھاتے۔ کیا بھائیوں نے گھر سے نکال دیا۔ تم تنگ بھی تو بہت کرتے تھے بھابھیوں کو۔ اتنی فرمائشیں تو وہ اپنے بچوں کی پوری نہیں کرتی تھیں۔ جتنی تمہاری۔ کل گئی تھی میں لاشاری ہاؤس شہلا بھابھی نے بتایا تم گاؤں گئے ہوئے ہو۔"

"آں؟ ہاں ہاں! وہ کچھ کام تھا بابا سائیں نے بلایا تھا۔"

"روز تمہیں دیکھنے کی عادت ہے اب اتنے دن گزر گئے۔ جوزی کب آؤ گے واپس بلیو می آئی مس یو۔"

"آئی مس یو ٹو جانم۔ میں خود تمہاری صورت کو ترس گیا ہوں میں آتا ہوں تو ملتے ہیں۔"

"کب تک؟"

"کہا نا' جلد ہی آجاتا ہوں یار۔" وہ اپارٹمنٹ تک پہنچ چکا تھا۔ لاک کھول کر اندر آیا چابی وہیں دروازے کے پیچھے لگی کھونٹی پر لٹکا دی جہاں کوچ کی چادر کی موجودگی بتا رہی تھی وہ آچکی ہے۔ چمکتا دمکتا صاف ستھرا لاؤنج سندھی بریانی کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ جاذل کی بھوک چمک اٹھی۔ اسے اندازہ تھا اس نے کباب اور رائتہ بھی ضرور بنایا ہو گا وہیں فٹ میٹ پر کھڑے کھڑے شوز اتارنے لگا پھر شوز ریک پر کوچ کے جوتوں کے ساتھ ہی رکھتا صوفے پر آبیٹھا۔

"نہیں ابھی۔" اس نے اصرار کیا۔

"او یار۔ ابھی پاسیبل نہیں کل ملتے ہیں نا۔ یوں کرتے ہیں میں تمہیں یونی سے۔۔۔" دروازے پر ہوتی دستک نے جاذل کا دھیان ہٹایا وہ بات کرتے ہی اٹھ گیا اور لاک کھول دیا۔ لیکن باہر موجود ہستی کو دیکھ کر ہاتھوں کے توتے تو کیا چڑیا کبوتر سب اڑ گئے۔

"تت۔ تم' یا' یہاں۔۔۔" سیل ابھی بھی کان سے لگا تھا۔ تیکھے چتون سے گھورتی سوہا اسے ایک ہاتھ سے پرے دھکیلتی اندر گھس آئی۔

"یو چیٹو۔ کیا مسٹری ہے یہ' جھوٹ پر جھوٹ بول رہے ہو تم میرے ساتھ۔ ابھی تم نے کہا کہ تم گاؤں میں ہو' لیکن تم تو یہاں ہو کرتے کیا پھر رہے ہو تم۔ واٹ ہیپننگ۔"

"آں۔۔۔ او یار نہیں نہیں کچھ بھی نہیں ہے۔ کوئی بات نہیں ہے۔ تم۔۔۔ تم آؤ بیٹھو وہ میں گاؤں میں ہی تو تھا ابھی تو واپس آیا ہوں۔" وہ اک پل کو گڑبڑا گیا تھا مگر پھر بات سنبھال ہی لی۔

"واٹ ربش تم ابھی گاؤں میں تھے ابھی واپس آگئے ہو کیا اڑ کر آئے ہو میں تمہاری گاڑی ہی دیکھ کر آرہی ہوں اس کی حالت تو کہیں سے بھی نہیں لگ رہی کہ وہ گاؤں سے ہو کر آئی ہے۔ تم یہ جھوٹ کیوں بول رہے ہو مجھے نہیں پتا' لیکن کچھ ہوا ضرور ہے' تم بہت دنوں سے مجھے ٹال رہے ہو لاشاری ہاؤس بھی نہیں آئے' وہ تو میں اتفاقاً' اس روڈ سے گزر رہی تھی تو تم پر نظر پڑی' تم اس اپارٹمنٹ میں کیا کر رہے ہو کب شفٹ ہوئے ہو اور کیوں' کیا ہوا ہے' مجھے کچھ بتایا کیوں نہیں۔"

"اوہو۔ کچھ بھی نہیں ہوا۔ وہ ایکچولی کیا ہے کہ تمہیں بتایا تو تھا کہ ایگزامز کی ڈیٹ شیٹ آچکی ہے میں ذرا سکون سے تیاری کرنا چاہ رہا تھا۔ تو یہ اپارٹمنٹ کچھ دوستوں کے ساتھ شیئر کر رہا ہوں۔ کمبائن اسٹڈی کر رہے ہیں یوں اک دوسرے کی مدد سے اچھی تیاری ہو جائے گی۔" وہ عادی جھوٹا نہیں تھا' لیکن آج تو نان اسٹاپ بہانوں پر بہانے گھڑتا وہ خود کو ہی شاباشی دینے

لگا۔ سوہا کی آنکھوں میں تشکیک کے کانٹے کھبے تھے وہ کسی ماہر جاسوس کی طرح چاروں اور جائزہ لے رہی تھی۔

ایسا قرینے سے سجا اپارٹمنٹ ہر چیز صاف اور اپنی جگہ پر بھرپورے میں پھیلی تازہ کھانے کی اشتہا انگیز مہک۔ وہ لپک کر کچن کاؤنٹر تک گئی۔ دیگچی کا ڈھکن ہٹایا گرم گرم بھاپ بتا رہی تھی ابھی کوئی چولہا بند کر کے گیا ہے۔ سنک بھی گیلا تھا گویا برتن دھوئے گئے ہوں جب کہ جاذل تو ابھی آیا تھا تو پھر کون؟

"افوہ۔ تم کیا کر رہی ہو چھوڑو یہ سب۔ آؤ باہر چلتے ہیں ابھی کوئی دوست آجائے گا تو اچھا نہیں لگتا۔"

جاذل اتنی دیر میں فٹ میٹ اٹھا کر شو ریک پر ڈال چکا تھا، لیکن کھونٹی پر لٹکی چادر غائب کرنا بھول گیا۔ وہ تو جاذل لینے بڑھا تھا کہ بدقسمتی سے سوہا کی نظر اس پر بھی جا پڑی۔

"یہ۔ یہ۔ اگر میں بھول نہیں رہی تو یہ تمہاری اس کزن کی چادر ہے جس کا شہلا بھابھی نے بتایا کہ پھر سے ہاسٹل شفٹ کر گئی ہے، لیکن یہ چادر ادھر کہاں۔ تم۔۔۔ تم ضرور میرے ساتھ کوئی گیم کھیل رہے ہو جاذل لاشاری سب جھوٹ بول رہے ہو تم۔ قصہ کوئی اور ہے، ہے نا۔" وہ پوری قوت سے چلائی تھی اور جاذل نے سمجھ لیا کہ جس قیامت کی گھڑی کے آنے سے وہ ڈر رہا تھا وہ آچکی ہے۔ اب کوئی بہانہ کارگر نہ ہوگا۔ سچ بولے بنا گزارہ نہیں، مگر کن الفاظ میں جو کم سے کم تکلیف دہ ہوں۔ اسے اپنے ساتھ ساتھ سوہا پر بھی ترس آیا تھا، جو دیوانہ وار اس کے بیڈ روم کی طرف لپکی تھی جو ظاہر ہے خالی تھا اس کے روکتے روکتے بھی وہ دوسرے روم کا دروازہ پورے زور سے دھکیل چکی تھی۔ کوج سب کام سمیٹنے کے بعد اتنا تھک گئی کہ یا تھ لے کر ایسے ہی کھلے گیلے بالوں کے ساتھ سو گئی تھی۔ ابھی بمشکل بیس منٹ بھی نہیں ہوئے تھے اسے سوئے کہ یک لخت ایسی آفت۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھی اور اپنے خدشے کو مکمل روپ میں دیکھ کر سوہا کے لب سل گئے۔ وہ پتھر کا بت بن گئی۔ کتنی ہی دیر وہ جنبش تک نہ کر سکی۔ جاذل سر پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا پھر خشک حلق تر کرتا آگے بڑھا۔ "تم ادھر آؤ سوہا۔ بات سنو میری میں سب بتاتا ہوں تمہیں۔۔۔"

"ہاتھ مت لگانا مجھے۔" سوہا نے اپنی طرف بڑھتا اس کا ہاتھ بری طرح جھٹکا۔ "تم جھوٹے، فریبی، دغاباز انسان۔ کیا بتاؤ گے مجھے، گے کوئی نئی کہانی گھڑ کر سنا دو گے۔ تم تو یہ اپارٹمنٹ دوستوں کے ساتھ شیئر کر رہے ہو نا تو کیا اسے بھی ان کے ساتھ شیئر کرنے کے لیے لائے ہو یہاں۔" وہ عالم طیش میں بے حد نازیبا لفظ استعمال کر گئی تھی جو جاذل کی سماعت پر تازیانہ بن کر لگے۔

"شٹ اپ۔ سوہا۔ جسٹ شٹ اپ۔ نکاح ہوا ہے ہمارا۔ بیوی ہے یہ میری۔" جو بات کہنی مشکل لگ رہی تھی وہ نہایت غصے میں آسانی کے ساتھ کہہ گیا۔ سوہا کے جسم سے رہی سہی جان بھی نکل گئی۔ اعتماد کا محل ایک ہی جھٹکے میں دھڑام سے نیچے آپڑا۔ وہ ملبے تلے دب گئی تھی دم گھٹ رہا تھا۔ وہ مر رہی تھی۔ قبل اس کے کہ گر پڑتی جاذل نے تھام کر قریبی کاؤچ پر بٹھایا۔ اور پھر وہ بہت دیر تک روتی رہی۔ چیختی رہی لڑتی رہی۔ جاذل صفائیاں دے دے کر ہار گیا۔ کوج گونگی تو ہو چکی تھی بہری بننے کی بھی کوشش کرتی رہی یہاں تک کہ باہر سناٹا چھا گیا۔

ہوتا ہے بہت درد ہوتا ہے جب محبت کی کھڈی پر چڑھا آرزوؤں کا سوت بری طرح الجھ جائے تو اسے سلجھاتے سلجھاتے پور پور میں تھکن اتر آتی ہے۔ وہ اس درد سے گزر چکی تھی اور جانتی تھی یہ کیسے ادھ موا کر ڈالتا ہے۔ اسے لگنے لگا کہ یہ اس کا درد ہے وہ بمشکل اٹھ کر دروازے تک آئی۔ جاذل دونوں ہاتھوں کی انگلیاں بالوں میں پھنسائے قافلے سے بچھڑے مسافر کی طرح لٹا پٹا سا بیٹھا تھا۔ گہری سوچ میں گم کوج نے پلکیں میچ لیں۔ وہ اسے اس حال میں نہیں دیکھ سکتی تھی اور اگر دیکھ لیتی تو پھر وہ نہیں سکتی تھی۔

"میں نے تو بہت سمجھایا تھا دادی رئیسہ کو، سب کو کہا تھا کہ بابا سائیں سے کہیں اپنا فیصلہ واپس لے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

لیں۔ مجھے زبردستی شامل کیا گیا تمہاری زندگی میں اگر مجھے اماں کی زندگی کی آس نہ ہوتی تو بخدا میں کبھی راضی نہ ہوتی اس بے نام بندھن کے لیے مگر افسوس کہ میری کوشش بے کار گئی۔ اماں تو پھر بھی نہ رہیں اور جب وہ ہی چلی گئیں تو اب میں خود کو ان کے وعدے سے آزاد سمجھتی ہوں۔ میں تمام عمر ایک ان چاہا بوجھ بن کر نہیں رہ سکوں گی تمہارے ساتھ بہتر ہوگا تم مجھے اپنی زندگی سے الگ کردو۔" جاذل نے سر اٹھایا سلگتی سرخ آنکھوں سے گھورا۔

"میں پہلے ہی پریشان ہوں۔ اوپر سے تم چلی آئی ہو مشورے دینے۔ اندر چلی جاؤ۔ بند کرو دروازہ اور سو جاؤ۔ اب نظر نہ آنا مجھے۔"

"جانتی ہوں میرا نظر آنا کتنا برا لگتا ہوگا تمہیں۔ تم صرف بابا سائیں کے ڈر سے مجھے برداشت کرنے پر مجبور ہو۔ زبردستی کے تعلق دیرپا نہیں ہوتے زندگی کو آزار بنائے رکھنے سے بہتر ہے کوئی فیصلہ کرلو۔"

"کیا چاہتی ہو تم اس وقت کیا فیصلہ کرلوں میں... ہاں... بولو..." وہ غصے سے اٹھ کر آیا اور اسے پکڑ کر جھنجوڑ دیا۔ وہ بے توازن ہی اس کے ہی سینے سے آلگی اور جیسے بس کوئی آسرا چاہیے تھا دونوں مٹھیوں میں اس کا گریبان بھینچے وہ بری طرح روتی بے ربط بول رہی تھی۔ جاذل کے کچھ پلے نہیں پڑ رہا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے اس نے سہا کے ڈھیروں ڈھیر آنسو اپنی پوروں پر چنے تھے اور اب اس کے آنسو۔ اس کا سینہ بھگو رہے تھے۔ لفظ آنسو میں تو فرق نہیں تھا مگر تعلق کی تاثیر الگ تھی۔ وہ اس کے جملہ حقوق اپنے نام محفوظ رکھتا تھا وہ اس کی اپنی تھی اور اتنے قریب کہ وہ ہاتھ بڑھا کر ان ریشمی گھٹاؤں کو سمیٹ سکتا تھا' جنہیں پہلی بار دیکھ کر جو خیال آیا تھا وہ اب بھی ہونٹوں کو مسکانے پر مجبور کر گیا۔ اور یک لخت اندر کی ساری کثافت اس کے آنسوؤں کے ساتھ ہی بہتی چلی گئی۔ وہ بھول گیا کس الجھن میں تھا یاد رہا تو بس اتنا کہ اس کے ماتھے کو چومتے ہوئے وہ پوری شدت سے اسے بازوؤں کے حصار میں باندھ چکا تھا۔

چھٹی کا دن ہونے کے باعث سڑک پر ٹریفک روز کی نسبت قدرے کم تھا' مگر اتنا بھی نہیں۔ مختلف النوع قسم کی گاڑیاں اک دوجے کے تعاقب میں بھاگتی جا رہی تھیں۔ سب ہی کو منزل پر پہنچنے کی جلدی تھی اور منزل پر پہنچنے کی چاہ کسے نہیں ہوتی پھر کٹھن سفر کے بعد کی سرشاری کیسی ہوتی ہوگی وہ کیفیت جب گھنی چھایا تلے پڑاؤ ڈال کر مسافر سستاتا ہوگا۔ راہ کی ساری تھکن اتر جاتی ہوگی اور وہ مسافر جسے لگے منزل تک پہنچ کر بھی نہیں پہنچا کہیں راہ بھٹک گیا ہے اس کا کیا ہوتا ہوگا۔ اسے جنرل پیتھالوجی کے سب سوال بھول گئے تھے ٹیبل پر بکھری پڑی کتابیں بڑی دیر سے اس کی توجہ کی منتظر تھیں اور وہ مسلسل کرسی پر آگے پیچھے جھولتی اس معمہ کو حل کرنے میں مگن تھی۔

جاذل کوئی گھنٹہ بھر پہلے بیڈ روم سے باہر آیا تھا اور ناشتے کے نام پر ایک گلاس میں جوس لے کر صوفے میں دھنس گیا' ٹی وی بھی آن کرلیا دوسرے ہاتھ میں سیل۔ بس تب سے جانے وہ ٹی وی دیکھ رہا تھا یا بات کر رہا تھا یہ تو غنیمت تھا کہ کھلے ٹیرس پر باہر کا شور زیادہ آرہا تھا پھر شکر ہوا اندر سے آتی تکرار بھی تھم گئی۔ چند لمحوں بعد وہ کونج' کونج کی صدائیں لگاتا اس کے برابر والی کرسی پر آبیٹھا۔ اس کی کرسی ساکت ہوگئی۔

"ایک کپ چائے تو پلا دو یار۔" وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے کنپٹیاں دبا رہا تھا۔ کونج نے جھٹ پاؤں نیچے اتارے۔ سر پر دوپٹا جماتے کچن کی راہ لی۔ آٹھ دس منٹ بعد وہ ٹرے ٹیبل پر رکھ رہی تھی بھاپ اڑاتی چائے کا ایک مگ' ایک پلیٹ کیک رس ایک گلاس پانی اور ایک عدد پین کلر۔

"واؤ۔ یو آر سو سوئیٹ۔ قسم سے تمہاری یہی ادائیں تو لے ڈوبی ہیں مجھے۔ تمہارے اندر اچھی بیویوں والی ساری خصوصیات بدرجہ اتم موجود ہیں۔ سب ٹھیک ہی تعریف کرتے ہیں۔ بس مجھے ہی ذرا دیر لگی تمہاری خوبیوں کو جانچنے میں۔ تم واقعی سمجھ دار ہو

اور یہ کیا صرف ایک کپ تم ساتھ نہیں دوگی میرا۔" وہ کہہ رہا تھا۔ وہ کتابیں سمیٹ رہی تھی۔ "کونج میں نے کچھ پوچھا ہے تم سے۔ کیا ہوا ہے اتنی چپ کیوں ہو۔" جازل نے اس کی گداز کلائی تھام لی۔ وہ اب بھی کچھ نہ بولی ہاتھ چھڑانے کی سعی ناکام کی اس نے گرفت اور کس دی۔

"پتا ہے تا پھوپھی اماں نے پوری دنیا میں اپنی لاڈلی کے لیے صرف مجھ پر اعتماد کیا تھا وہ خود تمہارا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے کر گئی ہیں۔ میں کیسے چھوڑ دوں؟" کونج مارے بے بسی کے دیکھ کر رہ گئی۔

"اف۔ ایسی ظالم نظروں سے مت دیکھو۔ دل بے ایمان ہونے لگتا ہے۔" وہ شوخ ہوا۔

"تو تمہیں کس نے کہا تم ایمان دار ہو۔" وہ جل کر بول ہی پڑی وہ دل کھول کر ہنسا۔ "اچھا جی یہ خوب کہی الزام وہ بھی مجھ پر۔ اتنے مہینوں میں نے شرافت ہی تو برتی تھی۔ پھر میں بے ایمان بھی ہوا تو اس کا ذمہ دار کون ہے؟" جازل نے شرارت سے ایک آنکھ دبائی وہ سرخ چہرہ جھکائے کتابوں کی طرف متوجہ تھی۔ "اور خیر اپنی ہی چیز کو ہاتھ لگانا بے ایمانی نہیں ہوتی اور اف ایک تو یہ تمہاری کتابیں میں ان سے بڑا تنگ ہوں۔ تمہیں کہا بھی تھا کہ جب میں تمہارے پاس آؤں تو بخدا ان کتابوں سے ذرا باہر نکل آیا کرو۔ ایسا بھی کیا حواسوں پر سوار کر رکھی ہیں بالکل ہی دیمک بنی رہتی ہو ہر وقت۔ کچھ ٹائم اپنے لیے بھی نکالا کرو یار۔ خیال رکھا کرو اپنا خوش رہا کرو۔" وہ اسے کھینچ کر بٹھا چکا تھا۔

"کس بات پر۔" کونج کی سنجیدگی کا گراف اتنا ہی تھا بے اختیار پوچھا۔ "ارے بھئی اس قدر ہینڈسم شوہر ملا ہے تمہیں۔ یہ خوشی کیا کم ہے تمہارے لیے اور اپنے اتنے ڈیشنگ شوہر کے لیے تم ذرا سا مسکراتی بھی نہیں ہو۔ کنجوس لڑکی۔ مجھے تمہارے چہرے کا انوکھا سا ڈمپل بڑا دلفریب لگتا ہے۔ میں نے تو اپنے پورے خاندان میں ایسا ڈمپل نہیں دیکھا تم کہاں سے چرا لائی ہو چلو' مسکراؤ تھوڑا سا ہی سہی۔" وہ اسے گدگدا رہا تھا۔ کونج سمٹ کر پرے کھسک گئی مسکرائی وہ پھر بھی نہیں تھی۔

"تم تو سچ میں پکی چڑیل ہو۔ ہوا کیا ہے تمہیں' میں نے تو منع نہیں کیا تھا اب اپنے لیے چائے بنا کر نہیں لائی ہو تو مجھ سے کیوں خفا ہو۔ چلو دونوں مل کر پیتے ہیں۔ ایک سپ میں ایک سپ تم۔" وہ مگ اس کی طرف بڑھا رہا تھا اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"ماں نے کبھی مجھے کسی کے برتن سے کھانے نہیں دیا تھا۔ میری یہ عادت بے حد پختہ ہو چکی ہے میں کسی کا جھوٹا نہیں کھاتی۔"

"اوہ۔ تم نے تو میرا دل ہی توڑ دیا۔ کاش پھوپھی اماں زندہ ہوتیں تو میں ان سے درخواست کرتا کہ تمہیں سمجھائیں کہ میں اب کسی نہیں تمہارا شوہر ہوں اور میرا جھوٹا یا میرے برتن میں کھانے سے تمہاری صحت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا بلکہ ہماری آپس کی محبت بڑھے گی۔"

"جب محبت ہے ہی نہیں تو وہ بڑھے گی کیسے؟" وہ اس کی جانب نہیں دیکھ رہی تھی۔ سامنے دیکھتے خود کلامی کے سے انداز میں بولی۔ جازل ایک لمحے کو چپ کا چپ رہ گیا۔ پھر دوسرا سپ لے کر مگ رکھا۔

"جب ہم ایک ہو چکے ہیں اور اب یہ ساتھ زندگی بھر کا ہے تو پھر محبت بھی ہو جائے گی۔"

"تمہیں مجھ سے محبت کیسے ہوگی۔ محبت تو زندگی میں صرف ایک بار کسی سے ہوتی ہے اور وہ تم سوہا سے کرتے ہو۔" وہ اب بھی اسے نہیں دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں کی سرخی کچھ اور بڑھ گئی۔ جازل نے بے اختیار بالوں پر ہاتھ پھیرا۔

"میری اور سوہا کی محبت ہماری شادی سے پہلے کی ہے' وہ ایک الگ کہانی ہے۔ تم میری بیوی ہو' یہ یکسر الگ معاملہ ہے اور تم سے کس گدھے نے کہا کہ محبت زندگی میں صرف ایک بار ہوتی ہے یہ تو ایک مرض ہے جو بار بار لاحق ہو سکتا ہے اور پھر کسی مرد کے لیے ایک سے زیادہ محبتیں کرنا کوئی نئی بات نہیں اور تم کس مسئلے میں پڑ گئی ہو۔ ریلیکس رہا کرو اور مزے سے یہ چائے پیو۔ مجھے کچھ کام ہے میں شام تک آجاؤں گا اور

آج کے دن تو ریسٹ کیا کرو‘ پلیز یہ کتابیں رکھو اور کچن میں بھی مت گھسنا میں شام میں باہر سے ہی کھانا لیتا آؤں گا اور دیکھ لو تم میرے کہنے پر بھی مسکرائی نہیں ہو۔ میں تمہاری ایک مسکان کے لیے ترستا ہوا گھر سے جاؤں گا یہ کوئی اچھی بات نہیں۔ اچھی بیوی کا فرض ہوتا ہے کہ وہ شوہر کی ہر بات کا مان رکھے۔“ وہ اٹھ کھڑا ہوا وہ بھی اپنی جگہ سے اٹھی۔

”اور اچھے شوہر کا فرض کیا ہوتا ہے؟“ وہ اب اسے دیکھ رہی تھی استفہامیہ نظروں سے۔

”تمہیں کچھ چاہیے تو بتاؤ میں لیتا آؤں گا۔“ جاذل نے بازو اس کے شانے پر پھیلا کر ساتھ لگایا۔

”تم سوہا سے ملنے مت جاؤ۔“ وہ اس کے سینے پر ہاتھ رکھے کہہ رہی تھی اور وہ سمجھ گیا وہ اس کی گفتگو سن چکی ہے وہ لاؤنج میں آ کر کیوں بیٹھا وہ سخت پچھتایا۔

”اُفوہ۔ کونج کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ یہاں میں ہوں اور تم‘ اپنی بات کرو یار سوہا ہمارے درمیان نہیں ہے مجھے کچھ کام ہے باہر اور میں۔۔۔“

”وہ ہمارے درمیان ہے آج سے نہیں ازل سے ہے مجھ سے جھوٹ مت بولو۔ مجھے صرف اتنا بتاؤ کیا تم اس سے شادی کرو گے؟“ اس کے لہجے میں بچوں کی سی ضد تھی۔ جاذل نے چڑ کر کہہ دیا۔

”اگر میں کہوں ہاں تو۔۔۔؟“

”تو۔۔۔ پھر میں کہوں گی مجھے چھوڑ دو۔“ وہ بے دھڑک بول گئی۔

”تمہارا دماغ ٹھیک ہے کیوں ایسی بکواس کر رہی ہو۔ تمہیں چھوڑ دوں تاکہ بابا کی بندوق میرا بھیجہ نکال دے۔ تمہیں چھوڑ دوں تاکہ سارے خاندان کی لعنت اپنے سر لوں۔ تمہیں چھوڑ دوں تاکہ پھوپھی اماں کی روح قبر میں بے چین ہو۔ ٹھیک ہے مجھے بہت غصہ تھا جس طرح سے ہماری شادی ہوئی وہ سب ایک دم سے ناقابل قبول تھا میرے لیے۔ مگر کچھ وقت گزرا تو احساس جاگا یہ قدرت کا فیصلہ تھا۔ اور ہمارے بڑوں کی مرضی‘ تم میرے نصیب میں لکھی جا چکی تھیں۔ تم میرے لیے ہی تھیں۔ اب جبکہ میں اس بات کو سمجھ گیا ہوں۔ تمہیں تمہارا حق دے چکا ہوں پھر بھی تم کس قدر آسانی سے کہہ رہی ہو تمہیں چھوڑ دوں کیا تمہیں اپنے خاندان کے ریت رواج کا نہیں پتا۔ عورت جب کسی مرد کی ہو جاتی ہے تو پھر مر کر ہی اس کے گھر سے نکلتی ہے۔ چھوڑنے کا تو کوئی بھی تصور نہیں ہے ہمارے ہاں۔ ایک مرد کے لیے اس سے بڑی بے غیرتی اور کوئی نہیں سمجھی جاتی کہ وہ ایک عورت کو نہ قابو کر سکے۔ اور تم چاہتی ہو میں سارے زمانے کے طعنے سنوں۔ خبردار آئندہ تم نے منہ سے ایسی کوئی بات نکالی۔“ جاذل کو ٹھیک ٹھاک غصہ آ گیا بولتا چلا گیا۔

”اور تم چاہتے ہو کہ میں آس کے پنجرے میں قید تمہاری توجہ کے ذرا ذرا سے دانے چگتی رہوں جب یہ طے ہے کہ تم پورے میرے ہو ہی نہیں سکتے تو میں تمہارے ساتھ کیوں رہوں۔ مجھے آدھی ادھوری چیزوں سے نفرت ہے۔ تمہارا دل پہلے سے ہی آباد ہے۔ اب اس میں تم زبردستی میرے لیے جگہ بناؤ گے وہ بھی مجبوراً ”محبتاً“ نہیں۔ پھر تم اسے اپنے گھر لے آؤ گے اور تب میری اوقات کیا ہو گی؟ اس کا بھی خوب اندازہ ہے مجھے۔ اور ایسے گھٹن بھرے ماحول کا سوچ کر ہی میری سانسیں تنگ پڑنے لگتی ہیں میں تمام عمر اس احساس کے ساتھ جیوں گی کیسے۔ ایسے جینے سے تو میرے لیے مر جانا بہتر ہے۔ نہیں رہ پاؤں گی میں تمہارے ساتھ۔ مجھے بچی کچھی محبت‘ مجبوری کا تعلق نہیں چاہیے تم سے۔ کوئی طعنے نہیں دے گا تمہیں تم کہہ دینا لوگوں سے۔ وہ ہی تمہارے لائق نہیں تھی‘ نہیں رہ سکتی تمہارے ساتھ۔“ وہ اپنے حواسوں میں نہیں لگ رہی تھی بنا سوچے سمجھے بولے گئی۔

”تمہارا دماغ خراب ہو چکا ہے‘ تو خدا کے لیے میرا دماغ خراب مت کرو۔ تم نے پہلے بھی اس طرح کی باتیں کی تھیں۔ شادی کی پہلی رات سے ہی میں تمہارا رویہ دیکھ رہا ہوں تم مجھ سے چھپنے کی ہی کوشش کرتی رہی ہو۔ اول تو میں اسے تمہاری حیا سمجھتا رہا لیکن اب مجھے لگ رہا ہے کہ معاملہ کچھ اور ہے۔ تمہیں مجھ

سے چھٹکارا چاہیے اور آج تم سوہا کی لینا چاہتی ہو۔ تم بتاؤ گی کہ اصل وجہ کیا ہے؟" وہ نہایت درشتی سے استفسار کر رہا تھا۔ کونج کی آنکھوں میں نمی کے ساتھ ڈھیر سارا ملال اتر آیا۔

"قصور تمہاری سوچ کا نہیں مرد کی فطرت ہوتی ہی ایسی ہے۔ عادت ہوتی ہے اسے اپنے ہی آئینے میں دوسروں کا عکس دیکھنے کی۔"

"زیادہ بکواس مت کرو۔ وجہ پوچھی ہے میں نے وہ بتاؤ مجھے۔ نام بتاؤ اس کا۔ کون ہے وہ؟" جازل کا غصہ دوچند ہوا۔ فلسفے سمجھنے کے موڈ میں نہیں تھا وہ۔

"کس کا نام جاننا چاہتے ہو۔ محبت کو صرف محبت ہی کہا جاتا ہے کوئی اور نام نہیں ہے اس کا۔ اور چلو اگر تم ایسا سمجھ رہے ہو تو ایسا ہی ہے۔ تمہیں اگر سوہا سے محبت ہے تو مجھے بھی ہے کسی سے۔" اور ابھی باقی کے لفظ نوک زبان تک نہیں آئے تھے کہ جازل کا ہاتھ بے اختیار اٹھ گیا۔ کونج کو لگا کوئی آگ سی چہرے کو چھو گئی ہے۔ اس کی تنی ہوئی گردن دوسری جانب گھوم گئی۔

"سارے خاندان کو بے وقوف بنا رکھا ہے۔ پڑھنے کے نام پر گل چھرے اڑانے جاتی ہو' مجھے کہہ دیا کہ میں خود کالج آجا سکتی ہوں۔ اس لیے روکا تھا کہ تمہاری اصلیت نہ جان لوں کسی روز۔ یہ یہ کتابیں ہی ہیں نا' جن کے پیچھے تم گھر سے نکلتی ہو ان کا بہانہ لے کر نہیں رہیں گی۔ اب یہ کتابیں تمہارے پاس۔ بہت سبق پڑھ لیے تم نے بس اب یہ سلسلہ بند۔" جازل کا تو سچ میں دماغ الٹ گیا ایک ایک کتاب اٹھا کر گرل سے باہر پھینکنے لگا۔

کونج گال پر ہاتھ رکھے ششدر سی کھڑی تھی' یک دم ہوش میں آئی اس پر جھپٹ پڑی۔

"مت کرو ایسے۔ مت پھینکو میری کتابیں۔ تم ہوتے کون ہو مجھ پر پابندی لگانے والے؟"

"میں وہ ہوں جو تمہاری جان بھی لے سکتا ہے۔ تم نے جازل لاشاری کی ابھی صرف نرمی دیکھی ہے۔ یہ تو تم اب دیکھو گی کہ وہ تمہارے ساتھ کرتا کیا ہے۔ تمہاری سانسیں' تمہارے سینے میں تنگ کر دوں گا۔ تم اس قابل ہی نہیں ہو کہ تمہارا خیال کیا جائے۔ میرے ذرا سے پیار کا فائدہ اٹھا کر جوتوں سمیت میرے سر پر چڑھنے کی کوشش کر رہی ہو۔ تم میرے مقابل آئیں۔ بحث کی میرے ساتھ اور جو بکواس تم کر گئی ہو۔" اب تم عمر بھگتنا اس کا بھگتان۔ تم اب گاؤں جاؤ گی رہنا آرام سے وہاں۔ سوگ منانا اپنی محبت کا اور ترسنا میری ذرا سی توجہ کو بھی۔۔۔" وہ فیصلہ سنا کر جا چکا تھا۔ کونج زور زور سے روتی بول رہی تھی۔

"میری کتابیں لا کر دو' نہیں جاؤں گی میں گاؤں۔ نہیں رہنا ہے مجھ تمہارے ساتھ' نہیں اچھے لگتے تم مجھے۔ تم میرے نہیں ہو۔ تم سارے مرد ہوتے ہی ایک جیسے ہو۔ بے ایمان' آوارہ مزاج' خود غرض' مطلب پرست۔"

دروازے پر دستک ہو رہی تھی اور آنے والے بابا سائیں تھے۔ پیچھے ہی ان کا ڈرائیور موٹی موٹی کتابوں کا ڈھیر اٹھائے ہوئے تھا۔ کونج کے چہرے پر نشان تھے وہ بلک بلک کر رو رہی تھی۔ پانچویں فلور سے نیچے گرتی کتابیں انہوں نے خود دیکھی تھیں۔ اور جو دیکھ لیا تھا وہی کافی تھا۔ پھر تو جازل کی لاکھ صفائیاں اور دہائیاں بھی کارگر نہ ہوئیں' تو بات یہاں تک پہنچی کہ گاؤں جانے کے لیے سامان کونج کے بجائے جازل کا پیک ہو رہا تھا۔ کیونکہ کونج نے واشگاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ "وہ اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔" پھر جازل نے بھی کہہ دیا۔

"اور جو تم چاہتی ہو وہ بھی میری زندگی میں نہیں ہو سکتا۔ اب تم میرے مرنے تک کا انتظار کرو۔"

☼ ☼ ☼

"کونج۔ کونج۔ ادھر آؤ۔ جلدی سے۔ یہ دیکھو۔" وہ بیڈ پر ڈھیر سارے کیچر پھیلائے بیٹھا تھا۔ مختلف ڈیزائن اور رنگوں میں۔ اور پھر وہ ایک ایک کر کے اس کے بالوں میں لگا رہا تھا۔

"سب اچھے ہیں نا اور تمہارے بالوں میں تو اور خوب صورت لگ رہے ہیں۔ بس اس طرح بنا کر رکھا

کردانہیں' اتنے حسین بال اور مجھ سے ہی چھپائے پھرتی ہو۔ ہاں میں نے کہا تھا کہ مجھے عورت کے لمبے بالوں کو دیکھ کر کیا گمان ہوتا ہے مگر اب ایسا بھی نہیں کہ میں تم سے ہی ڈر جاؤں۔ اتنا تو بہادر ہوں میں جو تمہیں جھیل سکوں۔" اس کی گھوریاں نظرانداز کیے وہ اپنی کہے جارہا تھا۔

"کونج تم سادہ مزاج ہو اور تم پر یہ سادگی اچھی بھی لگتی ہے۔ مگر آج خود کو تھوڑا سا بدل کر دیکھو۔ یہ ڈریس پہن کر آؤ فنافٹ۔ فار ہائے سیک۔ پلیز اچھی بھلی صورت ہے تمہاری۔ مگر مجال ہے جو ذرا بھی خیال رکھتی ہو تم اپنا۔"

"ہروقت کتابیں' ہروقت کتابیں۔ ہٹاؤ انہیں' آؤ زبردست سی مووی دیکھتے ہیں۔ تمہیں اگر کوئی پسند ہے تو بتاؤ۔" وہ اسے کھینچ کر لاؤنج میں لے آتا۔ وہ متحیر سی دیکھتی جاتی۔ اندر کوئی ہلچل نہ مچتی۔ سب طرف اک سناٹا چھا جاتا۔ وہ ان کے تعلق کو مان چکا ہے۔ اسے عزت دے رہا ہے۔ بھرپور طریقے سے۔ یقیناً بہت بڑی خوشی تھی۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ وہ خوش نہیں ہو پارہی تھی۔ اسے بے حد عجیب سا لگتا۔

محبت تو محبت ہی ہوتی ہے نا۔ کوئی موسم تو نہیں نا کہ چار۔ چھ مہینے بعد بدل جائے۔ وہ کل تک کسی اور کے لیے بے چین تھا۔ اس کے علاوہ کچھ سوچتا نہ تھا۔ اسے وہ سب دیکھے منظر یاد آنے لگتے۔ سوہا کی بے تکلفی۔ جازل کی جذبے لٹاتی نظریں اور اب کیا ہوا۔ وہ ناراض ہو گئی تو کیا سارے ربط ہی ختم کر ڈالے۔ کیا مرد کا دل ایسا ہی ہوتا ہے کسی پیالے کی مانند ایک مشروب گر جائے تو دوسرا بھردو' کسی بھی رنگ کسی بھی ذائقے میں۔ یا پھر کچی مٹی کی اس دیوار جیسا جس کا ایک کونا جھڑ جائے تو تازہ مٹی کا لیپ کردو اور وہ پھر ایک سی دیکھنے لگے پچھلا کوئی بھی نقش باقی نہ رہے۔ مگر پھر یہ بھید کھلا۔ وہ سوہا کو تو بھولا ہی نہیں تھا وہ تو منانے کی تگ ودو میں لگا ہوا تھا۔ وہ اکثر اسے سیل فون پر بھی مصروف دیکھتی۔ ایک روز بے دھیانی میں وہ اسے سوہا پکار بیٹھا۔ اور کونج کے پیروں سے سر تک آگ لگی۔ وہ اس کے وجود میں سوہا کو ڈھونڈتا تھا۔ اسے سوہا کے روپ میں ڈھالنا چاہتا تھا۔ وہ کوئی بے جان گڑیا تھی کہ اس کے من پسند رنگ میں رنگی جاتی۔ وہ کوئی موم کا پتلا نہیں تھی کہ وہ اسے اپنی منشا کے سانچے میں ڈھال کر دل بہلایا جاتا۔ وہ کوئی کھلونا بھی نہیں تھی جس سے وہ کھیل رہا تھا۔

وہ کونج تھی۔ جیتی جاگتی کونج۔ اس کی اپنی ایک منفرد شخصیت تھی۔ اس کی ذات کے اپنے رنگ تھے' جنہیں کسی بھی ملمع سازی کی ضرورت نہ تھی' وہ جو تھی مکمل تھی ہر طرح سے۔ اور وہ اسے بھی اپنے لیے ویسا ہی مکمل چاہتی تھی۔ مگر ستم تو یہ ہوا کہ وہ ملا بھی تو نہ ملنے جیسا' وہ پہلے سے ہی کسی اور کا تھا اس کے حصے میں آیا بھی تو ادھورا' بٹا ہوا۔ وہ ہمیشہ سے دیکھتی آرہی تھی۔ آدھی چیز' آدھا بندھن' آدھا گھر' آدھی محبت کبھی بھی پوری خوشی نہیں دے سکتے۔ اسے سب یاد تھا۔ اماں کا راتوں کو تکیوں میں منہ دے دے کر رونا۔ دن کو اجڑی لاش کے جیسے رہنا۔ ان کی آنکھوں کے کنارے کبھی خشک نہ ہوتے۔ وہ اس ملزم کی سی زندگی گزارتی رہیں تھیں جنہیں عدالت نے بنا جرم کے ہی سزا دے ڈالی تھی۔ اور اس نے کتنا چاہا تھا کہ اس دکھ سے بچی رہے۔ اور اسی درد سے بچنے کو تو اس نے بارہا خود کو جھٹلایا۔ جھڑکا۔

جازل لاشاری وہ خواب تھا جو کم سنی میں ہی تارہ بن کر آنکھ میں اتر آیا تھا۔ اس کی معصوم عمر کی وہ خواہش جو اس کے ساتھ ساتھ پروان چڑھی' دل میں دیواروں سے لپٹی اس کے نام کی بیل خوب پھل پھول گئی تھی۔ وہ ہر رات محبت کی تسبیح پر فال نکالتی۔ وہ میرا ہے؟ وہ میرا نہیں ہے؟ اور دانے مکمل ہونے سے پہلے ہی گھبرا کر چھوڑ دیتی۔ اسے دھڑکے لگے تھے۔ اک دن تمام خدشے زہریلے ناگ بن کر اسے ڈس کے بیچ کا زہر پور پور نیلی کر گیا۔ اس نے اک اپسرا کے سنگ اسے دیکھا۔ اور اسی رات محبت کی مالا توڑ کر پھینک دی۔ وہ ہر رات دامن سے ایک ایک پھول جھاڑتی چلی گئی۔

محبت کے سب سوال صرف حقیقت کی زد پر حل ہوتے

ہیں اگر محبت طاق کے دائرے میں پھنس جائے تو سارا حساب بگڑ جاتا ہے۔

لیکن پھر ایک عجیب حادثہ ہوا جس نام کو اس نے دل کی تختی سے کھرچ کر مٹانا چاہا وہ ہی اس کی تقدیر کے ماتھے پر لکھ دیا گیا۔ وہ نہ خوش ہو سکی اور نہ ہی ناخوش ہو پائی۔ مگر جب لگا کہ اب یہ بندھن اسے بھی ایک مجبور عورت کے قالب میں ڈھال دے گا تو وہ بدک گئی۔ اگر وہ ہو تو صرف اس کا ورنہ آدھا جادل لاشاری تو اسے سونے کا بھی قبول نہیں۔ اور سب نے اسے ہی قصوروار ٹھہرایا تھا۔

"میں نے تو پہلے ہی سمجھایا تھا کہ اس کا دھیان کرنا' ارے مرد چائے کے اس کپ کی طرح ہوتا ہے جس میں جتنا گڑ ڈالو اتنا میٹھا ہو جائے اور یہ تو اب تمہارے اپنے ہاتھ میں تھا جب وہ تمہیں مان دے چکا تھا تو تم سمجھداری سے کام لیتیں۔ اسے اپنی محبت کے دام میں الجھا لیتیں۔ اس کی پہلی بیوی تو تم ہی ہو نا اب چاہے دس سوہا اور آجائیں جو تمہاری جگہ ہے وہ کسی اور کی نہیں ہو سکتی۔ تم اسے کچھ وقت تو دیتیں۔ تم نے تو بنی بنائی بات ہی بگاڑ دی کو بج۔" زرین بے حد متاسف تھی۔

"مرد کے گریبان اور انا پر کبھی ہاتھ نہیں ڈالنا چاہیے کو بج۔ اچھا نہیں کیا تم نے۔ ارے وہ جھوٹا ہی سہی مگر پیار تو دے رہا تھا ناں تمہیں۔ اپنی غرض سے ہی سہی مگر خیال تو رکھ رہا تھا تمہارا' ورنہ تو جتنا وہ سوہا کے لیے رنجیدہ تھا مجھے تو اتنے کی بھی امید نہیں تھی۔ تم خود اس کے لیے اتنی اچھی بن جاتیں کہ وہ پھر کہیں دیکھنے لائق نہ رہتا۔ ہائے۔ ہائے۔ بہت ہی بے عقلی دکھائی تم نے!" سندھل نے بھی سخت سست سنائیں۔

"شرم آرہی ہے۔ تم ہماری وہ بہن ہو جس کی تربیت اماں نے سب سے بڑھ کر کی۔ تمہارے لیے انہوں نے کتنے خواب بنے۔ جس شوہر کے سامنے وہ زبان نہیں کھولتی تھیں جس سے اپنے لیے کبھی کچھ نہ مانگا اس کے پاؤں پڑ کر تمہاری قسمت مانگی کیا کیا نہ کیا انہوں نے تمہارے لیے۔ اور تم ان کے اس فیصلے کی لاج نہ رکھ سکیں۔ تم نے تو ہمارا سب غرور خاک میں ملا دیا کو بج۔ سارے خاندان میں ذلت کروا دی۔ ہم تینوں کا سر اپنے اپنے سسرال میں جھک گیا ہے سب تھو تھو کر رہے ہیں۔ کیا اماں نے تمہیں اس دن کے لیے اتنی تعلیم دلائی تھی اس لیے پڑھایا تھا کہ ان کے ہاتھوں کے جوڑے گئے رشتے کا پاس بھی نہ رکھو۔ چار دن تم شوہر کے ساتھ نبھا نہ کر سکیں۔ ایسی دیدہ دلیری۔ کس برتے پر تم نے کیا یہ سب۔ پیچھے کون سا باپ اور بھائی بیٹھے ہیں تمہیں سنبھالنے کے لیے۔ تمہارا مقدمہ لڑنے کے لیے۔ کیوں کیا تم نے ایسا۔ پھر کیا تم نے اپنی بہنوں کو نہیں دیکھا کن کن حالوں میں گزارہ کر رہی ہیں وہ شمسہ اپنے شوہر کی دوسری بیوی ہے' پھر اس کا میاں آج کل تیسری کے چکروں میں گھوم رہا ہے۔ کیا تمہارا دکھ اس کے دکھ سے زیادہ تھا؟ پھر میرا شوہر اتنی عمر کا ہو گیا ہے ہر دو ماہ بعد اس نے اپنی سیکریٹری بدلی ہوتی ہے اور کیوں؟ کیا مجھے علم نہیں؟ میں سب جانتی ہوں لیکن واویلا نہیں کر سکتی کیونکہ اس سے میری اپنی زندگی ہی پر حرف آئے گا مرد تو اپنی خصلتوں سے نہیں باز آتا۔ بلکہ گھر کی عدالت کا شور اس کے اندر کے شوق کی آگ کے لیے ہوا جیسا ہوتا ہے جو اسے اور بھڑکاتا ہے۔ آگ کو آگ نہیں کاٹتی۔ آگ کو ہمیشہ پانی سے بجھایا جاتا ہے۔ تم نے اپنی ماں کو نہیں دیکھا تھا کیسے صبر سے رہیں وہ۔ تم نے ان سے سبق کیوں نہیں سیکھا کو بج۔" رئیسہ رو دینے کو تھیں۔

"کیوں سیکھتی میں ایسا سبق اپی۔ کیوں؟ کیا دیا تھا اماں کو اس صبر نے۔ وہ صبر نہیں تھا وہ ظلم تھا جو وہ اپنی ذات پر کرتی رہیں۔ وہ گھٹ گھٹ کر مرتی رہیں۔ ہمارا باپ ان کی آنکھوں کے سامنے دوسری عورت کو خوشیاں لا لا کر دیتا تھا اور وہ دیکھ دیکھ کر صبر کے جام بھر بھر کے پیتی تھیں۔ کاش کہ وہ کوئی صدائے احتجاج بلند کرتیں۔ زخم میں پیپ بھر جائے تو اسے چیرا لگانا پڑتا ہے۔ ورنہ دوسری صورت میں اندر ہی رہ جانے والا مواد زہر بن جاتا ہے۔ میں نے دیکھا ہے انہیں لحہ لحہ کی موت مرتے ہوئے۔ اور مجھے ان جیسی موت نہیں

مرنا۔"

"لیکن تمہیں تو جازل سے محبت تھی نا کونج اور محبت تو بڑے بڑے صحرا پار کروا دیتی ہے اور تم پہلی ہی راہ پر تھک کر گر گئیں۔" رئیسہ اس کی واحد رازدار تھیں خوب جانتی تھیں اس کے خوابوں کے رنگ اور وہ ہنس دی۔ عجب زخم خوردہ سی ہنسی۔

"محبت؟ محبت تو جینا سکھاتی ہے نا ادی۔ میں اس محبت کا کیا کرتی جو مجھے موت بن کر ڈرانے لگی تھی۔ شاید میں بہت بزدل ہوں مجھے بری موت مرنے سے ڈر لگتا ہے۔ میں اسے اپنے جیتے جی کسی اور کا ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔ نہیں سہہ سکتی میں۔" وہ سسک رہی تھی اور یہ سسکیاں تو اب سینے میں سانس کی طرح آتی جاتی تھیں۔ اس نے جلتی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ رخساروں پر اک لکیر تسلسل سے بہہ رہی تھی۔ اس کے ساتھ رہ کر رونا برا لگنے لگا تھا تو اس سے بچھڑ کر بھی ہنسی کھو گئی تھی۔ مسکرائے تو کتنے ہی دن گزر گئے تھے۔ اس کی فرمائش یاد آنے لگی۔ دروازے پر کھٹکا ہوا تھا۔ کونج نے دوپٹے سے گال رگڑے۔

"لو جی آپ تو ابھی تک بستر میں ہو، میں تو سمجھی تیار ہو رہی ہوں گی۔ کالج نہیں جانا کیا۔" زلیخا لوازمات سے بھری ٹرے ٹیبل پر رکھ رہی تھی۔

"جانا ہے بس اٹھ رہی تھی۔ تم ناشتا جلدی ہی لے آئی ہو میں نے تو ابھی منہ بھی نہیں دھویا۔" کونج اٹھ بیٹھی اور بال سمیٹنے لگی۔

"اوہوں۔ رہنے دو ناں پتا ہے صبح صبح تم ان بکھرے بالوں کے ساتھ کیسی لگتی ہو۔" دو شرارت بھری آنکھیں اسے دیکھ رہی تھیں سرگوشی قریب ہی ابھری۔ کونج کے ہاتھ پہلو میں گر گئے۔

"اف۔ ایک تو یہ سرگوشیاں۔ زندگی محال کیے دے رہی تھیں۔ وہ سر جھٹک کر بیڈ سے اتری۔ اور اگلے ہی قدم پر لڑکھڑا گئی سارا کمرہ اندھیرا ہو گیا۔

"بسم اللہ۔" زلیخا پاس ہی کھڑی تھی بروقت سنبھالا دیا۔

"رات بہت دیر تک جاگنا پڑ رہا ہے۔ آج کل تھک جاتی ہوں۔ صبح اٹھتی ہوں تو چکر سا آجاتا ہے۔"

"کب سے ہو رہا ہے ایسا؟" زلیخا اس کے ہاتھ پیر مل رہی تھی۔ بغور پیلی پڑتی رنگت دیکھی۔

"دو چار دن سے۔ پڑھائی کا برڈن کم ہو گا تو ٹھیک ہو جاؤں گی خود بخود۔" وہ پھر سے ہمت کر کے اٹھنے لگی۔

"ہو سکتا ہے آپ کی بات ٹھیک ہو۔ لیکن میں خود کئی دن سے آپ کی حالت دیکھ رہی ہوں۔ سوچا تھا آپ سے بات کروں پھر خیال آیا آپ تو خود ڈاکٹر ہو زیادہ سمجھ دار ہو۔ بہتر سمجھ سکتی ہو اپنی طبیعت کو۔ میں تو دعا کرتی ہوں۔ اللہ سائیں آپ کی جھولی بھر دے۔ آپ کو خوشیاں دے آپ اور چھوٹے سائیں ایک ساتھ رہیں خوش باش ہمیشہ کے لیے۔" اور کونج ساکت رہ گئی تھی۔ اس کی قسمت نے ایک بار پھر اسے حیران کر دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ادی مجھے آپ کی ضرورت ہے۔" اگلے ہی دن وہ گھبرائی ہوئی سی رئیسہ کو کال کر رہی تھی۔

"کیوں اب کیا کر بیٹھی ہو۔"

"ادی خدا کا واسطہ ہے۔ بس کر دیں۔ مت کریں اتنے طنز۔ میں بہت اکیلی ہوں۔ ڈر لگ رہا ہے مجھے۔"

"اب تمہیں احساس ہوا ہے اپنے اکیلے پن کا سنا ہے وہ ماما سائیں سے اپنا رشتہ لے جانے کی ضد کر رہا ہے۔ دیکھو کب مانتے ہیں وہ اس کی۔ ویسے جب تم نے منع کر دیا ان کے ساتھ رہنے سے۔ پھر کہیں تو کریں گے وہ اس کی شادی۔" اس کے اعصاب پہلے ہی شکستہ ہو رہے تھے رئیسہ نے مزید دھکا دے ڈالا۔ وہ بولنے جوگی نہ رہی، سارے لفظ کھو گئے کیا کہنا ہے۔ کیا جتانا ہے سب بھول گیا۔

"اب کیوں چپ لگ گئی اب بھی بولو۔ چیخو زور سے کہو اسے جا کر۔ پہلے تمہیں آزاد کرے پھر کرے دوسری شادی، تم نے آخر اس سے ایسا کیا کہہ دیا ہے کونج جو اب وہ یہ کہتا ہے کہ نہ تمہیں رکھے گا نہ

چھوڑے گا۔ تم نے ایسی سزا کیوں اپنے سر لی۔"
"ٹھیک ہے اگر ایسا ہے تو ایسا ہی سہی۔ وہ کرلے دوسری شادی۔ میں تو اس کے لیے پہلے بھی گلے پڑی مصیبت تھی۔ مجھے نہ رکھے وہ 'لیکن میں اسے چھوڑنے کا حق رکھتی ہوں اور میں تو اس کی کوئی نشانی بھی سنبھال کر نہیں رکھوں گی۔ ختم کردوں گی میں اسے۔ جب اسے مجھ سے کوئی انسیت نہیں تو میں کیوں اٹھاؤں اس کے لیے اتنے درد۔" وہ یک دم ہوش میں آتی جنونی سی ہوگئی۔ ادھر ربیعہ کو جھٹکا لگا۔
"کیا کہہ رہی ہو کونج۔ کیسی نشانی؟"
"ہاں امی۔ جب وہ میرا ہو ہی نہیں سکتا تو مجھے کیا پڑی ہے کہ میں اس کی اولاد پیدا کروں۔ کل کو اس کی اولاد بھی باپ جیسی خود غرض اور وفا سے خالی ہوئی تو۔۔۔ اور اگر وہ بیٹی ہوئی تو؟ نہیں۔ نہیں مجھے اک اور کونج کو دنیا میں نہیں لانا۔ اماں نے بھی تو ہم بیٹیوں کی وجہ سے اتنے دکھ اٹھائے 'ہوتا ان کا بیٹا تو مجال تھی بابا کی جو انہیں کچھ کہہ جاتے۔ یہ ہم ہی ہیں جن کی خاطر اماں نے تڑپ تڑپ کر عمر تمام کردی۔ ہم نے مجبور کیے رکھا انہیں جو وہ اس در سے ہل نہ سکیں۔ اور مجھے کوئی مجبوری پالنے کا شوق نہیں۔ مجھے مارنے کے لیے اور دکھ کم ہیں کیا جو میں اور سامان کرلوں اپنے لیے۔ آپ سب تو مجھے ہی غلط کہتے ہو۔ ہاں میں ہوں بری۔ برا بننا پڑا۔ آپ سب جتنا حوصلہ نہیں ہے مجھ میں۔ وہ میرے پاس ہو کر بھی کسی اور کو سوچتا رہتا اور واویلا بھی نہ کرتی۔ اور میں کس اس پر صبر کرتی۔ اگر میں اس کے ساتھ رہ کر اسے مجبور کرکے آمادہ کر بھی لیتی کہ وہ اس سے شادی نہ کرے تو کیا گارنٹی تھی اس بات کی کہ وہ اس کے دل سے بھی نکل جاتی۔ نہیں وہ اس کے دل سے نہ جاتی بلکہ اسے اندر سے کھنڈر کردیتی اور مجھے رہنے کے لیے ایک کھنڈر ہرگز نہیں چاہیے تھا۔ میں بھی ایک عورت ہوں۔ ایک مکان میرا بھی خواب ہے۔ اور ایسا مکان جو پورا میرا ہو۔ چاہے وہ مٹی کا ہی ہوتا پر میرا تو ہوتا۔ لیکن میرے بخت کہ سب خواہشیں ادھوری رہ گئیں۔ وہ یقیناً" رو رہی تھی۔

ربیعہ کو اس کے دکھ کو پوری طرح محسوس کرسکتی تھیں۔
"کونج میری گڑیا! دیکھو تم اپنا بہت سارا خیال رکھو۔ تم کوئی بھی ٹینشن مت لو۔ اور تم کوئی بے وقوفی ہرگز نہیں کروگی۔ تم حوصلے سے کام لو۔ وہ تمہارا ہے۔ تم اس کے بچے کی ماں بننے والی ہو وہ تم سے دور نہیں ہوسکتا۔ بچے تو ماں باپ کے درمیان پل بن جاتے ہیں۔ تعلق کو مضبوط کردیتے ہیں۔ تم دیکھنا تمہارا بچہ بھی خوشیاں لے کر آئے گا تمہارے لیے۔۔۔۔ کونج۔۔۔ کونج۔۔۔" وہ پکار رہی تھیں۔ مگر وہ سن ہی کہاں رہی تھی۔ لائن کٹ چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ بڑے سلیقے سے فورک پر اسپگھٹی میرینارا لپیٹ لپیٹ کر رغبت سے کھا رہی تھی۔ اور حسب عادت اتنی ہی روانی سے زبان بھی چل رہی تھی۔ جبکہ وہ نہ قصہ سن پارہا تھا نہ ہی کھا رہا تھا اس کا دھیان کبھی دائیں جانب ہوتا اور کبھی بائیں۔ اور ایسی بے چینی کیوں ہو رہی تھی وہ خود حیران تھا۔ وہ سوہا کے ساتھ پہلی بار تو کسی پبلک پلیس پر نہیں آیا تھا وہ تو بارہا آچکے تھے۔ ہمیشہ کی طرح سوہا آج بھی نک سک سے تیار تھی۔ اس نے اپنے فیورٹ ڈیزائنر کی بہت دلکش ٹیل فراک زیب تن کر رکھی تھی جالی دار ہاف سلیوز میں سے نمایاں ہوتے بے داغ سفید بازو راج ہنس کے پروں سے دمک رہے تھے۔ اک کندھے پر پڑا شان بے نیازی سے جھولتا شیفون کا باریک دوپٹا اس کی خیرہ کرتی نسوانیت کو چھپانے سے قطعی طور پر عاجز تھا وہ اپنے دلربا سے روپ کے ساتھ ہر آنکھ کو متوجہ کررہی تھی اور یہی چیز جازل کو بری لگ رہی تھی۔ بے اختیار ہی اک سیاہ چادر یاد آگئی۔ کتنا جھنجلایا تھا وہ اس کے طرز عمل پر۔ جب بہت اصرار کے بعد صرف ایک بار وہ اس کے ساتھ ڈنر کے لیے نکلی تھی۔
"میں روز نہاتا ہوں۔ اچھا سا پرفیوم بھی لگاتا ہوں کیا پھر بھی تمہیں مجھ سے بو آتی ہے؟" وہ باہر نکلنے

سے پہلے عادتاً" چہرے پر چادر ڈال رہی تھی جب وہ جل کر کہہ گیا۔ اس کی آنکھوں میں تحیر اترا تھا پھر بات سمجھ آئی تو بے ساختہ اک نرم سی مسکان لبوں کو چھو گئی۔

"جب میں گاؤں سے پہلی بار شہر پڑھنے کے لیے آرہی تھی تو اس وقت اماں نے مجھے چادر اوڑھاتے ہوئے کہا تھا۔ "یاد رکھنا میری مٹھڑی کونج" اللہ سائیں نے عورت کو اپنی حفاظت کے لیے ایک بہت خوب صورت ہتھیار دیا ہے۔ یہ ہر شیطانی شر سے بچاتا ہے۔ جب تک اس کے حصار میں رہوں گی کوئی فتنہ تمہیں چھو نہیں سکے گا۔" اور بس تب سے میں نے کبھی غفلت نہیں کی۔"

"ولیکن اب تو میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم اپنی گاڑی میں جاؤں گی کوئی خاص ضرورت تو نہیں اس کی۔" اس نے کہا تھا۔

"تو کیا گاڑی میں کسی کی نظر نہیں پڑتی۔ اور کیا تمہیں اچھے لگے گا تمہارے ساتھ چلتی عورت کو کوئی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھے؟" اس کے سوال پر وہ لاجواب ہوا تھا۔ اور اسے واقعی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ دائیں بائیں ٹیبل پر بیٹھے مرد حضرات سوہا کو دیکھ رہے تھے۔ اور قبل اس کے کہ وہ کسی سے بھڑ پڑتا کرسی کھسکا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیا ہوا؟" سوہا کو اس کے انداز نے ڈرا دیا۔

"اٹھو فورا" ہری اپ۔" وہ موبائل' چابی اٹھا کر والٹ نکال رہا تھا ویٹر کو پہلے ہی اشارہ کر چکا تھا۔ گاڑی میں بیٹھنے تک سوہا کو سمجھ نہیں آئی تھی کہ ایسا کیا ہوا ہے جو وہ یوں اٹھ بھاگا وہ بار بار پوچھ رہی تھی۔

"میں تو حیران ہوں وہ خبیث لوگ تمہیں ایک گھنٹے سے گھور رہے تھے اور تمہیں خبر تک نہیں جبکہ ایسے معاملات میں تو عورت کی حس بہت تیز ہوتی ہے۔ اسے فورا" علم ہو جاتا ہے اگلا کس نظر سے دیکھ رہا ہے۔" وہ مارے غصے کے اس پر ہی چڑھ دوڑا۔

"اوہ۔۔۔ تو کیا اتنی سی بات پر اٹھ کر آگئے ہو۔ کھانا بھی نہیں کھایا۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں جازل اور تم نے پہلے تو کبھی ایسے ری ایکٹ نہیں کیا۔ مجھے پتا چل گیا تھا اب ایسے لفنگوں سے تو دن میں جانے کتنی بار سامنا ہوتا ہے لوگ پتا نہیں کس کس نظر سے دیکھتے ہیں۔ اب کیا ہر کسی کے گلے پڑ جائیں' پھر دیکھنے والی چیز کو لوگ دیکھا ہی کرتے ہیں تمہیں تو خوش ہونا چاہیے۔ الٹا تم تو جیلس ہو گئے۔" سوہا کے لہجے میں انتہا درجے کی لاپروائی و اتراہٹ نمایاں تھی۔

"شٹ اپ۔" وہ اس کے انداز پر از حد تلملایا۔

"میری برداشت سے باہر یہ سب۔ مجھے بالکل بھی اچھا نہیں لگا۔ آئندہ تم چادر کے بغیر گھر سے باہر نہیں نکلو گی۔ سمجھیں تم۔"

"واٹ۔" سوہا کو تو کرنٹ ہی لگ گیا۔ "چادر یعنی پہلی بندش۔ پھر اس کے بعد۔۔۔" "اور بعد کا تو وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی انتہائی تنفر سے ہونٹ سکیڑ کر بولی۔ "چند دن رہے ہو نا ایک گوٹھانی کے ساتھ اثر تو آنا ہی تھا۔ کہیں کچھ اور بھی۔۔۔"

"ہاں رہا ہوں میں ایک گوٹھانی کے ساتھ۔ تم یہ کیوں بھول گئیں کہ میں بھی ایک گوٹھانا (گاؤں کا رہنے والا) ہوں۔ ساری عمر رہ سکتی ہو میرے ساتھ؟ نہیں تو از سر نو سوچ لو۔" اس کے لفظوں نے تو گویا اسے جلتے توے پر بٹھا دیا خوب ہی بھڑکا اور وہ اس سے زیادہ بھڑک اٹھی۔

"ہاں۔ ہاں۔ اب تو تم یہی کہو گے۔ میں ہی پاگل ہو جو تمہاری محبت میں پھر سے تم پر اعتبار کر بیٹھی ہوں۔ تمہاری ہر خطا کو بھلانے کی کوشش کر رہی ہوں۔ ورنہ میری جگہ کوئی اور ہوتی تو کب کا کنارا کر چکی ہوتی۔ اور کونج ابھی تک تمہارے ساتھ ہے کب چھوڑو گے اسے۔"

"میں نے تمہیں بتایا ہے میں اسے چھوڑ آیا ہوں پھر اس کا ذکر کرنے کا مطلب؟" اس بے وقت بات پر غصہ کچھ اور بڑھا۔

"جس طرح تم چھوڑ کر آئے ہو جانتی ہوں میں۔ میں پوری طرح چھوڑنے کا کہہ رہی ہوں اس کا نام ابھی بھی تم سے جڑا ہے اور یہ مجھ سے برداشت نہیں

ہو گا میں نے تو اپنی کوئی چیز کسی کے ساتھ شیئر نہیں کی۔" (مجھے آدھی ادھوری چیزوں سے نفرت ہے۔) جازل کے کان کے پاس کوئی چلایا تھا ادھر وہ کہہ رہی تھی۔

"تم تو پھر میرے لیے بہت خاص ہو۔ تم اسے ساتھ نہیں بھی رکھو گے تب بھی یہ احساس ہی مجھے سکون سے جینے نہیں دے گا کہ اس کا بھی تم سے وہی رشتہ ہے۔ پھر تمہارے گھر والے خاص طور پر بابا سائیں ان کا کیا بھروسا جیسے پہلے اتنی بڑی مصیبت تمہارے گلے ڈال چکے ہیں آئندہ بھی تمہیں پر شیئرائز کریں کہ اس کے حقوق بھی ادا کرو۔ تب پھر کیا کرو گے تم۔ سوچ لو جازل کل ہماری زندگی مشکل ہوئی تو پھر۔" وہ تشویش زدہ بھی تو بالکل ٹھیک تھی۔ جازل مہر بہ لب تھا۔ سنجیدہ تیوروں کے ساتھ ڈرائیونگ کرتا رہا۔

"میں کچھ کہہ رہی ہوں تم سے۔" وہ جھنجلائی۔

"سن لیا ہے میں نے۔ اور سب جانتا ہوں میں' مجھے اب کیا کرنا ہے۔ یو ڈونٹ وری۔ اور ہاں جو میں نے کہا ہے وہ سن لیا ہے تم نے۔ بلکہ اسے اپنے اس نازک سے پلو کے ساتھ کس کر باندھ لو۔ آئی ہوپ کہ آئندہ مجھے کہنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ دھیان رکھو گی تم۔" وہ اسے جس موضوع سے ہٹانا چاہ رہی تھی وہ گھوم پھر کر پھر اسی بات پر آگیا تھا۔ وہ کیا کرتی علاوہ دانت کچکچانے کے۔

☆ ☆ ☆

نماز کے بعد جب دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتی تو لگتا زندگی تو بس ان ہی لمحات میں ہے جب خدا سے باتیں ہوتی ہیں۔ اپنی سب بے چینیاں' بے قراریاں اور اضطراب اس کے حوالے کردو اور بے فکر ہو جاؤ وہ سنوارنے والا ہے۔ وہ خود کو یہی تسلیاں دیتی اٹھی تو نگاہ بیڈ پر جا پڑی اس کا مجازی خدا بے فکر نیند سو رہا تھا وہ چند محتاط قدم اٹھاتی قریب آکھڑی ہوئی وہ سینے تک چادر اوڑھے کروٹ کے بل لیٹا تھا جاگتے میں اس کے لیے کرختگی رکھنے والا چہرہ اب بے پناہ نراہٹ سمیٹے تکیے میں آدھا چھپا تھا۔ گھنے بالوں کے گچھے ماتھے پر بکھرے تھے سکڑتے پھولتے نتھنے۔ وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہا تھا۔ بے اختیار کونج کے دل نے خواہش کی' اس کی پیشانی پر بکھرے بالوں کو اپنی انگلیوں سے سمیٹ دے مگر وہ چاہ کر بھی نہ کر سکی۔ یہ اختیار اس نے خود کھویا تھا یہ اس کی کم فہمی تھی۔ جذباتیت یا الھڑ کھری محبت' وہ خود نہیں جانتی تھی۔ جازل تو اب اس سے خوب ہی بدظن تھا۔

اس روز غصے میں وہ رئیسہ کے آگے کوئی الٹا سیدھا بول گئی تھی جو اتفاقاً" زلیخا نے بھی سن لیا اور ایک منٹ کی بھی دیر کیے بغیر اس نے من و عن سب بی بی جان کو خبر کی تھی۔ وہ تو سن کر ایسی بدحواس ہوئیں کہ اس وقت شہر سے آتے جازل کے گلے جا پڑیں۔ جو ان سے اپنا قصور ہی پوچھ رہا تھا۔

"تم نے سمجھ کیا رکھا ہے زندگی کو۔ کوئی مذاق ہے۔ کوئی تماشا ہے۔ اتنا لاڈ پیار صرف اس لیے نہیں دیا تھا تمہیں کہ ہم سے اونچا قد نکال کر تم ہمارے پریشانیاں اکٹھی کرو۔ تم نے ہمارے دل دکھانے کی قسم ہی کھائی ہے۔ ذرا بھی جو خیال آیا ہو تمہیں بوڑھے ماں باپ کی عزت کا۔ آخر کیا برا کیا تھا تمہارے لیے جو تم نے ہمارا سکون تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ آگ لگے ایسی تعلیم کو جو تم لوگوں کو زندگی کو سمجھنے کا فارمولا نہیں سکھا سکی ادھر تم من مانیاں کرتے پھرتے ہو۔ ادھر وہ خود مختار بن بیٹھی ہے۔ تم کہتے ہو کونج بری ہے۔ چلو مان لیا وہ بری ہے۔ تو تم ہی کوئی اچھا پن دکھا دیتے۔ مگر تمہارے سر پر تو عشق کا بھوت سوار ہے ارے تم مرد ہو پہلے ایک کو بسا کر دکھاتے پھر بھاگتے دوسری کے پیچھے۔ ارے تف ہے تم پر۔ تمہیں ایک کو تو رکھنا نہیں آیا۔ دوسری کیا خاک سنبھالی جائے گی تم سے۔ گھر کیسے بناتے ہیں اور کیسے بساتے ہیں تم کیا جانو۔ میں بتا رہی ہوں جازل اگر کونج نے اپنا کوئی نقصان کیا تو میں تمام عمر تمہارا منہ نہیں دیکھوں گی۔"

جن طعنوں کے ڈر سے وہ اسے اپنائے رکھنے پر

آمادہ ہوا تھا وہی طعنے اس کی ماں اسے مار رہی تھی وہ بھی بیچ صحن میں۔ بھابھیاں دروازے کھڑکیوں کے پیچھے سے جھانکتیں اس کی عزت افزائی دیکھ رہی تھیں، کونوں کھدروں میں کھڑے ملازم انگشت بدنداں۔ بھائیوں نے آکر بی بی جان کو ٹھنڈا کرنا چاہا اور پھر جو انکشاف انہوں نے کیا جازل کا شدت سے جی چاہا تھا کاش اس پل وہ اس کے سامنے ہوتی اور وہ اس کا حلیہ بگاڑ دیتا۔ اس کا پہلا گناہ ہی کم نہیں تھا کہ اب یہ بھی۔ وہ اسے ہرگز ہرگز معاف نہیں کرے گا۔

وہ ان ہی پیروں پر شہر کے لیے نکل کھڑا ہوا تھا بی بی جان ساتھ تھیں اور یہ اچھا ہی تھا ورنہ کونج کی صورت دیکھتے ہی جتنا غصہ آیا تھا کچھ بعید نہ تھا کیا حشر اٹھاتا، بی بی جان نے کونج کی بھی ٹھیک ٹھاک خبر لی تھی۔

"میں تم پر بالکل بھروسا نہیں کر سکتی تم اس حالت میں اکیلی نہیں رہو گی۔ تمہاری پڑھائی میری نسل سے زیادہ اہم نہیں ہے۔ ہمارے خاندان کے لیے۔ بس تم چلو ہمارے ساتھ۔" اور وہ ذرا بھی چوں چرا نہ کر سکی۔

"بھول جاؤ سب باتیں۔ جو ہوا سو ہوا۔ اب اس کا خیال رکھنا پہلا فرض ہے تمہارا۔" انہوں نے بیٹے کو بھی سمجھایا تھا۔ وہ بدگمان ہو گا یہ تو اندازہ تھا لیکن وہ ایسا کٹھور ہو جائے گا یہ تو تصور میں بھی نہیں تھا، وہ بی بی جان کی ہدایت پر عمل کر رہا تھا مگر صاف دکھتا تھا صرف اس کے اندر سانس لیتی زندگی کی وجہ سے۔ ورنہ اس کے وجود کی رتی بھر پروا کا روادار نہ تھا وہ۔

وہ مرد تھا اور مرد محبوباؤں کی تو ہزار ہا غلطیاں ہنس کر معاف کر دیا کرتے ہیں۔ مگر بیوی کی خطائیں؟ پھر بیوی بھی وہ۔ جو نہ محبوبہ کا درجہ رکھتی ہو نہ محبت کی مسند تک پہنچی ہو، جس کے ساتھ جڑا ہو تو فقط ایک احساس ملکیت، اور پھر ملکیت تو اکثر بے زبان چیزیں ہوتی ہیں نا ان کی کیا مجال کہ مالک کے آگے سر اٹھا جائیں اور جو ایسی کوشش کر بیٹھے تو پھر اس کے لیے "معافی" کا لفظ استعمال کرنا اپنی توہین کے زمرے میں سمجھا جاتا ہے اور وہ سب کچھ کر سکتا تھا مگر اپنی توہین نہیں وہ اس کے کمرے میں اس کے ساتھ تو رہ رہی تھی لیکن بالکل اسی طرح ہی جیسے دریا کے دو کنارے اور ایک کنارا دوسرے کنارے کو چھو جائے یہ ممکن نہیں۔ چاہے اندر کتنی ہی لہریں کیوں نہ مچل رہی ہوں، تھی نا آخر وہ بھی ایک عورت پھر ایک عام سی عورت اور جس حال سے تھی اس میں تو ویسے بھی سینے کے اندر اپنے مرد کے لیے پورا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگتا ہے۔ جیسے معدہ اٹکھیلیاں کرتا ہے۔ کھٹا میٹھا کھانے کو مانگتا ہے ویسے ہی دل بھی ضدیں کرتا ہے ایڑیاں رگڑتا ہے شوہر سے لاڈ اٹھوانے، نخرے دکھانے کے لیے مگر ہائے۔ اب یہ اس کے بخت، وہ اسے کاٹ کھانے کو آسکتا تھا مگر باقی امر توبہ۔ توبہ ناممکن۔ اس نے تو صاف دو ٹوک الفاظ میں کہہ رکھا تھا۔

"زیادہ سے زیادہ کوشش کیا کرو مجھ سے سامنا نہ ہو۔ رات میرے کمرے میں آنے سے پہلے سو جایا کرو اور صبح میرے جاگنے سے پہلے چلی جایا کرو (دوسرے لفظوں میں دفع ہو جایا کرو) اور اس کی اب کیا مجال کہ سرتابی کر جائے۔ لیکن آج دل حکم عدولی کر گیا تھا کیا ہوا جو اسے چھو نہیں سکتی وہ اسے جی بھر کے دیکھ تو سکتی ہے نا اس کے جاگتے تو یہ ناممکنات میں ہی شمار ہونے لگا تھا وہ خود اس سے نظریں نہ ملاتی۔ مبادا خود ہی باندھے ہوئے بند ٹوٹ جائیں۔ اور وہ تو ایسا محقق القلب ہو گیا تھا کہ جیسے نیند میں بھی اس کے ارادے کی خبر ہو گئی یک لخت منہ تک چادر کھینچتا کروٹ ہی بدل گیا۔ وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئی۔ اب کمرے میں ٹھہر کر کیا کرنا تھا وہ باہر آ گئی۔

صبح سویرے کی مخصوص چہل پہل شروع ہو چکی تھی۔ کچن سے آتی گھر گھر کی آواز بتا رہی تھی زلیخا چاٹی میں مدھانی ڈال چکی ہے۔ پھر وہ لسی اور تازہ مکھن سے بھرا پیالہ خاص اس کے لیے نکال کر رکھے گی جو اسے نا چاہتے ہوئے بھی پینا پڑے گا۔ کیونکہ نہ پینے کی صورت میں شکایت جازل تک جاتی۔ اور پھر وہ اسے جس طرح کھلاتا پلاتا وہ اس کے لیے ایک بار کا تجربہ ہی

کافی رہا تھا۔
دالان میں بچھے تخت پر بی بی جان تسبیح پھیر رہی تھیں۔
وہ دھیرے سے سلام کرتی ان کے پہلو میں جا بیٹھی انہوں نے سر ہلا دیا۔ وہ اب تک اس سے خفا تھیں بات تو کرتیں مگر لہجے کی وہ پہلی سی حلاوت مفقود ہوتی۔
اسے دعاؤں کی اشد ضرورت تھی اور ان سے زیادہ کون دل سے دعا کر سکتا تھا اس کے لیے وہ قریب کھسک کر ان کے پیر دابنے لگی۔ بی بی جان نے ہاتھ ہٹانے چاہے اس نے اور سختی سے جما دیے۔ زود رنج تو پہلے ہی ہو رہی تھی لفظوں کا کال الگ پڑا تھا۔ بس اک آنسوؤں کا خزانہ دھرا تھا جو ہر بات پر مٹھیاں بھر بھر لٹاتی۔
"زندگی ٹھنڈا شربت نہیں کہ منہ سے لگا کر غٹا غٹ پی جاؤ یہ تو گرم دودھ کا وہ پیالہ ہے جسے گھونٹ گھونٹ پینا پڑتا ہے۔ احتیاط نہ برتی جائے تو اندر تک جلا کر رکھ دیتا ہے۔ ہر آنے والا دن تجربے کے اک نئے پل پر سے گزارتا ہے بار وہی لگتا ہے جو قدم جما کر رکھے۔ بے ڈھنگی چال چلنے والے گہرے پانی میں جا پڑتے ہیں پھر ڈوبنے والے تو بہت ہوتے ہیں نکالنے والے ہاتھ کم کم ہی ملتے ہیں۔ ابھی نا سمجھ ہو، بس علم اسے ہی سمجھتی ہو جو کتابوں سے ملتا ہے۔ وقت کے دیے ہوئے سبق سے کچھ نہیں سیکھا تم نے اور اگر اب بھی نہیں سمجھوگی تو بہت دھوکا کھاؤ گی۔ میں تم سے خفا نہیں ہوں میری بچی، بس غصہ ہے تم پر میرے بجائے اسے مناؤ۔ اس کا دل جیتو جو تم نے کم عقلی کے سبب ریت کے طرح ہاتھ سے پھسلا دیا ہے۔ عورت اگر انا کا چولا پہن لے تو اس کے لیے صرف فنا کی گھاٹی پیچھے رہ جاتی ہے۔ راستے میں بڑی ٹھوکریں لگتی ہیں ایک ہی زخم کو سہلانے بیٹھ گئیں تو باقی کا سفر کیسے طے ہو گا۔ بس اک ذرا سا تحمل، ذرا سا صبر اور تھوڑی سی ہمت اور ہاں پیار تو بہت ہی ضروری ہے اس کی بھی خدمت کیا کرو اسی طرح سے وہ شوہر ہے تمہارا، کتنے دن غصہ کرلے گا تم پر۔" بی بی جان نے اس کے ہاتھ تھام کر سہلائے اور ان کی سب باتیں ٹھیک۔ وہ لفظ خدمت پر

اٹک گئی جو اپنی طرف اس کی اک نگاہ برداشت نہیں کرتا وہ ایسی خدمت پر تو اٹھا کر باہر ہی پھینک دے گا۔
اسے تو یہ تصور ہی لرزا گیا۔۔۔ بی بی جان مزید کہہ رہی تھیں۔
"اٹھو زلیخا سے اچھا سا ناشتا بنوا کر خود اس کے لیے لے کر جاؤ اور اپنے ہاتھوں سے کھلاؤ۔" وہ مسکرا رہی تھیں اسے بھی ہنسی آ گئی۔ یہ کام تو پہلے سے بھی مشکل کام تھا۔ اس سے کیا بعید کھانے کے بجائے انگلیاں ہی چبا ڈالے۔ اف کونج کو جھرجھری سی آ گئی۔

☼ ☼ ☼

اس نے کہنی کے زور سے دروازہ دھکیلا تھا اور سج سج اندر چلی آئی۔
"ناشتا" یک لفظی اطلاع دیتے اس نے ٹرے ٹیبل پر رکھ دی۔ وہ نہایا دھویا نکھرا نکھرا سا ایش گرے کلر کے شلوار قمیص میں ملبوس آئینے کے سامنے بال سنوار رہا تھا۔ وہیں سے اک نظر اس کے جھکے سر پر ڈالی دوسری ٹرے پر جس میں دیسی و بدیسی دونوں طرح کے ناشتے کا اہتمام تھا وہ خود تو بہت لائٹ سا ناشتا کرتا تھا باقی لوازمات میں لسی، مکھن چپڑی روٹی، دہی سالن یقیناً" اس کے لیے نہیں تھا۔
"ہاں تو کرو ناشتا اور یہ سب کھانا ہے تم نے، زلیخا بتا رہی تھی تم نے کل بھی کھانا ٹھیک سے نہیں کھایا۔ اس طرح کی حرکتیں کر کے کیا جتانا چاہتی ہو۔ کان کھول کر سن لو تم اپنا خیال رکھو نا رکھو لیکن اپنی ڈائٹ کا خیال ضرور رکھو اور میری مجبوری ہے کہ مجھے تمہاری اتنی بھی فکر کرنا پڑ رہی ہے، ورنہ تم جیسی عورت کے منہ لگنے کا کوئی شوق نہیں ہے مجھے۔" وہ خود تو خوب ہی تروتازہ لگ رہا تھا مگر لہجے سے وہی جلے ہوئے کی بو آ رہی تھی۔ کونج نے اتنی جلی کٹی سن لی تھی کہ اب تو عادت سی ہو گئی تھی اور انسان جن چیزوں کا عادی ہو جائے پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ ان کا اثر کھونے لگتا ہے اس لیے نہایت ہموار آواز سے وہ بولی تھی۔

"یہ ناشتا صرف میرا نہیں ہے۔ تمہارا ابھی ہے بی بی جان مصروف ہیں انہوں نے خود بھیجا ہے مجھے کہ۔۔۔۔"

"بی بی جان نے تمہارے ہاتھ ناشتا بھیج دیا میرا؟ حد ہے کیا وہ بھول گئیں تم تو ان کے بیٹے کے ساتھ رہنا نہیں چاہتیں' چھٹکارا پانا چاہتی ہو اس سے تم جیسی عورت کا کیا بھروسا جو اپنے بچے کو ختم کرنے کا سوچ لے وہ تو شوہر کو بھی زہر ملا کر دے سکتی ہے کھانے میں' ہے نا۔" وہ اسے جلانے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا' کونج کے سینے میں الی سی کھبی آنکھیں جل اٹھیں تھیں یکدم کوئی ایسے لفظ ہی نہ تھے جو اس کی گواہیاں دیتے۔ اسے کچھ نہ سوجھا علاوہ اس کے کہ ٹرے میں سے جوس کا گلاس اٹھا کر ایک سپ لیا۔

"میرے خیال میں اب کوئی شک نہیں رہنا چاہیے۔" اعتماد سے کہتے اس نے گلاس واپس رکھ دیا تھا۔ جاذل نے ہونہہ کرتے وہی گلاس اٹھا کر منہ سے لگا لیا کونج کو کچھ یاد آیا تھا۔ اک دلفریب سی مسکراہٹ نے اس کے پورے چہرے کا احاطہ کر لیا۔ وہ بہت دن بعد اس طرح سے مسکرائی تھی اور وہ بھی بنا کسی بات سے۔ پھر اس کی گال کا وہ ڈمپل۔ جاذل چڑ ہی گیا۔

"کیوں مسکرائی ہو تم؟" بس نہیں چلا تھا اس کے چہرے کی مسکراہٹ چھین لیتا۔ "تم نے میرا جھوٹا پی لیا اور خود ہی تو کہا تھا اس طرح سے محبت بڑھتی ہے۔" کونج کا لہجہ کھلکھلاتا ہوا تھا۔ جاذل نے گلاس ٹرے میں پٹخ دیا جوس چھلک کر ادھر ادھر گرا وہ بے دھیانی میں پی گیا تھا' غصے میں اٹھ کر باہر نکل گیا۔ کونج کو ہنسی آئے جا رہی تھی۔ گلاس میں ابھی جوس باقی تھا اب تو وہ خود بھی اس سے محبت بڑھانے کی خواہاں تھی بنا جھجکے گلاس اٹھا کر پینے لگی۔ تبھی وہ تنتناتا ہوا واپس آیا گلاس اس کے ہونٹوں سے لگا دیکھا تو کھینچ کر دیوار سے دے مارا۔ شیشے کا نازک گلاس کئی کرچیوں میں بدل گیا۔

"میں تم جیسی عورت کے ساتھ محبت بڑھاؤں گا اب کسی بھول میں مت رہنا۔ میں تمہاری کوئی بھی بکواس بھولا نہیں ہوں۔ یہ ڈرامے کسی اور کے ساتھ کرنا میں تمہارے دام میں اب نہیں آنے والا۔ الحمد للہ ایک پاکیزہ اور صاف ستھری محبت میسر ہے مجھے۔ تم سے محبت کرنے کے تصور پر بھی لعنت بھیجتا ہوں میں' تمہیں برداشت کر رہا ہوں تو صرف اپنے ہونے والے بچے کی وجہ سے ایک غلطی ہو گئی تھی جسے بھگتنے پر مجبور ہوں' جس دن تم نے میرے بچے کو جنم دیا اس دن تم اس حویلی سے بے دخل ہو جاؤ گی۔ میں اپنے بچے پر تمہارا سایہ بھی نہیں پڑنے دوں گا۔ سمجھیں تم۔" وہ جس طرح آیا تھا واکنگ اٹھا کر ویسے ہی دندناتا ہوا چلا گیا۔ کچھ لمحے قبل وہ اس کے چہرے کی مسکراہٹ چھیننا چاہ رہا تھا اور وہ ظالم واقعی چھین کر لے گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

رئیسہ کی کال آئی تھی وہ اکثر اس کی خیر خبر پوچھ لیتیں۔ اس کی کنڈیشن سے متعلق گائیڈ بھی کرتی رہتیں۔ کونج کا بھی دل ہلکا ہو جاتا ان سے ادھر ادھر کی کہہ سن کے۔ وہ بات کر رہی تھی کہ زلیخا بی جان کا پیغام لیے آئی وہ اسے بلا رہی تھیں وہ فوراً "اٹھ کر اس کے پیچھے ہی چل دی۔

"اچھا میں پھر بھر کر کال کرتی ہوں آپ کو۔" اس نے رئیسہ سے کہا اور سیل آف کر دیا سامنے سے جاذل آ رہا تھا اسے لگا کونج نے اسے دیکھ کر کال کاٹ دی ہے۔ ایک گہری لکیر اس کے ماتھے پر ابھری۔ وہ بی بی جان کے پاس آئی تھی جو اسے دیکھتے ہی پر جوش لہجے میں بتانے لگیں۔

"کونج دھی! ادھر آؤ یہ دیکھو جاذل شہر سے تمہارے لیے کتنے اچھے کپڑے لے کر آیا ہے۔" اس کے پیچھے ہی کمرے میں داخل ہوتے جاذل کو بی بی جان کا یہ سفید جھوٹ قطعاً "پسند نہیں آیا تھا انہوں نے تو سیدھا ہی اس کا نام لے دیا جبکہ وہ لے کر ضرور آیا تھا لیکن صرف ان کے حکم پر حتیٰ کہ اسے رقم بھی انہوں نے ہی دی تھی اس کے پلے سے تو کچھ نہیں لگا تھا۔ کونج جو بڑے شوق سے ان کے بیڈ پر بکھرے کپڑوں کی

طرف بڑھی تھی اس اطلاع پر تھم سی گئی۔ وہ اور اس پر کوئی عنایت..... صد حیرت تھی گو کہ اسے یقین نہیں آیا تھا لیکن جب بی بی جان کہہ رہی تھیں تو پھر سچ ہی ہو گا ذرا کی ذرا نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا تھا' جو صوفے پر براجمان پر غرور سا گردن اٹھائے ان دونوں سے قطعی لاتعلق بی بی کی طرف متوجہ تھا۔

"کیسے ہیں۔" بی بی جان پوچھ رہی تھیں۔

"سب اچھے ہیں۔" اس نے ان کا دل رکھنے کو کہہ دیا۔ دیکھا تو ایک کو بھی دھیان سے نہیں تھا۔

"مجھے تو یہ والا سب سے اچھا لگا۔ خوب جچے گا تم پر جاؤ' ابھی پہن کر آؤ۔" انہوں نے بنفشی رنگ کا کھلا سا امبرائڈڈ کرتا اس کی طرف بڑھایا۔

اور کچھ دیر بعد جب وہ سوٹ پہن کر آئی تو بی بی جان نے بے اختیار بلائیں لے ڈالیں' گلے لگا کر ماتھا چوم لیا۔ بنفشی رنگ نے تو جیسے اس کے پورے وجود کو ڈھانپ لیا تھا۔ وہ پہلے ہی اتنی خوب صورت تھی یا اب ہو گئی تھی اس کے دھلے دھلائے چہرے پر چھائی تازگی اور ملاحت اتنی دلکش لگ رہی تھی کہ وہ بھی نظر بھر کر دیکھنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

"ماشاء اللہ میری بیٹی تو شہزادی لگ رہی ہے بالکل' ہے نا جازل؟" انہوں نے اس سے صلاح چاہی تھی جو نہ صرف نظر پھیر گیا بلکہ اٹھ کر کمرے سے ہی نکل گیا مبادا کہیں بے اختیاری میں ان کی ہمنوائی نہ ہو جائے۔

"ہیں اسے کیا ہوا؟" انہوں نے اسے جاتے دیکھا۔ پھر اسے وہ نچلا ہونٹ چبا رہی تھی۔

"ابھی تک خفا ہے تم سے؟" وہ پوچھ رہی تھیں۔ وہ کیا کہتی سر جھکا لیا۔ "اوہ ایک تو یہ مردوں کے نخرے بھی نا' اپنا کیا ہوا کچھ یاد نہیں رکھتے عورت کی ایک نہیں بھولتے اللہ ہی ہدایت دے انہیں' اچھا تم پریشان مت ہو خود ہی ٹھیک ہو جائے گا' چلو تم یہ دوسرا سوٹ بھی دیکھو۔" اس کا دھیان بٹانے کو کپڑے آگے کر دیے۔ وہ دیکھ رہی تھی جب بی بی جان کا فون بج اٹھا ریئسہ کی کال تھی جو پوچھ رہی تھیں کہ کوئی کال کیوں نہیں پک کر رہی؟

"ہیں کب آیا فون اچھا میں دیکھتی ہوں۔" اور اسے اچھی طرح یاد تھا بی بی جان سے سوٹ پکڑنے سے پہلے اس نے فون ٹیبل پر رکھ دیا تھا جو اب وہاں نہیں تھا۔

"کوئی آیا نہ گیا تو فون کدھر جا سکتا ہے۔" بی بی جان بھی یہاں وہاں دیکھ رہی تھیں۔ اس نے بھی ہر چیز دیکھ لی۔ فون ہوتا تو ملتا۔ اب انہیں کیا مزید پریشان کرتی کہہ دیا۔

"اچھا شاید میں کمرے میں لے گئی ہوں گی۔ میں بھول گئی۔ میں دیکھتی ہوں جا کر۔" اور کمرے میں آ کر وہ سر پکڑے بیٹھ گئی۔

اور اگلے ہی دن زلیخا نے چھت کی صفائی کرتے گملے کے پیچھے پڑا فون لا کر اسے تھمایا چار حصوں میں بٹا ہوا۔ اس کی آنکھیں پھٹ پڑیں۔

اندازہ تھا وہ زیادہ سے زیادہ فون چیک کر کے واپس رکھ دے گا مگر اس کے بے ضرر سے فون کا یہ حشر۔

یہ سیل فون کس قدر عزیز تھا اسے کوئی اس کے دل سے پوچھتا۔ میڈیکل کا پہلا سال بہترین مارکس سے کلیئر کرنے پر اماں نے اسے گفٹ کیا تھا اور ان سے کسی بھی وقت رابطے کا یہ واحد ذریعہ رہا تھا اس کے پاس' اس میں ان کی بہت ساری ریکارڈڈ کالز تھیں' ان کی بے شمار تصویریں جو اکثر اس کی تنہائی بانٹنے میں معاون ہوتیں اور اب ادی ریئسہ سے بات ہو جاتی تو لگتا وہ بھی زندوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس فون کو ضائع کرنے والے نے تو اس کے منہ پر لگا آکسیجن ماسک ہی کھینچ ڈالا تھا۔ صدمے کے مارے سانسیں ہی اکھڑ گئیں۔ اس کا چیخ چیخ کر رونے کو جی چاہ رہا تھا یہ اذیت کس طور جھیلے گی وہ کمرے میں آتے جازل نے دیکھ لیا تھا اس کے آگے پڑا فون اور اس کے بے دریغ آنسو وہ نخوت سے سر جھٹک گیا۔

یہ خود ساختہ عناد بھی نہ کس قدر اندھا ہوتا ہے بعض اوقات تو یہ شیطان کو بھی مات دے دیتا ہے۔ اپنے شکنجے میں پھنسا کر ایسے ایسے عمل سرزد کروا دیتا

ہے انسان کے ہاتھوں کہ وہ خود ہی دوسروں کی نظر میں بونا بن جاتا ہے لیکن افسوس تو یہ ہے کہ اسے اپنا یہ گھٹتا قد دکھائی نہیں دیتا کیونکہ آنکھوں پر نفرت کی پٹی ہی اتنی کس کر بندھی ہوتی ہے کونج کا شدت سے جی چاہا تھا ایک بار تو اس کا گریبان تھام کر پوچھے۔ اتنے دکھ دے کر کتنی خوشی ملتی ہے تمہیں مگر اس سے کچھ کہہ کر اپنے ہی دکھ اکٹھا کرنا تھا جس کی فی الوقت سکت نہیں تھی دوپٹے سے منہ پونچھتی وہ اٹھی اور کمرے سے نکل گئی۔ دشمن کے سامنے آنسو بہانے کا مطلب ہوتا ہے آپ نے ہار مان لی اور وہ اسے ایسا کوئی تاثر دینا نہیں چاہتی تھی اگر وہ اپنے ترکش میں تیر رکھتا تھا تو اس کا سینہ بھی فراخ تھا۔

☆ ☆ ☆

آج تو بابا سائیں نے اسے خوب ہی قابو کیا وہ پورے سال کے کھاتے کھول کر بیٹھے تھے۔ ساری فصلوں کا حساب کیا کیا خرچ کیا؟ کیا لگایا؟ کیا بچایا؟ جمع تفریق کر کر کے اس کی تو انگلیاں بھی درد کرنے لگیں۔ سر الگ دہائیاں دے رہا تھا۔ اللہ اللہ کر کے جان بخشی ہوئی تو وہ فوراً" اوطاق سے اٹھ کر حویلی کی طرف بھاگا ایک بہترین سی چائے کی شدید طلب ہو رہی تھی۔ وقت دیکھا رات کے دو بج رہے تھے اور بی بی جان تو دس بجے ہی کچن صاف کروا کے تالا ڈال دیتی تھیں۔ زلیخا بھی نہیں ہو گی تو چائے بنے گی کیسے؟ اور اسے وہ چائے یاد آئی جو اپارٹمنٹ میں پیا کرتا تھا۔ پورے اہتمام کے ساتھ۔ اس کی خامیاں ایک طرف کر کے دیکھا جاتا تو خوبی یہ تھی وہ بن کہے ضرورت جان لیتی تھی۔ تو کیا اب بھی؟

تو چلو پھر آج یہ بھی دیکھتا ہوں۔

وہ یہی سوچتا آ رہا تھا۔ اور وہ تو اس وقت تک سو گئی ہوتی تھی۔ نہ بھی سو رہی ہوتی تو چادر تان کر رخ پھیر لیتی۔ سوئے اتفاق کہ وہ بیڈ پر نہیں تھی کھڑکی کھولے کھڑی تھی۔ جاذل نے اک سرسری سی نگاہ ڈالی اور واش روم میں جا گھسا تولیے سے سر رگڑتا باہر آیا تو وہ اب بھی وہیں ایستادہ تھی۔ وہ کنپٹیاں دباتا اپنی جگہ پر لیٹ گیا۔ کونج نے دیکھ لیا تھا وہ خوب تھکا ہوا ہے۔ بابا سائیں نے بھی بتایا تھا کہ وہ ان کے ساتھ مصروف ہو گا۔ رات کچن بند کرنے سے پہلے زلیخا نے چائے بنوا کر اوطاق پر بھجوائی تھی' اس کے بعد تو بہت ٹائم گزر گیا تھا۔ اور وہ تو کام کرتے ہوئے کئی بار چائے پینے کا عادی تھا۔ آج بنا چائے کے کیسے کام کیا ہو گا اس نے اور کیا اب وہ سکون کی نیند سو سکے گا' وہ اسی سے کہہ بھی تو سکتا ہے۔ مگر نہیں کہے گا ہائے یہ ظالم انا' یہی تو ہے اس کا طریقہ واردات کہ اکثر اوقات یہ آپ کی ہی ذات کے لیے باعث اذیت بن جاتی ہے مگر رکھتی اسی بھول میں ہے کہ آپ نے اگلے کو تپتی بھٹی میں ڈال دیا۔ اور وہ اس سے آنکھیں پھیر کر گزر سکتی تھی لیکن وہ اس جتنی بے حسی کہاں سے لاتی۔ وہ پاؤں گھسیٹتی چلی گئی تھی جاذل نے ناگواری سے اسے جاتے دیکھا۔ پھر آنکھیں موند لیں۔ اف یہ سرور اور اسے اونگھ آ گئی تھی شاید جب کہیں بہت پاس کھٹ پٹ ہوئی وہ کپ پر چمچ بجا رہی تھی وہ پوری ٹرے لے کر آئی تھی اس کے خیال کے عین مطابق' وہ فیل نہیں ہوئی تھی وہ یقیناً" اچھے نمبروں کی حق دار تھی لیکن کیا وہ اسے رعایتی پاس بھی کر پائے گا۔ وہ حیران تو ہوا تھا مگر اظہار غیر ضروری تھا سو چپ چاپ اٹھتے ہوئے مکمل حق سمجھ کر کپ اٹھا لیا وہ پھر کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی تھی اور رات کے اس پہر باہر کے اندھیرے میں کیا تلاش کر رہی تھی وہ۔ اور وہ بنا سوچے ہی بول گیا۔

"ایسا کیا ہے وہاں کہ دیکھ رہی ہو؟" کونج گھبرا کر پلٹی۔

"کک کچھ نہیں بس ویسے ہی۔"

"اور یہ میرے سلیپرز کیوں پہن رکھے ہیں تمہارا جوتا ٹوٹ گیا ہے کیا؟"

"نن نہیں۔ وہ ایکچویلی میرے پیر پھنس رہے تھے اس میں تو۔۔۔" اس نے جھٹ سلیپرز میں سے پاؤں نکالے تو جاذل نے دیکھا اس کے دونوں پاؤں سوج رہے تھے آج کل اکثر ہی بی بی جان اسے کہہ رہی

تھیں "کونج کا خیال رکھا کرو اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے ان دنوں میں اسے تمہاری دل جوئی کی زیادہ ضرورت ہے ہم سب تو اس کی کیئر کرتے ہی ہیں مگر تمہارا اچھا رویہ ہی اس کا آدھا درد کم کر دے گا۔" اور وہ روز ان کی تاکید ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیتا۔ "وہ خود بہت سمجھ دار ہے رکھ لے اپنا خیال" لیکن اس پل اس کے چہرے پر بھی چھائی بے چینی اور زردی دیکھ کر اگنور کرنا' ناممکن ہو گیا۔

"کیا بات ہے طبیعت خراب ہے تمہاری؟ کب سے کھڑی ہو اس طرح ایسے تو اور تکلیف ہو گی' تم نے بی بی جان کو کیوں نہیں بتایا یا زینب بھابھی کو بلا لیتیں اپنے پاس۔"

"رات کے اس پہر کسی کو بے آرام کرنا اچھا نہیں لگا مجھے اور ایسا تو ہوتا رہتا ہے اکثر' کوئی اتنا مسئلہ نہیں ٹھیک ہو جاؤں گی۔" وہ بمشکل خود کو گھسیٹتی صوفے پر جا بیٹھی اور وہ کیسے چل کر نیچے تک گئی ہو گی اور کس طرح سیڑھیاں چڑھ کر آئی ہو گی یہ اندازہ کرتے ہی جاذل سے اگلا سانس لینا دشوار ہو گیا وہ کتنا ہی بدگمان سہی لیکن شکر ہے ابھی اتنی انسانیت باقی تھی کہ اس کی تکلیف کو محسوس کر گیا تھا۔ وہ اٹھ کر اس تک آیا۔

"چلو اپنے بستر پر لیٹ جاؤ خود کو مزید کیوں تھکا رہی ہو اور تم چائے بھی بنانے چلی گئیں اپنی حالت تو دیکھو پہلے۔" اور کونج کہنا چاہتی تھی کہ "جنہیں ہر طرف صرف محبوب نظر آتا ہو وہ اپنی حالت کی فکر نہیں کرتے۔" مگر زبان تالو سے جا لگی سانس پہلے ہی بے ترتیب تھی اس کے قرب نے دھڑکن بھی منتشر کر دی۔ اس کے گرم ہاتھوں کا لمس سے سرد وجود کپکپا سا گیا کچھ بولنے کی کوشش میں ہونٹ بس لرز کر رہ گئے۔ وہ اسے سہارا دے کر بیڈ تک لے آیا تھا۔

"میڈیسن لی ہے تم نے کھانے میں کیا کھایا تھا۔ ایک تو تم کھانے کی بہت چور ہو ذرا بھی پروا نہیں ہے تمہیں اپنی' بی بی جان بتا رہی تھیں تم میں بلڈ اور آئرن کی شدید کمی ہے تمہیں پتا ہے نا کہ ایسے تو بچے کی صحت۔"

"ہاں مجھے سب پتا ہے۔ میں جانتی ہوں بچے کی صحت متاثر ہو گی۔ مجھے خیال کرنا چاہیے۔ میں جان بوجھ کر نہیں کھاتی میں لاپروا ہوں مجھے بالکل فکر نہیں' یہ بچہ تمہارا ہے۔ تم مجھ سے جو اتنی سی بات بھی کر لیتے ہو وہ اسی کے صدقے میں کرتے ہو مجھ جیسی عورت کے منہ لگنا تمہیں پسند نہیں۔ جب یہ بچہ دنیا میں آجائے گا تو تم اسے مجھ سے چھین لو گے اور مجھے اپنی زندگی سے نکال دو گے۔ بس یا اور کچھ۔" یکدم اس کی بات قطع کرتی وہ رٹو طوطے کی طرح پھولی سانسوں کے ساتھ دہرائے چلی گئی۔ یہ جملے اتنی بار سن لیے تھے کہ خوب ازبر ہو گئے تھے۔ جاذل کی ہمدردی اسے اچھی لگی تھی یا بری وہ خود نہیں سمجھ پائی۔

"تم مجھے برا سمجھتے ہی نہیں کہتے بھی ہو' ہاں ہوں گے مجھ میں ہزاروں عیب مگر میں جو اتنے مہینوں سے اسے اپنے خون سے سینچ رہی ہوں۔ جس کا ننھا منا وجود میں ہر پل محسوس کرتی ہوں' جس کا دل میرے دل کے ساتھ دھڑکتا ہے' جو ابھی صرف میرے وجود کا حصہ ہے تمہیں جب میری کوئی پروا نہیں تو تم مجھ سے زیادہ اس کی فکر کیسے کر سکتے ہو۔ مجھ سے زیادہ کیسے محبت کر سکتے ہو اس سے' نہیں ہے تمہیں اس سے کوئی محبت تم اس طرح کی باتیں کر کے صرف مجھے اذیت دیتے ہو میں کیسے لاپروا ہو سکتی ہوں اپنے بچے سے' میں کچھ بھی جان بوجھ کر نہیں کرتی۔ میں مر رہی ہوں اتنے دنوں سے یہ سوچ سوچ کر کہ تم میرے بچے کو مجھ سے جدا کر دو گے تم میرے زندہ رہنے کی واحد امید بھی چھین لو گے مجھ سے۔

کیا تم سچ میں اتنے ظالم بن جاؤ گے جاذل؟ کیا تمہیں مجھ پر ذرا بھی ترس نہیں آئے گا۔" جس خوف نے کئی راتوں سے اس کی نیندیں اڑا رکھی تھیں اس کی روح کو اپنے نوکیلے پنجوں میں جکڑ رکھا تھا' جو اس کے دل سے چمٹا ہوا ہر رگ سے لہو چوس رہا تھا' اس کے ذرا سے التفات پر بے قرار ہو کر ہونٹوں تک آ گیا۔ وہ اس کا دامن تھامے پوچھ رہی تھی۔ وہ کیا کہتا فوری طور پر کوئی جواب ہی نہ بن پڑا۔

"ایک عورت جب تخلیق کے مراحل سے گزر رہی ہوتی ہے تو اسے بے شمار تکلیفیں سہنا پڑتی ہیں۔ بڑے درد بھوگتی ہے۔ نو مہینے ایک لمبا عرصہ ہوتا ہے اس کا ہر لمحہ کانٹوں پر گزرتا ہے اور پھر جب وہ بچے کو جنم دیتی ہے تو گویا موت اور زندگی کے درمیان کھڑی ہوتی ہیں ۔۔۔ میری آخر ایسی کیا خطا ہے جاذل جو تم نے پہلے ہی فیصلہ کر لیا' کیا خبر اس وقت میرے سرہانے کھڑی زندگی ہار جائے اور موت....."

"فار گاڈ سیک کونج بس کر دو اب۔" اس کے لفظ تھے یا کرنٹ جو بت بنے جاذل کو چھو گئے۔ وہ ہوش میں آتا بے اختیار ٹوک گیا۔

"یہ کس طرح کی باتیں کر رہی ہو۔ تمہیں احساس ہونا چاہیے اپنی کنڈیشن کا۔" وہ لاکھ خفا سہی مگر اس کے منہ سے ایسی سخت بات نہایت بری لگی تھی۔ اور وہ انتہائی معصومیت سے آنکھیں پھیلائے استفسار کر رہی تھی۔

"صرف مجھے؟" وہ بے اختیار نظریں چرا گیا جواب کہاں سے لاتا۔

"بہت بول لیا تم نے اب سو جاؤ چپ چاپ، بہت رات ہو گئی ہے۔" اپنی خفت چھپانے کو وہ ٹھنڈی چائے کا کپ اٹھا کر کھڑکی میں جا کھڑا ہوا۔ پھر وہ تو سو گئی تھی شاید لیکن اس کے سوالوں نے ساری رات جاذل کو جگائے رکھا۔

✲ ✲ ✲

وہ بی بی جان کے کمرے میں آیا تھا لیکن وہاں اٹھتے گرد و غبار کے طوفان نے اسے دروازے پر ہی روک لیا۔ زلیخا لمبے سے بانس پر کپڑا باندھے دیواریں جھاڑ رہی تھی۔ کونج بھی وہیں تھی جو اسے ہدایات دیتی جا رہی تھی۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو باہر نکلو فوراً"۔۔۔" اسے دیکھتے ہی وہ ڈپٹ کر بولا۔

"وہ مجھے بی بی جان نے۔۔۔" اس کے تیوروں نے کونج کو بات ہی مکمل نہ کرنے دی۔

"تمہارا دماغ ٹھیک ہے؟ کتنی ڈسٹ اڑ رہی ہے ہر طرف اور تم مزے سے کھڑی ہو پھر طبیعت خراب ہو گئی تو' چلو باہر۔ اپنے کمرے میں جاؤ۔"

کچن سے نکلتی بی بی جان نے عینک کے اوپر سے بغور بیٹے کا انداز ملاحظہ کیا کونج نے حکم کی تعمیل کی تھی وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ان کی طرف آ رہا تھا۔

"کیا بات ہے کیوں اتنا چلا رہے ہو کیا میں تمہاری بیوی سے کوئی کام بھی نہیں لے سکتی۔ تمہاری بھابھیوں نے ساری حویلی کی ذمہ داری سنبھال رکھی ہے۔ اب اس کا بھی فرض ہے کہ وہ ان کا ہاتھ بٹائے۔"

"مگر بی بی جان آپ دیکھیں تو سہی اس کی حالت۔" ان کا لہجہ تو یکسر بدلا ہوا تھا وہ منمنا کر رہ گیا۔

"کیا اس کی حالت۔" ساری عورتیں بچہ پیدا کرتی ہیں وہ کوئی نیا کام تو نہیں کرنے جا رہی یوں بھی آخری دنوں میں جتنا کام کرے گی اس کے لیے یہ فائدہ مند ہو گا۔

خالی دماغ شیطان کا گھر بن جاتا ہے۔ فارغ رہے گی تو طبیعت ہی خراب ہو گی نا۔ بہتر ہے مصروف رہے۔ پھر تمہیں کس بات کی فکر لگ گئی ہے۔ چھوڑو رے تمہیں کیا۔" انہوں نے گویا ناک پر سے مکھی اڑائی۔ وہ لاپروا تھیں مگر اس کے لیے ان کی لاپروائی ہضم کرنا مشکل تر ہو گیا۔

"لیکن بی بی جان آپ اسے ایک بار ڈاکٹر کے پاس تو لے جائیں آپ نے دیکھا نہیں کہ کیسے اس کا....."

"ارے بابا میں کیوں لے جاؤں کسی ڈاکٹر کے پاس۔ وہ خود جو ڈاکٹر ہے اس کی ڈاکٹری بھلا کس کام کی جو وہ خود اپنا خیال نہ رکھ سکے۔ پھر ویسے بھی میرے پاس اتنی فرصت کہاں تم نے کبھی دیکھا ہے میں پہلے کسی بہو کو لے کر گئی ہوں۔

بہو جانے اور اس کا مسٹرس (شوہر) جانے۔ تمہاری بھابھیوں کو ہمیشہ تمہارے بھائی ہی لے کر گئے ہیں۔ جن کو فکر ہوتی ہے وہ خود کرتے ہیں اپنے کام۔ تمہیں فکر ہے تو لے جاؤ خود' نہیں ہے تو چھوڑ دو اس کے

حال پر تم ہلکان مت ہو خواہ مخواہ۔" وہ مہندی گھول رہی تھیں پورے دھیان سے پیالے میں چمچ گھمانے لگیں۔ وہ ان کے صفاچٹ جواب پر تلملا کر پلٹ گیا۔
"کونج کو بھیجو جا کر۔ یہ مہندی میرے بالوں میں لگا دے۔ اب اتنا سا کام تمہاری بیوی سے لے سکتی ہوں نا کہ وہ بھی نہیں۔" انہوں نے آواز لگائی تھی۔ جاذل نے مڑ کر نہیں دیکھا اگر دیکھتا تو جان لیتا۔ بی بی جان کے چہرے پر کس قدر پرسکون مسکراہٹ کھیل رہی ہے۔

☼ ☼ ☼

اس نے زرد اور سفید رنگ کا بے حد دلکش لباس پہن رکھا تھا پیروں میں سفید موتیوں جڑے جوتے، گیلے بال سلجھا کر کیچر میں مقید کر لیے۔ آنکھوں میں کاجل کی دھار اور ہونٹوں پر سرخ رنگ کی لپ اسٹک پھیر لی تھی۔ آئینہ بتا رہا تھا وہ بہت خوب صورت لگ رہی ہے۔ اسے اپنے آپ پر پیار آیا۔
"اچھی لگ رہی ہو۔ ایسے ہی بنی سنوری رہا کرو۔" زینب نے بھی دیکھا تو سراہا۔
"آج تو بہت خوش لگ رہی ہے میری دھی۔" بی بی جان نے اس کی آنکھوں میں چمکتے جگنو دیکھ لیے تھے وہ مسکراتے لبوں سے انہیں بتانے لگی۔ "جاذل نے کہا ہے کہ وہ تیاری کر رکھے بہت جلد وہ اسے شہر لے جائے گا۔"
"یہ تو اچھی بات ہے شکر ہے میرے نالائق بچے کو بھی عقل سوجھی۔" وہ ہنس دی تھی۔ بی بی جان نے اس کی خوشیوں کے دائمی ہونے کی دعا کی وہ مسرور سی ان سے ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی۔ انہوں نے پہلی بار اسے اتنے اعتماد سے بولتے سنا۔
"ارے واہ ہماری کونج کو تو ہنسنا بھی آتا ہے۔ ہم تو تمہیں سڑیل مزاج سمجھتے رہے۔ مجھے تو لگتا تھا تم اپنی پڑھائی کا رعب ڈالتی ہو ہم پر۔" زینب شرارت سے کہہ رہی تھی۔ کونج حیران رہ گئی۔
"اف۔ آپ نے ایسا سمجھا مجھے 'میں اور پڑھائی کا رعب توبہ کریں بھابھی۔"

"اور میں سمجھتی رہی اسے اپنے لمبے بالوں کا غرور۔" سبین ایک ہاتھ میں فیڈر اور اپنی چھوٹی سی پونی ہلاتی آرہی تھی دوسرے بازو پر بیٹے کو لٹکا رکھا تھا۔ جسے واکر میں ڈال کر فیڈر پکڑا دیا جس کی عادت تھی آدھا دودھ پیتا اور آدھے سے صحن میں چھڑکاؤ کرتا۔
اور یہ الزام پہلے سے بھی برا تھا کونج کی ہنسی نہیں رک رہی تھی۔
"چلو بس کرو اب جاؤ دیکھو زلیخا نے چائے بنائی ہو گی کہیں پھر نہ بھول کر میرے کپ میں چینی ڈال دے۔" بی بی جان کو ہول پڑ گئے۔ وہ اتنی پیاری لگ رہی تھی کہ ڈر گئیں کہیں نظر ہی نہ لگ جائے گھبرا کر ٹوک دیا۔ وہ سر ہلا کر اٹھ گئی اور اگر انہیں خبر ہوتی اگلے لمحوں میں کیا قیامت آنے والی ہے تو بخدا وہ اسے کبھی نہ اٹھاتیں وہ بہت عرصے بعد اتنا ہنسیں تھی اور ہنسی اسے راس نہیں آئی تھی۔
سبین کے بیٹے نے حسب معمول صحن کو دودھ سے دھو دیا تھا۔ وہ اپنے دھیان میں مگن سی چلتی پھسل کر گری تھی۔ اس کی چیخ پر بی بی جان نے کلیجہ تھام لیا۔ زینب اور سبین اس کی طرف بھاگی تھیں۔ سیڑھیاں اترتے جاذل نے بھی یہ منظر دیکھا اور لگا وہ اگلا سانس نہیں لے پائے گا۔

☼ ☼ ☼

"وہ بہت چھوٹی تھی محبت کا لفظ سن رکھا ہو گا مگر مفہوم سے آشنائی نہیں تھی۔ وہ روز رات کو کہانی سن کر سویا کرتی۔ کبھی اماں سے یا کبھی میرے بستر میں گھس آتی۔ اسے بہادر پریوں کی کہانیاں پسند تھیں پھر اک رات اس نے خوب صورت شہزادے کی کہانی کی فرمائش کر ڈالی۔
اور جب کہانی سناتے شہزادے کا تصوراتی خاکہ بیان کرنے لگی تو فٹ بولی۔
"اتنا خوب صورت شہزادہ جیسے جاذل ہے نا آدی؟" اس نے ایک ہی مثال میں قصہ لپیٹ دیا۔ میں نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔

"جاذل کہاں سے یاد آگیا تمہیں!"

"جب ہم ماما سائیں کے شہر والے گھر گئے تھے نا تو اس روز اس نے سفید کڑک دار کپڑے پہن رکھے تھے اور پیروں میں سیاہ چپل مگر پتا نہیں وہ اتنا غصہ میں کیوں تھا کسی سے سیدھے منہ بات نہیں کر رہا تھا اور میری طرف تو اس نے دیکھا بھی نہیں مگر وہ مجھے بہت اچھا لگا بالکل شہزادوں جیسا۔" اس کے چہرے پر معصومیت تھی اور لہجے میں حد درجے سادگی۔ اور پھر ہر کہانی کا شہزادہ بالکل جاذل جیسا ہوتا۔ وہ اماں کے بعد مجھ سے بہت قریب تھی جو بات ان سے نہ کہہ پاتی مجھ سے کہہ دیتی۔

جاذل نام کے دیے اس کی آنکھوں میں لو دینے لگے تھے۔ میں نے ٹوکا تو بڑی بردباری سے بولی۔

"محبت بے شک بے اختیاری جذبہ ہے اور یہ میرے دل پر اس وقت اترا جب میں اس کے معنی۔۔۔ بھی نہیں جانتی تھی لیکن میں نے ایک بات چیت اچھے سے سیکھ لی ہے ادی عورت کے لیے محبت اس سیلاب کی مانند ہوتی ہے جو اسے مغلوب کرلے تو بہا کر لے جاتا ہے برباد کر دیتا ہے۔ لیکن اگر عورت اس سیلاب کے آگے بند باندھنے کا گر جان لے تو بہت سی تباہ کاریوں سے بچی رہتی ہے۔ سو بے فکر رہیں میں ایسا کوئی عمل نہیں کروں گی جو مجھے خود سے بھی شرمسار رکھے۔ پھر اس کا داخلہ میڈیکل میں ہو گیا۔ ماما سائیں مبارک باد دینے آئے تو اماں سے کہا کہ کوئج لاشاری ہاؤس میں رہے گی ہاسٹل کا اضافی خرچ اٹھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس نے سنا تو صاف منع کر دیا۔

"ارے بے وقوف کیوں منع کیا وہاں تو جاذل بھی ہے۔" میں نے کہا تو پتا ہے کیا بولی۔

"اسی لیے تو منع کیا۔ محبت کی کتاب پڑھنے کی ابھی فرصت نہیں میں دہرے امتحان نہیں دے پاؤں گی۔ انسان کو بوجھ اتنا ہی اٹھانا چاہیے جو وہ باآسانی ڈھو سکے۔ قوت سے زیادہ وزن وقت سے پہلے کمر خمیدہ کر دیتا ہے۔ میں نے ماں کا خواب پورا کرنا ہے۔ ان کی خواہش سے پہلے میرے لیے کچھ اہمیت کا حامل نہیں۔ چاہے وہ میرے جذبے ہی کیوں نہ ہوں۔"

پھر اک دن وہ میرے پاس آئی۔ ستا ہوا چہرہ بجھے ہوئے دیے کیا ہوا۔ میں اس کے چہرے کی ویرانی دیکھ کر ڈر گئی۔ میرا دل ہول گیا وہ بمشکل بولنے کے قابل ہوئی۔

"محبت کی طاق پر رکھا دیا آج بجھ گیا۔ میرے جذبے جنہیں میں اتنے عرصے سے قیمتی حروف کی طرح سنبھال سنبھال کر رکھ رہی تھی وہ تو اندر سے کھوکھلے نکلے۔ شہزادہ تو بہت نرم دل ہوتا ہے نا ادی! وہ اتنا سنگدل نکلا میرا دل ہی روند دیا آج محبت کی کہانی ختم ہوئی۔" اس کے آنسو نہیں تھم رہے تھے میں کیا کہتی میری اپنی زبان پر قفل پڑ گئے۔ زخم سوئی سے لگے یا سلاخ سے ایک دم کبھی نہیں بھرتا اسے مندمل ہونے کے لیے وقت کا مرہم درکار ہوتا ہے۔ کسی کو زیادہ کسی کو کم۔ پھر آخر کار صبر کا کھرنڈ اسے ڈھانپ ہی لیتا ہے۔ وہ بھی سنبھل جائے گی اور جو کہتی تھی محبت کے ہاتھوں بے بس نہیں ہوگی تو میں نے اسے رنجیدہ دیکھا لیکن وہ کمال حوصلے سے اندر کی اداسی کو جھوٹی ہنسی کے لبادے میں چھپانے کا فن سیکھ رہی تھی۔

اور پھر اچانک سے وہ ہوا جو ہم و گمان سے پرے تھا اماں کی شدید بیماری اور شاید وہ جان گئی تھیں کہ عمر کی نقدی تمام ہونے کو ہے اور وہ ماں تھیں انہیں یقیناً اس کے دل کے موسموں کی بھی خبر تھی تب ہی تو بلا جھجکے ماما سائیں کے سامنے دست سوال دراز کر بیٹھیں میں نے اسے کہا۔

تمہارے جذبے سچے تھے کونج۔ دیکھو قدرت کیسے مہربان ہوئی ہے تمہیں شاہراہ محبت پر لے جا رہی ہے۔ لیکن وہ تو صاف منکر ہو گئی۔

"اس کے جذبے تو میرے لیے نہیں ہیں نا۔ وہ انہیں پہلے ہی کسی کے نام کر چکا ہے اب اماں اور ماما سائیں کے کہنے پر وہ مجھ سے شادی کر بھی لے تو کیا دے گا وہ مجھے، نہ محبت نہ عزت اس کا دل تو ہمیشہ خالی برتن جیسا رہے گا میرے لیے۔ مجھے اس کا ایسا ساتھ نہیں چاہیے، جو میری خودداری چھین کر مجھے بے

وقعت کر دے۔ مرد کی بے گانگی عورت کو اندر سے کھا جاتی ہے۔ آپ اماں اور بابا کو بھول گئیں کیا۔ لیکن مجھے سب یاد ہے اور میں ایسا کوئی کردار نہیں بننا چاہتی میں نے اس کی آنکھوں میں اپنا عکس دیکھنا چاہا ہے۔ بے رخی کیسے برداشت کر پاؤں گی۔ اس کی محبت چاہی ہے۔ اس کی بے زاری تو مار ڈالے گی مجھے۔ یک طرفہ محبت شاہوں کو بھی فقیر بنا دیتی ہے۔ میں نہیں چاہتی میں اپنا کاسۂ دل لے کر تمام عمر اس کے پیچھے پیچھے پھرتی رہوں۔ اس کی اک اک نظر الفت کے سکے کو ترسوں۔ آپ کسی طرح سمجھائیں اماں کو پلیز" وہ سخت خوفزدہ تھی۔

اس کے دل میں تمہارے لیے محبت تھی اور تم سے شادی کے لیے وہ صرف اماں کی محبت میں راضی ہوئی۔ محبت کتنا میٹھا لفظ ہے۔ لیکن اگر اس کے اثر کی جانچ کی جائے تو یہ زہر سے بھی بدتر نکلے گا۔ بظاہر مہربان محبت کتنی سفاک ہوتی ہے کیسے کیسے خراج وصول کرتی ہے انسان سے۔" رکیسہ کی آواز بار بار بھرا جاتی۔ بول بول کر تھک گئیں۔ ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوٹا تو پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔ اس کا دل بھی بے اختیار مچلا انہی کی طرح زور زور سے چیخ چیخ کر رونے کو، شاید کہ اس طور اندر برپا غبار کم ہو۔

اک روز حشر کا وعدہ اللہ کا ہے جہاں اس دنیا کے بعد ہماری حاضری ہو گی اور کیسا ہو گا وہ وقت یقیناً بے حد اذیت دیتا شرمسار کرتا لیکن اس سے بھی پہلے وہ یوم حساب جو ہمیں جیتے جی چکانے پڑ جائیں ان کی کٹھن ایسی جان لیوا ہو سکتی ہے کہ، لگے گردن تک جلتی ریت میں دھنسا دیے گئے ہوں۔

اس نے تو کہا تھا "جب یہ طے ہے کہ تم پورے میرے نہیں ہو سکتے تو پھر میں تمہارے ساتھ کیوں رہوں۔ مجھے آدھی ادھوری چیزوں سے نفرت ہے۔"

اور یہی ضد تو سوہا نے بھی پکڑ رکھی ہے۔ "میں تمہیں کسی کے ساتھ شیئر نہیں کر سکتی۔" اور وہ اس کی کیفیات تو سمجھ رہا تھا لیکن اس کی خواہش کو کیوں نہیں جان پایا۔ صرف لفظوں کا ہیر پھیر تھا ورنہ بات تو ایک ہی تھی۔

"محبت کا نام صرف محبت ہوتا ہے۔ اس کا کوئی اور نام نہیں ہوتا۔ ہاں ہے مجھے بھی کسی سے محبت۔" اس نے اعتراف کیا تھا اور اس نے جاننے بوجھنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی خود سے مفروضے گھڑ کر بدگمانیوں کے پہاڑ بناتا رہا۔ اور جب اس کے سیل فون میں اپنا نمبر "محبت" کے نام سے سیو دیکھا تو مارے طیش کے سیل ہی توڑ دیا۔ وہ اسے اس کی چالاکی سمجھا تھا اس کی مکاری گردانتا رہا اور اسے تو بس اپنی ہی محبت کی پڑی تھی اور اپنے اندر اٹھتے ابال وہ کیسے کیسے سخت لفظوں کی صورت اس پر انڈیلتا رہا اتنا لحاظ بھی نہ رکھتا کہ وہ اس کی مہمانی سے کن حالوں میں ہے۔ جن دنوں اسے ڈھیروں توجہ اور محبت کی ضرورت تھی وہ اسے کچوکے لگاتا رہا۔ اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار تسکین دیتے تھے۔ وہ اپنے رویے پر خود کو حق بجانب جانتا وہ اسی لائق تھی۔

ندامت کا پلڑا بھاری ہوتا جا رہا تھا اور اسے دوسرے پلڑے میں رکھنے کے لیے عمل ڈھونڈنے پڑ رہے تھے۔ جو ہوتے تو ملتے۔

وہ تو اس رات بھی پیچ و تاب کھا کر رہ گیا تھا جب اس پر ترس کھاتے کہا تھا کہ "تم تیاری کر رکھنا مجھے جیسے ہی وقت ملا میں تمہیں شہر لے جاؤں گا۔ تمہارا ڈاکٹر کے پاس جانا بے حد ضروری ہے۔ بلکہ بہتر ہو گا تم ڈلیوری تک وہیں رہو۔" وہ اتنی سی بات پر ہی کتنا خوش ہو گئی تھی۔ اس کا خود کے لیے فکر مند ہونا اچھا لگا تھا۔ چند لفظ ہی تو تھے مگر اس کا مرجھایا چہرہ کیسے پھر سے گلاب بن گیا تھا۔ مسکان اس کے ہونٹوں پر کھلی جا رہی تھی۔ اور وہ اس کی کیفیت کو کسی اور ہی تناظر میں دیکھ رہا تھا کسی اور ہی پیمانے میں تول رہا تھا۔ دل پر چھائی سیاہ دھند اور گہری ہونے لگی۔ وہ اپنی الجھی سلجھی سوچوں میں گھرا تھا وہ سکون سے سو رہی تھی اور کیوں بے قراری سی بے قراری غصہ حد سے سوا ہوا تو اسے جھنجوڑ کر جگا دیا۔ پھر خود حیران اسے جگایا کیوں؟ ادھر وہ گلابی خوابیدہ آنکھوں میں تحیر بھرے دیکھ رہی تھی۔

"کچھ نہیں سو جاؤ۔" وہ نظر چرا کر کروٹ بدل گیا۔

"کیا بات ہے جانل سر میں درد ہے کیا؟ چائے بنا لاؤں۔" کونج کو پھر نیند کہاں اتنے مہینوں میں ایسا پہلے تو کبھی نہیں ہوا تھا وہ بے اعتنائی کی چادر تانے سو جاتا اب ضرور کوئی وجہ تھی۔

"میں نے کہا نا 'سو جاؤ؟'" وہ حد درجہ اجنبی ہوا لیکن کونج کے دل کو تو بے چینی لگ گئی تھی سنا ہی نہیں جیسے 'وہ پریشان سی اس پر جھک آئی۔ نرم انگلیاں ماتھے پر سرسرائیں گویا ہر واہمہ ہر شک کا کانٹا نکال کر لے گئیں۔

اور اس روشن رات کی صبح کیسی اندھیر ثابت ہوئی تھی۔

وہ مسرور سی نکھری نکھری کتنی دلربا لگ رہی تھی۔

وہ جان بوجھ کر سویا بنا رہا۔ یہاں تک کہ وہ کمرے سے چلی گئی اور کاش وہ اسے جانے نہ دیتا اسے روک لیتا اسے چھپا لیتا۔ کاش۔

☼ ☼ ☼

زیست کا چراغ ہتھیلی پر رکھ کر آندھیوں کے درمیان سے کوئی گزرا ہے کبھی؟ بنا پتوار کی کشتی میں سمندر پار کیا ہے کسی نے؟

جب موت و حیات پنڈولم کی طرح دائیں بائیں جھولتے ہوں اور کوئی خبر نہ ہو کہ اگلے پل کس سمت پہ گھڑی تھم جائے۔ ایسا سفر کس نے کیا ہو گا؟

ہاں اس نے کیا تھا۔ جب بے حال کونج کو لیے وہ اندھا دھند ڈرائیونگ کرتا شہر کو بھاگا تھا۔ ایک ایک لمحہ قیامت کی گھڑی بن گیا تھا۔ ہر ہر سانس سینے میں اٹک رہی تھی۔ مڑ مڑ کر وہ پچھلی سیٹ پر بے سدھ پڑی کونج کو دیکھتا تھا اور کلیجہ شق ہوتا تھا۔ بس نہیں چلتا تھا کیسے اڑان بھرے اور سفر تمام ہو۔

بی بی جان کی تسبیح مسلسل گھوم رہی تھی۔ حویلی کا اک اک فرد دعا گو تھا۔ ادا امان' اسرار اسے حوصلہ دیتے رہے۔ پر کہاں دل انجانے خدشوں سے لرز رہا تھا۔ ہاسپٹل کے کوریڈور میں چل چل کر پاؤں شل ہو گئے۔ لبوں پر دعائیں تھیں۔

اک کرخت چہرہ نرس نے آکر بی بی جان کے شانے پر ہاتھ رکھے پوتی کی مبارک باد دی۔

"اور.... اور کونج وہ کیسی ہے؟" وہ بے تابی سے آگے بڑھا۔

"پری میچور ڈلیوری کے باعث بے بی کی حالت تسلی بخش نہیں اسے انتہائی نگہداشت میں رکھا گیا ہے ابھی آپ نہیں دیکھ سکتے۔ گرنے کے سبب پیشنٹ کے سر کے پچھلے حصے پر چوٹ آئی ہے وہ ابھی تک ہوش میں نہیں آئیں' فی الحال کچھ نہیں کہا جا سکتا آپ سب دعا کریں۔" وہ بے تاثر لہجے میں کھٹ کھٹ بولی اس کی روح فنا کر کے واپس چلی گئی۔

"او گاڈ!" اسے لگا وہ پورے قد سے گر پڑے گا۔

"حوصلہ میرے بچے حوصلہ کچھ نہیں ہو گا اسے' اللہ سائیں ہیں نا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا ان شاء اللہ۔" بی بی جان کی آنکھیں برس رہی تھیں مگر اسے دلاسا دیتی رہیں۔

اور چار دن بعد کمبل میں لپٹی ننھی سی گڑیا ڈاکٹر نے اس کے حوالے کی تھی۔ جسے سینے میں بھینچ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ ان سب کی بے شمار دعاؤں اور ڈاکٹرز کی بھرپور کوشش کے باوجود کونج کو تا حال ہوش نہیں آیا تھا۔

اس کی زندگی کی سب سے بری خبر یہ تھی کہ سر پر لگنے والی چوٹ کے باعث وہ کوما میں جا چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ رو رو کر بول رہی تھی۔ اور بول بول کر رو رہی تھی۔ وہ خفا تھی۔ لڑ رہی تھی۔ وہ جتنا بھی واویلا کرتی کم تھا۔ وہ یوں بیٹھا تھا جیسے کچھ سنائی نہیں دے رہا۔ تصویر تو آ رہی تھی مگر آواز نہیں۔ وہ خلا میں معلق تھا۔ احساسات منجمد جنہیں اس کے تواتر سے بہتے آنسو بھی پگھلا نہیں پا رہے تھے وہ یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا اور وہ زچ ہوتی چیخ اٹھی۔

"مت دیکھو مجھے' ایسے نفرت ہو رہی ہے مجھے تم

سے ’تمہارے وجود سے‘ تمہاری آنکھوں سے۔“ اور
جانل کو کسی نے زمین پر پٹخ دیا سب پردے جھپٹ
گئے۔ ہر منظر واضح ہو گیا اک کرب انگیز درد رگوں میں
جاگ گیا وہ بڑی دقت سے مسکرایا۔

”ہاں اسے بھی آدھی ادھوری چیزوں سے نفرت
تھی۔ تمہیں بھی حق ہے تم بھی نفرت کرو۔“

”ہاں‘ ہاں ہو تم قابل نفرین۔ کتنے بڑے فراڈ ہو تم
.... تم میری محبت کا مذاق اڑاتے رہے جھوٹ بولتے
رہے میرے ساتھ۔ تم کیا سمجھتے تھے تمہارے بھید
چھپے رہیں گے۔ میں کبھی تمہاری اصلیت نہیں جان
سکوں گی۔ آخر کب تک چھپا لیتے تم مجھ سے۔ اب
کھل گئے نا تمہارے کرتوت‘ مجھے دھوکے میں رکھا تم
نے اور میں اتنی بے وقوف کہ تمہاری چکنی چپڑی باتوں
میں آتی رہی۔ میں جسے تمہاری محبت سمجھتی رہی وہ
صرف تمہارا ایک کھیل تھا‘ تم سارے مرد ایک سے
ہوتے ہو عورت کو کھلونے سے زیادہ حیثیت نہیں
دیتے۔ تم تو کہتے تھے تم نے اسے قبول نہیں کیا۔ اسے
بیوی تسلیم نہیں کیا۔ تم اس کے ساتھ رہنا نہیں
چاہتے تو تو پھر اب یہ سب....“ آنسوؤں کی یورش نے
مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔ وہ شدت کرب سے
پلکیں موند گیا۔

”کچھ تو لحاظ رکھو سوہا۔ یہ وقت تمہارے سوالوں کا
نہیں ہے۔ میں ہر سزا بھگت لوں گا لیکن فی الوقت مجھے
معاف کر دو میں بہت اذیت میں ہوں۔“

”اور میں کتنے دکھ میں ہوں تمہیں اندازہ ہے اس
بات کا‘ تمہیں اپنی تکلیف کا احساس ہے میرے درد کی
ذرہ بھر پروا نہیں تمہیں! اس عرصے میں کتنے اچھے
اچھے پرپوزلز آئے اور میں ممی کے بے حد سمجھانے
کے باوجود تم پر اعتبار کیے رہی۔ میں کیوں بھول گئی کہ
تم بھی اسی دنیا کا حصہ ہو ایک عام مرد ہو۔ میں کیوں آتی
رہی تمہارے بہلاوؤں میں تم نے تو مجھے اپنے آپ
سے نظر ملانے کے لائق نہیں چھوڑا۔ میں نے تو کبھی
اس چیز کو استعمال نہیں کیا جسے کوئی ہاتھ لگا دیتا تھا‘ اٹھا
کر پھینک دیتی ہوں میں‘ میں نے کبھی کسی کی اترن
نہیں پہنی اور تم مجھے اتنے بڑے دھوکے میں رکھ رہے
تھے۔ کیوں کرتے رہے تم ایسا میرے ساتھ۔“ سوہا
اس کے ساتھ ساتھ خود کو بھی کوس رہی تھی۔ بس
نہیں چل رہا تھا کیا کر ڈالے غصے کا انت نہ تھا۔ وہ
سر نہوڑائے اس کی لعن طعن وصول کر رہا تھا۔ وہ جو
بھی کہہ رہی تھی حق بجانب تھی۔ وہ اس کا مجرم تھا
سزاوار تھا۔ لیکن یہ بھی جھوٹ نہیں تھا کہ وہ اس سے
بے اندازہ محبت کر چکا تھا اور اس خود غرض محبت کے
ہاتھوں اس سے آدھے سچ کہتا رہا۔ وہ اس کے مزاج
سے باخبر تھا وہ ایک بھی پورا سچ نہ سہہ پاتی۔ وہ ڈرتا رہا
وہ چھوڑ جائے گی۔ وہ نہیں رہ پائے گا اس کے بغیر اور
عقدہ تو اب کھلا۔ اس کا ڈر کس لیے تھا دراصل وہ اس
کی زندگی میں تو تھی مگر اک خواب اور خوابوں کا کیا ہے
تعبیر نہ بھی پا سکیں تو بھی انسان جی ہی لیتا ہے مگر جو
زندگی کی اصل حقیقت بن جائیں جینا تو ان کے بنا
دشوار ہوتا ہے اور کیا وہ اب سہہ لے گا یہ دشواری یہ
سوچ ہی اس کا دم گھونٹنے کے لیے کافی تھا۔

اس نے خود ہی تو کہا تھا کہ محبت ایک مرض ہے اور
یہ بار بار لاحق ہو سکتا ہے اور اسے یہ مرض پھر سے
لاحق ہو گیا تھا اور پہلے سے بھی کہیں زیادہ شدت کے
ساتھ۔

☆ ☆ ☆

ننھی پری گلا پھاڑے رو رہی تھی۔ وہ آنکھیں
موندے کرسی کی بیک پر سر ٹکائے ہوئے تھا۔ اندر
آتی رئیسہ ”تجھیں سو گیا ہے‘ جلدی سے بڑھ کر کاٹ
سے پری کو اٹھایا۔

”رہنے دیں ادی واپس لٹا دیں رونے دیں اسے۔“
وہ آنکھیں کھولتا سیدھا ہو بیٹھا۔

”ہائے ہائے کیوں واپس لٹاؤں۔ دیکھو تو کیسے رو
رہی ہے میری گڑیا۔“ اس کا گلابی سا چہرہ سرخ انار ہو
رہا تھا انہوں نے منہ چوم کر سینے سے لگا لیا۔

”ہاں تو رونے دیں نا۔ اس کی ماں کو تو ذرہ بھر پروا
نہیں اور مجھے کہتی تھی۔ جتنی محبت مجھے اپنے بچے

ے ہے تم اتنی محبت کیسے کر سکتے ہو اس سے جتنی فکر
مجھے ہے تم نہیں کر سکتے اور اب دیکھیں میں سنبھال رہا
ہوں اسے۔ یہ روتی ہے تو میں لوری سناتا ہوں' اسے
بھوک لگتی ہے تو میں فیڈر بناتا ہوں۔ میں محبت کر رہا
ہوں نا اس سے اور وہ خود پڑی سو رہی ہے۔ میں اسے
پکار پکار کر تھک گیا ہوں کوئی جواب نہیں دیتی۔ سچ کہتی
تھی اللہ تو معاف کر دیتا ہے لیکن اس کے بندے
معاف نہیں کرتے اور اب میں معافیاں مانگتا ہوں اپنی
سب کوتاہیوں پر نادم ہوں اور یہ معاف نہیں کرتی۔
کیا میرا گناہ اتنا بڑا تھا جتنی بڑی سزا اس نے مجھے دی
ہے۔ پھر اس بچی کا کیا قصور اس کا خیال کیوں نہیں آتا
اسے' اس کا رونا کیوں نہیں دل پگھلاتا یہ اتنی بے حس
کیوں ہو گئی ہے۔ میرے لیے نہیں تو اپنی بیٹی کی خاطر
ہی آنکھیں کھول دے مت لے ہمارا امتحان۔ اس
نے کتنے مہینے میری باتیں سنیں میری کڑوی کسیلی
برداشت کی۔ مگر میں کہاں سے لاؤں اس کے جتنا
ظرف' کہاں سے لاؤں اتنا حوصلہ۔ میں ایک ماہ میں ہی
اس کے چپ سے تنگ آ گیا ہوں۔ آپ اسے
سمجھائیں ادی' اسے کہیں نا بس کرے اب چھوڑ بھی
دے غصہ۔ نہ لے مجھ سے بدلے۔ میں تھک گیا ہوں
ٹوٹ چکا ہوں' نہیں ہے اور برداشت۔" وہ چیخ پڑا
آنکھوں کے گرد پڑے سیاہ حلقے بڑھی ہوئی بے ترتیب
شیو' ملگجے کپڑے اس کا اندرونی خلفشار عیاں کر رہے
تھے وہ جو ہر وقت تک سک سے درست رہتا تھا اب
اسے کئی کئی دن گزر جاتے ایک ہی سوٹ پہنے ہوئے۔
بی بی جان کہہ کہہ کر زبردستی بدلواتیں۔

کھانے بیٹھتا تو نوالہ توڑنا بھول جاتا۔ زلیخا چائے رکھ
کر جاتی تو کپ جوں کا توں رکھا رہ جاتا۔ مارے پیاس
کے حلق سوکھ رہا ہوتا۔ اس سے پانی کا ایک گھونٹ نہ
بھرا جاتا کونج کو دیکھتا تو دل کی دھڑکن بھی ساتھ
چھوڑنے لگتی۔ وہ خود تو سکون سے سو رہی تھی اور اس
کا سب سکون عنقا ہو چکا تھا۔ بس اک پریہ کی آواز تھی
جو زندگی پر چھائے سکوت پر ضرب لگاتی۔ وہ اس سے
لڑ لڑ کر تھک چکا تھا۔ اب پریہ روتی تو فوراً" لپکنے کے
بجائے اسے رونے دیتا شاید کہ اس کے رونے سے ہی
کونج کی نیند ٹوٹ سکے۔ رئیسہ کو اس کی مخدوش حالت
پر بے پناہ ترس آیا۔

"سنبھالو اپنے آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ تم ہمت ہار جاؤ
گے تو ہم سب کا کیا بنے گا' ماما سائیں کو دیکھو یہ دکھ ان
کے لیے بھی بہت بڑا ہے ہم سب کا حوصلہ تو تم ہی ہو۔
پھر کونج کے اپنے اختیار میں ہوتا تو وہ ایک پل کے لیے
آنکھ بند نہ کرتی۔

ہم جو سوچتے ہیں اکثر وہ نہیں ہوتا اور جو ہو جاتا ہے
اس کا سب اختیار اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ جو تمام علم
رکھنے والا ہے اور جب وہ کسی الجھن میں ڈالتا ہے تو
نکال بھی لیتا ہے اور وہ ضرور بہتر کرے گا ہماری کونج پھر
سے ہمارے ساتھ ہنسے گی بولے گی۔ اپنی امید کو اس
ایقان کے ساتھ باندھے رکھو ہمت کرو جاذل۔"

"کب تک ادی آخر کب تک!" وہ بے بسی کی انتہا
پر تھا اور رئیسہ کے پاس اسے حوصلہ دینے کے لیے تو
لفظ تھے لیکن جتنی جواب وہ کہاں سے لاتیں۔ اک آہ
بھرتے پریہ کو اس کی گود میں ڈال دیا جسے باپ کے
بازوؤں کی اتنی عادت ہو چکی تھی کہ اس کے علاوہ کسی
کے پاس چپ نہ ہوتی۔ اور یہ ننھی سی جان کتنی بڑی
نعمت تھی جو اکثر اسے یاسیت بھرے لمحوں سے کھینچ
لاتی وہ اس کے دھیان سے لگ کر اپنا دکھ بھول جاتا
تھا۔ اب بھی اس کی پیشانی چوم کر سینے میں سمیٹ لیا تو
اندر تک ٹھنڈک اتر گئی۔

☆ ☆ ☆

دونوں بازو سینے پر باندھے وہ دیوار سے ٹیک لگائے
ہوئے تھی۔ رونق اس کے چہرے کی بھی ماند پڑی تھی
آنکھوں کی جوت بجھی بجھی ہوئی حلیہ ہمیشہ سا لاپروا اک
شانے پر جھولتا دوپٹا فرش کو چھو رہا تھا وہ کبھی بیڈ پر نظر
کرتی کبھی اسے دیکھتی جو بیٹی کے ساتھ مصروف تھا وہ
اس کے بازوؤں میں سو گئی تھی احتیاط سے کاٹ میں
لٹاتا اس کے روبرو آ کھڑا ہوا۔

"کیوں آجاتی ہو بار بار' مجھ سے نفرت کر کر کے دل

نہیں بھرتا تمہارا؟"

"یہی تو پرابلم ہے تمہاری محبت سے دل خالی ہوگا تو ہی نفرت سے بھرپائے گا۔ مجھے بتاؤ کیا کروں میں خود تو کنارے جا لگے ہو مجھے بیچ منجدھار میں چھوڑ دیا کاش تمہارے بابا سائیں تمہاری شادی نہ کرتے اور نہ یہ سب کچھ ہوتا۔"

رشک و حسد سے بھری نگاہ نے بیڈ تک کا سفر کیا تھا جسے اس نے اک معمولی سی گوٹھان سے زیادہ اہمیت کے قابل نہیں جانا تھا وہی معمولی سی لڑکی اس کی بند مٹھی سے محبت کا موتی کس کمال سے چرا لے گئی تھی۔

"میں بھی بہت عرصے تک یہی سمجھتا رہا ایسے ہی جملے بولتا رہا۔ مگر ہم جو یہ کہتے ہیں ناں کہ ایسے نہ ہوتا تو۔۔۔ تو دراصل ہم اللہ کے حکم کی نفی کر رہے ہوتے ہیں۔ ہمارا ایمان کمزور ہے ہم یہ بتا رہے ہوتے ہیں یہ سب ایسے ہی ہونا لکھا تھا اور جو ہوتا ہے وہ منجانب اللہ ہوتا ہے۔ اسے میری زندگی میں آنا ہی تھا کیونکہ وہ اپنے عشق میں سچی تھی۔ اس کی دعائیں در قبولیت کو چھو آئی تھیں۔ اس کی بہت سالوں کی محبت کے سامنے ہمارے کچھ عرصہ کی محبت کی کوئی حیثیت نہیں رہ گئی تھی۔ وہ تو اس وقت سے چاہت میں مبتلا تھی جب اسے چاہت کے ہجے بھی نہیں آتے ہوں گے پتا ہے سوہا۔۔۔"

اور سوہا کو اس کی داستان کونج میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ شدید کوفت کا شکار ہوتی بول اٹھی۔

"بس کرو جبوزی تم تو دیوانے ہی ہو گئے ہو۔ اپنی حالت دیکھی ہے تم نے ہم کبھی رہتے تھے اس طرح مجھے دکھ ہو رہا ہے تمہیں دیکھ کر۔ تم کیا جوگ ہی لے لو گے اس کے پیچھے۔"

"خدانا خواستہ" جازل دہل گیا۔

"یہ کیا بات کی تم نے اللہ کونج کو صحت اور زندگی دے۔ وہ بہت جلد ٹھیک ہو جائے گی اس بار اس کے تمام ٹیسٹ کلیئر ہیں۔ ڈاکٹرز بے حد پرامید ہیں اور میرا دل بھی گواہی دیتا ہے کونج اب مجھ سے زیادہ دیر خفا نہیں رہے گی۔ دیکھنا تم۔"

اور سوہا نے اس کی آنکھوں میں دیکھا ہی نہ گیا جس آئینے میں ہمیشہ اپنا عکس نظر آتا تھا اب وہاں کسی اور کو دیکھنا انتہائی کار عذاب تھا۔ وہ پاؤں پٹخ کر مڑی اور جانے لگی۔

"اور سنو انکل کا کہنا مان لو والدین کبھی بھی اولاد کے لیے غلط فیصلہ نہیں کرتے۔"

"تم کون ہوتے ہو مجھے مشورے دینے والے۔" وہ اس کی آواز پر رکی تھی الفاظ پر تلملا گئی۔

"جب میں کوئی نہیں ہوتا تو پھر تمہارا یہاں آنے کا مطلب؟ خیال رہے اب آئندہ مت آنا، میں تو گلٹی فیل کرتا ہی ہوں کونج کو بھی اچھا نہیں لگتا ہوگا۔"

کچھ فیصلے جاں لب لے آتے ہیں۔ روح میں میخیں گاڑ دیتے ہیں۔ دل پارہ پارہ اور چشم تر چھوڑ جاتے ہیں لیکن اگر ان میں اپنی ذات کے علاوہ دوسرے فریق کی بھی بہتری ہو تو پھر انہیں کر گزرنا چاہیے۔ سود و زیاں بھلا کر اور پھر وہ ٹھہری نہیں تھی وہ اسے دور تک جاتے دیکھتا رہا حتی کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی وہ اک گہری سانس بھرتا اندر چلا آیا۔

آج پھر اسے کونج سے بہت سی باتیں کرنا تھیں۔ وہ اس کے پاس آ بیٹھا لگتا تھا دل سے کوئی بوجھ اتر گیا ہے۔ وہ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا گو کہ اندر ہی کہیں کچھ چبھ رہا تھا کہیں درد سا تھا لیکن اسے یقین تھا بہت جلد سب ٹھیک ہو جائے گا۔ جو محبت کو اس کے تمام اصولوں کے ساتھ کرنا جانتے ہوں ان کا دامن کبھی خالی نہیں رہتا اس نے سوہا کے ساتھ محبت کی تھی اور وہ اسے خوش دیکھنا چاہتا تھا۔ کونج نے اس سے محبت کی تھی اور وہ اسے خوش رکھنا چاہتا تھا اور جو دوسروں کی خوشیوں کا خیال کرتے ہیں پھر قدرت بھی انہیں مالا مال کر دیتی ہے۔ اپنے دل کی سب کہتے وہ کب کونج کے بازو پر سر رکھے سو گیا اسے علم ہی نہ ہوا۔ وہ جو ہر بار اس کی تھکن سمیٹ لیتی تھی تو ان لمحوں میں بھی اس کے لیے یہ درد کی دوا بن گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ بہت دیر سے ٹیبل پر بکھری فائلوں کے ساتھ سر کھپا رہا تھا ابھی چند ایک کی ترتیب مکمل کر کے کنارے پر رکھی تھیں کہ دھڑکی آواز کے ساتھ دروازہ کھلا اور کوئی اندھا دھند بھاگتا اندر آیا اور سیدھا صوفے پر چڑھ گیا اس کی ٹانگ لگنے سے وہی فائلیں زمین بوس ہو گئی تھیں۔

"اوہ شٹ....." جاذل کا جی چاہا اپنا سر کسی پتھر سے دے مارے کیونکہ اس آنے والی آفت کو تو وہ کچھ کہہ نہیں سکتا تھا' اس توتے میں تو اس کی اپنی جان قید تھی۔ بمشکل وہ غصہ کنٹرول کر پایا' گھور کر اسے دیکھا جس نے اس کے پیچھے چھپنے کی ناکام کوشش کرتے دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ لیا تھا۔ اپنی دانست میں اب وہ سارے زمانے سے اوجھل ہو گئی تھی اور اس کی یہ ادا اتنی معصوم تھی کہ بے اختیار لب مسکرا اٹھے۔

"یہ کیا حرکت ہے پرہ! بابا نے منع کیا تھا کہ کوئی میرے روم میں مت آئے۔ آپ پھر بھی گھس آئی ہو اور میرے کام بھی خراب کر دیا' اب بتاؤ کیا سزا دوں آپ کو؟" جاذل نے اسے پکڑ کر سامنے کیا۔

"سوری بابا....." اس نے جھٹ نچلا ہونٹ لٹکا کر معافی چاہی۔ کمرے کے باہر قدموں کی چاپ ابھری تھی وہ ہڑبڑا کر اس کی گود میں آ بیٹھی۔

"پرہ تو نہیں آئی یہاں؟" کونج کا سر دروازے سے نمودار ہوا۔

"بالکل بھی نہیں۔" جاذل نے مسکراہٹ دباتے اس کے گرد بازو پھیلایا اس کا منہ باپ کے سینے پر تھا گویا مکمل روپوش تھی کونج اندر چلی آئی۔ ہاتھ میں دودھ کا گلاس تھامے ہوئے۔

"ایک گھنٹے سے اس کے پیچھے پھر رہی ہوں۔ مگر مجال ہے جو میری سن لے۔ بہت تنگ کرتی ہے تمہاری بیٹی۔ اب پتا نہیں کہاں جا چھپی ہے۔ پلیز تم ڈھونڈ لاؤ نا اسے میں تو تھک گئی۔"

"کوئی مسئلہ ہی نہیں ابھی لو۔ بس تم آنکھیں بند کرو اور میری پرہ تمہارے سامنے۔" یہ چھپن چھپائی کا کھیل ہر کھانے سے پہلے ضرور کھیلا جاتا۔ پرہ جب تک ماں کو سارے گھر میں دوڑا نہ لیتی باپ کی آڑ میں چھپ نہ جاتی اسے مزا ہی نہ آتا۔ وہ اس گیم کو خوب انجوائے کرتی تھی۔ اب بھی کونج نے آنکھیں بند کیں' جاذل نے چٹکی بجائی اور قل قل کرتی پرہ حاضر ہو گئی۔

"واہ تم نے تو کمال کر دیا اب ایک کمال اور کرو یہ دودھ اسے پلا دو ورنہ میں تو اب اس کا دو کانوں کے بیچ سر ہی کروں گی اتنا ستاتی ہے نا۔ مجھے کہ حد نہیں۔" کونج نے مصنوعی خفگی سے بیٹی کو گھورتے گلاس جاذل کو تھمایا۔

"نہیں نہیں خبردار میری بیٹی کو کچھ مت کہنا یہ تو بہت پیاری بیٹی ہے ابھی سارا دودھ پی لے گی۔ ہیں نا پرہ جانو" اور پرہ منہ بسور رہی تھی۔

"اچھا ایسا کرتے ہیں ایک سپ بابا ایک سپ پری اب ٹھیک۔" اور وہ خوش ہو گئی جھٹ سر ہلایا۔ جاذل گلاس ہونٹوں تک لے گیا پھر اسے پلایا۔

کونج بڑے پیار سے باپ بیٹی کے لاڈ دیکھ رہی تھی ایسے لمحوں میں اس کا دل خوشی کے احساس سے معمور ہو جاتا تھا۔ اس کی تشنہ کامی کو قرار آنے لگتا۔ وہ سچ میں خوف زدہ تھی اگر وہ بھی بیٹی کی ماں بن گئی تو؟ اس کی بیٹی کو بھی باپ کی لاپروائی و کھنارڈی تو اب جاذل کو بیٹی کے ساتھ پیار کرتے دیکھتی تو سکون ہونے لگتا۔ پرہ اس سے زیادہ باپ سے اٹیچڈ تھی اس نے تو آنکھ ہی باپ کی گود میں کھولی تھی' اس لیے بھی اس کے زیادہ قریب تھی۔ وہ باپ کے ہاتھ سے کھانا پسند کرتی' اس کی گود میں سوتا۔ ایک دن باپ کی صورت نظر نہ آتی تو رو رو کر سارا گھر سر پر اٹھا لیتی۔ جاذل کو بھی گھر آتے اسے دیکھنے کی ہڑک ہوتی تھی۔ اس کی بیٹی یقیناً "خوش بخت تھی۔ نہ صرف اپنے لیے بلکہ وہ تو اس کے لیے بھی محبتوں کے خزینے لے آئی تھی۔

تین ماہ کوما میں رہنے کے بعد جب وہ ہوش و خرد کی دنیا میں لوٹی تو مزید کئی مہینے تک اس کی ذہنی صحت پوری طرح بے دار نہ ہو سکی تھی۔ اس وقت میں جس طرح جاذل نے دن رات ایک کر دیا۔ اس کی دیکھ بھال' اس کی محبت' اس کی ذات اس کی زندگی نے۔ اس تک

ہی محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ یہاں تک کہ بی بی جان کے سب بھاجھولوں کے اصرار کے باوجود وہ نتھی پرہ کی کیئر بھی خود ہی کرتا۔ تب کونج کو اپنی محبت بہت کم لگنے لگی تھی۔ محبت تو دراصل وہ تھی جو وہ ان سے کر رہا تھا بنا کسی صلے' بنا کسی غرض کے اور اسے خود پر رشک آتا۔ وہ کس قدر خوش نصیب تھی' اسے ایسا جیون ساتھی ملا تھا۔ اس کا دامن تو بھرا ہوا تھا' وہ مکمل صحت یاب ہو چکی تھی۔ اس کا پیارا سا گھر تھا ایک کومل سی گڑیا اس کے گھر کی رونق تھی وہ اپنی تعلیم کا سلسلہ بھی دوبارہ سے شروع کر چکی تھی۔ کہیں کوئی کمی نہ تھی لیکن جانے کیوں وہ کبھی کبھی وہمی ہونے لگی تھی۔ اسے لگتا کہیں کچھ مسنگ ہے۔ کوئی پزل کا ٹکڑا اور کیا اور کیوں؟ وہ الجھنے لگی تھی۔ وہ اپنی سوچوں میں غلطاں جاذل کے لیے چائے بنا لائی۔ وہ اس کے آنے تک پرہ کو سلا چکا تھا۔ فائلیں وہیں بکھری پڑی تھیں۔ وہ ایزی چیئر پر جھول رہا تھا۔ پلکیں بند یقیناً" وہ بہت تھک چکا تھا۔

"چائے پی لو فریش ہو جاؤ گے۔" کونج فلور کشن پر بیٹھ گئی اس کا دایاں پاؤں اٹھا کر گود میں رکھ لیا اور نرم ہاتھوں سے دبانے لگی۔ سکون کی اک لہر پیر سے سر تک گئی تھی۔ جاذل نے پلکیں نیم وا کر کے دیکھا۔

"فریش تو میں تمہیں دیکھ کر بھی ہو جاتا ہوں اور تمہاری چائے کی تو کیا ہی بات ہے۔ اور یہ کیا آج پھر ایک کپ؟ تم میرا ساتھ نہیں دوگی!"

"آج شیئر کر لیتے ہیں۔" کونج کے ہونٹوں پر مدھر مسکان تھی۔

"او زہے نصیب تو جناب چلیے پھر پہلے آپ۔" جاذل نے کہا پھر اک گہری سانس لیتے مصنوعی افسردگی سے بولا۔

"ہائے میری تو حسرت ہی رہی کہ میری بیوی بھی کبھی آپ جناب سے بلاتی سب بھابھیوں کو بھائیوں کے آگے پیچھے آپ آپ کرتے دیکھتا ہوں اور پھر بھائیوں کے شوہرانہ رعب تو احساس ہوتا ہے سب ٹھیک ہی کہتے ہیں میں واقعی وہی ہو گیا ہوں۔"

"کیا ہو گئے ہو؟" کوبج نے بے ساختہ پوچھ لیا۔

"زن مرید۔" اور اس کے کھٹ سے آئے جواب پر وہ ہنس دی۔

"پتا ہے جازل جب ہماری شادی ہوئی۔ تم کتنے اکھڑے اکھڑے سے تھے میں نے تب ہی سوچ لیا تھا اگر آپ جناب کرتی رہی تو یہ اجنبیت کی دیوار سدا قائم رہے گی۔ میری خواہش تھی تم تک آنے کی اس کے لیے ضروری تھا کہ تکلفات کو برطرف رکھا جاتا ہمارے درمیان اپنائیت وانسیت کا رشتہ تب ہی بن پاتا جب آپ میرے لیے تم ہو جاتے اور پھر میں نے وہی راہ چن لی۔"

"یعنی تم پہلے دن سے ہی خوب سیانی ہو میں خواہ مخواہ تمہیں بھولی بھالی سمجھتا رہا۔" جازل کے لہجے میں شرارت تھی۔

"کیوں جناب میں نے کیا چالاکی دکھائی!"

"تم نے مکمل ہوشیاری کے ساتھ پورے کا پورا جازل لاشاری ہتھیا لیا یہ کم چالاکی ہے کیا۔" وہ آنکھیں موندے کہتا یقیناً مذاق کر رہا تھا مگر وہ یک لخت سنجیدہ ہو گئی اور بالکل ایک الگ سوال کر دیا۔

"تمہیں سوہا یاد آتی ہو گی؟"

"چائے اچھی بنائی ہے تم نے میں سچ میں فریش ہو گیا اب سونا چاہیے بہت رات ہو گئی ہے۔ صبح میری بے حد ضروری میٹنگ ہے۔ ٹائم سے جگا دینا۔" جازل اٹھنے لگا لیکن پیر گرفت سے آزاد نہ تھا۔

"تم سوہا سے شادی کر لو میں تمہیں دل سے اجازت دے رہی ہوں۔" کوبج کا سر جھکا ہوا تھا اور آواز مدھم۔ جازل نے انداز دیکھا اور ہنستا چلا گیا۔

"لگتا ہے تم نے آج کھانا زیادہ کھا لیا ہے دماغ پر چڑھ گیا ہے تمہارے۔ اللہ کا واسطہ ہے کوبج اب کوئی نئی بیماری خود کو مت لگا لینا۔ اب بالکل بھی وقت نہیں دے سکوں گا تمہیں۔ میری نئی نئی جاب ہے مجھے کام کر لینے دو کیوں دشمن بنی ہو میری۔ مت کھپایا کرو اپنے ننھے سے دماغ کو ادھر ادھر کی فضول باتوں میں اور آؤ اب سو جائیں۔" وہ اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں۔

"میں مذاق نہیں کر رہی جازل میں جو کہہ رہی ہوں بہت سوچ سمجھ کر کہہ....."

"کوبج تم کیا چاہتی ہو میں کمرے سے باہر چلا جاؤں۔" وہ اگر سنجیدہ تھی تو وہ حد درجے سنجیدہ ہو گیا۔

"اچھا سوری خفا تو مت ہوا کرو اور ہاں بی بی جان کا فون آیا تھا کہہ رہی تھیں کہ۔" وہ اس کے گھٹنے پر ٹھوڑی ٹکائے اب کوئی اور قصہ بیان کر رہی تھی۔

جازل اسے دیکھ رہا تھا آنکھوں میں ڈھیر سارا پیار سموئے اور سوچ رہا تھا یہ عورت بھی قدرت کی کیسی عجیب تخلیق ہے۔ جس کا ضمیر اس مٹی سے اٹھایا گیا ہے جس میں بے پناہ رنگ گھلے تھے۔ یہ محبت کرنے پر آئے تو ایسی شدت پسند ہو جائے کہ اپنے ہی سائے سے بھی لڑ جائے۔ پاس سے گزرتی ہوا سے بھی بھڑتی رہے۔ وہ اپنے خزانے پر مکمل تسلط چاہتی ہے۔ وہ پورا اختیار اپنا حق سمجھتی ہے اور کسی جھوٹے پر راضی نہیں ہوتی اس کا جنون ایک بچے کا سا ہوتا ہے جو اپنے پسندیدہ کھلونے سے اکیلا کھیلنا چاہتا ہے اور اس پر کسی اور کی نگاہ بھی برداشت نہیں کرتا۔ اس نے یہ انداز کوبج کے بھی دیکھے تھے اور سوہا کے بھی۔ جبکہ وہ دل سے آمادہ ہو گیا تھا کہ دونوں میں اپنی محبت بانٹ دے گا۔ پھر قدرت نے بھی مرد میں یہ وصف رکھا ہے اور اسے اختیار بھی عطا کیا گیا ہے کہ ایک وقت میں ایک سے زیادہ عورتوں سے تعلق بنا سکتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی بہت واضح الفاظ میں یہ بھی جتایا گیا ہے کہ اگر انصاف کر سکو تو.....

اور تب وہ سوہا کو کسی طرح راضی کر بھی لیتا اور شادی کر لیتا تو کیا وہ انصاف کر پاتا جبکہ سوہا اس کی پہلی محبت تھی اور کوبج بیوی اور پہلی اولاد کی ماں کا درجہ پا چکی تھی۔

نہیں یقیناً یہ ایک بہت مشکل فیصلہ ہوتا اور نہ وہ خود کسی مشکل میں پڑنا چاہتا تھا اور نہ ہی کوبج اور سوہا کو ڈال سکتا تھا۔ اس وقت کا دانش مندانہ فیصلہ تو یہی تھا کہ وہ سوہا کی محبت سے دستبرداری اختیار کر لیتا اور اس نے کیا چاہے دکھے دل سے ہی سہی۔

پھر گزرتے وقت نے بتلایا کہ وہ فیصلہ کتنا بہترین تھا کیوں کہ بنا کسی تعلق کے محبت دودھ پر آئے ابال کے جیسی ہوتی ہے وہ جتنا بھی اوپر چڑھ آئے اسے نیچے بیٹھنا ہی ہوتا ہے اور جو محبت میاں بیوی کا رشتہ بن جانے کے بعد اللہ دلوں میں اتارتا ہے' وہ انمٹ نقش ہوتا ہے جو گہرا مزید گہرا ہوتا چلا جاتا ہے۔ جاذل کے دل میں اب ہر طرف کونج ہی کونج تھی' سوہا نام کی دھول تو کب کی اڑ چکی۔

اب وہ یہ دیکھ کر متحیر تھا کہ وہی جنونی عورت اگر جو کبھی دیوالو بن جائے تو ایسی کہ خزانے لٹانے پر آجاتی ہے۔ جیسا کہ کونج کی کیفیت تھی۔ وہ ایسا کیوں کہہ رہی ہے وہ سب سمجھ گیا تھا۔ ابھی کچھ روز پہلے اتفاقاً انہوں نے سوہا کو ایک پارٹی میں دیکھا تھا۔ وہ کچھ لوگوں کے ساتھ تھی اور کسی بات پر خوب ہنس رہی تھی۔ اس کے انداز پر جاذل کو بے اختیار ناگواریت کا احساس ہوا۔ وہ چند ساعت دیکھے گیا تھا۔ اور بس اسی دیکھنے کو کونج نے نوٹس کیا تھا۔ تھی نا! ایک عورت جس میں ہمیشہ سے ہی عقل کا فقدان رہا ہے اب وہ اس بے وقوفی کا کیا علاج کرتا وہ کچھ اور سمجھی تھی اور نوبت ان مشوروں تک آگئی تھی۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" وہ مسلسل بول رہی تھی اور جاذل گم صم دیکھے جارہا تھا وہ بوکھلا کر پوچھنے لگی۔

"سوچ رہا ہوں اچھے مشورے دیتی ہو تم۔ کیوں نہ تمہارے مشورے پر عمل کر ہی ڈالوں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا منہ پر ہاتھ رکھ کر ایک لمبی جماہی لی۔ بند ہوتی آنکھوں کو پورا کھول کر اسے دیکھا اور اس کے چہرے کا رنگ واضح طور پر بدلا تھا۔ مارے محبت کے مشورے دینا بہت آسان ہوتا ہے لیکن انہیں مجسم دیکھنا بہت کٹھن۔ وہ کہہ تو بیٹھی تھی مگر تھی تو آخر ایک عورت جس کی زندگی میں شوہر اور شراکت متضاد الفاظ کی فہرست میں آتے ہیں۔ اب حلق میں یکدم ہی کانٹے پڑ گئے تھے بصارت دھندلانے لگی۔

جاذل نے اس کی حالت سے بھرپور فائدہ اٹھایا پھر مسکراتے ہوئے بازوؤں کا ہار اس کے گلے میں ڈال دیا۔
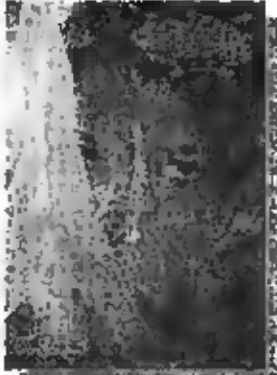
"کیا ہوا گھبرا کیوں گئی ہو' بھئی ابھی چند دن پہلے خود ہی تو کہہ رہی تھیں کہ کام کر کر کے تھک جاؤ تو تھوڑی دیر کھلی فضا میں چہل قدمی کر لیا کرو اعصاب پر اچھا اثر پڑتا ہے میں تو اپنی ڈاکٹر صاحبہ کے اسی مشورے پر عمل کا سوچ رہا ہوں تم کیا سمجھیں۔"

"اف۔" کونج کی اٹکی سانس بحال ہوئی تیزی سے نفی میں سر ہلاتے وہ بے تکے پن سے مسکرائی جاذل نے کھینچ کر سینے سے لگالیا۔

"میری پیاری بیوی ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا شوہر کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو اسے ایسے اوٹ پٹانگ مشورے کبھی بھی نہیں دیتے اور خاص طور پر مجھ جیسے آدمی کو تو قطعاً" نہیں' کیونکہ دیکھ لیا نا تم نے میں کسی بھی وقت عمل کرنے کا سوچ سکتا ہوں۔ سو بی کیئر فل۔" وہ سمجھا رہا تھا یا دھمکا رہا تھا۔ اس کے سینے میں منہ چھپائے کونج کو اچھی طرح سمجھ آگئی تھی اسی لیے تو وہ ہنستی چلی گئی۔ سرشار ہوتے جاذل نے اس کی روشن پیشانی پر اپنے ہونٹ رکھ دیے تھے۔

عفراء جلیل راؤ

وہ جنوری کی ایک ٹھٹھری ہوئی شام تھی... ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی تو... ریشم جیسی نرم و ملائم دھوپ منڈیروں سے پھلانگتی ہوئی اپنے گھر کو لوٹ گئی تھی۔ لیکن مونا ابھی تک چادر تانے صحن میں یوں ہی لیٹی رہی۔ اس کا دل ہی نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ اٹھ کر کمرے میں چلی جائے۔ گھر میں گہرا سناٹا اور خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ وہ بے انتہا اداس تھی۔ امی اور دونوں بہنیں افسر چچا کے گھر گئی تھیں' چچی کی طبیعت کچھ دنوں سے ناساز تھی۔ دونوں بھائی ابھی تک وکلن سے لوٹ کر نہیں آئے تھے۔ اس کو ارسلان بڑی شدت کے ساتھ یاد آ رہا تھا۔ کئی دنوں سے عجیب خواب نظر آ رہے تھے مگر وہ پریشان ہو گئی مگر کسی سے کچھ نہیں کہا کہتی بھی تو کس سے... اور فائدہ بھی کیا تھا۔ اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اچانک ہی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ مونا کا دل دھڑکنا بھول گیا... نہ جانے کیوں؟ وہ جلدی سے اٹھی اور فون کی طرف لپکی... سی ایل آئی خراب تھی سو یہ پتا نہ چل سکا کس کا فون ہے... اس نے بنا سوچے' چھٹی بیل پر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو... ہیلو۔"

مگر دوسری طرف مکمل خاموشی چھائی رہی۔

"کون ہے...؟"

"مونا..." ارسلان کی آواز سنتے ہی وہ بے اختیار ہو گئی اور جواب میں ایک سسکی سی نکل گئی۔

"مونی' مونی کیا تم رو رہی ہو؟" ارسلان کی رندھی ہوئی آواز سنائی دی۔

اس وقت وہ اس کو ہی یاد کر رہی تھی اور دل کے تار اس طرح ارسلان کے دل سے جڑے ہوئے تھے کہ اس نے فوراً فون کر لیا۔

"ارسلان..." کچھ کہنے کی کوشش میں الفاظ حلق میں ہی دم توڑ گئے۔ آنسوؤں کا سیلاب گلے میں اتر آیا تھا۔

"میں ابھی ابھی تمہیں یاد کر رہی تھی ارسلان بہت شدت کے ساتھ۔"

"اسی لیے میں نے فون کر لیا نا... یوں آنسوؤں سے سواگت کرو گی... میں تو پہلے ہی اپنے آپ کو بے بس محسوس کر رہا ہوں۔"

"ارسلان... میں نہیں رہ پاؤں گی تمہارے بنا۔" وہ گہری سانس لے کر بولی۔

"تو میں کون سا رہ پاؤں گا مونا... ایک تم ہی تو تھیں میری کل کائنات میری زندگی' میرا سب کچھ... میرے دکھ سکھ کی ساتھی... میرا تم سے روح کا رشتہ ہے۔"

مونا کے کانوں سے ریسیور لگا تھا۔ زبان چپ تھی مگر سماعت کے سارے پٹ کھل گئے تھے۔

"مونا تم میری کیفیت سمجھتی ہو نا تم سے کچھ پوشیدہ نہیں... جی تو یہ ہی چاہتا ہے سب مسئلوں کو بالائے طاق رکھ کر تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں اور الگ سے اپنی ایک دنیا بساؤں لیکن..." وہ چپ ہو گیا اور خاموشی کا ایک طویل وقفہ گزرا۔

"ہماری فیملی کے درمیان سرد جنگ' رشتوں کی موت ثابت ہو رہی ہے... جیت دلوں کی نہیں ماؤں کی ہوئی ہے۔"

"یہ بات ان کو سمجھنی چاہیے اپنے بچوں کی

خوشیوں کا دشمن ہو رہی ہیں۔ جنگ میں ہارے ہم جا رہے ہیں۔ تمہیں پھپھو سے بات کرنی چاہیے۔ کیونکہ سب تمہارے ہاتھ میں ہے۔ تم ہی کر سکتے ہو۔"

"تم بھی تو سمجھاؤ نا ممانی کو..... کاش سب کچھ میرے ہاتھ میں ہوتا مونا..."

"میں اپنا فرض ادا کر چکی ہوں۔ ان کا کہنا ہے پھپھو کو اپنی غلطی مان لینا چاہیے اور گھر آجائیں سب جھگڑے ختم ہو جائیں گے..... کیونکہ آغاز ان کی طرف سے ہوا ہے۔ رشتوں کی بحالی کے لیے یہ ضروری ہے ارسلان ورنہ..... کچھ وقت مزید گزرا نا..... تو..... ان رشتوں کو ہم سب ٹھنڈی راکھ میں چنگاری کی طرح تلاش کریں گے..... لیکن حاصل کچھ نہیں ہوگا۔"

"تم کیا سمجھتی ہو میں نے امی سے بات نہیں کی ہو گی..... انہیں سمجھایا نہیں ہوگا ورنہ جانے کتنی منت سماجت کی ہو گی.....؟"

وہ خاموش رہی اور برف جیسی ٹھنڈی گہری سانس لی۔

"مگر وہ بھی بضد ہیں کہ ممانی پہل کریں بقول ان کے اس جنگ کا آغاز ان کی طرف سے ہوا ہے۔ یہ ان کا فرض ہے وہ نند کو آکر منالیں..... آخر کو وہ بھاوج ہیں ان کی۔ نند کا رشتہ اور حق زیادہ ہے۔ اب دونوں ہی اپنے اپنے انا کے دائرے میں ڈنڈا ٹھونکے کھڑی ہیں۔ تو خود سوچو یہ کیسے ممکن ہے کہ صلح کا کوئی راستہ نکلے۔ لوگوں کے عزیز واقارب جھگڑوں کو ختم کراتے ہیں۔ مگر ہمارے عزیز پیٹرول اور ماچس کا کام کر رہے ہیں..... اس آگ کو ٹھنڈی ہی نہیں ہونے دے رہے ادھر کچھ اور ادھر کچھ....."

"تو تم یہ جنگ ہار چکے ہو..... ہتھیار پھینک رہے ہو؟" اس نے بھیگے لہجے میں کہا۔

"جب چاروں طرف سے مایوسیاں گھیر لیں تو کیا کرے انسان۔ امی سمجھتی ہیں نا ممانی..... تو پھر یہی ہوگا! اوپر سے تمہارے بھائی دھمکیاں لگاتے ہیں..... مجھے ان حالات میں ملن کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ اسے لیے آج یہ الفاظ میرے منہ سے نکلے ہیں ورنہ بہت پرامید تھا کہ حالات بہتر ہو جائیں گے لیکن یہ میری خام خیالی تھی۔ حالات بہتر ہونے تھے اور نہ ہی ہوئے۔ خواب ہمیشہ خواب ہی رہتے ہیں۔ خوش نصیب ہوتے ہیں وہ لوگ۔ جن کو تعبیر ملتی ہے۔"

"تو یہ حتمی فیصلہ ہے تمہارا.....؟" وہ آس کے جھولے میں جھولتے ہوئے بولی۔

"ایک بات سچ سچ بتاؤ گی مونا.....؟"

"میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا تم سے..... پوچھو....."

"ممانی رشتے دیکھ رہی ہیں تمہارے.....؟"

"اگر یہ بات میں بھی کہوں تو.....؟"

"تمہارا لہجہ اس بات کی چغلی کھا رہا ہے مونا۔۔۔ جو سنا وہ سچ ہے۔۔۔"

"ماؤں کو بیٹیوں کی ہمیشہ فکر رہتی ہے۔ جب تم لوگوں کی طرف سے کوئی رابطہ ہی نہیں رہا تو کیا یہ حق بھی نہیں انہیں۔۔۔ ؟ اور تم نے جب بھی رابطہ کیا پھپھو نے اسے بڑھا چڑھا کر ہی پیش کیا لوگوں کے سامنے۔۔۔ کیا تم بے خبر ہو۔۔۔؟"

"جانتا ہوں اور کوشش بھی کرتا ہوں کہ رشتہ نہیں کرنا تو نہ کریں، لیکن کوئی بھی تہمت نہ لگائیں تم پر۔۔۔ مگر میں یہاں بھی ناکام ہو گیا ہوں مونا۔۔۔"

"جب تم ابھی میرا دفاع نہیں کر سکتے ارسلان تو بعد میں کیا کرو گے؟" اس کا لہجہ ایک دم سرد ہو گیا تھا۔

"اس وقت اور بعد کے حالات میں بہت فرق ہو گا۔ ابھی میں ان کے بغیر نہیں چل سکتا۔۔۔ معاشرے میں اپنا مقام برقرار رکھنے کے لیے ان کا ساتھ ضروری ہے۔۔۔ اور اگر میں ان کا ساتھ چھوڑتا ہوں تو کیا ممانی مجھے قبول کر لیں گی، تمہارا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیں گی؟ نہیں مونا کبھی نہیں ناممکن۔ بیٹی کو ہمیشہ باعزت طریقے باضابطہ طور پر ہی گھر سے رخصت کیا جاتا ہے۔۔۔ اور رہا بعد کے حالات تو شادی کے بعد تم میری ملکیت ہو گی اور شوہر ہونے کی حیثیت سے مجھے یہ حق حاصل ہو گا کہ ہر جائز مسئلے میں تمہیں سپورٹ کروں۔ یہاں تک کہ تمہیں الگ گھر میں لے کر شفٹ ہو سکتا ہوں۔ کیا شادی سے پہلے ایسا ممکن ہے مونا۔۔۔؟"

"میں اتفاق کرتی ہوں تمہاری بات سے ارسلان۔۔۔ اور اس مسئلے کو یہیں ختم کرتی ہوں۔ کیونکہ مجھ میں اور الزام سننے کی ہمت نہیں رہی۔" وہ ایک دم سے رو دی۔ ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔

"اور میری بھی ایک بات کان کھول کر سن لو۔۔۔ یہ بات میں ابھی سے بھی کہہ چکا ہوں "تم میری زندگی میں نہیں تو پھر کوئی بھی نہیں۔۔۔" اس نے اٹل لہجے میں کہا۔

"نہیں ارسلان نہیں۔" بڑی مشکل سے اس نے آنسوؤں پر قابو پا کر کہا۔ "تم پھپھو کا کہنا مان لو اور جہاں وہ شادی کرنا چاہیں وہاں۔۔۔"

اس کی آواز حلق میں پھنس گئی۔

"ایسا مت بولو مونا۔۔۔ میں نے ہمیشہ تمہیں ہی سوچا ہے، تمہیں ہی چاہا ہے اور شادی کے بارے میں جب بھی سوچا دلہن کے روپ میں تمہیں ہی دیکھا ہے۔" اس کا لہجہ اس کے ایک ایک لفظ کی گواہی دے رہا تھا۔

"ہماری ماؤں کے پاس کس نے کیا کہا، کیوں کہا، اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کا آلہ تو ہے۔۔۔ لیکن اولاد کے جذبات و احساسات کو ناپنے کا کوئی پیمانہ نہیں۔" کہتے کہتے اس کی آواز بھرا گئی۔ "میں تو خود کو بہت خوش نصیب سمجھتی تھی کہ میری سسرال بہت محبت کرنے والی ہے لیکن یہ نہیں جانتی تھی کہ آئینے کی طرح میرا دل بھی ہزار ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا جائے گا ساری محبت، نفرت میں بدل جائے گی۔ اگر پھپھو کو یہ سب ہی کرنا تھا تو انہوں نے یہ رشتہ جوڑا ہی کیوں تھا۔۔۔ انہوں نے تو جیتے جی مار دیا ہے۔۔۔" اس کے آنسوؤں نے الفاظ کا گلا گھونٹ دیا تھا وہ ضبط کی آخری حدوں پر کھڑی تھی۔ اس نے یکدم ہی فون رکھ دیا اور پھر بہت دیر تک فون بجتا رہا اس نے ریسیور اتار کر رکھ دیا اور چہرہ گھٹنوں میں چھپا کر رو دی۔

✲ ✲ ✲

"ارسلان کو مونا بہت اچھی لگتی تھی۔ اور دونوں گھرانوں کے حالات بھی بہت اچھے اور خوش گوار تھے۔ ارسلان نے ماں سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو انہوں نے اس کی خواہش کو اپنی آرزو بنا لی۔ مونا ان کے مرحوم بھائی کی بیٹی تھی اور بھائی بھی وہ جو کنیز کو بہن کم اور بیٹی زیادہ سمجھتے تھے۔۔۔ کنیز کو گود میں کھلایا تھا اور اس کی ہر خواہش پوری کرنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔ یہاں تک کہ کنیز نے سلمان سے شادی کے لیے بھائی سے اپنے دل کی کیفیت بتانا چاہی تو انہوں نے کنیز کی

پوری بات سے بنا ہی والدین اور بہن بھائیوں کو کنیز کے رشتے کے لیے راضی کر لیا۔ سلمان ان کا دور پار کا رشتہ دار تھا اور حالات میں ذرا کمزور تھا۔ انہوں نے اس طریقے سے سب کام سرانجام دیے کہ آج تک کوئی نہ جان پایا تھا کہ کنیز اور سلمان کی پسند کی شادی تھی اور آج اللہ نے انہیں یہ موقع فراہم کیا تھا۔ وہ بھائی کی بیٹی کو اپنی بہو بنا کر ان کے احسان کا بدلہ اتار سکتی تھیں اور ویسے بھی انہیں مونا سے زیادہ کون عزیز تھا۔

اگلے دن ہی وہ فوراً بھائی کے گھر پہنچیں اور بھابھی کے سامنے مونا کے لیے جھولی پھیلا دی۔ بھابھی کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ ارسلان دیکھا بھالا گھر کا بچہ اور برسر روزگار تھا۔ انہوں نے کنیز کو ہاں کر دی یوں دونوں خاندانوں کی رضامندی سے رشتہ طے پا گیا۔ سب کچھ بہت اچھا اور ٹھیک چل رہا تھا۔ ارسلان اور مونا بھی ایک دوسرے کے قریب آ گئے اور ایک دوسرے کے سینے میں دل بن کر دھڑکنے لگے۔ دونوں طرف شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ بس تاریخ طے کرنا باقی تھی کہ سکون سے بہتی ندی میں مسائل کا ایسا پتھر گرا کہ پھر حالات بگڑتے ہی چلے گئے۔ اور آج تک یہ سمجھ نہ آسکی تھی کہ ایسا کیا ہو گیا تھا کہ حالات اختیار سے باہر ہوتے چلے گئے۔ بس یہ ہوا دونوں طرف سوال و جواب کے گولے برسائے جانے لگے۔ کسی ایک نے بھی یہ جاننے کی کوشش نہ کی یہ سب کیا ہو رہا ہے؟

ارسلان اور مونا چکی کے دو پاٹوں کے درمیان پس رہے تھے۔ ارسلان نے ماں سے بات کی تو وہ جیسے اس کی منتظر تھیں کہ پھٹ پڑیں ! کنیز نے بھابھی اور مونا کے خلاف اتنا کچھ کہا کہ وہ سر پکڑ کر بیٹھا رہ گیا۔ اور جب اس نے ممانی سے بات کی تو انہوں نے بھی بلا لحاظ سنائیں کہ وہ تو حیران رہ گیا... اس نے منت سماجت کی مگر بے سود... ارسلان کی سمجھ میں بس یہ ہی آپایا تھا کہ دونوں کی مائیں اپنی اپنی انا میں قید ایک دوسرے کی صورت دیکھنے کی روادار نہ تھیں۔ لیکن انا کی جنگ میں وہ بچوں کو نقصان پہنچانے کے ساتھ ان کے دل کند چھری سے ذبح کر رہی تھیں۔ ان کی خوشیوں کو بدلے کی آگ میں جھلس رہی تھیں۔

اب ارسلان کی ایک ہی کوشش تھی ان حالات کو سلجھانے کی۔ جیسے بھی ہو۔

ارسلان نے کھوج لگانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر کوئی بہت بڑی بات سامنے نہیں آئی' ماسوائے یہ کہ ممانی نے کسی رشتہ دار کے سامنے ان کو برا بھلا بول دیا اور اس نے آ کر کنیز کو دو کی چار لگائیں اور انہوں نے بھی بنا تصدیق کے دل کی آگ ٹھنڈی کرنے کو بے نقط سنائیں۔

"اس لیے تو میں کہوں بھابھی نے نہ تو چکر لگایا اور نہ ہی فون کیا۔ میں کیا جانوں ان کے دل میں کیسے ابال آ رہے ہیں... اور جب میں نے فون کیا تو روکھے پھیکے لہجے میں بات کی اور دو چار منٹ بعد ہی کہیں جانے کا کہہ کر فون بند کر دیا۔ آج ان کو ارسلان میں کیڑے نظر آ رہے ہیں۔ کل یہ ہی ارسلان آنکھوں کا تارا تھا۔ اگر ان کی بیٹی کو رشتوں کی کمی نہیں تو میرے بیٹے کے لیے ہزاروں لوگ منتظر ہیں۔ آج کے دور میں لوگ شریف' برسر روزگار لڑکوں کو گھر بیٹھے رشتے دیے جاتے ہیں۔ وہ تو میں نے مرحوم بھائی کی بیٹی کا خیال کر کے رشتہ کر لیا تھا کہ کوئی دوسری آکر بھی تو عیش کرے گی تو گھر کی بچی کیوں نہ سکون کی زندگی گزارے اور پھر دونوں بچوں کی بھی رضا تھی... لیکن نیکی کا تو زمانہ ہی نہیں رہا۔ بھلا کرو اور برائی کی گٹھڑی سر پر رکھ دی جاتی ہے۔"

"امی یہ سب بے کار و فضول باتیں ہیں۔ کیا آپ ممانی کی عادت نہیں جانتیں جو دوسروں کی باتوں میں آ گئی ہیں۔ لوگ ایک دوسرے کو خوش اور ملتا نہیں دیکھ سکتے لیکن پھر آپ سمجھتی ہیں ممانی نے ایسا کہا ہے تو آپ فون کر کے معلوم کر سکتی ہیں۔ بجائے اس کے دل میں رنجشیں لیے بیٹھی رہیں اور یہ سب باتیں

آپ نے تیسرے فرد سے سنی ہیں، ممانی کے منہ سے تو نہیں۔"

"تمہارے لیے دین ایمان ہو گی تمہاری ممانی، میرے لیے تو وہ ہی بھابھی ہے۔ جو نند کو دیکھ کر کبھی خوش نہ ہوئی۔۔۔ مجھے دیکھ کر پیشانی شکنوں سے بھر جاتی تھی کہ جیسے میں ان کی جائیداد سے حصہ لینے آگئی ہوں۔ آخر کوئی بات تو کی ہے بھابھی نے تب ہی وہ کہی جا رہی ہیں۔۔۔"

"آپ کے خیال میں ایسا ہی ہے تو میں نمبر لگاتا ہوں، آپ بات کرلیں۔ سب کلیئر ہو جائے گا۔۔۔ ورنہ یہ حالات جس رستے پہ گامزن ہیں اس سفر کا انجام اچھا نہیں ہو گا۔ وقت کی ڈور ابھی آپ کے ہاتھ میں ہے مگر مزید کچھ وقت گزرے گا تو یہ ڈور ہاتھ سے چھوٹ جائے گی اور پھر سوائے پچھتاوے اور دکھوں کے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔" ارسلان نے ماں کو سمجھاتے ہوئے انتہائی دکھ سے کہا۔ وہ حد درجہ پریشان تھا۔ وہ جتنا اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کر رہا تھا اتنی ہی الجھتی جا رہی تھی۔

"یہ ہی بات اپنی ممانی کو سمجھائی تم نے؟"

"جی کی۔۔۔ ان کا کہنا ہے انہوں نے کچھ نہیں کہا کسی سے۔۔۔ اور جس نے بھی یہ لگائی بجھائی کی ہے اس کا نام بتائیں یا اس کو منہ پر لائیں۔"

"ہر چور یہ ہی کہتا ہے۔ اپنی چوری مان کر وہ چور تھوڑی کہلائے گا۔ میں کیوں نام بتاؤں۔۔۔ جس کو انہوں نے کہا ہے انہیں بھی معلوم ہے۔"

"ان کا کہنا ہے انہوں نے کچھ نہیں کہا۔۔۔ آپ کا کہنا ہے انہوں نے سب کہا ہے۔ اس کا آسان ساحل ہے، جب تک آپ دونوں سامنے نہیں آئیں گی بات سلجھے گی نہیں۔۔۔"

ارسلان کو لگا اس نے کچے ریشم کے الجھے گچھے میں ہاتھ ڈال لیا ہے۔ وہ ریشم سلجھا سکتا ہے اور نہ ہی پھینک سکتا ہے۔

"امی پلیز! اپنے مرحوم بھائی کی خاطر۔۔۔ میرے لیے۔۔۔"

"دیکھو ارسلان بیٹا! رشتہ داریاں کسی کی خاطر قائم نہیں رکھی جاتیں۔ رشتے ہمیشہ حسن سلوک اور محبت سے رکھے جاتے ہیں۔ برے رویے ان رشتوں کی موت ثابت ہوتے ہیں۔ دونوں فیملیز کی بہتری اسی میں ہے بھابھی آئیں اور بات کریں ورنہ سب کچھ ختم ہو جائے گا۔" ماں کا سرد لہجہ اس کے اندر تک اتر گیا۔ ان کے لہجے میں ذرا لچک نظر نہیں آ رہی تھی۔

"میں ممانی سے بات کرتا ہوں۔" اور اگلے ہی لمحے اس نے نمبر لگایا اور ممانی سے بات کی۔۔۔

"دیکھو بیٹا میری اور کنیز کی کوئی لڑائی نہیں ہے۔ وہ میرے مرحوم شوہر کی لاڈلی بہن ہے اور ہم میں بھی نند بھاوج کا کوئی رشتہ نہیں رہا۔ ہمیشہ دوستوں کی طرح رہی ہیں اور کنیز نے بہت پیار و محبت سے مونا کا ہاتھ مانگا تو میں نے فوراً "ہاں" کر دی۔ سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا۔ شادی کی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں کہ یکایک ہی حالات بگڑے۔ لیکن میری سمجھ میں آج تک یہ مسئلہ نہیں آسکا۔۔۔"

"تو ممانی ایسا نہیں ہو سکتا۔۔۔ آپ ادھر چکر لگالیں اور سب مسئلے ختم ہو جائیں۔۔۔" اس نے آس بھرے لہجے میں پوچھا۔

"چکر لگانے میں کوئی حرج یا برائی نہیں ہے۔ لیکن کنیز نے سیما بھابھی (کنیز کی چھوٹی بھابھی) کو کہا ہے میں ان کی دہلیز پر قدم نہ رکھوں ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔ تو ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیے خود ہی بتاؤ۔۔۔؟"

"ایسا کبھی نہیں ہو سکتا آپ کو گھر آنے سے منع کیا جائے اور آپ کو گھر سے نکالا جائے۔ یہ سب جھوٹ ہے۔ آپ امی سے بات کریں۔" یہ کہہ کر اس نے سیل کنیز کی طرف بڑھا دیا۔

"اب کیا رہ گیا ہے بات کرنے کو۔۔۔ بھابھی نے سارے خاندان میں تماشا بنا کر رکھ دیا ہے۔ میں بات نہیں کروں گی ان سے۔۔۔" کنیز نے غصے سے کہا۔

"آپ ایک بار بات تو کریں پلیز امی۔" اور اس نے

سیل ان کے سامنے کرتے ہوئے اسپیکر آن کر دیا۔
"بہت افسوس کی بات ہے، بھابھی یہ سب باتیں لوگوں کو کہہ رہی ہیں مجھے کہہ دیتیں اور ایک دم سے کون سے عیب اور کیڑے نظر آ گئے ہم میں۔" کنیز نے سلام دعا کے بغیر گلہ کر دیا۔
"اور یہ ہی بات میں تمہیں کہوں تو کنیز پھر...؟"
"تو اس کا مطلب ہے آپ نے سب کہا ہے تب ہی تو لوگوں کو باتیں بنانے کا موقع ملا ہے... تو ایسی صورت میں یہ رشتہ کیسے برقرار رہ سکتا ہے۔"
"تو گویا تم رشتہ توڑنے کی دھمکی دے رہی ہو۔ کنیز ...؟"
"آپ کی مرضی ہے، جو سمجھیں... میں نے ایسی کوئی دھمکی نہیں دی..."
"بیٹی والوں کے لیے یہ ہی بات بہت بڑی ہوتی ہے۔ بجائے اس کے جس نے جو کہنا ہے اسے سامنے لائیں مگر آپ کے لہجے سے ان باتوں کی سچائی کی بو آ رہی ہے۔ میں بیٹی کی ماں ہوں اور میری بیٹی کے لیے رشتوں کی کمی نہیں... بیٹی عزت کے ساتھ دی جاتی ہے ناک..."
"تو میرے بیٹے کو بھی رشتوں کی کمی نہیں ہے۔ آج سے یہ رشتہ ختم سمجھیں۔ میں نے ارسلان کا رشتہ توڑ دیا ہے۔ اب آپ آزاد ہیں۔ جہاں چاہیں اپنی بیٹی کو بیاہیں... اور سیما بھابھی کو میں نے خود سے کچھ نہیں کہا آپ کی بات کا جواب دیا تھا جو آپ تک پہنچ گیا۔"
"امی... امی یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟" ارسلان ایک دم سے چیخا۔
ارسلان کی کیفیت اس مسافر کی سی ہو گئی تھی جو راستہ بھول کر بند گلی میں آ جاتا ہے اور اسے واپسی کے لیے کوئی در دکھائی نہیں دیتا۔
"ممانی آپ پلیز میری بات سنیں... آپ معاملے سلجھانے کی کوشش کریں تاکہ بگاڑ کا باعث بنیں... ممانی پلیز۔" اس التجائیہ لہجے میں کہا۔
"ارسلان آج کنیز کے یہ تیور ہیں تو کل کو یہ کیا کرے گی؟ اور بات اب بڑوں کے درمیان آ گئی ہے۔ اس کا فیصلہ تم... نہیں ہم کریں گے... میں آج ہی مونا کے چچا لوگوں سے بات کرتی ہوں۔ میرے بیٹے تو اب اس رشتے کے حق میں ہی نہیں ہیں۔ یہ تو میں ہی ہوں اب تک ان کو روکے ہوئے ہوں ورنہ......"
"ورنہ کیا... ؟ کیا کرتے وہ؟ انہیں کہو کچھ کر کے تو دکھائیں پھر پتا چلے گا ارسلان کوئی لاوارث نہیں ہے اور نہ ہی اس کے بھائیوں اور خاندان والوں نے چوڑیاں پہنی ہیں۔"
کنیز غصے کی شدت سی باولی ہوئی جا رہی تھیں اور چیخنے چلانے لگی تھیں۔
"کنیز یہ مت بھولو چوڑیاں مونا کے بھائیوں نے بھی نہیں پہنی ہیں۔"
اور فون کھٹاک سے بند ہو گیا... ارسلان کبھی فون کو دیکھ رہا تھا اور کبھی ماں کے چہرے کو۔ ان کے چہرے پر ناگوار تاثرات پھیلے ہوئے تھے۔
"ہوں بڑی آئی دھمکیاں لگانے والی۔ دیکھوں ذرا کتنوں کو گراتے ہیں مونا کے بھائی... اور کان کھول کر سن لو ارسلان تم بھی... آج سے یہ رشتہ ختم۔ آج کے بعد صلح صفائی کی کوشش نہ کرنا۔ میں تھوک کر چاٹنے والوں میں سے نہیں... ذرا اپنے اسفر ماموں کا نمبر لگاؤ' بتاؤں ان کو بھاوج کے کرتوت..."
"خدا کے لیے اس بات کو یہیں ختم کر دیں امی پلیز... جب رشتہ ختم تو تمام مسئلے بھی ختم... سانپ کو رسی مت بنائیں......"
ارسلان نے سیل جیب میں ڈالا اور باہر نکل گیا۔ اس کا سر صدمے سے پھٹا جا رہا تھا۔ مونا کو کھو دینے کا تصور ہی اسے پاگل کیے دے رہا تھا۔

✲ ✲ ✲

کنیز نے دونوں چھوٹے بھائیوں کو فون کر کے مونا کے رشتے سے انکار کر دیا تھا اور بھابھی کی شان میں

قصیدے پڑے اور گز بھر کی لمبی زبان کا خطاب دیا۔
دونوں بھائیوں نے بہن کو سمجھانے کی بھرپور کوشش کی مگر کنیز کی "نہ" ہاں میں نہ بدلی۔ وہ خاموش ہو گئے "کیا کر سکتے تھے۔ ادھر شگفتہ بھابھی نے دیوروں کو نند کی شکایت کی تو انہوں نے بھابھی کو یہ ہی مشورہ دیا کہ وہ اس رشتے کو ختم سمجھیں کیونکہ کنیز کی ضد سے وہ لوگ اچھی طرح واقف ہیں وہ اپنا' اپنی اولاد کا نقصان تو برداشت کر سکتی ہے مگر اپنے فیصلے سے دست بردار ہو جانا اس کی سرشت میں شامل نہیں ہے۔ اس کی "نہ" ہاں میں نہیں بدل سکتی تھی! دونوں طرف گولا بارود جاری تھیں۔
ارسلان نے کچھ وقت کے لیے خاموشی اختیار کر لی اپنے طور پر تحقیق کی تو جھوٹ کے سب پردے چاک ہو گئے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی سامنے آگیا۔ تب اس نے ماں سے دوبارہ بات کرنے کا سوچا۔
"امی میں اچھی طرح تحقیق کر چکا ہوں کسی بات کا کوئی وجود نہیں..... سب بہتان ہیں بس آپ لوگوں کی باتوں میں آگئیں اور ادھر ممانی..... میری خواہش ہے اس انا کی جنگ کو ختم کر دیں۔ اگر مزید طول دیں گی تو جھوٹ کی ناگن سب کچھ نگل جائے گی اور پھر کچھ باقی نہیں بچے گا۔ آپ میرے ساتھ چلیں اور دل میں آئی ان رنجشوں کو دور کر لیں۔ تو سب کچھ پہلے جیسا ہو جائے گا۔"
"تمہاری ہی خواہش پر ذلیل ہو رہی ہوں آج تک' اور تم چاہتے ہو ایک بار پھر بھابھی کے سامنے ذلیل ہو جاؤں۔ آخر بیٹے کی ماں ہوں میں۔ بھابھی آ کر معافی مانگ لیں پھر کچھ سوچوں گی۔" کنیز نے اٹل لہجے میں کہا ..... ذرا لچک نہیں تھی ان کے انداز میں۔
"چاہے آپ کے بیٹے کے ارمانوں کا خون ہو جائے .....؟" اس نے ان کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیا ..... لیکن کوئی لچک نظر نہ آئی۔
"یہ چار دن کی باتیں ہوتی ہیں... دل ارمان کچھ نہیں ہوتا۔ سب بھول جاتا ہے۔ اور وقت گزرنے کے ساتھ اپنی غلطی کا احساس شدت سے ہوتا ہے کہ اگر اس وقت عقل اور صبر سے کام لیا ہوتا تو آج دکھی نہ ہو رہے ہوتے۔ سو تم بھی جوش سے نہیں ہوش سے کام لو۔" اس وقت وہ خود کو بھول گئی تھیں۔ کیسے سلیمان کے لیے مری جا رہی تھیں۔
"اگر ممانی بھی نہ مانیں تو....؟" دل کا خدشہ زبان پر آگیا۔
"تم بہتر جانتے ہو۔ اپنا فیصلہ سنا چکی ہوں۔"
انہوں نے دوٹوک الفاظ میں جواب دے دیا اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اس کا مطلب تھا وہ اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتیں۔
لاکھ کوشش کے باوجود وہ دلوں میں آیا بال کسی کے دل سے نہ نکال سکا۔ صلح صفائی کا ہر حربہ ناکام ہو گیا۔
تھک ہار کر اس نے خود کو وقت کے حوالے کر دیا اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا اس کے پاس۔
لیکن جب اسفر ماموں کے بیٹے سے معلوم ہوا کہ ممانی مونا کے رشتے دیکھ رہی ہیں تو وہ دل پر قابو نہ رکھ سکا اور آخری کوشش کے طور پر ممانی سے بات کرنے کا سوچا! کیونکہ امی کی طرف سے تو ایک فیصد بھی چانس نظر نہیں آرہا تھا۔

☼ ☼ ☼

یہ آخری کوشش اور آخری حل تھا اگر وہ کامیاب ہو جاتا تو..... صحرا میں پھول کھل جاتے دل کا چمن پھر سے مسکرانے لگتا۔ خوشیاں اور مسرتیں رقص کرنے لگتیں۔
وہ اسے دیکھ کر سمجھ گئی تھیں کہ وہ کیوں آیا ہے لیکن ظاہر نہیں ہونے دیا۔ اچھے طریقے سے اس کی آؤ بھگت کی لیکن ادھر ادھر کی باتوں کے علاوہ اصل موضوع کی طرف نہ آئیں۔ بہت انتظار کے بعد ارسلان نے خود ہی ذکر چھیڑ دیا۔
"میں گزری کوئی بات نہیں دہراؤں گا' کس نے کیا کہا' کیوں کہا' کس لیے کہا' وجہ کیا ہوئی؟ سب ماضی کی باتیں ہیں۔ کیونکہ اس کا رونا بہت رویا جا چکا ہے مگر حل نہ نکل سکا۔ نتیجہ صفر ہی رہا۔ میں آج کی بات

کروں گا۔ امی کی طرف سے مکمل طور پر مایوس ہو کر آپ کی طرف آیا ہوں۔۔۔ کیونکہ میں خونی رشتے نہیں کھونا چاہتا۔ اس لیے ہر ممکن کوشش یہ ہی کر رہا ہوں کہ ماموں کا گھر نہ ٹوٹے اور نیا بننے والا رشتہ بھی قائم و برقرار رہے۔ امی کو اپنے ساتھ لانا چاہتا تھا مگر وہ نہیں آئیں۔ وہ کتنی ضدی ہیں آپ بھی جانتی ہیں۔ میرے آنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ آپ ان باتوں کو بھلا دیں اور نیا رشتہ نہ بھی بنے تو ماموں کا گھر نہ ٹوٹے۔ مجھے ماموں کے گھر سے زیادہ کچھ عزیز نہیں آپ میرے ساتھ چلیں امی راضی ہو جائیں گی۔۔۔ اور حالت پھر سے اپنی ڈگر پر آجائیں گے۔"

"بیٹا تمہارا آنا سر آنکھوں پر۔۔۔ لیکن یوں جانا مناسب نہیں۔ بیٹی کو عزت اور احترام کے ساتھ دیا جاتا ہے ناکہ پیروں کی خاک بننے کے لیے پھینک دوں۔ بیٹی کی ماں بھیک نہیں مانگ سکتی۔ اگر کنیز آجاتی تو میں سب کچھ بھلا کر اس کو گلے سے لگا لیتی۔ مگر اس نے تو نئے پرانے کسی رشتے کا خیال نہیں رکھا۔ سب رشتے دل سے نکال پھینکے۔ میری بیٹی کے نصیب میں خوشیاں لکھی ہوں گی تو مل جائیں گی مگر اس طرح۔۔۔ نا ممکن میں تمہاری بات ماننے سے قاصر ہوں اور تمہیں بھی یہ ہی مشورہ دوں گی جو تمہاری ماں چاہتی ہے اس کے فیصلے پر سر جھکا دو۔ ہم سب کے حق میں یہ ہی بہتر ہے۔ کنیز اچھی بھلی عقل مند اور ذہین ہے مگر اس معاملے میں اس نے عقل سے نہیں جذبات کی رو میں فیصلہ کیا ہے اور اس نے کسی نئے یا پرانے رشتے کا خیال نہیں رکھا۔ کنیز نے ذرا بھی نہ سوچا کہ وہ اپنے مرحوم بھائی کی بیٹی کو بدنام کر رہی ہے اور بھائی بھی وہ جو کنیز کو آنکھوں کا تارا اور دل کا سکون سمجھتا تھا۔ مرتے دم تک کنیز کو اپنے بچوں پر ترجیح دی اور کنیز نے۔۔۔" شگفتہ ممانی کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ انہوں نے دوپٹے کے پلو سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہا۔

"اس بات کو یہیں پر ختم کر دو ارسلان بیٹا۔ اگر تم لوگ درمیان میں نہ ہوتے تو میں ایک بار نہیں سو بار جا کر کنیز کے پیر پکڑ لیتی۔ لیکن اب اگر میں نیک نیت سے بھی نند کو منانے جاؤں گی وہ یہ ہی چرچا کرے گی کہ مجھ پر بیٹی اتنی بھاری ہو گئی ہے کہ اس کے انکار کے باوجود کشکول میں ڈال کر دینے چلی آئی۔۔۔ میں بہت اچھی طرح اس کی فطرت سے واقف ہوں۔" شگفتہ ممانی صاف لفظوں میں منع کرتے ہوئے اسے کہا۔

"ممانی آپ کو مجھ پر اعتماد نہیں رہا۔۔۔ آگے چل کر رشتہ داری تو میں ہی نبھاؤں گا نہ پھر امی کیا کر سکیں گی۔۔۔"

"بیٹا تمہاری بات ٹھیک ہے مگر یہ یاد رکھو شادی دو خاندانوں کا ملاپ ہوتی ہے۔ اگر ابھی سے یہ صورت حال پیدا ہو گئی ہے تو آنے والے وقت سے اچھے کی امید کیسے کی جا سکتی ہے! اگر کنیز صرف آجائے بھلے زبان سے ایک لفظ نہ کہے۔۔۔ میں پھر بھی مونا سے اس کی جھولی میں ڈال دوں گی۔ مگر اب اس طرح تمہارے کہنے پر نہیں اور بہت معذرت کے ساتھ یہ رشتہ اسی وقت ختم ہو گیا تھا' جب کنیز نے انکار کر دیا تھا۔ اس کے بعد کہاں گنجائش بچی تھی کہ آس کا دامن تھام کر بیٹھی رہتی۔۔۔"

شگفتہ کا لہجہ حد درجہ افسردہ اور روکھی تھا۔ ارسلان واقعی ہی بہت اچھا لڑکا تھا۔ اس کے کھو جانے کا انہیں بھی بہت دکھ تھا۔ لیکن سب رشتے ضد کی نظر ہو گئے تھے۔

لیکن ان حالات نے اسے بہت کچھ سکھا دیا تھا! ایک بار آئینوں میں بال آجائے یا دل میں' پھر نہیں نکلتا۔ غلط فہمیاں رشتوں کو گھن کی طرح کھا جاتی ہیں۔ وہ افسردہ دل اور مرے مرے قدموں سے گھر سے باہر نکلا اس نے پلٹ کر کھڑکی میں کھڑی مونا کو نہ دیکھا اگر دیکھتا تو پتھر کا ہو جاتا۔ خزاں پیڑوں پودوں پر ہی نہیں آئی تھی اس بار ان کے دل میں بھی ڈیرے ڈال گئی تھی۔

دیمک صرف لکڑی کو ہی نہیں کھاتی بعض اوقات خون کے رشتوں کو بھی چاٹ جاتی ہے اور اندر سے کھوکھلا کر دیتی ہے۔

☼ ☼

نادیہ احمد

ہال میں موجود لوگوں میں اس وقت خاصا جوش و خروش دکھائی دے رہا تھا۔ میوزک کی تیز تال پہ جہاں ایک طرف لڑکے لڑکیوں کا گروہ محو رقص تھا وہیں دوسری طرف اعلا افسران' اہم کاروباری شخصیات اور ان کی بیگمات کی منڈلی جمی تھی۔ ہاتھوں میں مشروب' بے حجاب لباس میں ملبوس ملکی و غیر ملکی حالات سیاست اور فیشن پہ گرما گرم بحث کرتی شہر کی اشرافیہ سال نو کی خوشی میں دی جانے والی اس شان دار پارٹی کو اپنے جوش و خروش اور جگمگاہٹ سے اور بھی جان دار بنا رہی تھی۔ شہر میں اس وقت نئے سال کی یہ واحد تقریب ہرگز نہیں تھی' فائیو اسٹار ہوٹلوں سے لے کر' جانی مانی شخصیات کے پرائیوٹ فارم ہاؤس اور گھروں میں اسی سے ملتی جلتی رنگ و نور میں بھیگی شامیں اپنے عروج پہ تھی' لیکن یہ طے تھا جو محفل یہاں سجی تھی اس کے سامنے ہر محفل پھیکی تھی' بے رنگ تھی۔

ڈانس فلور سے کچھ فاصلے پر لگی میز کے گرد سب سے الگ تھلگ بیٹھا شمائل آفریدی اس وقت جی بھر کر بور ہو رہا تھا۔ وہ کچھ دیر پہلے یہاں آیا تھا اور سب لوگوں سے رسمی ہیلو ہائے کرتا بہت دیر سے اس مخصوص جگہ بیٹھا تھا۔ پارٹیاں' نہ تو کبھی اس کے لیے باعث کشش تھیں' نہ ہی وہ خود ان محفلوں میں دلچسپی رکھتا تھا۔ لیکن یہاں معاملہ کچھ اور تھا۔ وہ چاہتا یا نہ چاہتا' اسے تو بہرحال یہاں آنا ہی تھا۔

"میں جانتا تھا تم اکیلے بیٹھے ہوگے۔" فراز نے بشاش لہجے میں اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ شمائل کے سرخ و سفید چہرے پہ ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔ اپنی طبیعت کے برخلاف وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے اس سر درد کو برداشت کر رہا تھا۔

"ہو گئے تم فری؟" فراز اب سامنے والی کرسی کھینچ کر اس کے پاس ہی بیٹھ گیا تھا۔ بلیک ڈنر سوٹ میں وہ ہمیشہ شان دار لگتا تھا۔ بالوں کی تہ کو جیل سے جمائے وہ اپنی سحر انگیز شخصیت اور قاتل مسکراہٹ کے ساتھ کسی کو بھی گھائل کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

"جانتا تھا تم بور ہو رہے ہوگے اسی لیے' کتنی ہی مہ جبینوں کے دل توڑ کر تمہارے پاس چلا آیا ہوں۔" اپنی بائیں آنکھ دبا کر اس نے شریر نظروں سے شمائل کو دیکھا' جس کے چہرے کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی تھی۔

وہ شمائل کو بچپن سے جانتا تھا۔ اس کی شخصیت بہت حد تک اس کی خاندانی روایات کے سانچے میں ڈھلی تھی۔ پہاڑوں کے دامن میں بسنے والے اچک زئی خاندان کا اکلوتا چشم و چراغ۔۔۔ جہاں روایات کو عبادت کا درجہ حاصل ہے۔ یہ غرور اور شان بے نیازی اسے ورثے میں ملی تھی۔ فراز اور وہ ایک اسکول' ایک کالج اور پھر بیرون ملک اکٹھے تعلیم حاصل کرتے رہے تھے۔ ایک طرف پارٹیوں' ہلے گلے کا دل دادہ فراز تھا تو دوسری طرف شاعری' ادب اور لڑکیوں کے نام سے بھی کوسوں دور رہنے والا شمائل۔ اس کے باوجود دونوں میں گہری دوستی تھی۔

☼ ☼

ہر شام جلد سونے کی عادت سی ہو گئی
ہر رات اک خواب ضروری سا ہو گیا

میز پہ رکھی موم بتی کی لو ہوا کے دوش پہ تیز و مدھم ہو رہی تھی۔ آسمان سے قطرہ قطرہ اترتی رات کی سیاہی نے سارے عالم کو ڈھانپ لیا تھا۔ کھڑکی کے کھلے پٹ سے اندر آتی سرد ہوا سے جھرجھری کی کیفیت طاری ہو رہی تھی۔ ہر طرف ہو کا عالم تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے بجلی چلی گئی تھی۔ پورے شہر میں اس وقت سال نو کا جشن منایا جا رہا تھا۔ پوش علاقے برقی قمقموں سے جگمگا رہے تھے لیکن شہر کا یہ پسماندہ ترین علاقہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اچانک میکانکی آوازیں بند ہو جانے سے موت سا سناٹا پھیل گیا تھا۔ اپنے آنے والے کل سے انجان، رضائی میں دبکی... زرد روشنی میں، وہ خالی الدماغی سے اپنی ڈائری کھولے بیٹھی تھی۔ کل کا دن اس کی زندگی کا اہم ترین دن تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ جو سوچ رہی ہے وہ سب کر پائے گی یا نہیں لیکن وہ خود کو ایک موقع ضرور دینا چاہتی تھی۔

"اب تک سوئی نہیں مثال بیٹا؟" وہ جو اپنے خیالوں میں مگن ڈائری کے پنوں پہ لکھی تحریر میں کھوئی ہوئی تھی' اسماعیل کی آواز سن کر ایک دم ٹھٹھکی۔ اپنی پرانی گرم شال کو اچھی طرح لپیٹے وہ کمرے کے دروازے پہ کھڑے اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

"نیند نہیں آرہی تھی بابا.... کچھ دیر میں سو جاؤں گی۔" ڈائری بند کرکے پاس رکھی میز پہ رکھتے ہوئے وہ اب اپنی رضائی ٹھیک کرنے لگی۔ موم بتی قطرہ قطرہ پگھلتی جارہی تھی۔ موم کے پگھلنے سے شعلہ کچھ اور بھڑکا۔

"نیند کیوں نہیں آرہی بیٹا؟ آدھی رات تو ہوچکی.... مجھے تو لگتا ہے نیا سال بھی شروع ہوگیا ہے۔" ہاتھ کا چھجا بنا کر چندھیائی آنکھوں سے انہوں نے دیوار پہ لگی گھڑی کی طرف دیکھا جہاں بارہ بجنے میں ابھی کچھ لمحے باقی تھے۔

"نہیں بابا... ابھی کچھ وقت ہے نیا دن' نیا سال شروع ہونے میں...." وہ کسی غیر مرئی شے کو سوچتے ہوئے بولی۔

"لیکن آپ اس وقت کیوں جاگ رہے ہیں.... آپ کو تو میں دوا دے کر سلا کر آئی تھی نا' طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی۔" اچانک اسے باپ کی اس وقت اپنے کمرے میں موجودگی کا خیال آیا۔ اسماعیل نے مسکرا کر اس کے فکرمند چہرے کی طرف دیکھا۔

"پریشان مت ہو' میں بس یونہی چلا آیا تھا تجھے دیکھنے۔ سوچا ایک نظر دیکھ آؤں۔ پتا نہیں دل کو وہم سا ہو رہا تھا کہ تو پریشان ہوگی۔" اسے بوڑھے باپ کی اس فکرمندی پہ جی بھر کر پیار آیا' تو وہ بھی اس کی طرح ابہام کا شکار تھے۔ ان کا ذہن بھی اتنا ہی منتشر اور الجھا ہوا تھا' جتنا اس وقت اس کا اپنا تھا۔ حالات نے ان دونوں کو آج جس مقام پر لا کھڑا کیا تھا ایسے میں ایک فقط یہی راستہ بچتا تھا اور فیصلہ تو وہ کرچکی تھی' پھر یہ انجانا سا خوف کیوں؟

"بابا' میں ٹھیک ہوں۔ چلیں اب آپ بھی جاکر سو جائیں ایسے سردی میں باہر برآمدے میں مت کھڑے ہوں۔ میں بھی سونے کی کوشش کرتی ہوں' پھر صبح جلدی اٹھنا ہے نا۔" موم بتی بس اب بجھنے ہی والی تھی۔ اسماعیل نے مسکرا کر مثال کو دیکھا اور سر جھٹکتے ہوئے دھیمے قدموں سے اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔ مثال نے سینے میں اٹکا ایک گہرا سانس خارج کیا۔ موم بتی اب اپنی آخری سانسیں لے رہی تھی۔ وہ بستر پہ لیٹی اب بھی اسی کو گھورے جارہی تھی۔ لو بجھتے ہی اس نے اپنی نیند سے بوجھل تھکی ہوئی آنکھیں موند لیں۔ لائٹ اب تک نہیں آئی تھی۔ کمرہ تاریک ہوچکا تھا۔

☼ ☼ ☼

سنگل سیٹر صوفہ پہ اپنے اردگرد سے بے نیاز وہ سگریٹ نوشی میں مصروف تھی۔ چست بلیو جینز اور سیاہ سلیولیس ٹاپ میں اپنے خوب صورت خدوخال کو نمایاں کرتے ہوئے وہ اس محفل کی جان لگ رہی تھی۔ کچھ دیر یونہی فضا میں دھوئیں کے مرغولے اڑاتے رہنے کے بعد اچانک وہ ایک شان بے نیازی سے ڈانس فلور کی طرف بڑھی۔ سب کی نظریں اس کے حسن کا احاطہ کررہی تھیں۔ میوزک کی تال پہ تھرکتے اس کے قدم اس بات کی چغلی کھا رہے تھے کہ وہ اس فن میں کمال رکھتی ہے۔ اسٹیپ میں کٹے اس کے بھورے بال جب ہوا میں لہراتے تو حاضرین محفل کے دل کی دھڑکن تیز ہوجاتی۔ وہ ڈانس فلور پہ تھی اور اس وقت سب اسی کو دیکھ رہے تھے۔ نیا سال شروع ہوچکا تھا اور اس کے ساتھ حاضرین کا جوش و ولولہ بھی بڑھ گیا تھا۔

"خوب صورت ہے۔" شمائل کی نظریں بھی اس وقت ڈانس فلور پہ مرکوز تھیں۔ فراز نے اس کی نظروں کا احاطہ کرتے ہوئے میوزک کی تال پہ تھرکتے اس سونے چاندی کے مجسمے کو دیکھ کر کہا۔

"اور بے شرم بھی...." شمائل کے چہرے پہ ناپسندیدگی تھی۔ فراز کو یہی توقع تھی۔ ایسا پہلی بار نہیں ہوا تھا ان دونوں نے ایک ساتھ اکٹھے کئی محفلیں اٹینڈ

کی تھیں' ہر بار کسی خوب صورت جان محفل کو دیکھ کر شمائل کا تبصرہ کچھ ایسا ہی ہوتا تھا۔

"کم آن یار.... شی از سچ آ بیوٹی فل گرل۔" فراز کہے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ ماہ رخ اب بھی اپنے بے حجاب حسن کے جلوے بکھیر رہی تھی۔

"مجھے ایسی لڑکیوں میں کوئی کشش محسوس نہیں ہوتی جو مردوں کی محفلوں میں خود کو آئی کینڈی بنا کر ان کی توجہ بٹورتی ہیں۔" اپنے کوک کے گلاس کا آخری سپ لیتے ہوئے وہ اب وہاں سے اٹھنے کی تیاری میں تھا۔

"کچھ دیر تو اور بیٹھتے ہیں' اتنی بھی کیا جلدی ہے؟" شمائل کے برعکس فراز اس پارٹی کو انجوائے کر رہا تھا' اس کا ابھی اٹھنے کا موڈ نہیں تھا' لیکن شمائل اب وہاں مزید نہیں بیٹھنا چاہتا تھا۔ چاروناچار فراز کو بھی وہاں سے اٹھتے ہی بنی۔ جانے سے پہلے اس نے ایک نظر ڈانس فلور پہ ڈالی۔ وہ پری چہرہ بھی اب کہیں نظر نہیں آرہی تھی۔

"ڈرتا ہے کیا اتنی حسین لڑکی کے آگے گھٹنے نا ٹیکنے پڑ جائیں۔" فراز کا موڈ شان دار تھا۔ شمائل نے اگنیشن میں چابی گھمائی۔ آدھی رات کو سڑک پہ ٹریفک نا ہونے کے برابر تھی۔

"جن لڑکیوں میں مجھے ذرہ برابر بھی کشش محسوس نہیں ہوتی ان کے سامنے گھٹنے کیا ٹیکنے مائی ڈیر۔ عورت کا یوں سرعام اپنے حسن کی نمائش کرنا کم عقل مردوں سے ان کے تعلقات تو بنوا سکتا ہے' لیکن انہیں عزت نہیں دلوا سکتا۔" گاڑی ڈیفنس سے نکل کر اب مین بلیوارڈ پہ آگئی تھی۔ فراز کو ڈراپ کرتے ہوئے اسے اپنے گھر جانا تھا۔

"یار ہماری سوسائٹی میں تو سب ایسی ہی لڑکیاں پھرتی ہیں۔" فراز کی سوچ الگ تھی۔ بچپن میں والدین کی علیحدگی ہوگئی اور پھر دونوں نے اپنی پسند سے نئی زندگی کا آغاز کرلیا۔ فراز کی ذات لڑکپن سے عدم توجہی کا شکار تھی۔ وہ بہت کم عمری سے اپنی مرضی کی زندگی گزار رہا تھا نہ کسی نے اچھے برے کا فرق بتایا' نہ اس نے جاننے میں اپنا وقت ضائع کیا۔ اپنے ان تمام باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا جن کا کلمہ شمائل پڑھتا رہتا تھا۔ وہ جانتا تھا شمائل ان معاملوں میں بہت روایتی یا شاید دقیانوسی ہے۔

"عورت بہت چھپا کر' پوشیدہ رکھنے والی شے ہے فراز۔ عورت میں راز نہ ہو' اسرار نہ ہو بھید نہ ہو تو مرد کا دل اوبھ جاتا ہے۔ تمہیں بھی اسی لیے سمجھاتا ہوں کہ ان تتلیوں کے ساتھ ٹائم پاس کرنے کی بجائے کوئی مناسب اچھی سی لڑکی دیکھ کر گھر بسالو۔" فراز کا بھرپور قہقہہ فضا میں گونجا۔ اکثر ایسا ہوتا شمائل اسے دادا ابا کی طرح لیکچر دینا شروع کرتا اور فراز اس کی بات کو دھواں بنا کر اڑا دیتا۔ ان دونوں میں اختلاف ضرور تھا' مگر دونوں کی متضاد سوچ ان کی دوستی کی راہ میں ہرگز حائل نہ تھی۔ شمائل جانتا تھا فراز خلوص کی مٹی سے گندھا ایک بے لوث انسان ہے۔

"یار شمائل گاڑی روک' یہ دیکھ یہ وہی لڑکی ہے نا جو وہاں پارٹی میں تھی۔" سڑک کے کنارے ایک گاڑی رکی تھی اور چہرے پہ پریشانی لیے اس وقت وہی پارٹی والی حسینہ موبائل کان سے لگائے اس کے پاس موجود تھی۔

"چھوڑ نا یار' کن چکروں میں پڑنے لگا ہے۔" شمائل کو پہلے ہی وہ ایک آنکھ نہیں بھائی تھی۔ اس سرد رات میں رک کر اس کی مدد کرتا وہ کیونکر قبول کرتا لیکن فراز کو یوں اسے بے آسرا چھوڑ کر جانا منظور نہیں تھا۔

"عجیب بات کر رہا ہے شمائل' ایک لڑکی آدھی رات کو سڑک کے کنارے مدد کی منتظر کھڑی ہے' باہر سردی چیک کر کتنی ظالم ہے اور کہاں گئے تیرے سنہری اصول.... یہ بھی تو ایک لڑکی ہے نا۔" فراز کو اس درجہ مصر دیکھ کر چاروناچار شمائل کو گاڑی روکنا پڑی۔ وہ محترمہ جو اپنے موبائل میں مصروف تھیں۔ یوں اچانک اپنے قریب ایک گاڑی رکنے پہ سکون و حیرت کی ملی جلی کیفیت چہرے پہ سجائے قریب آگئی۔

"نیڈ ہیلپ (مدد چاہیے)" خود کو سردی سے

بچانے کے لیے اس وقت اس نے ایک سیاہ لمبا اوور کوٹ پہن رکھا تھا' البتہ بال اب بھی کھلے تھے۔
ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھے شمائل نے خاموشی میں عافیت جانی' جبکہ فراز نے اونچی آواز میں اسے مدد کی آفر کی۔
"میری گاڑی کا ٹائر پنکچر ہو گیا ہے' ڈرائیور کو کال کر رہی ہوں' لیکن وہ گدھا فون نہیں اٹینڈ کر رہا۔"
فراز اب گاڑی سے باہر نکل آیا تھا جبکہ شمائل نے یہ زحمت بھی نہ کی۔ وہ فراز کو اپنا مسئلہ سنانے لگی۔
"رات کے اس پہر بے چارہ سو رہا ہو گا۔ انسان ہی ہے نا۔" شمائل نے ماتھے پہ بل ڈالے اسے سنایا۔ وہ حیرت سے اس کا منہ دیکھتی رہ گئی۔ فراز نے بروقت مداخلت کی اور بات کو رفع دفع کر کے اس کی گاڑی کی ڈگی سے جیک نکال کر ٹائر بدلا۔
"مسٹر! آپ کا بہت بہت شکریہ!" وہ اس کی ممنون تھی۔
"فراز احمد... شکریہ کی کیا... بات ہے سڑک کنارے کھڑی ایک تنہا لڑکی کی مدد کرنا میرا اخلاقی فرض تھا۔"
"مس...!" فراز خوش دلی سے بولا جبکہ گاڑی میں بیٹھے شمائل نے ہارن بجایا۔
"منال... لیکن لگتا ہے مسٹر فراز' اخلاقیات سے آپ کے دوست کا دور تک کوئی تعلق نہیں۔" اپنی بات کو انجوائے کرتے ہوئے اس نے خود ہی ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ شمائل اندر بیٹھا پہلو بدل رہا تھا۔
"دراصل اسے سردی زیادہ لگتی ہے۔" فراز کے لہجے میں شرارت تھی۔ گفتگو کے اختتام پر فراز نے اپنا کارڈ اسے رابطے کے لیے دیا اور اس کا نمبر لے کر خود گاڑی میں آ بیٹھا۔
"بائی دی وے شی از ڈیم بیوٹی فل..." (ویسے وہ بہت خوب صورت ہے) شمائل سنجیدگی سے گاڑی چلا رہا تھا۔ اس کا دھیان اس وقت فقط ڈرائیونگ پہ تھا۔
"اس ہفتے میں شاید یہ ساتویں لڑکی ہے جو تمہیں بہت خوب صورت لگی ہے۔ کیا ان ڈھیروں لڑکیوں کے ہجوم میں ایک سمجھ دار' سنجیدہ اور عزت دار لڑکی نہیں مل سکتی تمہیں جو تمہارے دل پہ اپنی محبت کا بند باندھ سکے۔" گاڑی فراز کے گھر کے سامنے روک کر وہ بہت سنجیدہ اور نپے تلے لفظوں میں اسے سمجھا رہا تھا۔
ایسا پہلی بار نہیں ہوا تھا۔ اس بات پہ ان دونوں کے درمیان بحث معمول کا حصہ تھا۔ شمائل کی شدید خواہش تھی فراز اب اپنا گھر بسا لے۔ وہ جانتا تھا باہر سے ہشاش بشاش' دنیا کو ہنستا مسکراتا اور موج مستی کرتا دکھائی دینے والا فراز در حقیقت بہت تنہا اور خالی ہے۔ اسے زندگی میں ایک سچے ساتھی کی ضرورت ہے۔
"کم آن شمائل... تم پھر شروع ہو گئے۔ یہ پیار محبت سب ڈھکوسلا ہے' کون کسی کے دل پہ محبت کا بند باندھ سکا ہے۔ زندگی بھر ساتھ نبھانے کا وعدہ کرنے والے اٹوٹ رشتے بھی اپنی راہیں اپنی خود غرضی میں جدا کر لیتے ہیں اور یہ بھی نہیں سوچتے اپنے مفاد کی خاطر وہ کسی کی زندگی جہنم بنا رہے ہیں۔" وہ اچانک بہت تلخ ہوا تھا۔ جو شخص ساری زندگی والدین کی توجہ اور التفات کو ترستا ہو' گھر کے ہوتے ہوئے ہوسٹلوں میں رہا ہو' جھوٹ بولنے پہ ٹوکنے والا کوئی نہ ہو اور غلط کام کرنے پہ کسی نے سرزنش نہ کی ہو' اس کی تنہائی' ادھورا پن اسے تلخی ہی دے جاتا ہے۔
"اسی لیے کہتا ہوں کہ ڈیسنٹ سی لڑکی سے شادی کر لے' زندگی سے تیری شکایتیں ختم ہو جائیں گی۔" شمائل نے اس کے لہجے کی تلخی اور خراب موڈ کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔ فراز نے مزید کوئی بات نہیں کی اور گاڑی سے نیچے اتر گیا۔ شمائل نے بھی اسے روکنا مناسب نہیں سمجھا۔ جانتا تھا وہ بہت دیر تک خفا اور اداس نہیں رہ سکتا ہے۔ صبح اس کا موڈ ٹھیک ہو جائے گا۔

☼ ☼ ☼

رات دیر تک جاگنے کے باوجود اس کی آنکھ فجر کی اذان سے کھل گئی تھی۔ صحن کے نل سے پانی بہنے کی آواز سن کر اسے پتا چل گیا تھا کہ بابا بھی نماز کے لیے جاگ چکے ہیں۔ اپنے لمبے گھنے سیاہ بالوں کو سمیٹ کر

جوڑا بناتے ہوئے وہ سستی سے بستر سے اٹھی۔ لحاف لپیٹ کر رکھنے کے بعد اس نے بستر کی چادر درست کی اور اپنی شال سنبھالتی باہر چلی گئی۔

"اٹھ گیا میرا بچہ" میں سوچ رہا تھا رات دیر تک جاگتی رہی ہے تو آنکھ نہیں کھلی۔۔۔ میں نماز کے لیے جگانے آنے ہی والا تھا۔" وضو کر کے نلکا بند کرتے ہوئے اسماعیل نے مثال کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ سردی اپنے جوبن پہ تھی۔ ٹھنڈے یخ پانی سے وضو کرنے کے بعد اسماعیل کو بھی کپکپی چڑھ رہی تھی۔ اپنی چادر کی بکل مارے وہ اپنے کمرے میں چلے گئے۔

"آپ نماز پڑھ لیں میں ابھی آپ کے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔" پانی میں جیسے کسی نے برف گھول دی تھی۔ مثال کو اپنا چہرہ شل ہوتا محسوس ہوا۔ سردیوں میں گیس کی لوڈشیڈنگ الگ عذاب بنی ہوئی تھی۔ برسوں پرانا گیزر اس حالت میں پانی گرم کرنے سے قاصر تھا۔ نماز پڑھ کر اس نے جلدی جلدی چولہا جلایا شکر ہے اس وقت گیس آرہی تھی۔ دو کپ چائے بنا کر وہ اسماعیل کے پاس چلی آئی۔

"کھانا میں گھر واپس آکر بنالوں گی۔ دوپہر میں رات کا سالن چلالیں گے۔ میں آپ کا ناشتا بنا کر رکھ دوں گی اور ہاں دوائی کھانا مت بھولیے گا۔" چائے کا کپ ان کی طرف بڑھاتے ہوئے مثال نے ایک سانس میں وہ سب کہہ ڈالا جو اس کے ذہن میں گردش کر رہا تھا۔

"جہاں جارہی ہے نا بس وہاں کی فکر کر اور یہاں کی فکر بھول جا۔ سالن میں خود بنالوں گا۔ یاد نہیں جب اللہ بخشے تیری اماں کا انتقال ہوا تھا۔ تم دونوں بہن بھائی کتنے چھوٹے تھے اور کون کھانا بناتا تھا؟" اسماعیل نے مسکراتے ہوئے اسے تسلی دی لیکن مثال کی آنکھیں یک دم نم ہوگئیں۔ ایک ساتھ کتنے غم تازہ ہوگئے تھے۔ اسماعیل کو اچانک اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اس تذکرے کے لیے یہ موقع مناسب نہیں تھا۔

"چائے اچھی بنی ہے۔" اچانک ہی انہوں نے بات کا رخ موڑا۔ جس ماضی کو بھولنے کی وہ دونوں لاکھ کوشش کر رہے تھے اس موضوع کو وہ خود ہی چھیڑ بیٹھے تھے۔ آج اس کی ملازمت کا پہلا دن تھا اور وہ نہیں چاہتے تھے مثال گھر سے بوجھل دل کے ساتھ باہر نکلے۔ انہیں تو اس کی ہمت بننا تھا۔ اسے حوصلہ دینا تھا۔ جانتے تھے وہ کتنی ڈرپوک ہے۔۔۔ سدا کی کم ہمت اور جلد پریشان ہوجانے والی۔ اب یوں اچانک اسے اپنی بقا کی جنگ لڑنے میدان میں اترنا ہے ایسے میں وہ اسے کمزور نہیں کرسکتے تھے۔

"مجھے تیار ہونا ہے' پہلے آپ کا ناشتا بنادوں۔" اس کا اداسی میں ڈوبا لہجہ اسماعیل کو پریشان کر گیا تھا۔ وہ لاڈلی تھی ان کی لیکن یہ ان کی مجبوری تھی کہ اپنے جسم کو لگنے اس گھن کی وجہ سے وہ مشقت کے قابل نہیں رہے تھے۔ ایسے میں فقط ایک ہی راستہ تھا کہ مثال نوکری کرے۔ حال ہی میں اس نے بی ایس سی کیا تھا۔ شہر کے بہترین اسکول میں اسے مناسب پیسوں کی ملازمت مل گئی تھی۔ یہ اس کی پہلی کامیابی تھی لیکن دل ہی دل میں وہ بہت گھبرائی اور سہمی ہوئی تھی۔ اسکول کھلنے میں ابھی چند روز باقی تھے لیکن ٹیچرز کو آج سے باقاعدہ جوائن کرنا تھا۔ مثال کے لیے آج کا دن بہت اہم تھا۔ وہ خوشی و یاس کی ملی جلی کیفیت کا شکار تھی اور کچھ یہی حال بوڑھے اسماعیل کا بھی تھا جن کی کمر جواں سال بیٹے کی موت پہلے ہی جھکا چکی تھی۔ چند سال پہلے تین افراد پہ مشتمل یہ گھرانہ کتنی خوش و خرم زندگی گزار رہا تھا۔ جواد کے پولیس میں بھرتی ہونے کے بعد اسماعیل سینہ تان کے چلتے تھے۔ مثال بہت چھوٹی تھی جب صالحہ کا انتقال ہوگیا تھا اور اس کے بعد اسماعیل اور جواد اسے ہتھیلی کا چھالا بنائے پھرتے تھے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پہ گھبرا جانے والی' چوہے اور بلی سے ڈر جانے والی مثال کے لیے جواد اور اسماعیل کا وجود ایک ڈھال تھا جو اسے دنیا کی ہر بلا سے محفوظ رکھتی تھی۔ وہ دن بھی عام دنوں جیسا ایک دن تھا جب جواد گھر سے نکلا۔ اس کی ڈیوٹی اس پارک کے قریب تھی جہاں بہت سے خاندان چھٹی کے دن اپنے

بچوں کو گھمانے لائے تھے۔ مشال سے لاڈ کرتا اسماعیل کی دوائیوں کی فہرست جیب میں ڈال کر وہ گھر سے نکلا لیکن اس کا مکمل وجود گھر نہ لوٹا۔ کئی ماؤں کی کوکھ اجڑی، ایک اسماعیل اولاد کا دکھ کیا مناتا۔ کئی بہنوں کے بھائی جدا ہوئے ایسے میں مشال کے دکھ کی کیا اہمیت۔ اس واقعہ کو کئی ماہ گزر گئے تھے، لیکن یوں لگتا تھا یہ سانحہ کل کی بات ہو۔

"پہنچ کر ایک کال ضرور کر دینا مجھے، ورنہ فکر لگی رہے گی۔" پراٹھا توے پہ سینکتے ہوئے مشال نے کن انکھیوں سے اسماعیل کے چہرے کی طرف دیکھا۔ فکر مندی جو اس وقت چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔

"جی بابا کر دوں گی۔" پراٹھا پلیٹ کر اس نے ہاٹ پاٹ میں رکھ دیا۔ دوسرے چولہے پہ دودھ ابل رہا تھا۔ ہوا میں خنکی تھی، لیکن باورچی خانے کا گرم ماحول سکون دے رہا تھا۔

"اچھا سنو۔ رستے میں کسی سے بات چیت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لوگ بلاوجہ دوسرے کا راستہ کھوٹا کرتے ہیں۔" اسماعیل بات سے بات نکال رہے تھے۔ ان کا بس چلتا تو مشال کو بچے کی طرح خود ہی چھوڑنے چلے جاتے، لیکن وہ کل تھا اور ان دنوں ان کی صحت اس بات کی اجازت دیتی تھی۔ اب تو جسم لاغر ہو چکا تھا۔ دو بسیں بدل کر جانا اور پھر واپس آنا ان کے لیے آسان نہ تھا اور مشال بھی تو اس بات پہ راضی نہیں تھی۔

"میں خیال رکھوں گی بابا۔" وہ جلدی جلدی سنک میں اکٹھے ہوئے برتنوں کو صابن لگانے لگی۔ اسماعیل کی باتوں کا مختصر جواب دیتے ہوئے وہ ساتھ ساتھ اپنا کام بھی نپٹا رہی تھی۔

"اسکول والوں سے کہنا کہ سواری کا انتظام کر دیں کوئی۔ دو بسیں بدل کر کیسے آنا جانا ہو گا روزانہ....." بیٹھے بیٹھائے انہیں ایک نئی بات سوجھی تھی۔ مشال نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔

"نئی نئی ملازمت ہے ابھی یہ ڈیمانڈ کون سنے گا۔ جاب پکی ہو جائے تو درخواست کی جا سکتی ہے۔" "جیسی آواز میں جواب دے کر وہ باورچی خانے سے باہر نکل گئی۔ وہ جانتی تھی یہ مشکل ہے پر بابا کی دل آزاری ناممکن تھی۔

☼ ☼ ☼

جنوری کی دھندلی دوپہر میں دھوپ کم اور خنکی کی آمیزش زیادہ تھی۔ سورج کی کرنیں زمین کی چادر پہ رنگ تو بکھیر رہی تھیں، لیکن اپنی حدت اس تک پہنچانے میں ناکام تھیں۔ اسکول کی پرشکوہ عمارت سے لے کر مین بلیوارڈ پہ بنے بس اسٹاپ تک کا راستہ اسے پیدل ہی طے کرنا تھا۔ سفر زیادہ طویل نہیں تھا، لیکن ان گلیوں میں اکیلے گھومنے کا اس کا پہلا تجربہ تھا، اسی لیے وہ ضرورت سے زیادہ ڈری ہوئی تھی۔ آج کا دن اس کی توقع سے زیادہ اچھا گزرا تھا۔ اسکول کی انتظامیہ اور عملہ دونوں ہی بہت تعاون کرنے والے تھے۔ وہ جو صبح گھر سے اسکول تک ڈری سہمی اور گھبرائی ہوئی تھی وہاں کچھ دیر گزارنے کے بعد بہت حد تک پرسکون ہو چکی تھی۔ امید تھی آگے چل کر سب کچھ مزید بہتر ہو جائے گا۔ بس اسٹاپ اس کی نظروں کے بالکل سامنے تھا اور اتفاق سے بس بھی اسٹاپ کی طرف آ رہی تھی۔ اگر یہ بس نکل جاتی تو اگلی بس کے انتظار میں کم سے کم بیس منٹ اسے اسٹاپ پہ کھڑا رہنا پڑتا۔ اس کے اور اسٹاپ کے درمیان فقط سروس روڈ کا فاصلہ تھا جسے اس نے تقریباً" بھاگتے ہوئے طے کرنا چاہا کہ عین اسی لمحے ایک تیز رفتار کار جو شاید اس سے بھی زیادہ جلدی میں تھی، اس کے سر پہ آ کر رکی۔ ڈرائیور اگر وقت پر بریک نہ لگاتا تو یقیناً" کار سے اس کی ٹکر ہو جاتی۔ گاڑی کی ایمرجنسی بریک لگنے سے چنگھاڑ کی آواز اٹھی اور مشال نے گھبرا کر چیخ ماردی۔

"آئی ایم سو سوری مس...." ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولے وہ بجلی کی رفتار سے اس تک پہنچا تھا۔ مشال کی آنکھوں میں خوف نمایاں تھا۔ اس کی بڑی بڑی بھوری آنکھوں میں خوف کے مارے دو موتی جھلملانے لگے۔ سر سے دوپٹا سرکا تو ریشمی بالوں کی

چوٹی دائیں شانے پہ لہرانے لگی۔
اس کے لیے مثال کے چہرے سے نظر ہٹانا مشکل ہوگیا۔ اگلی بات بھول کر وہ ایک ٹک اس چاند سے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا جو بھری دوپہر میں سہمے ہوئے اپنا دیدار کروا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کا خوف اور چہرے پہ پھیلی بدحواسی اس کی معصومیت کی چغلی کھا رہی تھی۔ کچھ لمحے وہ یونہی اسے دیکھتا رہا کہ الفاظ کہیں کھو گئے تھے۔ ہونٹوں پہ مسکراہٹ سجائے وہ نہ جانے اور کتنی دیر یونہی اس کا دیدار کرتا رہتا اگر پیچھے سے آتی ایک دوسری گاڑی کے ہارن کی آواز اس منظر میں مخل نہ ہوتی۔
"آپ ٹھیک تو ہیں نا؟"
"میں ٹھیک ہوں۔" ایک تو یوں اچانک تیز رفتار گاڑی سے ٹکرانے کا خوف اور کچھ اس سنکی آدمی کا اپنی طرف یوں مسکراتے ہوئے دیکھنا، مثال مزید گھبرا گئی تھی۔ بس اسٹاپ کی طرف نظر دوڑائی تو بس کب کی روانہ ہو چکی تھی۔ بے بسی سے لب کاٹتے ہوئے اس نے جان چھڑانے والے انداز میں مختصر جواب دیا اور اسٹاپ کی طرف بڑھنے لگی۔
"معذرت چاہتا ہوں میں کچھ جلدی میں تھا۔ آپ کو کہیں جانا ہے تو میں چھوڑ دوں؟" اسے یوں اسٹاپ کی طرف جاتا دیکھ کر شمائل کو اتنا اندازہ تو ہو ہی چکا تھا کہ اسے اب اگلی بس کا انتظار ہے۔ لڑکیوں کو بے جھجک مدد کی آفر کرنا در کنار وہ تو انہیں دور سے سلام بھی نہیں کرتا تھا پر اس دل کا کیا کرے جو بس اک نگاہ میں اسیر محبت ہوگیا تھا۔ اپنی عادات کے برخلاف اس نے خود سے ہاتھ بڑھایا پر اف یہ سنگ دل محبوب جس نے پہلی ہی پیش قدمی پر یوں بے دردی سے دامن جھٹک دیا۔ اس کی بات کا جواب دینا تو دور اس نے پلٹ کر ایک نگاہ سخت اس عاشق پہ ڈالی جیسے کہہ رہی ہو اے نامراد یہ گستاخی میرے شایان شان نہیں۔ پچھلی گاڑی والا اب اپنا تحمل کھو بیٹھا تھا۔ لہٰذا مجبوراً شمائل کو اپنی گاڑی آگے بڑھانی پڑی۔ دل پہ جبر کرتا وہ عاشق نامراد وہاں سے چلا تو گیا لیکن دل نامی شے مثال کے قدموں میں ڈھیر کر گیا۔ وہ افراتفری میں دفتر سے کیا کرنے نکلا تھا، اسے کہاں جانا تھا اور کس سے ملنا تھا، وہ اس وقت سب فراموش کر چکا تھا۔ اگر کچھ یاد تھا تو بس اتنا کہ مرے بغیر جنت کی سیر کر آیا تھا، کیونکہ اسے یقین تھا حوریں جنت میں ہی ملا کرتی ہیں۔ ابھی کچھ دیر پہلے کی بات ہے جب وہ ایک نارمل، باشعور اور سنجیدہ انسان تھا اور بس چند لمحوں نے اسے بدل دیا تھا اور اب جو لوٹا تو اک نامراد عاشق تھا کہ جس کا عقل و خرد سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ وہ آناً فاناً آنکھوں کے رستے دل میں سمائی اور دل کا چین چرا کر لے گئی، اس پہ ستم یہ کہ وہ اس سے پوچھ بھی نہ سکا کہ آخر اس درد کی دوا کیا ہے۔

✿ ✿ ✿

فون مسلسل بج رہا تھا اور وہ کان پہ تکیہ رکھے اس کی چنگھاڑ کو دبانے کی کوشش کر رہا تھا۔ کچھ موسم کا اثر تھا اور کچھ کل رات کی پارٹی کی تھکان، وہ بہت سست ہو رہا تھا، لیکن جب تیسری اور پھر چوتھی بار بھی کال کرنے والے نے ہمت نہ ہاری تو اسے یقین ہوگیا تھا یہ شمائل کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔
"دوست ہونے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ بندہ اخلاقیات کو چولہے میں جھونک دے۔ صبح سویرے اگر کوئی شریف انسان سونا چاہتا ہے اور وہ آپ کی کال اٹینڈ نہیں کرتا تو کیوں اس پہ تشدد کر رہے ہو یار۔" نیند کا خمار اس کی آواز سے جھلک رہا تھا۔ بیڈ کراؤن پہ تکیہ سیدھا کر کے اس نے اپنا سر اس پہ ٹکایا۔ دوسری طرف شمائل کی ہنسی سنائی دی۔
"اللہ کا نام لے تیری اب تک صبح چل رہی ہے۔ آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے دوپہر کا ایک بج رہا ہے۔" اپنی طرف سے وہ خود خاصا دیر سے دفتر پہنچا تھا، لیکن فراز آدھا دن گزرنے پر بھی جب دفتر نہ آیا تو مجبوراً اسے کال کرنا پڑی۔
"یار آج میرا بالکل موڈ نہیں ہو رہا آفس میں پاؤں بھی رکھنے کا، آج صرف ریسٹ کرنا چاہتا ہوں۔"

پاکستان واپس آکر شمائل اور فراز نے کثیر سرمائے سے مشترکہ کاروبار کا آغاز کیا تھا۔ شمائل کے والدین جاگیردار تھے اور ان کی خواہش تھی شمائل بھی ان کی طرح آسان زندگی گزارے' لیکن وہ اپنی ذات اپنے ہنر کو پرکھنا چاہتا تھا۔ ان دونوں نے پچھلے سال بزنس ایڈمنسٹریشن میں ماسٹر کیا تھا اور اپنا کاروبار کرکے وہ دونوں اپنا لوہا منوانا چاہتے تھے۔

"کیا مطلب سستی ہو رہی ہے' یہ بات ذوالفقار بیگ سے میٹنگ رکھتے ہوئے سوچنی چاہیے تھی ناوہ اپنے آفس میں بیٹھا تمہیں گالیاں دے رہا ہوگا۔" شمائل جس اہم میٹنگ کی اسے یاددہانی کروارہا تھا فراز اسے بالکل فراموش کرچکا تھا۔ اسی وقت ملازم نے کافی کا کپ لاکر بیڈ سائڈ ٹیبل پہ رکھا۔

"ایک کام کر یار' تو چلا جا اور کہہ دینا میں بستر مرگ پہ پڑا ہوں۔" اس سنجیدہ ماحول میں بھی اس کو ٹھٹھول سوجھ رہی تھی۔

"جب بولنا بے ہودہ بولنا۔ میری اپنی اپائنٹمنٹ ہے اسے بھی کینسل نہیں کیا جاسکتا' لیکن چل آگے پیچھے کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔" یہ وقت بہت اہم تھا۔ لہٰذا اسے فراز کے ساتھ بحث میں ضائع کرنے کی بجائے بہتر تھا' وہ جلد دفتر سے نکلے' تاکہ وقت پر دونوں جگہ پہنچ جائے۔ اسی لیے وہ بھاگم بھاگ دفتر سے نکلا اور سروس روڈ سے تیز رفتاری میں گاڑی نکالنے کی کوشش میں یہ حادثہ رونما ہوگیا جس میں پہلی بار گھائل کرنے والا خود ہی گھائل ہوگیا۔ وہ شعلہ برق بن کر آئی اور آنکھ جھپکتے میں نظروں میں اوجھل ہوگئی۔

☆ ☆ ☆

ایک بس سے دوسری بس اور پھر گھر کے دروازے تک پہنچتے ہوئے اسے پورا ایک گھنٹا لگا۔ اس دوران وہ بہت حد تک خود کو کمپوز کرچکی تھی۔ دروازے کا پٹ کھولتے ہی اس کی نظر اسماعیل کے فکرمند چہرے پہ پڑی جو صحن میں بچھی چارپائی پہ بیٹھے بظاہر تو دھوپ سینک رہے تھے' لیکن مشال جانتی تھی وہ دراصل اس وقت اس کی راہ دیکھ رہے تھے۔

"بابا کو آج کے واقعہ کی خبر ہوگئی تو بلاوجہ پریشان ہوجائیں گے۔ راہ چلتے یوں بھی ایسے حادثات تو ہوتے رہتے ہیں غلطی بھی تو میری ہی تھی جو بغیر دیکھے سڑک پار کررہی تھی۔" دل میں تہیہ کرتے ہوئے اس نے پہلا قدم گھر میں رکھا۔ وہ جانتی تھی اسماعیل بیمار ہیں اور پریشان بھی' وہ اس وقت مزید کسی نئی پریشانی کے متحمل نہیں۔

"یوں بھی شکل اور لباس سے خاصا مہذب دکھائی دے رہا تھا' کوئی سڑک چھاپ لوفر ہوتا تو یوں آسانی سے پیچھا نا چھوڑتا۔" دل ہی دل میں خود کو جھوٹی تسلیاں دیتی وہ ہشاش بشاش سی اسماعیل کے پاس چلی آئی' جن کا فکرمند چہرہ اسے دیکھ کر کھل اٹھا تھا۔

"تو بیٹھ' اسکول سے تھکی ہاری آئی ہے' میں گرما گرم کھانا لاتا ہوں تیرے لیے۔" دعا سلام اور اس کا احوال پوچھ کر اسماعیل کو بیٹی کے لاڈ اٹھانے کا شوق چڑھا۔ مشال نے محبت سے ہاتھ پکڑ کر بٹھایا۔

"میں کوئی پتھر کوٹ کر تھوڑی آرہی ہوں' میڈموں کی طرح کرسی پہ بیٹھ کر آئی ہوں بابا' تھکاوٹ کا تو سوال ہی نہیں اٹھتا۔ آپ بیٹھیں میں تازہ روٹیاں بناتی ہوں۔ پھر دونوں ساتھ میں کھانا کھائیں گے۔" شرارتی انداز میں کہتی وہ اپنی سارا دن کی تھکن لفظوں میں چھپا کر باپ کو تسلی دیتی کپڑے بدلنے چلی گئی۔ باورچی خانے سے نکلی تو اپنا اور اسماعیل کا کھانا ٹرے میں رکھے صحن میں ہی آگئی۔ دھوپ اب بھی منڈیر پر باقی تھی۔ اسکول کے چھوٹے موٹے قصے اور اپنے پہلے دن کا احوال مزے لے لے کر سناتے ہوئے وہ اسماعیل کو مطمئن کررہی تھی اور بہت حد تک اپنی کوشش میں کامیاب بھی ہوگئی تھی۔

"سوچ رہا ہوں ایک بار پھر دفتر کا چکر لگا ہی آؤں۔" اسماعیل کی آواز پہ اس نے چونک کر دیکھا جو نلکے پہ بیٹھا ہاتھ منہ دھو رہے تھے۔

"کوئی ضرورت نہیں آپ کو وہاں جاکر مزید اپنا

وقت برباد کرنے کی' نہیں چاہئیں ہمیں وہ پیسے۔" پرتن سمیت کر باورچی خانے میں جاتے ہوئے مثال تلخی سے بولی۔

"لیکن۔۔۔ وہ تو۔۔۔ ہمارا حق ہے۔" آخری لفظ کہنے تک اسماعیل کی آواز دم توڑ گئی تھی۔ حلق میں آنسوؤں کا گولا پھنسا تھا۔

"حق بھیک کی طرح نہیں لیا جاتا بابا۔۔۔ میں ہرگز نہیں جانے دوں گی آپ کو اب ان لوگوں کے سامنے گڑگڑانے۔ آپ کے بیٹے نے اپنے ملک کی حفاظت میں شہادت کو گلے لگایا ہے اور اس کی موت کا ہرجانہ اس کے بوڑھے بے سہارا باپ کو یوں جوتیاں گھسوا کر دیا جائے گا۔ ہمیں نہیں چاہئیں وہ پیسے۔" جواد نے کتنا زور زبردستی کر کے اسماعیل کو قبل از وقت ریٹائرمنٹ دلوائی تھی۔ وہ ریلوے کے ملازم تھے اور گھر کے حالات اچھے تھے۔ دونوں بچوں کو اپنی استطاعت کے مطابق تعلیم دلوائی۔ خودکش دھماکے میں جواد کی موت کے بعد جس مالی امداد کا حکومتی اعلان ہوا وہ رقم آج تک ان کے اہل خانہ کو نہیں مل سکی تھی۔ اسماعیل نے تو بستر پکڑ لیا' اکیلی مثال کہاں تک سہتی۔ گھر میں بھوک اور بیماری دونوں نے ہی ڈیرہ جمالیا۔ آس پڑوس کے چند بچے ٹیوشن پڑھنے آنے لگے' لیکن یہ سارا محلہ ان کی طرح محدود اور کم آمدنی والوں کی جائے رہائش تھا۔ اتنی مختصر آمدنی میں گھر کے اخراجات تو دور اسماعیل کی دوائیاں بھی نہیں آرہی تھیں۔ اب تک تو مثال کی ماں کا رکھا تھوڑا سا زیور بیچ کر وقت گزرا' جو اسماعیل نے مثال کے بیاہ کے لیے رکھا تھا لیکن یوں کب تک گزارا چلتا' سو مثال کو گھر سے باہر نکلنا ہی پڑا۔

مثال گھر کے کام کاج میں لگ گئی اور اسماعیل اپنے کمرے میں بند ہو گئے۔ شام کی طرح دونوں کے دلوں میں بھی اداسی اتر آئی تھی۔

☼ ☼ ☼

میز پہ رکھی فائل پچھلے آدھے گھنٹے سے اس کی توجہ کی طالب تھی۔ اسے کوئی فون کال ٹرانسفر نہ کی جائے یا کسی علاقائی کو اس کے کیبن میں مت بھیجا جائے جیسے احکامات جاری کرنے کے بعد دس منٹ پہلے سلگایا ہوا سگریٹ ہاتھ میں پکڑے راکھ ہو گیا تھا اور اس بات کا احساس اسے اس وقت ہوا جب جلتے سگریٹ کی حرارت اس کی انگلیوں تک پہنچی۔

"کہتے ہیں جب لڑکی کھانا پکاتے اور لڑکے سگریٹ پیتے اپنا ہاتھ جلا بیٹھیں تو عقل والوں کو سمجھ لینا چاہیے یہ علامات عشق ہیں۔" بے تکلفی سے اس کے کیبن کا دروازہ کھولتا فراز اپنے مخصوص شوخ انداز میں اس کے بالکل سامنے آبیٹھا۔

"کچھ کہہ رہے تھے تم۔" شمائل نے سگریٹ کا ٹکڑا ایش ٹرے میں رکھتے ہوئے بے دھیانی سے کہا۔ وہ ذہنی طور پہ اس وقت وہاں موجود ہوتا تو کچھ سنتا اور سمجھتا۔ فراز کی آواز کانوں کے پردوں سے تو ٹکرائی پر دل و دماغ پہ دستک دیے بنا لوٹ آئی تھی۔

"یعنی میرا شک صحیح نکلا۔ یہ دھوئیں سے بھرا کمرہ' یہ نظر کرم کو ترستی فائل اور یہ لٹکا ہوا منہ اس بات کی چغلی کھا رہے ہیں کہ معاملہ دل کا ہے خان صاحب!" وہ ایک سانس میں سارا کچا چٹھا کھول کر سامنے رکھ چکا تھا اور شمائل کے پاس اس کی بات کی تردید کے لیے ایک بھی لفظ نہیں تھا۔

تین دن سے وہ اپنے دل کی دنیا میں مگن تھا۔ نظروں کے ایک وار نے اسے چاروں شانے چت کر دیا تھا۔ تمام رات اس قلق نے اسے سونے نہیں دیا کہ اس کا چین چرانے والے صنم کا اتا پتا بھی معلوم نہیں اور بغیر جانے وہ یہ رتجگے اپنا مقدر کر بیٹھا ہے۔ وہ کون تھی' کہاں سے آئی تھی اور کہاں چلی گئی' یہ وہ سوال تھے جن کا جواب اس سمیت کسی کے پاس نہیں تھا۔ بہت سوچ کر اب فقط ایک ہی راستہ بچا تھا کہ عین اس مقام پہ اسی وقت اس کا انتظار کیا جائے اور اس سے ملاقات کی سبیل نکالی جائے' ورنہ یہ جان یوں ہی ہجر میں ہلکان ہو جائے گی۔

"ایک بار دیکھا ہے دوسری بار دیکھنے کی تمنا ہے۔"

دل میں یہ فقرہ دہراتے صاحبزادہ شمائل خان آفریدی صاحب اگلے ہی روز سڑک چھاپ لڑکوں کی طرح گھات لگا کر بیٹھے۔ یہ اس کا اندازہ تھا چونکہ اس علاقے میں کئی دفاتر ہیں اور ایک اسکول کی عمارت بھی ہے۔ تو ہو سکتا ہے وہ لڑکی یہیں کسی جگہ ملازمت کرتی ہو یا پھر یہ بھی ہو سکتا ہے وہ یہاں کسی سے ملنے آئی ہو اور دوبارہ کبھی نہ آئے، لیکن اگر ایسا ہو گیا تو غضب ہو جائے گا۔ اس سے آگے سوچنا جاں گسل تھا۔ واہ ری قسمت کہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے شمائل کو وہ دور سے آتی دکھائی دی۔ میرون پھول دار سوٹ پہ سلیقے سے اوڑھا بڑا سا سیاہ دوپٹا۔ میک اپ سے پاک معصوم چہرہ، کاجل کے بنا جلا کر خاک کر دینے والی آنکھیں۔۔۔ شمائل کا ہاتھ یک دم سینے پہ گیا۔ اسے دیکھ کر وہ گاڑی سے نکلنا ہی چاہتا تھا کہ اچانک اسے کل والا ڈرا سہما چہرہ اور آنکھوں میں آنسوؤں کی بوندیں تاروں کی طرح ٹمٹماتی دکھائی دیں۔

"میرا یوں اس کے سامنے دھڑلے سے چلے جانا ہرگز مناسب نہیں ہے۔ وہ مجھے کوئی راہ چلتا لوفر آوارہ سمجھ بیٹھی تو اس کے دل میں جگہ کبھی نہ بنا پاؤں گا۔" دماغ نے وارننگ جاری کی تھی اور پھر شمائل نے نہایت سمجھ داری کا ثبوت دیتے ہوئے اس پری وش کا تعاقب کیا۔ ایک بس سے دوسری بس اور پھر بنگلے تک وہ مسلسل اس کا تعاقب کرتا رہا۔ چھوٹے سے پرانے دروازے سے جب تک وہ اندر داخل نہیں ہو گئی شمائل اس کو فالو کرتا رہا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ وہ اس وقت آتی کہاں سے ہے اور اس کے لیے ضروری تھا کہ صبح سویرے اسی اسٹاپ پہ اس کا انتظار کیا جائے تو بس دل کو لگن تھی اور پیا کو چاہ، آخر دو دن کی بھاگ دوڑ کے بعد وہ یہ راز پا چکا تھا کہ وہ کیا کام کرتی ہے، کب آتی ہے، کب جاتی ہے اور کہاں رہتی ہے۔

"اندھے کو اندھیرے میں بہت دور کی سوجھی۔ فضول باتیں بند کرو، یہ بتاؤ کہاں غائب ہو۔" وہ بھی اپنے نام کا ایک تھا۔ اتنی جلدی بات کی ہوا نکلنے دینے والوں میں سے تو نہیں تھا۔ الٹا اسی کے لتے لینے لگا۔

"ہم نے کہاں ہونا ہے دوست، ہم تو اب تک نئے سال کی دھند میں ڈوبی رات کے سحر سے نکل نہیں پائے ہیں۔" شمائل اس کا اشارہ سمجھ چکا تھا۔ فراز کا یوں نت نئی لڑکیوں کے گرد منڈلانا اس کے لیے نئی بات نہیں تھی، لیکن جب بھی اسے فراز کی کسی لڑکی سے دوستی کی خبر ہوتی وہ ایسے ہی ڈسٹرب ہوتا تھا۔

"تم باز کیوں نہیں آجاتے ان دو نمبر لڑکیوں کے چکر سے۔۔۔ ان سے وفا نہیں ملتی میرے دوست۔۔۔ کیا اس دنیا میں ایک بھی ایسی لڑکی نہیں ملتی تمہیں جو تمہاری جان ان دو ٹکے کی شہرت اور پیسے کے پیچھے بھاگنے والی لڑکیوں سے چھڑوا دے۔" آفس بوائے کافی کے دو جھاگ اڑاتے مگ لے کر کمرے میں آیا۔ اس کے جانے کے بعد فراز اس سے مخاطب ہوا۔

"اچھا تو تمہارے خیال میں ایک لڑکی۔۔۔ یعنی صرف ایک لڑکی، مرد کو اس انداز میں قابو کر سکتی ہے کہ دنیا میں پھیلا اتنا سارا حسن، یہ ساری رعنائی اس کو بے معنی لگنے لگے۔" شہادت کی انگلی اٹھا کر اپنی بات پہ زور دیتے ہوئے اس نے تمسخر اڑایا۔

"ہاں بالکل! میں مانتا ہوں یہ بات اور میں تمہیں بھی گارنٹی دیتا ہوں کہ مرد کے دل کو فقط ایک عورت تسخیر کر سکتی ہے۔ اس کی زندگی میں اپنی محبت کا رنگ بھر کے اسے گل و گلزار بنا سکتی ہے۔ کسی ایک کی بے ریا اور سچی محبت آپ کی زندگی جنت بنا سکتی ہے۔ جس دن تمہیں وہ لڑکی مل گئی نا فراز۔۔۔ تو دیکھنا تم ان سب احمق لڑکیوں کو بھول جاؤ گے۔" اس کی بات کا اثر لینے کی بجائے فراز کا بلند و بانگ قہقہہ فضا میں گونجا۔

پھر بات کا رخ اب کسی کاروباری معاملے کی طرف موڑ کر فراز اس کے مفت کے لیکچر سے اپنی جان چھڑا چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

"شکل سے تو شریف آدمی لگتا تھا، کسی اچھے گھرانے کا لیکن آج کل اعتبار کا زمانہ ہی نہیں۔ ہر شخص دھوکے کا ملمع چڑھائے گھوم رہا ہے۔ حد ہو گئی

قسم سے صورت ایسی معصوم کہ کوئی آنکھ بند کرکے بھروسا کرلے اور لچھن وہی شوہدوں والے۔" کمرے میں گھس کر اپنا دوپٹا تہ کرتے ہوئے مشال ساتھ ساتھ بڑبڑائے جارہی تھی۔ اسماعیل کے سامنے حتی المقدور اپنا موڈ بشاش رکھنے کی کوشش کرتی رہی تھی، لیکن اندر آکر تو جیسے وہ پھٹ پڑی۔

"کیا بولے جارہی ہے منو... سب خیریت تو ہے نا۔" کمرے سے اس کی خود کلامی کی آوازیں اسماعیل کے کانوں تک بھی پہنچ ہی چکی تھیں، لیکن وہ اتنی مدھم تھیں کہ اس کے بوڑھے کان ان کا متن نہیں جان سکتے تھے۔

"توبہ ہے بابا بھی کان یہیں لگائے بیٹھے ہیں۔" اس نے دل میں سوچا، پھر فوراً "ہی بات بنائی۔

"کچھ نہیں بابا میری الماری بہت بکھری ہوئی ہے سوچ رہی ہوں چھٹی والے دن اس کو سمیٹ لوں۔"

اب اسے یہ بات بتانے سے رہی کہ دو دن سے ایک ہونڈ لونڈ شکل سے مہذب اور پڑھا لکھا نظر آنے والا ایک لڑکا اپنی مہنگی گاڑی میں بیٹھ کر اس کی بس کا پیچھا کرتا گھر تک آگیا اور تو اور اگلے دن اس کے اسکول بھی پہنچ گیا۔ وہ تو اس دن کو کوس رہی تھی جب وہ اچانک اس کی گاڑی سے ٹکرائی تھی اور یہ بلا اس کے گلے پڑی۔ کہتے ہیں لڑکیوں کی چھٹی حس بہت تیز ہوتی ہے۔ وہ اپنے اردگرد کا مشاہدہ مردوں سے بہتر کرسکتی ہیں۔ اسکول سے نکل کر بس اسٹاپ کی طرف جاتے ہوئے وہ اس دن والی گاڑی کو وہاں پہلے ہی دیکھ چکی تھی۔ اندر ہی اندر وہ اس بات سے خوف زدہ تھی کہ وہ گہری نظروں والا دیوانہ کہیں اس کا راستہ نہ روک لے، پر وہ تو اس سے بھی ایک ہاتھ آگے نکلا اور سیدھا بس کے پیچھے گاڑی دوڑا دی۔

اگلے بس اسٹاپ پر بھی وہ اپنی گاڑی کے ہمراہ مشال کو نظر آگیا اور پھر اسی گاڑی کو مشال نے اپنے محلے میں بھی دیکھا۔ ایک ایک قدم جلتے کوئلوں پہ رکھتی وہ گھر کی دہلیز تک پہنچی اور اندر جاکر پوری طاقت سے گھر کا دروازہ بند کرکے وہ سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی جہاں پہنچ کر اس نے اپنا کب کا رکا ہوا سانس بحال کیا تھا۔ تمام رات وہ خوف اور پریشانی کی ملی جلی کیفیت میں رہی۔ اگلی صبح اللہ کا نام لے کر اسکول پہنچی تو بس اسٹاپ پہ ہی اس پاگل عاشق کا دیدار ہوگیا جو اسے بحفاظت اسکول پہنچا کر اپنی راہ چلا گیا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا اسکول کے چوکیدار کو بلا کر اس کی مرمت کرائے، لیکن یہ سب سوچنا جس قدر آسان ہوتا ہے اس پہ عمل کرنا اتنا ہی مشکل۔ گھر سے قدم باہر نکالنے والی لڑکی کے ساتھ اس کے خاندان کی عزت جڑی ہوتی ہے۔ اس عزت کی حفاظت کرنا اس کی اولین ذمہ داری ہوتی ہے۔ وہ یہاں ملازمت کرنے آئی تھی، تیسرے دن اپنا تماشا نہیں بنوا سکتی تھی، اس لیے اپنا غصہ پیتی اسکول کے اندر چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

"چل اب بتا بھی دے معاملہ کیا ہے، میری جان ہم بھی کام کی چیز ہیں، کیا پتا تمہاری نیا پار لگوا دیں۔" کافی شاپ میں بیٹھے وہ اپنی لن ترانیوں میں مصروف تھا۔ پچھلا پورا ہفتہ شمائل کی ضرورت سے زیادہ خاموشی اور الجھی الجھی طبیعت دیکھ کر فراز اس سے اندر کی بات اگلوانے کی کوششوں میں لگا تھا، لیکن وہ تو جیسے زبان کو تالا لگائے بیٹھا تھا۔ فراز اور شمائل کے درمیان کبھی کوئی بات راز نہیں تھی۔ فراز اپنا سارا کھایا پیا شمائل کے آگے الٹ دینے والا تھا اور شمائل کی زندگی میں اس سے پہلے ایسا کوئی موڑ آیا ہی کہاں تھا جو وہ کسی سے راز رکھتا۔

"جی بالکل، آپ تو بڑے... مہاتما ہیں نا، جو ڈوبتی ناؤ پار لگوانا بخوبی جانتے ہیں۔" اس کی چلبلی باتوں نے شمائل کا موڈ بھی بشاش کردیا تھا، لیکن اس کے چہرے کی مسکراہٹ زیادہ دیر قائم نہ رہ پائی، کیونکہ شمائل کی نگاہ سامنے سے آتی اس بے وقت قیامت پہ پڑ چکی تھی جو اپنی تمام حشر سامانیوں سے لیس اس وقت ان ہی کی طرف چلی آرہی تھی۔

"What a Luck (کیا قسمت ہے)" لگتا

ہے قدرت کو آپ کا اور ہمارا طویل ساتھ منظور ہے' اسی لیے تو یوں اچانک مل جاتے ہیں۔" ایک ادا سے سینے پہ اپنا ہاتھ ٹکائے وہ پوری کی پوری فراز کی طرف جھکی تھی۔

"قسمت کہیے یا چاہ' بلکہ دل کو دل سے راہ۔ اسی لیے تو راہ چلتے ملاقات ہو جاتی ہے۔" فراز بھی فل فلرٹ کے موڈ میں تھا۔ منال کی آمد سے شمائل کا موڈ پوری طرح آف ہو چکا تھا۔ اسے بھی بخوبی اندازہ تھا کہ شمائل اسے پسند نہیں کرتا' لیکن جس قبیلے سے اس کا تعلق تھا وہاں ان سب باتوں کی پروا نہیں کی جاتی۔ شمائل ہو یا فراز۔۔۔ کیا فرق پڑتا ہے۔ اسے تو بس دولت مند آسامی سے مطلب تھا۔

"باتیں خوب بناتے ہیں فراز صاحب' ایک ہفتے سے منظر سے غائب ہیں اور دل و نگاہ کی باتیں کر رہے ہیں۔ دوستوں سے یہ بے نیازی اچھی نہیں۔ کیوں خان صاحب؟" یک دم وہ شمائل کی طرف مڑی۔

"کیا زمانہ آگیا ہے' راہ چلتے گلے پڑنے والے دوست ہونے کا دعوا کرنے لگے۔ ویسے آپ جیسے دوستوں کے ہوتے دشمنوں کی ضرورت نہیں رہتی۔" اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ جس ڈھٹائی اور والہانہ انداز میں بول رہی تھی شمائل کو نہ چاہتے ہوئے بھی لہجہ تلخ کرنا پڑا۔

"لگتا ہے خان صاحب برا مان گئے۔ خیر آپ مانیں یا نہ مانیں' ہم تو آپ کو اپنا دوست ہی سمجھتے ہیں۔ اچھا فراز صاحب میں اب چلتی ہوں کال کرنا مت بھولیے گا۔" اپنے سلکی بالوں میں ہاتھ گھماتی وہ واپس پلٹ گئی۔

"خبردار جو اس کو زیادہ منہ لگانے کی کوشش کی۔ اس کو دیکھ کر ہی مجھے غصہ آنے لگتا ہے' پتا نہیں تو اسے اپنے نزدیک برداشت کیسے کرتا ہے۔" اس کے جاتے ہی شمائل اپنے دل کی بھڑاس نکالنا شروع کر دی تھی۔

"اس کو چھوڑ اور مجھے وہ بات بتا جسے سننے کے لیے میں اتنی دیر سے یہاں تیرے ساتھ بیٹھا بور ہو رہا ہوں۔" فراز گھوم پھر کر ایک بار پھر اسی موضوع پر آگیا تھا۔

"کیا بتاؤں یار' اس ایک چہرے نے رات اور دن کا سکون غارت کر رکھا ہے۔ دل و دماغ پہ ہر وقت وہی سوار ہے۔" شمائل نے مختصر الفاظ میں اسے سارا قصہ کہہ سنایا۔ فراز بے حد دلچسپی سے اس کی بات سن رہا تھا۔ گو کہ اس کے لیے یہ یقین کرنا مشکل تھا کہ فقط ایک نظر میں شمائل اس راہ چلتی لڑکی کے عشق میں ہوش کھو بیٹھا ہے پر یقین کرنا اس کی مجبوری تھی۔

"میرے بھائی لگتا ہے تم کچھ زیادہ ہی دل و جان سے فریفتہ ہو ان محترمہ پہ۔ مینوں عشق دا لگیا روگ' میرے بچنے دی نہیں امید۔" میز کا کونا بجا کر اس نے سر چھیڑا۔

"اچھا یہ بتا۔ کب ملوا رہا ہے اپنے عشق خاص سے؟" شمائل اس کی بات پہ سٹپٹا گیا۔

"تجھے کہاں سے ملوا دوں' ابھی تو میں خود اس سے اپنا تعارف نہیں کروا پایا۔" فراز کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ وہ شمائل کو اتنا دقیانوسی نہیں سمجھتا تھا۔

"کیا بات کر رہا ہے شمائل' یعنی یہ شیر دل پٹھان ایک لڑکی کو اپنا عندیہ نہیں کہہ پایا۔ جس ماہ جبین کی تعریفوں میں زمین و آسمان ایک کیے جا رہے ہیں' اسے ہی نہیں معلوم کہ جناب اس پہ دل و جان سے فدا ہیں۔ یعنی یہ تو ٹو مچ ہو گیا میرے بھائی۔" اس کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے۔ اس کمپیوٹر کے دور میں جہاں سائنس دان مریخ پہ آباد کاری میں مصروف ہیں' آواز کی رفتار سے تیز جہاز اڑ رہے ہیں' یہ صاحب بہادر ایک لڑکی کو اپنا پیغام محبت دینے کی ہمت نہیں رکھتے۔

"فراز کہنا تو اسے چاہتا ہوں' لیکن وہ کوئی عام لڑکی نہیں ہے جس سے منہ اٹھا کر اظہار محبت کر لیا جائے۔" وہ واقعی سنجیدہ تھا۔

"تو کیا کسی اسٹیٹ کی شہزادی ہے جو صاحبزادہ شمائل آفریدی یوں اس سے خوف زدہ ہے۔ ارے بھئی کس بات کی کمی ہے تم میں' خوش شکل ہو' تعلیم یافتہ ہو اور سب سے بڑھ کر اتنے بڑے اثر و رسوخ

والے خاندان کے اکلوتے چشم و چراغ ہو۔ آگے بڑھو اور تھام لو اس کا ہاتھ' کہہ دو کہ اے دلربا میرے دل کے خالی تخت پہ اپنا سنگھاسن تو جما بیٹھی ہو' میری دنیا میں آکر اپنے وجود سے اس کو بھی روشن کر ڈالو۔ دیکھتا ہوں کیسے دامن چھڑایا جائے گی۔" کافی کا سپ لیتے ہوئے وہ اسے اگلا لائحہ عمل بتا رہا تھا۔ آخر کب تک شمائل بس اسٹاپ پہ اس کا دیدار کرتا رہے گا۔ یہ کوئی مسئلے کا حل تو نہیں تھا۔

"یہی تو مسئلہ ہے' اس کی باحیا آنکھوں سے خوف آتا ہے۔ ان میں چھپی وارننگ دیکھ کر ڈرتا ہوں' اس نے ہاتھ جھٹک دیا تو میری محبت کی کہانی اپنے آغاز سے پہلے ہی انجام کو پہنچ جائے گی۔ اس دل کے جنازے پہ ماتم کا حوصلہ نہیں ہے مجھ میں۔" شمائل کے دل کا خوف اس کی زبان پہ تھا۔ فراز اس کی سنجیدگی سے متاثر ہوا تھا۔ وہ پیار محبت پہ یقین نہیں کرتا تھا' لیکن اپنے سامنے تڑپتے اس مریض عشق کو دیکھ کر وہ سچ میں چاہتا تھا کہ شمائل کو اس کی محبت مل جائے۔ لیکن کیسے' لیکن یہاں تو حالات یہ تھے کہ وہ جس کے عشق میں گوڈے گوڈے ڈوبا ہوا تھا' اس کے نام تک سے ناواقف تھا۔

☆ ☆ ☆

"کیا سوچ رہی ہے مثو' کھانا کیوں نہیں کھا رہی بچے؟" اس کا سالن پلیٹ میں پڑا ٹھنڈا ہو رہا تھا۔ روٹی کا ٹکڑا ہاتھ میں دبائے وہ نہ جانے کون سی دنیا میں گم تھی۔

"کھا رہی ہوں بابا' دراصل اسکول میں کچھ کھا لیا تھا تو ابھی بھوک نہیں لگی۔" اسماعیل کی آواز نے اسے سوچوں کے بھنور سے نکالا۔ بروقت بہانا بنا کر اس نے خود کو اسماعیل کے مزید سوالات سے بچایا۔

"کیا مجھے بابا کو سب کچھ بتا دینا چاہیے؟" اس کے اندر کھلبلی مچی تھی۔

"نہیں وہ خوامخواہ پریشان ہو جائیں گے اور کیا پتا میری ملازمت ختم کروا دیں۔" وہ ہر پہلو پہ غور کر چکی تھی۔ ان کے معاشی مسائل کا حل مشال کی ملازمت تھا اور اگر یہ نوکری ہاتھ سے نکل گئی تو امید کی آخری کرن بھی دم توڑ دے گی۔ لیکن وہ کس طرح اپنے سر پڑی اس مشکل سے چھٹکارہ پائے جو پہلے دن سے اس کے گلے پڑی تھی۔ اس کے لاکھ منع کرنے کے باوجود آج دوسری بار شمائل اس کے اسکول پہنچ گیا تھا۔

"مسٹر شمائل میں آپ سے پہلے بھی کئی بار کہہ چکی ہوں مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی ہے۔ آپ سمجھتے کیوں نہیں ہیں' آپ کا یہاں بار بار آنا میرے لیے پریشانی کا باعث بن سکتا ہے۔ لوگ باتیں بنانے لگ جائیں گے۔" اس کے گھر سے لے کر اسکول تک وہ ہر جگہ سے واقف تھا اور پچھلے ہفتے بلا خوف وہ اس سے ملنے چلا آیا تھا۔ وہ اس کی ہمت پہ دنگ رہ گئی تھی۔ واویلا مچا نہیں سکتی تھی۔ اس لیے سنجیدگی سے اسے دو ٹوک انداز میں منع کر دیا تھا' لیکن ہائے ری قسمت وہ آج پھر چلا آیا تھا۔

"دیکھیں مس میں اپنی مرضی سے یہاں ہرگز نہیں آتا ہوں' پر یہ دل ہے کہ میرے اختیار میں ہی نہیں۔" قیمتی لباس سے اٹھتی مہنگے کلون کی مہک' اس کا ٹھہرا ٹھہرا لہجہ' نیلی آنکھیں اور دل کو چھو جانے والی شخصیت' کوئی اور لڑکی ہوتی تو اپنی قسمت پہ رشک کرتی۔

"اپنے دل کو قابو میں رکھیے خان صاحب' میری عزت آپ کے نام نہاد جذبات سے بہت زیادہ قیمتی ہے۔" غصے میں لب بھینچے وہ بہت دیر سے برداشت کر رہی تھی۔

"میرا یقین کریں' میرا انداز شاید غلط ہو' لیکن میرے جذبات میں کھوٹ نہیں ہے۔ میں آپ کو اپنی عزت بنانا چاہتا ہوں۔ بس چاہتا ہوں صرف ایک بار آپ سکون سے میری بات سن لیں۔" فراز یہاں ہوتا تو مشال کو ایوارڈ دیتا جس نے چھ فٹ کے مرد کو قدموں میں گرایا ہوا تھا۔

"کیوں سنوں میں' آپ کی بات اور کیوں کروں میں آپ کی باتوں پہ یقین' ایک بار اتفاقیہ آپ سے

ملاقات کیا ہوگئی' آپ تو پیچھے پڑ گئے ہیں۔ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ آپ کے ساتھ میرا بھی تماشا بن جائے گا تو میں پہلے ہی آپ کی شکایت پرنسپل سے کر چکی ہوتی۔" وہ واقعی بہت اپ سیٹ تھی۔ گھر بتاتی ہے تو باپ کی ناساز طبیعت کے ساتھ ساتھ ملازمت چھوڑنے کا خوف اور اسکول میں کسی کو اس مسئلے کا رازداں بناتی ہے تو اپنی عزت کی پامالی کا خدشہ۔ جمعہ جمعہ چار دن ہوئے اسے وہاں نوکری کرتے کون اعتبار کرے گا اس کی شرافت پر۔ بے دلی سے ٹھنڈا سالن اور روٹی حلق سے اتار کر وہ برتن سمیٹنے لگی۔

اسماعیل سے تھکاوٹ کا بہانا کر کے اس نے خود کو کمرے میں بند کر لیا تھا۔ کچھ دیر ساری صورت حال غور کرنے کے بعد بالآخر اسے اس مسئلے کا صرف ایک حل نظر آ رہا تھا۔ کچھ سوچتے ہوئے اس نے اپنا موبائل اٹھایا اور ایک نمبر ملانے لگی۔

٭ ٭ ٭

"آپ کیوں میری زندگی عذاب بنانے پہ تلے ہیں؟" سیاہ پشمینہ کی چادر سر پہ اوڑھے وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بالکل اس کے سامنے بیٹھی تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے شمائل سے ملنے جانا پڑا تھا' کیونکہ وہ تیسری بار اپنے اسکول میں اس کی آمد برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ باپ کو سچ بتا کر وہ خود کو اور اسے پریشانی میں نہیں ڈال سکتی تھی۔ واحد اور آخری راستہ جو اس کی سمجھ میں آیا تھا وہ یہی تھا کہ مثال خود شمائل کو کہیں مل کر اس سے اپنی جان چھوڑنے کا سوال کرے۔ مثال سے ملاقات کا سن کر وہ تو ہوش کھو بیٹھا تھا۔ اپنا تعارفی کارڈ پچھلی بار اسے اس نیت سے دیا تھا کہ وہ یہ اعتبار کر لے کہ شمائل آفریدی کوئی گیا گزرا انسان نہیں ہے۔ یہ کافی شاپ مثال کے اسکول کے نزدیک تھی۔ شمائل کا دفتر بھی اسی علاقے میں تھا' وہ طے شدہ وقت پہ وہاں پہنچی تو شمائل اس کے انتظار میں پلکیں بچھائے وہاں پہلے سے موجود تھا۔ کل رات سے آج دوپہر تک کا وقت اس نے کس جوکھم سے گزارہ تھا۔

"خود کو اس عذاب سے چھٹکارا دلانا چاہتا ہوں۔" مثال کے سامنے بیٹھے اس کا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔

"کیا یہ خود غرضی نہیں؟" وہ تلخ ہوئی تھی۔

"یہ صرف محبت ہے۔" مثال کو اس گفتگو میں رتی برابر دلچسپی نہ تھی۔

"مجھے رسوا کر کے کیا مل رہا ہے آپ کو؟" اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ اپنا حال دل اسے سنا رہا تھا۔ وہ یہاں شمائل کی داستان دل سننے نہیں بلکہ اسے اس کی پیش قدمی سے روکنے آئی تھی۔ بہت ہی ہمت اور حوصلہ اکٹھا کر کے اس نے یہ قدم اٹھایا تھا اس امید پہ کہ آج کے بعد یہ ایشو ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔

"اپنا بھی تو تماشا بنا رہا ہوں' محبت کا کشکول تھامے محبوب کے در پہ سوالی بنا کھڑا ہوں۔" کافی کے دو کپ میز پہ رکھے رکھے سرد ہو رہے تھے۔ وہ وارفتہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ مثال کو اس کی نظروں سے الجھن ہوئی۔

"میری رسوائی کا سامان کر کے میری الفت چاہتے ہیں۔ مجھے تو اس دیوانگی سے خوف آ رہا تھا۔" شمائل اس کے بے رحم تجزیے پہ مسکرایا۔

"حالانکہ تمہیں مجھ پہ ترس آنا چاہیے۔" کیا بے بسی نے آگھیرا تھا۔

"بس کریں' یہ جنونی باتیں' آپ کو اندازہ نہیں آپ کی یہ وحشت میرے لیے کس قدر مسائل کھڑے کر دے گی۔ اپنے بوڑھے بیمار باپ کے اعتبار کی چادر اوڑھے نکلی ہوں میں گھر سے' پہلے ہی بہت سے مسائل ہیں میری زندگی میں انہیں اپنی حماقت سے مزید مت بڑھائیں۔" وہ اپنا تحمل کھو بیٹھی تھی۔ شمائل کچھ سمجھنے کو تیار ہی نہیں تھا۔ محبت زبردستی کا سودا نہیں' یہ تو دو دلوں کی ایک دوسرے کے لیے چاہ ہے کسی ایک فریق کے ایما پہ زبردستی کے بندھن میں باندھنا محبت نہیں ہوتی۔

"میری زندگی کا واحد مسئلہ تم ہو۔ تم سے ملنے سے پہلے میں شاہ تھا تم نے اپنے عشق میں بھکاری بنا دیا ہے

اور اس پہ یہ جبر کہ مسیحائی کی آرزو بھی نہ کروں۔" وہ اب بھی پرسکون تھا۔ مثال کی بے رخی سے اس کے مزاج پہ کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ یہ محبت بھی عجب شے ہے' انسان کی ساری اکڑ' ساری انا محبوب کے سامنے خاک ہو جاتی ہے۔

"یہ شرفا کا شیوہ نہیں۔ عزت کو محبت پہ فوقیت ہے۔ میری آرزو ہے تو عزت کا راستہ اختیار کریں' یوں سرعام مجھے رسوا مت کریں۔" مثال کی بات سے شمائل کو حوصلہ ہوا۔ وہ اسے صحیح رستہ دکھا رہی تھی اور پھر اس کے ساتھ عمر بتانے کا فیصلہ تو وہ پہلے روز ہی کر چکا تھا۔

"یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں صاحب زادہ شمائل آفریدی اور لڑکی کے ساتھ۔" اس جانی پہچانی آواز پہ پلٹ کر شمائل نے گردن موڑی تو فراز کو وہاں دیکھ کر وہ کچھ خجل ہوا جو آنکھوں میں شرارت لیے ان دونوں کے سر پہ کھڑا تھا۔ وہ اکیلا نہیں تھا' بلکہ منال اس کے ساتھ تھی۔ ہمیشہ کی طرح اپنے شعلہ حسن کے جلوے بکھیرتی وہ فراز کے پہلو میں کھڑی نہایت دلچسپی سے مثال کو دیکھ رہی تھی۔

"یہ وہی حسینہ ہے نا جس نے میرے منہ زور پٹھان کے دل کا چین چرا لیا ہے۔" فراز کی بات سن کر مثال کے ماتھے پہ ناگواری بل نمایاں ہوئے۔ وہ اس اچانک افتاد پہ یک دم گھبرا گئی تھی۔ شمائل کو صفائی کا موقع دیے بغیر وہ اگلے ہی پل اپنا بیگ اٹھا کر تیزی سے کافی شاپ سے نکل گئی۔ شمائل لب بھینچے اسے جاتا دیکھتا رہا' جبکہ فراز اور منال حیرت سے اس ساری صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

وسیع و عریض کمرے میں اس وقت مکمل خاموشی تھی۔ بیش قیمت چوکھٹوں میں' دیواروں پر لگی پر غرور چہروں کی تصاویر سے رعونت ٹپکتی تھی۔ کمرے کا بیش قیمت فرنیچر' اس کی سجاوٹ کو چار چاند لگا تا تھا۔ ہر شے سے نفاست جھلکتی تھی۔ سردار یاور خان آفریدی کی حویلی کسی محل کا گماں دیتی تھی۔ صوفے پر یاور خان اور صبیحہ بیگم براجمان تھے جن کے چہرے بے تاثر اور نگاہیں اپنے سامنے بیٹھے شمائل پہ جمی تھیں جو اس وقت سر جھکائے' لب بھینچے ان کے قدموں تلے کی زمین ہلا رہا تھا۔ وہ کل رات ہی اپنے آبائی گاؤں پہنچا تھا اور آج پر اعتماد' لیکن باادب انداز میں اس نے اپنی خواہش ان کے گوش گزار کر دی تھی۔

"تو تم چاہتے ہو ایک معمولی اسکول ٹیچر کو اس حویلی کی بہو بنا کر لے آئیں جس کے خاندان کے متعلق بھی تم کچھ نہیں جانتے۔" یاور خان صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے سوالیہ نگاہوں سے اپنے اکلوتے لاڈلے بیٹے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کے انداز میں تحمل جھلک رہا تھا' لیکن لہجہ سخت تھا۔

"وہ میری محبت ہے بابا جان' وہ معمولی کیسے ہو سکتی ہے' ویسے بھی اس حویلی کی بہو بن کر وہ ہمارے خاندان کا حصہ بن جائے گی۔" وہ باادب پر سنجیدہ تھا۔ یاور خان کو اس کی باتوں سے بغاوت کی بو آ رہی تھی۔ صبیحہ نے یک دم کچھ بولنا چاہا' لیکن پاس بیٹھے یاور خان نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے چپ کروا دیا۔

"جس سے ملے تمہیں جمعہ جمعہ آٹھ دن نہیں ہوئے' اس کی محبت کا اتنا مان۔" صبیحہ کے لیے خاموش رہنا مشکل تھا۔ یاور خان اس مسئلے کو خود ہی حل کرنا چاہتے تھے۔ اپنے غصے کو بہت حد تک کنٹرول کر کے وہ اب تک بے حد تحمل کا مظاہرہ کر رہے تھے' لیکن ان کے ہر انداز سے خفگی عیاں تھی۔

"محبت کرنے کے لیے بس ایک لمحہ ہی کافی ہوتا ہے' یہ وقت کی محتاج نہیں ہوتی۔ اس سے ملنے کے بعد میں خود کو بے بس محسوس کرتا ہوں' اسے پانے کی خواہش میرے اندر شدت اختیار کرتی جا رہی ہے۔" شمائل کی بات سن کر وہ دونوں ہی تپ گئے تھے۔ انہیں بڑا مان تھا اپنے بیٹے کی فرماں برداری پر' یاور خان کے صبر کا پیمانہ چھلک گیا۔

"وہ تو دکھ رہا ہے صاحب زادے' اپنے باپ' دادا کی ساکھ کو تمہاری محبت کے الاؤ میں جل کر بھسم ہوتا دیکھ

رہے ہیں ہم۔" شمائل نے سر جھکا لیا۔

"یہ شہری لڑکیاں تو ہوتی ہی جادوگرنیاں ہیں، پتا نہیں کیا ٹونا ٹوٹکا کر کے امیر خاندان کا لڑکا سمجھ کر پھنسالیا ہے، ورنہ ہمارا بیٹا ہماری بات کے آگے دم مارنے والا نہیں تھا خان صاحب!" صبیحہ خالص زنانہ ہتھکنڈوں پہ اتر آئی تھیں۔ اس اونچی حویلی کی مالکن کے اندر بھی ایک عام سی عورت موجود تھی جو اکلوتی اولاد کو کسی لڑکی کے عشق میں گرفتار دیکھ کر اوچھی توجیہات کا آسرا تلاش کرتی ہے۔

"بی بی جان ایسا کچھ نہیں ہے، میں آپ کو بتا چکا ہوں یہ پیش قدمی فقط میری طرف سے ہے، وہ معصوم تو ان سب باتوں سے قطعی انجان تھی۔ اس نے کبھی میرے جذبات کو بڑھاوا نہیں دیا۔" وہ تڑپ کر بولا۔ کیا بتاتا، جس پہ اس کے ماں، باپ الزامات کی بوچھاڑ کر رہے ہیں وہ تو خود اس سے جان چھڑاتی رہی ہے۔

"اس کی بے جا طرف داری مت کرو شمائل خان! میں نے دنیا دیکھی ہے۔ وہ تمہیں پیار محبت کا جھانسا دے کر اپنی انگلیوں پہ نچا رہی ہے اور تم بے دام کے غلام بنے اس کی خاطر دودھ کی نہریں نکالنے کی تدبیر کر رہے ہیں۔" یاور خان ایک دم صوفے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ اس وقت طیش میں تھے۔ ان کے سامنے کسی کو پر مارنے کی ہمت نہ تھی۔ پورا علاقہ ان کی دہشت سے تھر تھر کانپتا تھا۔ ان کا خاندان برسوں سے اس علاقے کا حکمران تھا اور وہ یہاں کے بے تاج بادشاہ۔

"میں اس کی طرف داری نہیں کر رہا، بلکہ آپ کو حقیقت سے آگاہ کر رہا ہوں۔ میں نہ تو اتنا بے وقوف ہوں جو کسی راہ چلتی لڑکی کی خاطر اپنے خاندان کی عزت و ناموس کو داؤ پر لگاؤں گا اور نہ ہی آپ کا نافرمان۔ میں بہت مؤدب انداز میں آپ سے التجا کر رہا ہوں کہ میری حسرت کو میرا مقدر بنا دیں۔ اس کے بغیر میرے دل کو قرار نہیں آتا، میں آپ سے درخواست کرتا ہوں بابا جان اسے میری شریک سفر بنا کر میرے دل کو قرار دے دیں۔" شمائل بھی ادب سے کھڑا ہو گیا۔ صبیحہ، باپ، بیٹے کو آمنے سامنے دیکھ کر ایک لمحے کو ٹھٹک گئیں۔ شمائل کا مؤدب انداز نہیں پرسکون کر گیا۔

"بچہ اگر آگ سے کھیلنے کی فرمائش کرے تو اسے جھلسنے نہیں دیا جا سکتا۔ میں کسی کم ظرف کو اپنے خاندان کے ماتھے پہ ذلت کا داغ بنا کر اپنے پرکھوں کی عزت کا تماشا ہرگز نہیں بننے دوں گا شمائل خان۔ یہ سب وقتی جنون ہے، دو چار دن میں اتر جائے گا۔" یاور خان اب اس لاحاصل بحث کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ ان کا فیصلہ حتمی تھا جو کسی صورت بدلا نہیں جا سکتا تھا۔

"آپ کے نزدیک میرے جذبات کی بس اتنی ہی اہمیت ہے، میں نے تمام عمر آپ کے ہر حکم پہ سر جھکایا ہے اور آپ میری اتنی بڑی تمنا کو میرا وقتی جنون کہہ رہے ہیں۔" وہ اپنے باپ کے تجزیے پہ تڑپ اٹھا۔ اس نے ہمیشہ ایک اچھا بیٹا ہونے کا ثبوت دیا۔ اس کی فرماں برداری کی سب تعریف کرتے تھے۔ اپنے ہر عمل سے اپنے والدین کا سر بلند کیا اور آج پہلی بار جب ان کے آگے اپنی خواہش رکھی تو خود کو تہی دامن پایا۔

"جب تمہارے نزدیک ہمارے وعدے کی کوئی اہمیت نہیں تو ہم تمہارے جذبات کا خیال کیوں رکھیں؟" وہ صبیحہ کی بات پہ چونکا تھا۔ بات فقط خاندان و امارات تک محدود نہیں تھی، قصہ اس سے آگے بھی تھا۔ صبیحہ خانم کی بھتیجی پلوشہ سے شمائل کی بات طے تھی۔ دونوں خاندانوں کی باہمی رضامندی سے یہ رشتہ کئی سال پہلے طے کیا گیا تھا۔ شمائل کو یہ بات معلوم نہیں تھی، لیکن مثال سے شادی کا قصہ سامنے آتے ہی یہ قضیہ بھی نمودار ہو گیا تھا۔

"یہ وعدہ مجھ سے پوچھ کر نہیں کیا گیا تھا بی بی جان۔" وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ فقط اپنے والدین کے معیار سے کم تر خاندان میں شادی کرنا ہی کیا کم دشوار تھا جو اب یہ وعدوں معاہدوں کا سلسلہ سامنے آگیا تھا۔

"تو یہ عشق ہم سے پوچھ کر کیا تھا جو اب اس بدبخت سے شادی کی فرمائش لے کر آگئے ہو۔ ایک بات کان کھول کر سن لو، تمہاری شادی صرف اور

صرف پلوشہ خانم سے ہوگی اور یہ ہم دونوں کا فیصلہ ہے۔" یاور خان اس بات کو بالائے طاق رکھ کر کہ وہ اپنے جواں سال بیٹے سے بات کر رہے ہیں جو انہی کی طرح انا اور ضد کا پکا ہونے کے ساتھ اپنی رگوں میں جواں گرم خون رکھتا ہے' آپے سے باہر ہو گئے تھے۔

"تو پھر پہلی بار مجھے آپ کا فیصلہ نامنظور ہے' میں شادی کروں گا تو صرف مثال سے' کیونکہ میں اس سے بے تحاشا محبت کرتا ہوں اور اس کے سوا کسی اور کو اپنا جیون ساتھی بنانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔" شاید اب مزید بحث فضول تھی۔ بادشاہوں کی زندگی میں سب سے خطرناک موڑ اس وقت آتا ہے جب اپنا ولی عہد بغاوت پر اتر آئے۔ یہ لمحہ فکریہ تھا۔ وہ پیر پٹختا کمرے سے باہر نکل گیا۔ کمرے میں چند لمحے موت سا سکوت چھایا رہا جسے بالآخر صبیحہ کی خوف زدہ آواز نے توڑا۔

"اس کو روکیں خان صاحب! یہ محبت کی گرمی میں دیوانہ ہوا جا رہا ہے' اگر سچ میں اس نے اس لڑکی سے شادی کر لی تو ہم اپنے اکلوتے بیٹے کے ساتھ ساتھ برسوں کی بنائی عزت سے بھی محروم ہو جائیں گے۔" وہ عورت تھی اور ایک ماں بھی' جانتی تھیں اس ضد اور انا کے ہاتھوں ملنے والی شکست جگ ہنسائی کا موجب بننے والی ہے۔ شمائل کا فیصلہ دو خاندانوں میں دراڑ ڈال دے گا۔ یاور خان آفریدی اپنی گھنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ایک بار پھر صوفے پہ بیٹھ گئے۔ وہ اس وقت گہری سوچ میں ڈوبے تھے جب ان کی نظر پردے کی سرسراہٹ پہ جا رکی۔ ایک گہرا سانس سینے سے خارج کرتے ہوئے انہوں نے صبیحہ کی طرف دیکھا جو خود بھی پردے کے پیچھے کھڑی پلوشا کو دیکھ چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

"کون ہیں آپ محترمہ اور کس سے ملنا ہے؟ میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔" ابھی کچھ دیر پہلے محلے کی تنگ گلی کے اس بوسیدہ مکان کے سامنے ایک عالی شان گاڑی آکر رکی تھی۔ غرور تمکنت کی چادر میں سرتاپا خود کو اوڑھے مسلح گارڈ کے دستے کے ساتھ صبیحہ خانم نے اس معمولی مکان میں قدم رکھا جہاں شاید ان کے ملازم جانا بھی اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے۔

"ہمیں پہچاننے کے لیے ہمیں جاننا ضروری ہے اور تمہاری اتنی اوقات نہیں جو ہم سے جان پہچان کر پاؤ۔" دروازے پہ کھڑے اسماعیل آنکھوں میں حیرت لیے انہیں انداز بے نیازی سے صحن میں کھڑے دیکھ رہے تھے۔ وہ یہ بات سمجھنے سے قاصر تھے کہ ایک انجان خاتون ان کے گھر میں کیا کر رہی ہے۔ مثال ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی گھر پہنچی تھی۔ صبیحہ کے مغرور انداز میں اسماعیل کے لیے تذلیل دیکھ کر وہ خاموش نہیں رہ پائی۔

"کون ہیں آپ کیا چاہتی ہیں؟ یہ کس انداز میں آپ میرے بابا سے بات کر رہی ہیں۔" صبیحہ نے سر تاپا بغور مثال کا جائزہ لیا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اس کا موازنہ پلوشا سے کر رہی تھی۔ ان کے لہجے کی تلخی مزید بڑھ گئی تھی۔

"تو تم ہو وہ چارہ' جو تمہارے باپ نے ہمارے بیٹے کو پھنسانے کے لیے استعمال کیا۔" سردار یاور خان آفریدی نے بہت سوچ سمجھ کر اس مسئلے کا یہ حل نکالا تھا کہ صبیحہ خانم مثال کے گھر جا کر اسے اور اس کے باپ کو واضح الفاظ میں سمجھا دے یا پھر دوسرے لفظوں میں دھمکا دے کہ وہ اپنے ارادوں سے باز رہیں۔ شمائل آندھی طوفان کی طرح حویلی سے نکلا تھا' اس کی واپسی اتنی آسان نہ تھی' لیکن مثال کو اس کی اوقات دکھا کر اور اس کے باپ کو ذلیل کر کے وہ شمائل کو واپس لا سکتے تھے۔ ایک فریق کے پیچھے ہٹ جانے سے دوسرے کا زور کم پڑ جاتا ہے' پھر بھلے وہ جنگ ہو یا محبت۔

"دیکھیں آپ مسلسل ہماری بے عزتی کر رہی ہیں اور میں آپ کا لحاظ فقط اس لیے کر رہی ہوں کیونکہ آپ عمر میں بڑی ہیں۔ بہتر ہو گا آپ یہاں سے فوراً چلی جائیں۔" اسماعیل نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے روکا۔ گارڈ کا دستہ جدید طرز کا اسلحہ تھامے ان کے گھر کے باہر موجود تھا۔ چھوٹا سا محلہ تھا اردگرد کے گھروں

سے لوگ کن سویاں لینے باہر نکل آئے تھے۔ صبیحہ کے دل میں مثال کے لیے ناپسندیدگی میں کچھ اور اضافہ ہوا۔ وہ بے خوفی سے اپنے باپ کی عزت پہ حملہ کرنے والے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہوا ہے مثال؟ آخر مجھے بھی تو کچھ پتا چلے یہ خاتون کون ہیں اور کیا کہنا چاہتی ہیں۔" مثال کو اندازہ ہوچکا تھا یہ مغرور عورت یقیناً "شمائل خان کی ماں ہے۔ وہ اس آخری ملاقات میں مختصراً" اپنے خاندان کے متعلق بتا چکا تھا۔

"وہ کس معصومیت سے اپنی لاعلمی کا اظہار کررہے ہو' حالانکہ اس سارے کھیل کے ماسٹر پلانر تو تم ہی ہو۔ ویسے ہم تو بڑی امید لے کر آئے تھے کہ جس کی زلفوں کا اسیر ہوکر ہمارا شہزادہ باغی ہورہا ہے' وہ صورت شکل کی تو نایاب ہی ہوگی پر افسوس نہ اس نے سیرت و مرتبہ دیکھا' نہ ہی صورت۔" تذلیل سے زیادہ نفرت تھی یا پھر شاید مثال نے محسوس کی۔ اسے افسوس ہوا تھا۔ اس روئے زمین پر کچھ لوگ اپنے تئیں انسان ہونے کا دعوا تو کرتے ہیں' لیکن دوسروں کو انسان سمجھنے کا تکلف نہیں کرتے۔ شمائل سے اس کی شکایت مزید بڑھی تھی۔

"یہ کیسا الزام لگارہی ہیں آپ میری بیٹی پر.... کون ہے آپ کا بیٹا؟ میں اور میری بیٹی تو اسے جانتے بھی نہیں' لگتا ہے آپ کو کوئی شدید غلط فہمی ہوئی ہے۔" اسماعیل کو یقین تھا صبیحہ خانم کو کوئی بہت بڑی غلط فہمی ہوئی ہے۔ بھلا کہاں وہ پیدائشی غریب لوگ اور کہاں یہ رئیس ابن رئیس۔ ضرور وہ کسی اور کے دھوکے میں اس کے غریب خانے پہ چلی آئی ہیں۔

"زیادہ بھولے بننے کی ضرورت نہیں ہے' یہ تمہاری بیٹی ہمارے اکلوتے بیٹے کو محبت کے جال میں پھانس کر ہمارے اعلا خاندان کا حصہ بننا چاہتی ہے۔ اس کے عشق میں وہ ایسا دیوانہ ہوا پھر رہا ہے کہ پہلی بار ہمارے سامنے کھڑا ہوگیا ہے۔ ایک نچلے خاندان کی بہو بننے کا خواب جو تم اور تمہاری بیٹی کھلے آنکھوں سے دیکھ رہے ہو یہ تو ہم مرتے دم تک پورا نہیں ہونے دیں گے۔" مثال کے شک کی تصدیق ہوئی تھی اور اسماعیل کو شدید شاک لگا تھا۔ انہیں یقین تھا یہ عورت اپنے حواس میں نہیں ہے' ورنہ یوں واہی تواہی نہ بکتی۔ بن ماں کی مثال کو انہوں نے ماں اور باپ دونوں بن کر پالا تھا' وہ اس کے بہت قریب تھی۔ وہ کوئی ایسا قدم نہیں اٹھاسکتی تھی جس سے اس کی یا اس کے باپ کی عزت پہ حرف آئے۔

"جھوٹ ہے یہ سراسر' بہتان ہے میری پاک دامن بیٹی کے دامن پہ۔ بتاؤ مثال یہ محترمہ جو کچھ کہہ رہی ہیں سب جھوٹ ہے۔ تم ان کے بیٹے کو نہیں جانتی۔ تمہارا اس سے کوئی واسطہ نہیں.... بتاؤ مثال۔" مثال کو کندھوں سے جھنجوڑتے ہوئے انہوں نے تصدیق چاہی۔ وہ صبیحہ کو بتانا چاہتے تھے کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے۔ مثال اسماعیل کے اس جنونی انداز پہ ایک لمحہ کے لیے کانپ گئی۔

"بابا میں ان کے بیٹے کو جانتی ہوں۔ وہ مجھے اسکول جاتے ہوئے ملا تھا اور اس نے مجھے شادی کا پیغام بھی دیا...." بھلے اس کی شمائل سے کوئی وابستگی نہیں تھی لیکن وہ اسے جانتی تھی۔ پچھلے دو ہفتوں سے جو بات وہ اسماعیل کو بتا نہیں پائی تھی اور اپنے طور پہ اس مسئلے سے نبٹ رہی تھی وہ یوں وبال بن جائے گا اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ مثال کو معلوم تھا ایسے امیرزادے فقط دل لگانے کی حد تک دیوانگی جھاڑتے ہیں لیکن بات جب ماں باپ کی آتی ہے تو ساری محبت صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ جاتی ہے۔ اس نے بھی شمائل کے سامنے والدین اور شادی والی بات اسی وجہ سے کی تھی کیونکہ اسے معلوم تھا جس خاندانی جاہ و منصب کی بنا پہ وہ اسے متاثر کررہا ہے وہ خاندان مثال کو کبھی قبول نہیں کرے گا۔ وہ مطمئن تھی کہ چند دن سے شمائل سے اس کا پیچھا چھوٹ چکا تھا۔

"مثال...." اسماعیل کے لیے یہ خبر کسی الیکٹرک شاک سے کم نہ تھی۔ انہوں نے مثال کی بات مکمل نہ ہونے دی اور ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر جڑدیا۔ وہ حیرت سے ان کا منہ تکتی رہ گئی۔

"میرے اعتبار کا خون کرتے میری عزت کو یوں پیروں تلے روندتے تجھے شرم نہیں آئی؟" مثال کو بھی انہوں نے پھولوں کی چھڑی سے نہ مارا تھا۔ وہ ان کی لاڈلی تھی' ان کے دل کی ٹھنڈک تھی لیکن اس کے اقرار نے اسماعیل کو توڑ دیا تھا۔

"بابا میرا یقین کریں' اس میں میرا کوئی قصور نہیں وہ خود..." اپنے آنسوؤں پہ قابو پاتے وہ فقط اتنا ہی کہہ سکی۔ صبیحہ خانم کی گردن کا سریا تھوڑا اکڑ گیا تھا۔ تکبر کچھ اور بڑھ گیا۔

"چلو ہماری بات کا اعتبار نہیں تھا' اپنی بیٹی کی بات پہ تو یقین آگیا نا تمہیں۔ اب کان کھول کے سن لو اگر آج کے بعد شمائل کی زبان پہ اس کا نام آیا تو ہمارے اتنے وسائل ہیں کہ اسے راتوں رات غائب کرواسکتے ہیں۔ بہتر ہو گا تم خود اسے سمجھا دو کہ یہ ہمارے راستے سے ہٹ جائے۔ ہم حسب نسب والے لوگ ہیں اور شمائل خان کی نسبت اپنے بھائی کی بیٹی سے طے کر چکے ہیں۔ ہماری زبان' ہمارا وعدہ ہوتا اور وعدہ پورا کرنے کے لیے ہم مر بھی سکتے ہیں اور مار بھی سکتے ہیں۔" وہ دھمکی دے رہی تھی اور اسماعیل سر جھکائے خود کو مجرم محسوس کر رہے تھے۔ دروازے پہ لوگوں کا جمگھٹا اب تک موجود تھا۔ صبیحہ کی آواز با آسانی ان کے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔ لوگوں کی چہ مگوئیاں سن کر وہ بدنامی کے اس طوفان کو اپنی طرف تیزی سے بڑھتا دیکھ رہے تھے۔

"بابا میری پوری بات تو سنیں' میں نے کچھ نہیں کیا۔ میرا قصور صرف اتنا ہے میں نے یہ سب آپ کو پہلے دن نہیں بتایا..." صبیحہ اپنی پالتو فوج کے ساتھ واپس جا چکی تھیں۔ مثال صحن میں کھڑی بے آواز آنسو بہا رہی تھی۔ گھر کے باہر موجود مجمع اب اپنے اپنے گھروں کو لوٹ چکا تھا۔ اسماعیل بے عزتی کے اس کھلے در کو تو بند کرنے سے قاصر تھے پر انہوں نے اپنے گھر کے دروازے کو قفل لگا دیا۔

"چپ ہو جا مثال... چپ ہو جا۔ آج احساس ہوا دور جاہلیت میں لوگ بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی کیوں زندہ در گور کر دیا کرتے تھے۔ اس بڑھاپے میں 'میں تو بیٹے پہ بیٹے کی شہادت کا تمغہ سجائے بیٹھا تھا اور میری بیٹی نے میرے منہ پہ کالک پوت دی۔" وہ لڑکھڑا رہے تھے۔ مثال نے انہیں تھامنا چاہا پر وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر چلے گئے۔ وہ انہیں آوازیں دیتی رہی۔

"ایسا مت کہیں بابا' میں مر جاؤں گی' میرا یقین کریں۔ میں نے آپ کو کوئی دھوکا نہیں دیا' میں نے آپ کی عزت کو داغ دار نہیں کیا۔ میں کیسے سمجھاؤں آپ کو بابا میرا کوئی قصور نہیں ہے۔" اسماعیل کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ مثال اس کے باہر کھڑی ان سے اپنے ناکردہ گناہ کی معافیاں مانگتی رہی لیکن وہ تو جیسے اس کی بات سن کر بھی ان سنی کر گئے تھے۔ دروازہ نہیں کھلا۔

✲ ✲ ✲

"تم بتا کیوں نہیں رہے شمائل آخر بات کیا ہوئی ہے؟" وہ پریشان تھا وہ جانتا تھا' اس کی پریشانی کی وجہ کیا تھی یہ بات بھی اس کے علم میں تھی۔ ہمیشہ اس کو لڑکیوں کے دام سے محتاط رکھنے والا شمائل خان آفریدی خود ایک لڑکی کی زلفوں کا اسیر بن بیٹھا تھا۔ وہ جانتا تھا شمائل اس لڑکی کے لیے ضرورت سے زیادہ سنجیدہ ہے۔ وہ اول اول اس بات سے بھی آگاہ تھا کہ شمائل اس لڑکی کو اپنے دل کی بات کہہ نہیں پایا ہے لیکن اب کیا پریشانی' اب تو خود فراز نے اسے مثال کے ساتھ کافی شاپ میں بیٹھے دیکھا تھا۔ یقیناً" وہ لڑکی بھی شمائل میں دلچسپی رکھتی تھی۔ فراز کو یہ دیکھ کر حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا کہ اپنے حلیے سے وہ بہت عام سی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ یقین سے کہہ سکتا تھا کہ اس سے بہت بہتر شکل و صورت اور اونچے خاندان کی پڑھی لکھی لڑکیاں ان کے حلقہ احباب میں موجود تھیں۔ پہلی نظر میں اس سے حد درجہ محبت کا دعوا کرنے والے شمائل آفریدی کی اپنی شخصیت اتنی کشش تھی کہ اس پہ ایک سے ایک خوب صورت لڑکی دل و جان سے نثار تھی۔ اسی سوچ میں ڈوبا وہ مثال

کے ساتھ ان دونوں کے قریب چلا آیا۔ اس نے شرارتی فقرہ اچھالا اور اس کو دیکھ پایا تھا۔ اس عام سی لڑکی میں بھی کچھ ایسا تھا جو اسے دوسری لڑکیوں سے نمایاں کرتا تھا۔ اس کی آنکھیں۔۔۔ ہاں اس کی آنکھوں میں شرم کے ڈورے، اس کے چہرے پہ حیا کا رنگ۔۔۔ اس کے ماتھے کی شکنوں میں فراز کے لیے ناپسندیدگی جو شاید پہلی بار فراز نے کسی لڑکی کی طرف سے خود کے لیے محسوس کی تھی۔ وہ مختلف تھی۔ فراز کو وہ دونوں ایک ساتھ بہت اچھے لگے تھے۔ شمائل کے ساتھ واقعی یہ بندی سوٹ کرتی تھی۔

"فراز پلیز اس وقت مجھے کچھ دیر کے لیے اکیلا چھوڑ دو۔" وہ کل فراز سے کچھ بھی کہے بغیر گاؤں چلا گیا تھا۔ یہ ایسی بڑی بات نہیں تھی لیکن وہ اتنی جلدی واپس بھی آگیا تھا اس پہ ستم جب سے آیا تھا اس کا موڈ سخت آف تھا۔ ذرا ذرا سی بات پہ جھنجلاہٹ اس بات کا واضح ثبوت تھی کہ وہ شدید ذہنی انتشار کا شکار ہے اور فراز کو یقین تھا اس سب کا تانا بانا مشال والے معاملے سے ملتا ہے۔

"اکیلے بیٹھ کر تم نے جو تیر چلانا ہے وہ میرے سامنے چلانے میں کیا حرج ہے؟" شمائل کے سر میں دھماکے ہو رہے تھے۔ وہ بڑی امید لے کر گیا تھا۔ اسے پورا یقین تھا اس کے بابا اس کی یہ مراد ضرور پوری کریں گے، بی بی جان جو اس کو اپنے دل کی دھڑکن کہتی تھیں اس کے ایک بار کہنے پر مشال کے گھر رشتہ مانگنے چلی گئیں لیکن اس کی ساری امیدوں پہ پانی پھر گیا تھا۔

"میں اس وقت مذاق کے موڈ میں قطعاً نہیں ہوں۔" فراز آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اس کے اندر تک جھانک رہا تھا۔ شمائل نے نظریں چرائیں۔ وہ اسے کیا بتاتا کہ پہلے ہی مرحلے پہ وہ بازی ہار چکا ہے۔

"میں بھی مکمل سنجیدہ ہوں اسی لیے پوچھ رہا ہوں، مجھے بتاؤ تو شاید میرے پاس تمہارے مسئلے کا کوئی حل ہو۔ تم گاؤں گئے تھے نا اور پھر یوں آنا" فاناً واپس بھی آ گئے کیا ہوا ہے وہاں اور کہیں اس کا تعلق تمہارے اس عشق لاحاصل سے تو نہیں۔" وہ بہت سنجیدہ دکھائی دے رہا تھا اپنے اس غیر سنجیدہ مزاج سے یکسر مختلف شمائل اس کا بہترین اور اکلوتا دوست تھا وہ اسے پریشان نہیں دیکھ سکتا۔

"وہ کسی صورت اس شادی کے لیے راضی نہیں ہیں فراز۔" شمائل نے اسے اول تا آخر ساری روداد کہہ سنائی۔ پریشانی کی چند لکیریں فراز کی کشادہ پیشانی پہ نمودار ہوئیں۔

"تم نے ڈھنگ سے بات ہی نہیں کی ہوگی، مشکل سے تو تم نے اس لڑکی سے اپنے دل کی بات کہی تھی اور اب اپنے پیرنٹس کو قائل نہیں کر سکے، تم ان کے اکلوتے لاڈلے بیٹے ہو تمہاری خوشی کی خاطر وہ اتنا کیوں نہیں کریں گے۔ یوں بھی یہ شجرہ نسب اور امیری غریبی سب قرن اولیٰ کے قصے ہیں۔"

"تم سمجھ نہیں رہے ہو بات فقط اتنی سی نہیں کہ انہیں مشال کے غریب ہونے یا پھر اس کے بیک گراؤنڈ پہ اعتراض ہے، مسئلہ ان کے وعدے کا ہے جو بی بی جان اپنے بھائی سے کر چکی ہیں۔ وہ لوگ سالوں سے پلوشہ کو میرے نام سے منسوب کیے بیٹھے ہیں اور میرے فرشتوں کو بھی اس بات کی خبر نہیں۔" فراز کو یہ بات بھی سرے سے غلط لگی تھی۔ جب شمائل راضی ہی نہیں تو کیوں زبردستی اسے ایک ان چاہے بندھن میں باندھنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ شمائل تو پریشان تھا ہی اب فراز بھی اپ سیٹ نظر آ رہا تھا۔

"یعنی جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے۔ یار عجیب بودی دلیل ہے یہ ویسے۔ خیر مجھے لگتا ہے اب مجھے ہی کچھ کرنا پڑے گا۔" اچانک فراز کو خیال آیا اور وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ شمائل مزید گھبرا گیا۔ وہ فراز کو اس سارے معاملے سے الگ رکھنا چاہتا تھا جب وہ خود یہ معاملہ سنبھال نہیں پا رہا تو فراز بھلا کیا کر سکتا ہے۔

"تم کیا کرو گے اور کہاں جا رہے ہو اس وقت یوں اچانک؟" شمائل نے فراز کا ہاتھ تھام لیا۔ فراز نے تسلی دینے والے انداز میں اس کے کندھے پہ اپنا ہاتھ رکھا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

"تمہاری محبت کی گاڑی کو اسٹیشن پہ پہنچانے کا انتظام کرنے کیونکہ تم سے تو کچھ ہونے والا ہے نہیں۔" شمائل اسے روکنا چاہتا تھا لیکن فراز بہت پر امید تھا۔

"فراز دیکھ کوئی گڑبڑ نہ کردینا میں بابا جان کی باتوں سے پہلے ہی بہت اپ سیٹ ہوں۔" وہ بہ مشکل کہہ پایا۔

"ڈونٹ وری اینڈ ٹرسٹ می..... سب ٹھیک ہوجائے گا۔" کمرے سے باہر جانے سے پہلے فراز نے اسے ایک بار پھر تسلی دی اور تیزی سے باہر چلا گیا۔ شمائل لب کاٹتا اسے جاتا دیکھتا رہ گیا۔

✡ ✡ ✡

دروازے پہ مسلسل دستک ہورہی تھی۔ ناچاہتے ہوئے بھی اسے دروازہ کھولنا پڑا۔ اپنے کمرے سے باہر آکر سب سے پہلے اس نے اسماعیل کے کمرے کے بند دروازے کو حسرت بھری نظر سے دیکھا۔ وہ دوپہر سے اپنے کمرے میں بند تھے۔ مشال نے لاکھ معافی تلافی کی، دنیا جہان کے واسطے دیے پر ان کا غصہ کسی طور کم نہ ہوا۔ دروازہ کھولنا تو درکنار انہوں نے تو پلٹ کر جواب دینا بھی ضروری نہ سمجھا۔

"کون ہے؟" دھندلی شام میں بہت محتاط لہجے میں اس نے دروازے کی اوٹ سے پوچھا۔ دوپہر کو صبیحہ کا لگایا ہوا تماشا اس محلے کے ہر گھر نے دیکھا تھا اب کیا خبر ان ہی میں سے کوئی اس آگ پہ ہاتھ سینکنے آیا ہو۔

"دروازہ کھولیے مجھے آپ کے والد سے ملنا ہے۔" دلکش لب و لہجے اور مودبانہ انداز میں اندر آنے کی اجازت مانگی گئی۔ مشال اس وقت فراز کو اپنے دروازے پہ دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"آپ؟" اس کا لہجہ سرد تھا۔ وہ پہلی نظر میں ہی فراز کو پہچان چکی تھی۔ بے تکلفی کی حدوں کو چھوتا ایک بے باک لڑکی کو اپنے پہلو میں لیے کھڑا یہ شخص اسے بالکل اچھا نہیں لگا تھا۔ وہ تو اپنی جان چھڑانے اس دن شمائل سے ملنے چلی گئی تھی۔ لیکن سب کچھ الٹا ہو گیا تھا۔

"جی میں۔ دیکھیں مس مشال میں باتوں کو بلاوجہ الجھانے کا عادی نہیں ہوں۔ مجھے فقط چند سنٹ درکار ہیں آپ کے والد سے ایک ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔" اس کے لہجے کی شائستگی متاثر کن تھی۔

"کیا ایک ملاقات سے آپ لوگوں کی تشفی نہیں ہوئی جو دوبارہ مجھے اور میرے بابا کو ذلیل کرنے چلے آئے ہیں۔" مشال دروازے میں ڈٹ کر کھڑی تھی۔ صبیحہ کے بعد اب فراز کی آمد اس کے بابا کو مزید ناراض کرسکتی تھی۔ وہ جیسے تیسے انہیں منالے گی' اپنی بے گناہی ثابت کردے گی لیکن اب ان لوگوں سے اسے دور رہنا تھا۔

"یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ' کون سی ملاقات اور کس کی ملاقات۔" فراز چونکا۔ اسے مشال کا چہرہ بہت تھکا ہوا اور اداس لگا' اس کی آنکھوں کی سوجن پہ اس نے اب غور کیا یقیناً وہ بہت دیر روتی رہی تھی۔

"شمائل خان کی والدہ نے ہمیں ذلیل کرنے میں کیا کوئی کسر چھوڑی ہے جو آپ پھر سے بابا سے مل کر میری رہی سہی آبرو بھی خاک میں ملانا چاہتے ہیں۔" وہ تلخی سے بولی۔ فراز کو مختصر الفاظ میں سارا واقعہ گوش گزار کرتے ہوئے وہ ایک بار پھر زاروقطار رونے لگی تھی۔

"او مائی گاڈ! تو کیا وہ یہاں آئی تھیں۔ یقین جانیں شمائل اور میں اس بات سے بالکل بے خبر ہیں۔ میں تو یہاں..." وہ اسے تسلی دینا چاہتا تھا۔ یقین دلانا چاہتا تھا کہ جو کچھ ہوا اس میں شمائل کی غلطی نہیں بلکہ اس کے والدین کی بے جا انا اور ضد ہے۔

"میں آپ کی کیفیت کو سمجھ سکتا ہوں اور شاید اس وقت آپ کے والد سے ملنا ازحد ضروری ہوچکا ہے کیونکہ یہ سب ان تک انتہائی نامناسب انداز میں پہنچا ہے۔" بہت نرمی سے کہتا ہوا۔ صحن میں چلا آیا تھا۔ عجیب صورت حال تھی۔ فراز نے سوچا تھا وہ مشال کے والد سے مل کر شمائل کی شادی کی بات کرے گا۔ انہیں شمائل کی 'مشال کے لیے سچی محبت اور تڑپ کا بتا

کران سے التجا کرے گا کہ وہ اس رشتے کو قبول کرلیں۔ اس کے نزدیک اس مسئلے کا یہی بہترین حل تھا۔ جلد یا بدیر شمائل کے والدین بھی اس رشتے کو قبول کرلیں لیکن وہ اپنے دوست کو یوں ٹوٹتا بکھرتا نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن اب جو کچھ اسے پتا چلا وہ پریشان کن تھا۔

"بابا.... دروازہ کھولیں کوئی آپ سے ملنے آیا ہے۔" مشال کو بھی شاید اس کی مدد درکار تھی۔ وہ بابا کو اپنی بے گناہی کا ثبوت دے سکتی تھی۔ مشال کے ساتھ ہی وہ برآمدے میں چلا آیا تھا۔ اسماعیل کے کمرے کا دروازہ ہنوز بند تھا۔

"دوپہر سے بابا نے خود کو کمرے میں بند کر رکھا ہے' میں معافیاں مانگ مانگ کر تھک گئی ہوں لیکن انہوں نے میری التجا نہیں سنی۔ دروازہ کھولنا تو درکنار انہوں نے میری بات کا جواب بھی نہیں دیا خود کو بھوکا پیاسا کمرے میں قید کر رکھا ہے۔" فراز کے استفسار پر مشال نے اسے بتایا۔ فراز کا ماتھا ٹھنکا۔ اس کی چھٹی حس اسے کسی بڑی گڑبڑ کا سگنل دے رہی تھی۔

دروازہ بری طرح پیٹا گیا' فراز اور مشال مسلسل اسماعیل کو آوازیں دیتے رہے تو فراز کے پاس یہی ایک آخری حربہ تھا کہ وہ دروازہ توڑ دے۔ پرانی لکڑی کا بوسیدہ دروازہ ایک دھکے کی مار تھا۔ مشال تیزی سے اسماعیل کی چارپائی تک پہنچی۔ وہ بے حس و حرکت اوندھے منہ پڑے۔ مشال انہیں بلاتی رہی لیکن ان کو جواب دیے بغیر معاف کیے بغیر اسمٰعیل اس دار فانی سے کوچ کر گئے تھے۔ فراز بے بسی سے لب کاٹتا مشال کو بے تحاشا روتے ہوئے دیکھتا رہا۔

☆ ☆ ☆

وہ شدید ذہنی دباؤ کا شکار تھا۔ جب سے فراز نے اسے مشال کے متعلق بتایا تھا وہ بہت شرمندگی محسوس کر رہا تھا۔ فراز اسے مسلسل سمجھا رہا تھا' اس کی ہمت بندھا رہا تھا۔

"یہ سب ٹھیک نہیں ہوا فراز' مشال کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی۔ میں خود کو اس کا مجرم محسوس کر رہا ہوں۔" کئی بار کی دہرائی ہوئی بات وہ ایک بار پھر کہہ رہا تھا۔ فراز کو اسے اس اذیت میں دیکھ کر تکلیف ہوئی۔

"اس طرح ہاتھ دھرے بیٹھنے سے کچھ نہیں ہوگا' یوں خود کو کوسنے کی بجائے تمہیں اس کو ہمت اور حوصلہ دینا ہوگا۔ اسے احساس دلانا ہوگا کہ وہ تنہا نہیں ہے بلکہ تم اس کے ساتھ ہو۔" وہ اس کی مدد کرنا چاہتا تھا لیکن اس کے تعاون کے بغیر تو یہ سب ممکن نہ تھا۔

"میں خود میں اتنی ہمت نہیں پاتا کہ اس کا سامنا کرسکوں۔ بی بی جان کی باتوں نے اس کی زندگی میں جو قیامت برپا کی ہے وہ اس سب کا ذمہ دار مجھے سمجھ رہی ہوگی اور اگر وہ ایسا سمجھتی ہے تو شاید ٹھیک ہی سمجھتی ہے۔" وہ ٹھیک کہہ رہا تھا' مشال کی زندگی میں آندھی طوفان کی طرح داخل ہو کر اس کی کل کائنات کو نیست و نابود کرنے والی کوئی اور نہیں شمائل آفریدی کی منہ زور محبت ہی تھی۔ شمائل جانتا تھا مشال اول روز سے اس سے تعلق جوڑنے سے انکاری تھی۔

"شمائل ان باتوں سے اب کیا حاصل؟ اس وقت مشال کو تمہارے مضبوط سہارے کی ضرورت ہے۔ تمہارا ساتھ درکار ہے۔ تم دونوں ایک دوسرے سے شادی کے خواہش مند ہو۔ تمہارے والدین اس رشتے سے انکار کر کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک چکے ہیں' دوسری طرف مشال تنہا ہے۔ حد سے زیادہ ٹوٹی اور بکھری ہوئی جسے فقط تمہاری محبت ہی سمیٹ سکتی ہے۔" فراز ساری بات سے ناواقف تھا۔ وہ اس معاملے کو یک طرفہ نہیں سمجھتا تھا۔ اسے کیا معلوم شمائل کی پیش قدمی نے مشال کو کس حد تک عاجز کردیا تھا۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟" شمائل الجھن میں تھا۔

"وہی جو تم سمجھ رہے ہو۔ تم اس سے جلد از جلد شادی کرلو۔" فراز اس سے بہتر مخلصانہ حل نہیں پیش کرسکتا تھا۔

"تمہیں لگتا ہے وہ ان حالات میں اس بات کے لیے مان جائے گی۔" خواہش تو شمائل خان کی بھی یہی تھی لیکن ایک طرف اس کے گھر والے چٹان بن کر

اس کا راستہ روک رہے تھے تو دوسری طرف مثال کا غم و غصہ۔ وہ فراز کو کیا بتائے؟

"کیوں نہیں مانے گی؟ وہ بھی تو تمہیں چاہتی ہے اور اس کے پاس دوسرا راستہ بھی کیا ہے۔ ان حالات میں وہ اکیلی کیسے سروائیو کرے گی۔" شمائل نے نظریں چرائیں۔

"تم ٹھیک کہتے ہو لیکن جو کچھ ہو چکا پتا نہیں وہ مجھے دیکھ کر کیا ردعمل اختیار کرے۔ شاید میری بات ہی نہ سنے۔ تم ایک کام کیوں نہیں کرتے؟" موجودہ حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے ذہن میں ایک تدبیر سوجھی۔

"ہاں کہو۔" فراز متجسس تھا۔

"تم مثال کو منا سکتے ہو اسے اس شادی کے لیے قائل کر سکتے ہو۔" فراز سامنے والے کو اپنی باتوں سے قائل کرنے کا ماہر تھا۔ وہ کسی کو بھی شیشے میں اتار سکتا تھا۔ لڑکیاں اس کی شخصیت کی دیوانی تھیں۔ اس سے جلد متاثر ہو جاتی تھیں جبکہ شمائل اتنا آؤٹ سپوکن نہیں تھا۔

"اور اگر وہ نہ مانی؟" شمائل نے فراز کو ساری بات سمجھا دی تھی۔

"میرا دل کہتا ہے فراز وہ تمہاری بات مان لے گی پلیز تم مثال کو لے کر اپنے گھر پہنچو نکاح اگر میرے گھر ہوا تو مجھے ڈر ہے میرے خاندان والے اس میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کریں۔" فراز کو شمائل کی بات سے اتفاق تھا۔ یوں بھی اس کی سو فیصد سپورٹ شمائل اور مثال کے ساتھ تھی۔ فراز فوراً ہی مثال سے ملنے چلا گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"سنا ہے کسی بہت بڑے خاندان کا اکلوتا لڑکا پھنسایا ہے پرسوں اس کی ماں نے آکر خوب ہنگامہ کیا۔ اسلحے والے لے کر آئی تھی باپ بیٹی کو دھمکانے۔" اب تک اتنے آنسو بہا چکی تھی کہ آنکھیں خشک ہو گئی تھیں۔ بس ایک دن۔۔۔ ہاں صرف ایک دن نے اس کی زندگی میں قیامت برپا کر دی تھی۔ اسماعیل بنا کچھ کہے، سنے اسے اس بے حس دنیا میں اکیلا چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ وہاں سے کوئی واپس نہیں آسکتا۔ جہاں جا کر دنیا کا ہر رشتہ، ہر تعلق ختم ہو جاتا ہے ساتھ ہوتی ہے تو فقط اعمال کی گٹھڑی جسے لادے اس نامعلوم سفر پہ سب کو ہی ایک دن نکلنا ہے۔ وہ سفر جو ابدی ہے۔ ہمیشہ رہنے والا اور یہ دنیا بس عارضی پڑاؤ، لیکن کوئی نہیں سوچتا کہ نامہ اعمال میں کیا سیاہ کاریاں بھری ہیں۔ کسی کو مرتا دیکھ کر بھی یہ خیال نہیں آتا کہ ہمیں بھی تو مر جانا ہے۔ کیسے سامنا کریں گے اس رب کا جس کے بندوں کو اپنے لفظوں سے نشتر سے زخمی کر رہے ہیں۔ کیا وہ ستر ماؤں سی محبت رکھنے والا بخش دے گا، اپنے پیاروں کو تکلیف دینے والوں کو معاف کر دے گا۔ وہ چپ چاپ بیٹھی سنتی رہی۔ دماغ ماؤف تھا۔ کچھ سوچنے کی طاقت نہ تھی، کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھا۔

"شکل سے تو بڑی بھولی اور معصوم لگتی ہے، کچھن سارے بے حیاؤں والے ہیں۔" جنازہ اٹھا اور پرسہ دینے والی ہمسائیاں وہیں ڈیرہ جما کے بیٹھ گئیں۔ کل کا تماشا سب نے ہی دیکھا تھا۔ اسماعیل تو ابدی نیند سو کر ان تمام چہ مگوئیوں سے فرار ہو چکا تھا اور اب اس کے نامہ اعمال میں باپ کی موت کا جرم بھی شامل تھا۔

"پتا نہیں کیا چکر تھا باپ بے چارہ تو شرم سے ہی مر گیا۔" دیوار سے سر ٹکائے وہ کانوں میں گرم سیسہ انڈیلتی پڑوس، شریفاں کی باتیں سن رہی تھی۔ اس کے بچے مثال کے پاس ٹیوشن پڑھتے تھے۔ چند روز پہلے تک وہ مثال کی سیرت و کردار کے گن گاتی تھی۔

"ارے وہ شرم سے نہ مرتا تو اس سردارنی کے بندوں نے مار دینا تھا جس کے بیٹے کے ساتھ عشق کی پینگیں ڈالی ہوئی تھیں اس نے۔" وہ تڑپ اٹھی۔ کس کس کو بتائے کہ وہ بے گناہ ہے۔ کون یقین کرے گا۔ جب اپنے سگے باپ نے بھروسا نہیں کیا تو یہ سب تو غیر ہیں۔ ان سے کیا امید۔ وہ جب اسے سنگدل دنیا میں تنہا چھوڑ گیا تو ان پتھروں سے سر پٹخنے سے کیا حاصل۔

"سنو! کہیں یہی تو نہیں وہ؟" دروازہ کھلا تھا۔

اچانک سب کی نظریں نوارد کی طرف مرکوز ہو گئیں۔ کھری اینٹوں کی دیوار سے ٹیک لگائے مثال نے پتھرائی ہوئی آنکھوں سے فراز کو گھر میں داخل ہوتے دیکھا۔

"ہاں مجھے بھی یہی لگتا ہے۔" "پتا نہیں اسے یہاں آنا چاہیے تھا یا نہیں۔ سب عورتیں اسی کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ عجیب خجالت کا شکار ہوا۔

"بڑی اونچی جگہ ہاتھ مارا ہے بھئی کیا بابو صاحب پھنسا لیا اس نے۔" عورتوں کی چہ مگوئیاں اس کے کانوں تک با آسانی پہنچ رہی تھیں۔ اس نے مثال کو دیکھا جو غم والم کی تصویر بنی اجڑی بیٹھی تھی۔ فراز کو دلی افسوس ہوا۔ اس سے کوئی تعلق نہیں تھا پر جس سے اس کا تعلق تھا وہ شخص اسے جان سے پیارا تھا۔

"سب نصیبوں کی باتیں ہیں بہن ورنہ ہماری بیٹیاں تو گھر بیٹھی بوڑھی ہو رہی ہیں۔" پڑوس والی خالہ نے لقمہ دیا۔

"تم اسے نصیب تو مت کہو یہ تو خود ہاتھ پاؤں مارے گئے ہیں۔ ماں لفظوں سے گھائل کر گئی تھی اور بیٹا زخموں پہ مرہم رکھنے آ گیا ہے۔" مثال کا ضبط ختم ہو گیا تھا۔ ذلت کا یہ تماشا بہت دیر سے جاری تھا اور وہ اپنی زندگی کے سب سے بڑے غم کا ماتم کر رہی تھی لیکن فراز کے سامنے اپنی اتنی تذلیل..... وہ تیزی سے کمرے میں چلی گئی۔

"یہ کس قسم کی باتیں کر رہی ہیں آپ کسی کے دکھ کا مداوا نہیں کر سکتیں تو اپنی باتوں سے اسے بڑھائیں مت۔ جائیے آپ لوگ اپنے گھروں کو۔" کیا اس سے غیر مناسب وقت اس بے ہودہ گوسپ کے لیے نہیں تھا ان عورتوں کے پاس۔ وہ فراز کو ایک دم غصہ آ گیا۔

"ارے چلو بہن یہاں آنسو پونچھنے والا پہنچ گیا ہے۔ اکیلے میں دکھوں کا مداوا کرے گا اس نیک بی بی کے۔" آہستہ آہستہ صحن خالی ہونا شروع ہو گیا۔

جاتے جاتے فراز کے کانوں نے یہ نیا جملہ سنا۔ اسے شدید پشیمانی ہوئی۔ چند لمحے وہ صحن میں کھڑا سوچتا رہا۔ جو حالات بن چکے تھے ایسے میں مثال اور شمائل کی شادی جلد از جلد ہو جانی چاہیے تھی۔ لوگوں کا کیا ہے

چار دن بولیں گے پھر خاموش ہو جائیں گے لیکن مثال کو اب یہاں نہیں رہنا چاہیے۔ اسے مثال کو شادی کے لیے راضی کرنا ہو گا۔

"سنا آپ نے کس طرح سب لوگ کھلے عام میری کردار کشی کر رہے ہیں۔ میرے بابا کا کفن میلا نہیں ہوا اور یہاں مجھے بے حیا بے شرم اور غیر مردوں سے تعلقات بنانے والی گردانا جا رہا ہے۔ اس کا ذمہ دار صرف اور صرف آپ کا دوست اور اس کا خاندان ہے۔" وہ مثال کا غم سمجھ سکتا تھا۔ کمرے کے دروازے پہ کھڑے اس نے خود کو بے بس اور پشیمان پایا۔ مثال کا شکوہ جائز تھا۔ وہ اس وقت شمائل سے بدگمان تھی کیونکہ اب تک وہ خود مثال کے سامنے نہیں آیا تھا لیکن اب اس سے مل کر وہ ساری بدگمانی ختم کر دے گا۔ فراز اپنے تئیں مطمئن ہوا۔

"مجھے افسوس ہے مثال جو کچھ ہوا وہ نہیں ہونا چاہیے تھا لیکن یقین جانیں شمائل کو اگر ایک فیصد بھی اندازہ ہوتا کہ اس کے والدین شادی کی بات کا سن کر اس طرح کا ردعمل کریں گے تو وہ کبھی انہیں اس بات کی ہوا بھی نہ لگنے دیتا۔" وہ بہت سوچ سمجھ کر بول رہا تھا۔ اسے حقیقت میں مثال سے ہمدردی تھی۔ جس طرح وہ اس کے سامنے رو رہی تھی جو کچھ ابھی اس نے سنا..... وہ دلی صدمے سے دوچار تھا۔

"اس دنیا سے ایک دن سب کو ہی جانا ہے لیکن آپ خود کو ہرگز تنہا مت سمجھیں۔ شمائل ہر قدم پہ آپ کے ساتھ ہے۔ بہت چاہتا ہے وہ آپ کو وہ آپ کو کبھی تنہا نہیں چھوڑے گا۔ بس ایک بار آپ دونوں کی شادی ہو جائے تو ان سب لوگوں کی زبانیں خود بخود بند ہو جائیں گی۔" اس نے اپنا مدعا بیان کیا۔ ایک طرح سے وہ سچ ہی کہہ رہا تھا ایک بار ان دونوں کی شادی ہو گئی تو مثال کا اس بستی سے کیا تعلق واسطہ۔ یہ لوگ چند دن باتیں کریں گے اور پھر بھول جائیں گے۔ اصل مسئلہ مثال کو اس شادی کے لیے راضی کرنا ہے کیونکہ وہ اس وقت مینٹل ٹراما میں ہے اور ظاہر سی بات ہے وہ اس پہ بری ایکٹ کرے گی اور وہی ہوا۔

”یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ آپ کو لگتا ہے اتنا سب کچھ ہو جانے کے بعد میں شمائل خان سے شادی کروں گی۔ ہرگز نہیں، جن لوگوں کی وجہ سے میرے بابا مجھ سے جدا ہو گئے ان کے خاندان کا حصہ میں مرتے دم تک نہیں بنوں گی۔“ اس نے دوٹوک الفاظ میں انکار کر دیا۔ فراز نے گہرا سانس لیا۔

”مثال اس سب میں شمائل کا کوئی قصور نہیں، آپ جانتی نہیں وہ بے قصور ہوتے ہوئے بھی خود کو آپ کا گناہ گار سمجھتا ہے۔ آپ کا سامنا کرنے سے خوف زدہ ہے لیکن اس کے دل میں آپ کے لیے سچی محبت ہے۔“ وہ بہت دھیمے انداز میں سمجھانے لگا۔ مثال کوئی بات سننا نہیں چاہتی تھی۔ وہ غم، غصے اور جوش میں ایسا کہہ رہی ہے فراز جانتا تھا۔ وہ اسے سمجھانا چاہتا تھا کہ اس کے حق میں سب سے بہتر یہی ہے۔

”اس محبت کی آگ نے مجھے جلا کر راکھ کر دیا ہے، اب آپ اس راکھ سے کیا کریدنے آئے ہیں فراز صاحب۔“ اس نے لب کاٹے۔ شمائل نے واقعی اسے مشکل میں پھنسا دیا۔

”آپ جذباتی ہو کر سوچ رہی ہیں جبکہ میرے مطابق یہ وقت جوش کی بجائے ہوش سے چلنے کا ہے۔ آپ یہاں تنہا نہیں رہ سکتی ہیں اور جو کچھ میں باہر سن کر آیا ہوں اس کے بعد یہ لوگ آپ کا جینا حرام کریں گے۔ آپ کی عزت مجھے بے حد عزیز ہے کیونکہ آپ کا نام میرے جان سے پیارے دوست شمائل کے ساتھ جڑا ہے۔ اب اگر میری مانیں تو آپ دونوں جلد از جلد شادی کر لیں۔ ان لوگوں کے منہ بند ہو جائیں گے اور ساتھ ہی ساتھ شمائل کے گھر والوں کا زور بھی ٹوٹ جائے گا۔“ وہ ہمت ہارنے والوں میں سے نہیں تھا۔ اس نے شمائل سے وعدہ کیا تھا وہ مثال کو منا لے گا۔ یقیناً ”مثال ان سب باتوں کا انجام نہیں سوچ رہی تھی۔ کیا وہ یہاں تنہا رہ سکتی ہے اور اگر ہاں تو کتنے دن۔ جیسا یہ محلہ تھا اور جس طرح یہاں کے لوگوں کا رویہ وہ دیکھ چکا تھا اسے تو یہ بھی امید نہیں تھی آج کی رات تنہا مثال یہاں خیریت سے گزار پائے۔

”ایک دن پہلے میرے بابا کی موت ہوئی ہے اور آپ مجھے بیاہ رچانے کا مشورہ دے رہے ہیں۔“ وہ چلائی۔ فراز دو قدم آگے بڑھا۔

”میں یہ بات آپ کے حق میں ہی کہہ رہا ہوں۔ اس معاشرے میں اکیلی لڑکی کتنی غیر محفوظ ہے شاید آپ کو اس کا اندازہ نہیں اور پھر آپ اور شمائل ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ اگر حالات خراب نہ ہوتے تو بھی آپ دونوں کو ایک ہونا ہی تھا۔“ فراز کی بات سن کر مثال تڑپ اٹھی وہ اس کی بات کی نفی کرنا چاہتی تھی پر فراز نے اسے کچھ کہنے نہ دیا۔

”پلیز مثال..... اب مزید انکار مت کریں اور میرے ساتھ چلیں۔ آج ہی آپ دونوں کا نکاح ہو جائے گا اینڈ ٹرسٹ می..... سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔“ مثال نے لب سختی سے بھینچ لیے۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا وہ کیا کہے۔ دوسری طرف فراز اس کی خاموشی کو اس کی رضامندی تصور کرتے ہوئے جلدی جلدی شمائل کو فون ملانے لگا۔ اسے اپنے گھر جلد از جلد پہنچنے کا کہہ کر فراز نے مثال کو اپنی چند ایک ضروری اشیاء رکھنے کا کہا اور باہر نکل گیا۔ چند منٹ بعد مثال اپنا مختصر سامان لے کر فراز کی گاڑی میں اس کے ساتھ بیٹھی تھی۔ حسرت بھری آخری نگاہ اس نے اپنے گھر کے بوسیدہ دروازے پہ ڈالی جہاں شاید اب اسے کبھی واپس نہیں آنا تھا کیونکہ وہاں کوئی اس کی راہ تکنے والا نہیں تھا۔

راستے میں فراز نے جلدی جلدی چند ضروری کالز کیں۔ وہ فقط سر جھکائے خاموشی سے بیٹھی رہی لیکن وہ جانتی تھی فراز اس وقت نکاح کے انتظام کرنے میں مصروف ہے۔ تمام راستہ خاموشی سے گزرا۔ آدھے گھنٹے بعد گاڑی ایک عالی شان بنگلے کے سامنے جا کر رکی۔ فراز کی تقلید میں مثال اس گھر میں داخل ہوئی۔ اس نے خود کو قسمت کے دھارے پہ چھوڑ دیا تھا۔

٭٭

(باقی آئندہ)

رابعہ افتخار

شمامہ کی شادی کو پورا ایک مہینہ ہو گیا تھا' پورا مہینہ دعوتوں اور سیر سپاٹے کی نذر ہو گیا۔۔۔ ایک مہینے کے بعد جب سارب نے بھی اپنا کام سنبھالا تو شمامہ کو گھر میں بوریت محسوس ہونے لگی۔۔۔ اس نے دبے لفظوں میں سارب سے ذکر بھی کیا۔

"گھر کا کوئی کام اگر میں اپنے ذمے لے لوں تو کسی کو کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا نا۔۔۔ ابھی تک تو کسی نے خود مجھ سے یہ تک نہیں کہا کہ کھیر میں ہاتھ ڈال لوں۔۔۔ سارب کیا بڑی بھابھیوں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا؟"

وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی بالوں میں برش چلا رہی تھی' آئینے میں نظر آتے سارب کے عکس کو دیکھ کر اس نے دل کی بات کہہ ہی دی۔

"ہوں۔۔۔ نہیں۔۔۔ اب یاد نہیں مجھے۔۔۔ خیر تم صبح خود کام شروع کر دو۔۔۔ گھر کی فرد ہو۔۔۔ مہمان تھوڑی ہو۔" اس نے بیڈ پر نیم دراز ہوتے ہوئے ٹی وی آن کر لیا۔

"ٹھیک ہے' میں سوچ رہی تھی کہ صبح کا ناشتا میں بنا دیا کروں۔۔۔ ویسے بھی مجھے صبح جلدی اٹھنے کی عادت ہے نا اور وہ بڑی دونوں بھابھیاں بچوں والی ہیں تو۔۔۔ انہیں بھی کچھ سہولت ہو جائے گی۔" وہ پرجوش ہو رہی تھی۔

"ہوں' جیسے تم مناسب سمجھو بھئی۔۔۔ ویسے ہمارے گھر ناشتا بنانا کوئی اتنا آسان کام نہیں ہے' دس لوگوں کا ناشتا بنانے میں دو گھنٹے لگ جاتے ہیں۔" سارب نے تکیہ درست کرتے ہوئے اسے ڈرانے کی ناکام کوشش کی' وہ مسکراتے ہوئے بیڈ پر آ بیٹھی۔

"میں خوشی خوشی بنا لوں گی' مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔"

"اچھا' چلو دیکھتے ہیں۔"

"آپ دیکھ لیجیے گا' میں اب سو جاتی ہوں' صبح نماز پڑھ کر ہی ناشتے کی تیاری شروع کر دوں گی' سب کو زبردست سا ناشتا کرواؤں گی' اتنے دنوں میں سب کی پسند کا اندازہ تو ہو گیا ہے مجھے۔" وہ خوشی سے بولتی سائڈ ٹیبل کا لیمپ بجھا کر لیٹ گئی' سارب نے مسکراتے ہوئے اس کا تکیہ ٹھیک کر کے آنکھوں سے سونے کا اشارہ کیا۔

اگلی صبح وہ فجر کی نماز ادا کر کے کچن میں گھس گئی۔۔۔ سارب نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔۔۔ خالی جگہ کو دیکھ کر وہ مسکرا دیا۔۔۔ شمامہ تو آج اسے روز کی طرح گڈ مارننگ کہنا بھی بھول گئی تھی۔۔۔ اس نے مسکراتے ہوئے کروٹ بدل لی۔

وہ کچن میں کام کرتے ہوئے بار بار گردن گھما کر باہر بھی دیکھ رہی تھی کہ کہیں کوئی آ کر دیکھ نہ لے۔۔۔ وہ سب کو سرپرائز دینا چاہتی تھی۔۔۔ ڈائنگ ٹیبل پر بڑے سلیقے سے ناشتا لگا کر وہ ناقدانہ نظر سے دیکھنے لگی۔۔۔ اس ایک مہینے میں اس نے پہلے اتنے سلیقے سے ناشتا لگا نہیں دیکھا تھا' پہلے تو سب باری باری اپنا اپنا ناشتا دونوں بھابھیوں سے لے کر کچن سے ڈائننگ تک کا سفر کرتے اور کھا کر اپنے اپنے کام پر نکل جاتے۔۔۔ بعد میں دونوں بھابھیاں اور دونوں بچے ناشتا کر لیتے۔۔۔ اس نے باری باری سب کو آواز دی۔۔۔ سارب بھی آفس کے لیے تیار ہو کر کمرے سے نکلا تو ڈائننگ ٹیبل دیکھ کر حیران رہ گیا۔۔۔ تازہ' پرت دار خستہ پراٹھے۔۔۔

انڈے کا اورک اور پیاز کا بھونا ہوا سالن۔ اچار، رات کی بچی دال کو تازہ بگھار، روسٹ سلائس... مکھن، جیم اور ٹی کوزی کور میں رکھی چائے کی کیتلیاں تاکہ چائے گرم رہے۔ ورنہ تو بھابھیاں سب کی چائے کپ میں ڈال کر رکھ دیتی تھیں۔

"ہے واہ..." اس نے فخر سے شمامہ کی طرف دیکھا جو خود بھی دھلے دھلائے نکھرے چہرے پر مسکراہٹ سجائے گلابی دوپٹے کے حلقے میں بہت تازہ دم لگ رہی تھی... ساس نے تنقیدی نظروں سے جائزہ لیا اور کرسی سنبھال لی۔

"آج ناشتا کچھ جلدی بنالیا..."

"نہیں امی آج تو سب شمامہ نے بنایا ہے... ہم تو اپنے ٹائم پر باہر آئی تھیں مگر اس وقت تک شمامہ ناشتا لگا چکی تھی۔" بڑی بھابھی نے ننھی سارہ کو گود میں بٹھا کر اپنی پلیٹ میں پراٹھا رکھتے ہوئے کہا۔

"ہوں... تو کوئی اسے بتا دیتا ناکہ ہم کتنے بجے ناشتے کی تیاری شروع کرتے ہیں..." ان سے پہلے سسر بول اٹھے اس نے ترچھی نظروں سے سارب کی سمت دیکھا۔

"وہ مجھے یاد نہیں رہا۔ اور ویسے بھی آدھے گھنٹے پہلے تو بنا ہے ناشتا۔" اس نے شمامہ کی طرف داری کی... سب نے خاموشی سے ناشتا شروع کر دیا... نہ کسی نے کوئی نقص نکالا اور نہ جھوٹے منہ تعریف کی... سب کی خاموشی دیکھ کر، سارب نے بھی منہ سے کوئی

لفظ نہ نکالا مبادا کسی کو برا ہی لگ جائے۔

"بہو... اگر ناشتے کی ذمے داری لینی ہی ہے تو کل سے پرانے ٹائم پر ہی ناشتا بنانا اور... یہ فالتو سالن بنانے کی ضرورت نہیں' ہمارے ہاں سب رات کا سالن... اچار اور جیم وغیرہ سے ہی کام چلاتے ہیں... ہاں چھٹی کے روز آملیٹ وغیرہ بنتا ہے... سمجھ گئیں۔" ساس نے قدرے نرمی سے کہا مگر بھابھیوں کی نظریں اس کی بے قدری پر مذاق اڑا رہی تھیں۔

"جی۔"

"کبھی سالن کم ہو تو آملیٹ یا فرائی انڈہ بنالیا کرنا... ایسا نہ ہو کہ ہمارے کہے پر ہی رہو... اور یہ چینک کی چائے بھی کوئی نہیں پیتا اس طرح چائے بدمزا سی ہو جاتی ہے۔"

"جی وہ تو فلاسک... میں..." اس نے کچھ کہنا چاہا مگر سارب کی گھوری نے خاموش کروا دیا... وہ خاموشی سے ناشتا کرنے لگی۔ سب باری باری کام پر چلے گئے... ساس دوبارہ کمرے میں گھس گئیں۔

"ناشتے کے برتن بھی دھو دو شمامہ... اب ناشتے کی ذمے داری لی ہے تو پوری لو... میں دن کے کھانے کی تیاری کر دوں گی۔" بڑی بھابھی سارہ کو سنبھالتی ٹی وی لاؤنج میں جا بیٹھیں اور ٹی وی آن کر لیا... کچھ ہی دیر میں مارننگ شو شروع ہونے والا تھا۔

"جی بھابھی۔" وہ ڈائننگ ٹیبل سے برتن سمیٹنے لگی آنکھوں کے گوشے نم ہونے لگے جب سارب تیزی سے اندر آیا تھا۔

"وہ میں موبائل بھول گیا تھا۔" اس نے قدرے بلند آواز میں سب کو وضاحت دی... اس کے بے حد قریب ٹیبل پر جھکتے ہوئے اس نے سرگوشی کی تھی۔

"میری زندگی کا سب سے مزے کا ناشتا تھا... تم نے جو بنایا تھا۔" اور اس کے محبت بھرے لہجے سے ہی وہ نہال ہو گئی... اور کوئی کچھ نہ بھی کہتا... سارب خوش تھا تو وہ بھی خوش تھی۔

"تھنک یو۔" وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ برتن لے کر کچن میں گھس گئی۔

☆ ☆ ☆

وہ ناشتے کے برتن دھو کر فارغ ہوئی تو بڑی بھابھی وہیں ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ کر مٹر چھیلنے کا کام کر رہی تھیں... ساتھ ساتھ مارننگ شو بھی دیکھا جا رہا تھا... چھوٹی بھابھی نے اوپر کی منزل پر واشنگ مشین لگا رکھی تھی اور ساتھ ہی ساتھ تین گھنٹے کا پیکج کروا کر اپنی ای کے ساتھ جلے دل کے پھپھولے پھوڑے جا رہے تھے... اس روٹین کو وہ گزشتہ کچھ دنوں سے دیکھتی آ رہی تھی... وہ اپنے کمرے میں صفائی کرنے لگی' ابھی بکھری چیزیں سمیٹی ہی تھیں کہ ساس آ گئیں۔

"سنو شمامہ... وہ آج صفائی والی نہیں آئے گی تو تم صفائی کر دو گھر کی... ارم نے مشین لگائی ہوئی ہے اور حنا کچن میں مصروف ہے میں دونوں بچوں کو سنبھال رہی ہوں... اٹھو میری بچی ذرا جلدی سے۔" وہ وہیں اس کے صوفے پر بیٹھ گئیں... دونوں بچے اپنی اپنی واکر گھسیٹتے اندر آ گئے۔

"اے شمامہ... بیٹا ذرا ٹی وی لگا جاؤ... میں یہیں تمہارے کمرے میں بچوں کو لے کر بیٹھ جاؤں۔" انہوں نے اسی دلار سے کہا وہ تو ان کی اس لہجے پر ہی فدا ہو گئی۔

"جی امی ضرور... کچھ چاہیے ہو تو آواز دے دیجیے گا۔"

وہ انہیں ٹی وی آن کر کے باہر نکل گئی۔ سارے گھر میں جھاڑو دے کر کار پورچ کی دھلائی... ٹی وی لاؤنج اور کچن میں ماربل کا فرش تھا... فینائل ڈال کر پوچا لگایا... واش روم صاف کیے سارے گھر کی کھڑکیاں دروازے کھول کر ایئر فریشنر کیا اور خوشی سے ایک نظر دوڑائی... آج اسے گھر معمول سے زیادہ صاف اور خوشبودار محسوس ہوا... سارے کام سے فارغ ہو کر جب کمرے میں آئی تو امی اور دونوں بچے وہیں اس کے بیڈ پر سو چکے تھے۔ اس نے ٹی وی آف کیا اور پردے برابر کر کے خود بھی فریش ہونے کی نیت سے واش روم میں چلی گئی... نہا دھو کر لان کا سوٹ پہنا بال ڈرائے

کیے' ہونٹوں پر لپ اسٹک لگائی اور اسپرے کر کے صوفے پر بیٹھ کر میگزین پڑھنے لگی۔۔۔ کچھ ہی دیر میں سسر اور دونوں جیٹھ کھانے کے لیے آ گئے۔۔۔ بھابھی نے سب کو آواز دے دی۔۔۔ سارب اور عشارب آفس سے پانچ بجے لوٹتے تھے۔۔۔ وہ بھی ساس کے ہمراہ باہر آ گئی۔۔۔ دونوں بچے گہری نیند سو رہے تھے۔

"کبھی اس وقت نیند نہیں آئی۔ بھئی صبح کے اتنی بھاری ناشتے نے خماری چڑھادی۔" انہوں نے کرسی سنبھالتے ہوئے بظاہر عام سے لہجے میں کہا' مگر شامہ سمجھ گئی کہ وہ اس پر تنقید کر رہی ہیں۔

"کیا بنایا ہے بھئی۔" بڑے جیٹھ ثاقب بھائی نے ہاتھ منہ دھو کر کھانے کی میز کا رخ کیا۔

"مٹر پلاؤ۔۔۔ سلاد رائتہ۔" بھابھی نے اطلاع دی۔

"واہ۔۔۔ مزا آ گیا۔" دوسرے جیٹھ عاقب نے بھی پہلا چمچہ منہ میں ڈالتے ہی تعریف کی۔

"بھئی مٹر پلاؤ کی خوشبو سے تو میرا بھی دل کر رہا ہے کھانا کھانے کو' ورنہ تو صبح کا ناشتا بھی ہضم نہیں ہوا۔" ساس نے بھی اپنی پلیٹ میں ڈھیر سارا پلاؤ' سلاد اور رائتہ ڈال لیا۔۔۔ اس کی تو جیسے بھوک ہی مٹ گئی' مگر کسی کو برانہ لگے۔ اس خیال سے کھانا کھالیا۔ شام پانچ بجے سارب کی گھر آمد ہوئی' تو وہ شکوہ کیے بغیر نہ رہ سکی۔

"سنا ہے آپ کو ہی ناشتا پسند آیا تھا' باقی سب کو تو ہضم ہی نہیں ہوا' اسی لیے دن کو بھابھی کے ہاتھ کا مٹر پلاؤ دو پلیٹ کھالیا کہ شفا ملے' بدہضمی دور ہو۔" اس کی بات سن کر سارب ہنس دیا۔

"یہاں ایسا ہی ہے۔ جب منجھلی بھابھی آئی تھیں' تو ان کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔۔۔ اس وقت سب بڑی بھابھی کے عادی ہو چکے تھے۔۔۔ اچانک سے تبدیلی کسی کو پسند نہیں آئی۔۔۔ آہستہ آہستہ سب عادی ہو گئے۔۔۔ یہ ہی تمہارے ساتھ ہو رہا ہے۔۔۔ وہ شعر سنا ہے نا تم نے۔

طرزِ کہن پہ اڑنا' آئین نو سے ڈرنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

بس یہی حال ہمارے گھر کا ہے۔" سارب نے ہلکے پھلکے انداز میں اس کی دل جوئی کی۔

"ہوں۔۔۔ مجھے لگتا ہے آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔۔۔ اسی لیے آج ماسی کی صفائی نے اچھی صفائی کی میں نے۔۔۔ مگر کسی کو دکھائی نہیں دی۔"

"آج صفائی بھی تم نے کی۔" سارب نے حیرت سے اس کی سمت دیکھا' اس نے معصومیت سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تو پھر چلو۔۔۔ اسی خوشی میں آج تمہیں گھمانے لے چلتا ہوں۔" وہ ایک دم اٹھ بیٹھا۔ دونوں نے خوب آؤٹنگ کی' کھایا پیا اور جب گھر لوٹے تو ساس امی کا موڈ آف ہو چکا تھا۔

"دیکھو لڑکی! یہ اچھے گھروں کی لڑکیوں کے طریقے نہیں' کہ میاں کو لیا اور نکل گئے باہر ہوا کھانے اور چسکے لگانے۔۔۔" انہوں نے سارب کی پروا کیے بغیر حملہ کیا۔۔۔ شامہ حیرت سے ان کا منہ دیکھتی رہی۔۔۔ وہ ہی تھیں نا جو صبح اسے بیٹا بیٹا کر کے مخاطب کر رہی تھیں۔

"نہیں امی۔۔۔ اس نے نہیں کہا مجھ سے' میں نے ہی باہر جانے کا کہا تھا۔" سارب نے اسے کمرے میں جانے کا اشارہ کیا اور خود امی کے گھٹنے سے لگ کر بیٹھ گیا۔

✲ ✲ ✲

اس واقعے کے بعد وہ دو تین مرتبہ سارب کے ساتھ باہر گئی' مگر سارب کے کہنے پر واپسی پر امی کے لیے کچھ نہ کچھ لے آئی اس پر ان کا رویہ بہت بدل گیا۔

"کیا ضرورت تھی بیٹا۔۔۔" اور اس ایک مخصوص جملے کے بعد وہ آم چوسنے یا اس کے لائے ہوئے خربوزے کھانے میں مصروف ہو جاتیں۔

گھر کے افراد اور روز و شب کے معمول کو اب وہ سمجھنے لگی تھی۔۔۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ رشتوں سے امیدیں اور توقعات بعد میں لگانی چاہئیں پہلے ان رشتوں کی امیدوں اور توقعات پر پورا اترنے کی خود بھی کوشش کرنی چاہیے۔

ناشتے کی ذمہ داری اب بھی اسی کی تھی۔۔۔ وہ باری

باری سب سے پوچھ کر اور گھر کی بڑی یعنی ساس کی مرضی سے ہر چیز تیار کرتی۔ کبھی سارب گھر میں کچھ اضافی چیز لے آتا تو وہ ہنسی خوشی شامہ کو اپنی مرضی سے ناشتا تیار کرنے کو کہہ دیتیں۔

زندگی کے روز و شب گزرتے رہے... اس کی گود میں پہلے ہانیہ اور پھر وامق آ گیا... زندگی بے حد مصروف ہو گئی تھی۔ گھر والوں کے رویے اب بھی پہلے دن جیسے تھے مگر اب وہ کوئی بھی کام تعریف سننے کے لیے نہیں کرتی تھی' بلکہ اپنا فرض سمجھ کر اور ایک معمول سمجھ کر کرتی تھی اور معمول کے کاموں میں روز روز تعریف کے میڈل نہیں سجائے جاتے۔ ہاں' کبھی کبھار عشارب یا سارب یا پھر دونوں بھابھیوں میں سے کوئی تعریف کر دیتا... انہی دنوں عشارب کے لیے لڑکی دیکھنے کا سلسلہ شروع ہو گیا... پہلے امی اور بڑی بھابھی دیکھ کر آئیں دونوں کو ہی لڑکی پسند تھی... پھر اسے اور منجھلی بھابھی کو چلنے کو کہا' گھر کے کاموں سے فراغت پا کر' دونوں نے اپنے اپنے بچے بڑی بھابھی کے حوالے کیے اور ایک شام ساس کے ساتھ عشارب کی متوقع سسرال پہنچ گئیں۔ ساس کی تاکید پر دونوں نے نئے جوڑے پہنے تھے' ہلکا پھلکا زیور اور میک اپ بھی کیا تھا' لڑکی والوں کے گھر میں بھی سلیقہ واضح نظر آ رہا تھا۔

"یہ میری منجھلی بہو ہے اور یہ چھوٹی... ماشاء اللہ دونوں ہی کھانا بنانا' سینا پرونا... صفائی ستھرائی... ہر کام میں طاق ہیں... یہ شامہ تو ایسے سلیقے والی ہے کہ کیا بتاؤں... شادی کے بعد جب پہلی مرتبہ ناشتا بنا کر میز پر سجایا تو یقین مانیں بہن جی' دل خوش ہو گیا میرا تو۔" وہ لڑکی کی ماں سے مخاطب تھیں اور کباب کی طرف جاتا شامہ کا ہاتھ وہیں رک گیا' اس نے حیرت سے ان کا اور پھر منجھلی بھابھی کا چہرہ دیکھا... انہوں نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"یہ میری منجھلی بہو... گندے سے گندا کپڑا بھی ایسا چمکا کر رکھے گی کہ نیا لگنے لگا... اور بڑی... اب دیکھ لیں گھر میں چھ بچوں کو سنبھال رہی ہے اور ساتھ میں

رات کے کھانے کی تیاری بھی چل رہی ہے۔" ان کے لہجے میں ان تینوں کے لیے پیار ہی پیار تھا۔

علینہ (لڑکی) نے چائے کے ساتھ بہت سی چیزیں سرو کی تھیں' گھر بھی صاف ستھرا تھا' وہ خود بھی کم گو مگر خوش اخلاق تھی... شامہ کو تو وہ عشارب کے لیے بالکل مناسب لگی۔

"میری علینہ بھی ماشاء اللہ بہت سلیقے والی ہے' آپ کو تکلیف نہیں ہو گی۔" انہوں نے بہت پیار سے اپنی بیٹی کی طرف دیکھا اور پھر سب چائے میں مصروف ہو گئے۔

عشارب کے ولیمے تک وہ ہر تقریب میں پیش پیش رہی' سب کا رویہ بھی ٹھیک تھا اور موڈ بھی اچھا تھا... دونوں بچے بھی کبھی دادی کے پاس تو کبھی تائی کے پاس...

سارب کے ساتھ تصویر بنواتے ہوئے اس کی نظر اچانک ہی امی پر پڑی' وہ وامق کو سنبھالتے ہوئے ہلکان ہو رہی تھیں' وہ تیزی سے سیڑھیاں اتری۔

"تنگ کر رہا ہے آپ کو' لائیں مجھے دے دیں۔"

"ارے نہیں بہو... تم پہلے مجھے کھانا لا دو' یہیں ٹیبل پر' اٹھا نہیں جاتا۔" انہوں نے وامق کو ایک ٹانگ سے دوسری پر منتقل کرتے ہوئے کہا۔ وہ تیزی سے کھانے کی ٹیبل کی طرف بڑھ گئی' خواتین کھانے پر ٹوٹ کر پڑیں یوں جیسے کبھی ملا نہ ہو... ایسے میں بڑی مشکل سے اس نے بھی ایک پلیٹ بریانی' قورمہ اور تین چار سیخ کباب حاصل کیے' ان تک پہنچا کر وہ سلاد اور کولڈ ڈرنک کے لیے دوسری ٹیبل کی طرف بھاگی... "آج تو امی بہت خوش ہوں گی۔" ان کی ٹیبل تک تمام کھانا لے جاتے ہوئے دل میں خیال آیا۔

"وامق کو لے لوں گی امی سے... تاکہ آرام سے کھانا کھا لیں" وہ ان کی ٹیبل تک آ گئی' سارب ان کے قریب کھڑا کچھ کہہ رہا تھا۔

"لیں امی... اور کچھ؟" اس نے وامق کو پکڑنے کے لیے ہاتھ آگے کیے تو انہوں نے منع کر دیا۔

"آئے رہنے دو... ان لنگا نما کپڑوں میں خود کو

سنبھالوگی یا بچوں کو؟ اور میں نے ویٹر سے کہہ دیا لا رہا ہے وہ نان اور پانی.... تم سے تو کوئی کام ڈھنگ سے نہیں ہوتا....." اپنی خفگی اس پر نکال کر وہ دوبارہ سارب کے ساتھ مصروف ہو گئیں' وہ تو منہ لٹکا کر ایک کونے میں جا بیٹھی' منجھلی بھابھی بھی اپنا کھانا لے کر منہ لٹکائے اس کے سامنے آ بیٹھیں۔

"غضب خدا کا.... دوسروں کا غصہ ہم پر نکل رہا ہے اپنے بیٹوں کو تو کچھ نہیں کہتیں' کبھی تو ہم سلیقے میں اصغری کے ریکارڈ توڑتی ہیں اور کبھی پھوہڑ پن میں اکبری کی شاگرد....

"ہوا کیا ہے بھابھی؟" اس کو لگا' وہ رونے والی ہیں۔

"ہونا کیا ہے.... میں امی کے کہنے پر سب مہمانوں سے کھانے کا پوچھ رہی تھی.... ایک ایک کے پاس جا کر پوچھا.... پاؤں الجھ گیا' موچ آ گئی تو تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ گئی.... بس سارا غصہ نکال دیا کہ کوئی کام کہو تو ڈھنگ نہیں ہوتا.... اصل بات اور ہے.... غصہ کہیں اور کا ہے...." وہ بولنے کے ساتھ ساتھ کھانے سے بھی انصاف کرتی رہیں۔

"کہاں کا غصہ؟" اسے تجسس ہوا.... کوئی ایسی بات تو تھی' جو وہ سارب کے ساتھ کر رہی تھیں۔

"سارب بھائی بتا رہے تھے کہ علینہ کے بھائی نے اور ماں نے اپنی طرف کے رشتے داروں' عزیزوں کی دی گئی سلامی اور تحائف' علینہ سے بھی لے لیے ہیں اور عشارب سے بھی کہتے ہیں کہ اپنے رشتے داروں میں ہم نے دینا دلانا ہے۔ ہمارا رواج ہے کہ ہم لڑکی سے سلامی لے لیتے ہیں.... اور تو اور کل جو گھڑی عشارب کو پہنائی تھی' علینہ نے وہ بھی یہ کہہ کر آج ماں کو واپس کر دی کہ رسم ہو گئی اب چھوٹی کے لیے رکھ دیں.... کبھی ہو جاتا ہے ایسے موقعوں پر غیر خاندان میں شادی کرتے ہوئے رسم و رواج کے اختلافات کی وجہ سے تھوڑی بہت بدمزگی ہو جاتی ہے' مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ وہاں کا قہر یہاں ڈھا دیں۔ یہ سسرال کا موسم بھی کیسا دھوپ چھاؤں جیسا ہوتا ہے نا شامہ' کبھی تو محسوس ہوتا ہے کہ ہم پر رشتوں کی گھنی چھاؤں آ گئی ہے اور اس چھاؤں میں ہم معتبر اور محفوظ ہو گئے ہیں اور کبھی.... اتنی کڑی اور شدید دھوپ میں کھڑا کر دیا جاتا ہے تن من سلگنے لگتا ہے۔" منجھلی بھابھی کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

"اور ہمیں اس موسم کا عادی ہو جانا چاہیے بھابھی.... کڑی دھوپ میں کب بدلیاں آ جائیں۔" اس نے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"صحیح کہتی ہو.... ابھی سب کے سامنے ہم تینوں کے میکے کی تعریف ہو رہی ہے کہ پہلے بھی تین بیٹے بیاہے' اتنے اچھے سمدھیانے ملے.... کسی نے ایسی کمینگی نہیں دکھائی.... دیکھو لو چھا گئی بدلیاں...." بڑی بھابھی اپنے ساتھ ساتھ ان دونوں کے لیے بھی آئس کریم لے کر آئیں اور ان کے ساتھ ہی بیٹھ گئیں۔

"ہوں...." تینوں ہی مسکرا دیں۔

عشارب کی شادی کے ٹھیک دس دن بعد علینہ نے کھیر میں ہاتھ ڈالا' شامہ کے کہنے پر علینہ کی باقاعدہ رسم کی گئی.... سب نے خاموشی سے کھالی.... علینہ نے امید بھری نظروں سے ساس کی طرف دیکھا ایک دو چمچ لے کر کسی فرض کی طرح اس کی مٹھی میں ہزار کا نوٹ تھمایا اور بولیں۔

"اے شامہ.... بیٹا ذرا کھیر کو ذرا سی دیر اور پکا لینا.... تمہارے ہاتھ کی بنی کھیر کا مزا ہی اور ہے.... یہ تو لگتا ہے کہ دودھ میں چاول اور چینی گھول کر آگے رکھ دی۔"

صد شکر کہ یہ بات انہوں نے دھیمے لہجے میں کی تھی اور ہزار کا نوٹ مٹھی میں دبائے خوشی خوشی اپنے کمرے کی طرف جاتی علینہ نے نہیں سنا' شامہ سوچنے لگی کہ سسرال کا موسم ہی دھوپ چھاؤں جیسا نہیں بلکہ لوگ بھی دھوپ چھاؤں جیسے ہوتے ہیں۔ کب رویے کی دھوپ جلا دے پتا نہیں اور کب اسی رویے کی بارش برس کر نہال کر دے خبر نہیں۔ یہ دھوپ چھاؤں جیسے لوگ ہی لڑکی کی زندگی کا حصہ ہیں۔ ان کے بغیر زندگی کا گزارہ نہیں جیسے دھوپ اور بارش ضروری ہیں اور ان کے بغیر کسی ذی روح کا گزارہ نہیں.... بالکل ویسے ہی یہ دھوپ چھاؤں جیسے لوگ بھی ضروری ہیں.... بہت ضروری۔

✲ ✲

فرح بخاری

گلِ کہسار

تیسری قسط

کہنے کو بظاہر چھ صفحات۔۔۔ لیکن انہیں لفظ لفظ پڑھتے' دہراتے اور ان پر یقین کرنے کی کوشش کرتے گل آویزہ کی پوری رات نکل گئی۔ اذانوں کی آواز آئی تو وہ بوجھل قدموں سے بمشکل خود کو گھسیٹتی نماز کے لیے باہر نکلی۔ نماز ختم کر کے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو جانے کیسے کیسے دکھ اور کیا کیا خیال ستانے لگے زارو قطار ہچکیوں سے روتے اس نے ہاتھ واپس گرا لیے۔ ساری امیدیں دم توڑ گئی تھیں' سب کچھ ختم ہو جانے پر دعا کو اٹھتے ہاتھوں کو الفاظ بھی نہیں سوجھتے۔۔۔ اب وہ کیا مانگتی' اب بچا ہی کیا تھا۔ اس نے مصلے سے اٹھ کر ایک بار پھر ڈائری کھولی۔ بنا کسی دن' تاریخ اور سال وغیرہ کو ظاہر کیے صنوبر نے اپنے روزمرہ کے حالات درج کیے تھے۔

پہلا صفحہ۔

آج میں بہت خوش ہوں۔ نور زاوہ بی بی کے گھر رہتے مجھے چار مہینے ہو گئے ہیں۔ لیکن یہاں اتنا مزا پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔ آج پہلی بار میں نے اسجد کو دیکھا۔ اب سے پہلے میں نے صرف اس کی باتیں سنی تھیں۔ خان بیگم کا شہری بیٹا اتنا ماڈرن اور خوب صورت ہو گا میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ وہ سامنے بیٹھا رہے اور میں اس کو دیکھتی رہوں۔ شاید اسے بھی میری دیوانگی کا اندازہ ہو گیا تھا۔ لیکن وہ اتنا شرمیلا ہے کہ "فوراً" ہی واپس چلا گیا۔ جانے دوبارہ وہ کب آئے گا۔ اور اگر وہ یہاں نہ آیا تو میں خود کسی بہانے حویلی کا چکر لگالوں گی۔

دوسرا صفحہ

آج اسجد نے پہلی مرتبہ مسکرا کر مجھ سے بات کی۔ وہ شاید نور زاوہ بی بی سے ڈرتا ہے اس لیے کھل کر اظہار نہیں کر پاتا لیکن آج جب وہ یہاں آیا تو بی بی گھر پر نہیں تھیں اور میں اکیلی کھڑی تھی۔ میں نے مسکرا کر سلام کیا تو اس نے آگے بڑھ کر میرا ہاتھ تھام لیا۔ اس نے مجھے گھر کے پچھلے باغ میں رات کو سب کے سو جانے کے بعد بلایا۔ میرا دل خوشی سے جھوم اٹھا اور پھر پہلی مرتبہ ہم دونوں باغ میں ملے۔ اسے بھی پہلی ہی نظر میں مجھ سے پیار ہو گیا تھا۔ ہم نے روزانہ رات کو یہیں ملنے کا وعدہ کر لیا۔ کیونکہ چار دن بعد اس کی شہر واپسی ہے۔

تیسرا صفحہ۔

اسجد کی پیار بھری میٹھی باتیں مجھے ہر وقت اپنے سحر میں جکڑے رکھتی ہیں۔ اب ہم بہت بار باغ میں مل چکے ہیں۔ وہ میری خاطر اب پندرہ بیس دنوں بعد ہی شہر سے لوٹ آتا ہے۔ اس کی سنگت میں چاندنی راتوں کا حسن اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ وہ جب پیار سے میرا ہاتھ تھام کر نرم گھاس پر میرے ساتھ چلتا ہے تو ساری دنیا حسین لگتی ہے۔

چوتھا صفحہ۔

پندرہ دن پہلے خان شہر سے آیا تھا۔ لیکن اس نے مجھے باغ میں ملنے سے منع کر دیا تھا کیونکہ اب گرمیاں آ گئی ہیں تو اسے ڈر تھا کہ ہمیں کوئی دیکھ نہ لے۔ اس نے مجھے رات کو اپنے ڈیرے پر بلایا تھا۔ ڈیرے میں گزرا وقت شاید میری زندگی کا حسین ترین وقت تھا۔ اسجد نے اس رات جس محبت کا اظہار مجھ سے کیا اسے

میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتی۔۔۔۔ بس یہی کہہ سکتی ہوں کہ اگر مجھے اسجد نہ ملا تو میں مر جاؤں گی۔

پانچواں صفحہ۔

آج اسجد نے مجھ سے شادی کا وعدہ کیا ہے۔ اب ہم ایک دوسرے کے بنا نہیں رہ سکتے۔ ہم ایک دوسرے کے اتنے قریب آ گئے ہیں کہ جلد از جلد شادی ہی اس تعلق کا انجام ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ میرا اسجد مجھے کبھی دھوکا نہیں دے گا کیونکہ وہ بھی مجھ سے اتنا ہی پیار کرتا ہے۔ کاش۔۔۔۔ خان بیگم اس رشتے کے لیے آسانی سے حامی بھر لیں اور مجھے قبول کر لیں۔

چھٹا صفحہ۔

اسجد ابھی تھوڑی دیر پہلے یہاں آیا تھا۔ موقع پا کر بس اتنا کہہ گیا ہے کہ رات کو دس بجے میرے ڈیرے پر آنا۔ آج میں اس سے ملنے کے لیے بہت بے چین ہوں۔ آج میں نے وہی نارنجی سوٹ پہننے کے لیے نکالا ہے، جو اسجد میرے لیے شہر سے لایا تھا۔ آج وہی سوٹ پہن کر جب میں اس کے پاس جاؤں گی تو یقیناً" وہ بہت خوش ہو گا۔ آج میں اسجد سے شادی کی بات کروں گی۔ اور اس بار اگر اس نے ٹالا تو میرے لیے بہت مشکل ہو جائے گی۔

الفاظ نہایت سادہ بلکہ کسی حد تک سطحی سے تھے۔ لیکن آٹھویں فیل رومانوی جذبات رکھنے والی لڑکی سے کسی معنی خیزی اور گہرائی کی توقع ویسے بھی مشکل تھی۔ گل آویزہ نے جتنی مرتبہ ان صفحات کو پڑھا اتنی مرتبہ اسے جاگتی آنکھوں سے اسجد اور صنوبر ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے درختوں کے سایے تلے ساتھ ساتھ چلتے دکھائی دینے لگتے۔ اسجد اپنی شوخ چمکتی نگاہ اور مونچھوں تلے مسکراتے لبوں سے ساتھ چلتی صنوبر کو رخ موڑ کر دیکھتا اور گل آویزہ اپنا جلتا سلگتا دل لیے خود اس کے پہلو میں جا کھڑی ہوتی۔ بے خوفی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتی اور چیخ چیخ کر کہتی۔

"یہ مسکراہٹ صرف میرے لیے ہے۔ یہ دیوانگی، جنون، محبت تم میرے علاوہ کسی پر نچھاور نہیں کر سکتے،

اور پھر صنوبر۔۔۔۔ میری بہن۔۔۔۔ اس پر تو ہرگز نہیں۔ پھر اچانک یہ ساری جلن سارا حسد کہیں پیچھے رہ جاتا اور اس سے بھی بڑا اور بھیانک سچ سوال بن کر سامنے آ کھڑا ہوتا۔ اگر صنوبر کا خفیہ اور قریبی تعلق اسجد کے ساتھ تھا اور اسجد نے جس کا آج تک شاید کسی سے ذکر بھی نہیں کیا تھا تو پھر صنوبر کا قتل۔۔۔۔ وہ بھی خان کے ڈیرے کے باہر کیوں اور کیسے حالات میں ہوا۔۔۔۔ اور اسجد۔۔۔۔ جسے اب تک کے وقت میں اس نے بے ضرر، معصوم اور سیدھا سادا ہی پایا تھا کیا ایک قاتل ہو سکتا ہے۔"

"اف۔" اس نے ڈائری دور پھینک کر اپنا سر تھاما۔

"تو ایسا کچھ ہونے والا تھا تب ہی دل پکار پکار کر یہی کہہ رہا تھا کہ خان سے یہ آخری ملاقات ہے۔ تو یعنی یہیں تک تھا ہمارا سفر۔۔۔۔ اور اگر یہیں تک تھا تو کیوں میرے وجود پر اس کی مہربانی کی برسات ہوئی۔۔۔۔ کیوں اس خالی بنجر من میں محبت کا پھول کھلا۔۔۔۔ ایسا پھول کہ جس کی خوشبو سے وہ باقی کی ساری زندگی معطر رہ سکتی تھی۔ ہر آزمائش پر کھری اتر سکتی تھی۔ ہر دکھ جھیل سکتی تھی۔۔۔۔ ہر طوفان کا سامنا کر سکتی تھی۔۔۔۔ پھر کیوں لطف و کرم کا بادل اس رب تعالیٰ نے اس کے سر پر سے کھینچ لیا تھا۔ کیوں زندگی کا سفر اس کی مہربان بانہوں میں گزرنے نہیں دیا۔۔۔۔ کیوں قدرت نے اسے محبت کے حسین تحفے سے محروم کر کے اس کی ہستی کو پھر سے اجاڑ ویران کر دیا۔ کیوں۔؟

ونی ہونے کے بعد جب وہ بیاہ کر خان بیگم کی حویلی گئی تو لگا سارے راستے اس پر بند ہو چکے ہیں اور اب موت ہی اس کیفیت سے نجات کا واحد حل ہے۔ تب پندرھویں دن اصطبل میں اسجد عالم دکھائی دیا۔ قید خانے میں جیسے سورج چمک اٹھا۔۔۔۔ زندگی کو ایک مقصد مل گیا۔ بھلے وہ مقصد محض اس کی ایک جھلک دیکھ لینے تک محدود تھا، لیکن وہ خوش تھی اس کے نام سے منسوب ہو کر، اس کی نسبت سے پہچانے جانے سے۔۔۔۔ لیکن آج یہ ایک بار پھر قسمت نے ساری

راہیں مسدود کردی تھیں اور اس بار وہ بری طرح حوصلہ ہار بیٹھی تھی۔ نہ جینے کی امنگ تھی نہ لڑنے اور آگے بڑھنے کا حوصلہ۔

"بہت پریشان ہوگئے۔۔۔" زیبا نے دھیرے سے اس کا کندھا چھوا اور گل آویزہ ضبط کے رہے سہے بندھن ہار کر اس کے گلے سے لپٹ گئی۔

"میں اسے قاتل کے روپ میں نہیں دیکھ سکتی۔ نہ کبھی اس کے سامنے جانا چاہتی ہوں۔۔۔ اس نے جو کیا اس سے کوئی سروکار نہیں رکھنا چاہتی۔" وہ اور زور سے رونے لگی۔

"کیا تم ہمیشہ کے لیے ہمارے پاس رہ سکتی ہو۔؟" زیبا نے کسی امید پر اس کا چہرا دیکھا۔ "اماں کے دل میں ڈر بیٹھ گیا ہے کہ صنوبر کی طرح خدانا خواستہ ایک دن تم بھی۔۔۔" وہ ہچکچا کر رک گئی۔ "اگر صنوبر کا قاتل اسجد ہے تو آویزہ تو تم وہاں کیسے محفوظ رہ سکتی ہو۔"

"اسجد۔۔۔" گل آویزہ کی آنکھوں کے آگے وہ حسین ترین لمحات بکھر گئے جنہیں وہ اپنی زندگی کا حاصل سمجھ بیٹھی تھی۔۔۔ وہ قاتل جس کی آنکھوں میں بے پناہ محبت اور جذبوں کا ایک سمندر آباد رہتا تھا۔ کیا اسی طرح پہلے دل لبھاتا ہے۔۔۔ محبت لٹا کر جان کھینچ لینے والا بے رحم عاشق۔

"کیا سوچنے لگیں۔۔۔؟" زیبا نے اس کا کندھا ہلایا تو وہ چونکی۔

"خان بیگم تو یہی چاہتی ہیں کہ میں کبھی واپس نہ آؤں لیکن اسجد۔۔۔" اس کے لب کپکپائے۔

"ابھی بھی اس کے بارے میں سوچ رہی ہو۔۔۔" زیبا تلملا گئی۔

"جانتی ہو۔۔۔ ہم نے ڈائری پڑھنے سے تمہارے آنے تک کا ایک ایک لمحہ کیسے کانٹوں پر گزارا ہے۔۔۔ تمہیں زندہ سلامت اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ کر اماں موت کے منہ سے لوٹی ہے۔"

"زیبا۔۔۔ یہ ڈائری۔۔۔" گل آویزہ اچانک کسی خیال سے چونکی۔ "یہ تم لوگوں کو کہاں سے ملی۔۔۔؟

"تمہاری پیٹی میں پڑی تھی۔"

"لیکن پچھلے دو سالوں میں تو کبھی سامنے نہیں آئی۔ میں نے خود بے شمار مرتبہ پیٹی کھولی تھی۔"

"ارے اتنا سامان ہے اس کے اندر۔۔۔ اتنی سی چیز کی طرف کہاں دھیان گیا ہوگا۔۔۔ اماں نے گرمیوں، سردیوں کے کپڑے اوپر نیچے کیے تو شاید اسی وجہ سے اوپر نکل آئی۔ میں نے اس روز کسی کام سے پیٹی کھولی تو بالکل سامنے رکھی تھی۔ میں تو خوب چونکی اسے دیکھ کر۔ یاد ہے تا باجی کیسے ہمیشہ اسے ساتھ لگائے پھرتی تھی۔۔۔ حمدان بھی میرے ساتھ ہی تھا۔ میرے بعد اس نے پڑھی اور فوراً ہی اماں کو ہر بات بتادی۔ اسے بہت افسوس ہے کہ زرمین کے شوہر کی جگہ اس روز اس نے اسجد کا خون کیوں نہیں کیا۔۔۔ اور اب وہ یہ فیصلہ کیے بیٹھا تھا کہ ایک بار تم یہاں آجاؤ تو پھر کبھی تمہیں جانے نہیں دیں گے۔"

"مت بھولو زیبا کہ میری شادی کوئی عام شادی نہیں تھی، مجھے ونی کیا گیا تھا اور میرا فیصلہ دونوں علاقوں کے جرگوں سے ہو کر آیا تھا۔ تم نہیں سمجھ سکتیں زیبا کہ میں تو اپنی مرضی سے ناراض بھی نہیں ہو سکتی۔۔۔

"یہ سب بہت مشکل ہے۔ جو تم لوگ سوچے بیٹھے ہو۔" تحمل آویزہ کا حوصلہ اس وقت قابل دید تھا۔ پچھلی رات سے اب تک وہ شاید خود پر ہر کیفیت گزار بیٹھی تھی۔ اس لیے خوب حقیقت پسندی سے ہر پہلو پر غور کر رہی تھی۔

"تو پھر... ہم کیسے روکیں تمہیں؟" زیبا حقیقتاً پریشان نظر آنے لگی۔

"ایک راستہ دکھائی دے رہا ہے۔" کچھ دھندلا دھندلا سا وہ کس سوچ کے تانے بانے میں گم تھی۔ "اگر میں ہاجرہ بی بی سے بات کروں تو شاید کوئی حل نکل آئے۔ دو سال میں نے ان کے بچوں کو پڑھایا ہے۔ ان کے سسر جرگے کے بڑے مشران میں سے ایک ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ میری رہنمائی کر سکیں۔"

"ہاں گلے... کاکا جان تو بہت نیک اور اچھے آدمی ہیں۔ وہ ضرور ہماری مدد کریں گے۔"

"بس ایک الجھن ہے..." وہ پریشانی سے اپنی ہتھیلی مسل رہی تھی۔ "انہیں ڈائری اور اسجد کے بارے میں کھل کر بتانا پڑے گا۔"

"تو کیا ہوا۔ تمہاری زندگی بچانے کے لیے ہم کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ یا تم اسجد لالہ کو بچانا چاہتی ہو۔ اب بھی؟" وہ حیران تھی۔

"نہیں... میں اپنی بہن کو بچانا چاہتی ہوں۔"

"ہیں...؟" زیبا کچھ نہ سمجھتے ہوئے اسے دیکھنے لگی۔ "اسے تو ہم کھو چکے۔"

"تو کیا مری ہوئی بہن کی عزت داؤ پر لگا دیں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"پھر...؟" بات زیبا کی سمجھ میں آگئی تھی۔

"فی الحال میں کسی تفصیل میں نہیں جاؤں گی۔ بس ان سے مشورہ طلب کروں گی کہ سسرالی گاؤں واپس نہ جانے میں مجھے کیسے مسائل کا سامنا ہو سکتا ہے۔"

☆ ☆ ☆

"اماں جان... وہ کاکا جان آئے ہیں۔ ساتھ میں چاچی اور لالہ لائق بھی ہیں۔" دلناز انے پلنگ کے قریب آکر آہستہ سے خان بیگم کو مخاطب کیا۔ نیند تو وہ بھی پوری کر چکی تھیں... بس یوں ہی لیٹی تھیں۔

"تم نہیں بٹھا تو دیا نا...؟" خان بیگم نے جلدی سے اٹھ کر شال اپنے گرد اوڑھی۔

"جی، بڑے کمرے میں ہیٹر لگا ہے۔ ادھر ہی بیٹھ گئے سب..." دلناز انے ان کی چپلیں سیدھی کر کے سامنے رکھیں۔

"اور اسجد...؟" وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"لالہ اپنے کمرے میں ہی تھے... میں نے بلایا۔ اب ان سب کے ساتھ بیٹھے ہیں۔" دلناز انے باقاعدہ انہیں بازو سے تھام کر ساتھ چلنا شروع کیا۔ خان بیگم دھان پان سی خاتون تھیں، جب تک جوان تھیں خوب چست اور ایکٹیو تھیں لیکن ڈھلتی عمر نے وجود میں کمزوری اور نقاہت بھر دی تھی... بلڈ پریشر بھی زیادہ تر لو رہنے لگا۔ نیند سے جاگ کر فوری طور پر اٹھ کھڑا ہونے اور چلنے پھرنے میں کافی دقت محسوس کرتی تھیں۔

"السلام علیکم لالہ... آئیں بھابھی..." وہ دیورانی سے بغلگیر ہوئیں۔ لائق محمد آگے بڑھا تو اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ "جیتے رہو۔"

"طبیعت ٹھیک ہے بھابھی جان؟ خیر سے تو سوئی تھیں نا...؟"

"جی جی۔ الحمدللہ۔ بس کھانا کھا کر جی سست ہوا تو لیٹ گئی۔ آپ سنائیں بڑے دن بعد چکر لگایا۔" دل ہی دل میں ان سب کی ایک ساتھ آمد پر تشویش محسوس کرتیں وہ مسکرا کر خیریت دریافت کرنے لگیں۔

"ہاں بس... یہ سردی کا موسم خان کے لیے بہت مشکل ہوتا ہے۔" دلشادے بھابھی نے مسکرا کر شوہر کی طرف دیکھا۔ "ٹھنڈ سے ان کی بالکل نہیں بنتی۔"

"آج بھی بڑی مشکل سے ہمت اکٹھی کر کے آیا ہوں۔ اصل میں بھابھی جان..." وہ قدرے رک کر معلوم نہیں کس سوچ میں پڑ گئے۔ خان بیگم نے پریشانی

سے دیورانی کو دیکھا لیکن وہ شاید شوہر کے بولنے کی منتظر تھیں۔

"حجرے میں آج لائق کی دوسرے چند ساتھیوں کے ساتھ بحث چھڑ گئی تھی۔ بخت گل اور نصیب جان بھی تھے وہاں۔" قربان خان نے دوبارہ آغاز لیا۔ "وہ اسجد کی دلہن کو بہت دن ہوگئے ہیں گاؤں سے گئے ہوئے۔ رحیم اللہ بھائی کا کہنا تھا کہ ونی کی لڑکی کو اتنی ڈھیل دینا درست نہیں..... سلطان احمد نے بھی ان کی تائید کی تھی۔ کہنے لگے ذرا سی بیماری کی خاطر اتنے دن کون بھیجتا ہے..... کل کو یہی دشمن قبیلہ طعنے مارے گا۔ ہو سکتا ہے کوئی الزام ہی لگا دے۔ کہہ دیں گے ہم نے بہو کر گھر سے نکال دیا۔ آپ سمجھ دار ہیں بھابھی..... ادھر سب کو بڑی تشویش لاحق ہے۔"

"میں سمجھتی ہوں لالہ..... آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" خان بیگم کو اچانک ہی معاملے کی سنگینی کا احساس ہوا۔ رحیم اللہ خان اور سلطان احمد جرگے کے بزرگ مشر تھے۔ اگر انہوں نے یہ پیغام بھیجا تھا تو بات ضرور سنجیدہ تھی۔ گل آویزہ کو اسجد سے دور کرنے کی خوشی میں ان پہلوؤں کو واقعی نظر انداز کر بیٹھی تھیں۔

"نور زلوہ بھابھی بھی دشمن کے گاؤں سے ہیں لیکن پچیس سالوں میں مشکل سے پچیس بار بھی میکے نہیں گئیں۔ وہ بھی اتنے دنوں کے لیے..... اورنگ زیب جیسے نرم دل بندے نے بھی تین' چار دن سے زیادہ کی کبھی اجازت نہیں دی تھی۔ بیوی سے نرمی کا سلوک اپنی جگہ لیکن ان چھوٹی چھوٹی باریکیوں کا خیال قبیلے سے قبیلے کی سطح پر آکر کیا جاتا ہے۔ یہاں معاملہ پورے گاؤں کی ناک اور عزت کا آجاتا ہے..... ویسے آپ نے اسے بلایا تو تھا نا..... کیا ادھر سے کوئی مسئلہ ہے.....؟" آخر میں سیدھا سیدھا سوال کر ڈالا..... خان بیگم دہری مشکل میں گرفتار ہوگئیں۔ نہ جھوٹ بول سکتی تھیں نہ سچ۔

"کاکا جان..... وہ اصل میں ساری کوتاہی میری ہے۔" اسجد نے ماں کے کچھ بھی بولنے سے پہلے بات کو سنبھالا۔ "ماں جان تو پچھلے ایک ہفتے سے کہہ رہی

ہیں کہ اسے واپس بلوانے کا بندوبست کروں' لیکن میں وہ حکیم شیرو والی زمین کے مسئلے میں پھنسا ہوا تھا۔ روز ہی رستم کو لے کر وہاں جانا پڑ جاتا ہے۔ پھل پک کر تیار ہو چکا ہے اور یہاں درختوں کے قبضے کا مسئلہ ہی حل نہیں ہو رہا۔ مجھے فکر تھی کہ اگر معاملہ جلد نہ سلجھا تو کہیں پھل نہ سڑ جائے۔۔۔ آپ پریشان نہ ہوں' ہم کل صبح ہی اسے بلوا لیں گے۔۔۔ باقی مسئلہ وغیرہ کوئی نہیں تھا۔" اسجد نے نہایت سلجھے ہوئے انداز میں فوری جواب دے کر قربان چاچا اور خان بیگم دونوں کو مطمئن کر دیا۔

"بس بس۔۔۔ ٹھیک ہے۔" کاکا جان ایک دم ڈھیلے ہو کر ہنس دیے۔ "مجھے پتا تھا کوئی بڑی بات نہیں ہوگی۔۔۔ لیکن کیا ہے نا بچے۔۔۔ تم ادھر کا ماحول زیادہ جانتے نہیں ہو۔۔۔ میں نہیں چاہتا کل کو تمہارے لیے کوئی مسئلہ بنے۔۔۔ بس ٹھیک ہے اب میں باقی سب کو بھی سمجھا دوں گا۔۔۔ اور بھابی۔۔۔ وہ ادھر آپ کے گاؤں میں تو شادی بھی ہے' سنا ہے۔" زرمین سب کے لیے چائے لائی تھی۔ پیالی اٹھاتے ہوئے انہیں کچھ خیال آیا۔

"جی لالہ۔۔۔ میرے بھائی کی پہلی خوشی ہے۔ اس کے بڑے بیٹے کی شادی ہے۔ لڑکی بھی ہماری اپنی ہے۔ بس پرسوں ہی تو نکلنا ہے۔"

"وہی تو میں سوچ رہا تھا۔ ننھیالوں میں پہلی شادی ہے دلہن کو بنا ساتھ لیے کیسے جا سکتے ہیں۔" کاکا جان نے کچھ ایسے میٹھے میٹھے سنایا کہ خان بیگم لاجواب سی ہو گئیں۔ دل میں تو سوچ بیٹھی تھیں کہ چلو اچھا ہے نہ شادی میں گل آویزہ ہوگی نہ اسجد سے سامنے کا امکان ہوگا۔۔۔ وہاں جا کر بھی یہی کہہ دیتیں کہ دلہن کی ماں اسپتال میں ہے اور خیال رکھنے والا کوئی نہیں۔۔۔ لیکن یہ قربان لالہ۔۔۔ اس نے تو جیسے قسم ہی کھالی تھی گل آویزہ کو واپس بلوانے کی۔۔۔ خان بیگم نے زبردستی کی مسکراہٹ لبوں پر سجا کر تائید میں سر ہلایا۔

جبکہ اسجد کے دل پر پڑے اداسی کے تہہ در تہہ پردے ایک ایک کر کے ہٹنے لگے۔ اور جیسے سیاہ بادلوں کے سامنے سے ہٹ جانے پر چمکتا چاند مسکرانے لگتا ہے۔۔۔ اس کے تصور میں بھی وہ پری چہرا پوری آب و تاب سے چمکنے لگی۔۔۔ کانوں میں اس کی ہنسی کے جلترنگ سے بجنے لگے۔ کل وہ چاندنی سا پیکر لیے اس کے سامنے اس کے پاس ہوگی۔ دل اچانک ہی وصال یار کو تڑپ اٹھا۔ ہفتوں کا کٹھن اور صبر آزما انتظار سمٹ کر گھنٹوں تک آپہنچا تو بے چینی کچھ اور بڑھ گئی۔۔۔ وہ اپنی میٹھی شرارتی مسکراہٹ ہونٹوں میں دبائے کاکا جان کے پیچھے پیچھے خود بھی باہر نکل آیا کہ اماں جان کہیں اس کی چوری نہ پکڑ لیں۔

☼ ☼ ☼

صنوبر کو ڈائری لکھنے کا شوق آٹھویں جماعت میں پیدا ہوا تھا۔ اسکول میں منگورہ سے ایک ٹیچر آئی تھی جس کے ساتھ اس کی ماڈرن سی بیٹی تھی تمینہ۔ وہ آٹھویں کی طالبہ تھی۔ اسی نے کلاس فیلوز میں ڈائری وغیرہ رکھنے کا شوق ڈالا۔ ساری لڑکیاں ان دنوں ایک دوسرے سے 'انٹرویو' آٹو گراف لیتی۔ اور اپنی اپنی ڈائریوں کو اقوال' اشعار اور تصویروں سے بھرتی نظر آتیں۔ پھر آٹھویں میں فیل ہونے کے بعد صنوبر نے پڑھائی کو تو خیرباد کہہ دیا لیکن ڈائری کو کبھی خود سے جدا نہیں کیا۔ بعد میں بھی کبھی کبھار وہ اسے لکھنے میں مصروف نظر آتی تھی۔

گل آویزہ نے ان چھ صفحات کے اثر سے نکل کر باقی کی ڈائری پر دھیان دیا اور بغور ایک ایک صفحہ دھیان سے پڑھتے اسے دو نام ایسے دکھائی دیے۔ جن سے صنوبر کا بہت قریبی لگاؤ اور تعلق جھلک رہا تھا۔

ان میں سے ایک اس کی اسکول کی دوست نجمہ تھی اور دوسری روبینہ۔

"یہ روبینہ تو نادرہ خالہ کی بیٹی ہے نا۔ جہاں صنوبر سلائی سیکھنے جاتی تھی۔؟" گل آویزہ نے پاس بیٹھی زیبا کو متوجہ کیا' جو لکڑی کا گول فریم اور رنگ برنگے دھاگے لیے ایک چادر کی کڑھائی میں مصروف تھی۔

"ہاں..... اسکول کے بعد رویدہ ہی اس کی پکی سہیلی تھی۔" زیبا نے دانتوں سے دھاگا توڑ کر سوئی علیحدہ کی۔

"مجھے لگتا ہے ہمیں صنوبر کی سہیلیوں سے ملنا چاہیے' ہوسکتا ہے کوئی کام کی بات ہاتھ لگ جائے۔ میں ان چھ صفحوں پر آنکھیں بند کر کے یقین نہیں کرسکتی۔" ڈائری کے اوپری کونے پر ٹھوڑی ٹکائے وہ کسی گہری سوچ میں گم نظر آئی۔

"پھر تو ہمیں صرف رویدہ باجی سے ہی ملنا چاہیے۔ کیونکہ جن دنوں وہ نورزادہ بی بی کی پاس گئی..... اس سے پہلے وہ نادرہ خالہ سے سلائی سیکھ رہی تھی اور صرف رویدہ ہی اس کی قریبی سہیلی تھی..... یاد نہیں' جب پندرہ' بیس دنوں بعد وہ گھر کا چکر لگانے آتی تو رویدہ سے ملنے بھی ضرور جاتی تھی۔"

"ہوں....." گل آویزہ نے کسی فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کی۔

"سنو گلے۔" حمدان اچانک کمرے کے دروازے میں آیا تو دونوں نے چونک کر سر اٹھایا۔

"اسجد کا فون آیا تھا۔ کل تمہیں گاؤں واپس بلایا ہے۔" حمدان کا لہجہ اس کے ذکر پر سخت روکھا اور کھردرا تھا۔

"واپس....." زیبا نے بے ساختہ بہن کو دیکھا جس کے دل کی دھڑکن جانے کیوں بہت تیزی سے بے ربط ہوئی تھی۔

"کیا بات ہوئی.....؟" اس نے خود کو سنبھالا۔

"وہ لوگ کہیں شادی میں جارہے ہیں۔ شاید سیدو کہہ رہا تھا۔ تمہارا ساتھ جانا ضروری ہے۔ کہہ رہا تھا کل ڈرائیور ڈیرے پر آجائے گا۔"

"کب..... کوئی ٹائم وغیرہ.....؟"

"نہیں..... اس نے کہا جب تم لوگ گھر سے نکلو تو بتادینا۔ میں ڈرائیور بھیج دوں گا۔"

"آویزہ کہیں نہیں جائے گی۔" اماں اچانک کمرے میں داخل ہوئیں۔ سب نے ایک ساتھ انہیں دیکھا۔

"کل میں خود زرتاج خان کے پاس جاؤں گی۔ چاہیں تو جرگہ بٹھالیں' میں اپنی بیٹی کو قاتلوں کے حوالے نہیں کرسکتی۔" ان کا بیمار وجود لڑکھڑانے لگا۔ سانسیں دو قدم چلنے پر دھونکنی کی طرح چلنے لگتیں..... ہانپتے ہوئے دروازہ تھاما تو گل آویزہ اور حمدان دوڑ کر پاس آئے اور سہارا دے کر قریبی چارپائی پر بٹھایا..... زیبا بھاگ کر پانی لے آئی۔

"میں کہیں نہیں جاؤں گی اماں....." زیبا سے گلاس لے کر ماں کے لبوں سے لگایا۔ "اور آپ فکر نہ کریں' میں خود صبح زرتاج چاچا' بلاور لالہ' اور بڑے آغاجی نعمت اللہ خان سے بات کروں گی۔"

"ہوں....." وہ سر کو ہاتھوں سے تھامے دھیرے دھیرے وہیں لیٹ گئیں اور گل آویزہ باہر نکل آئی۔

تاروں بھرے آسمان پر نظر ڈالتے ہی اسے پھر سے صنوبر کی یاد آگئی۔ آج صبح سے ہی..... جب سے اس نے تفصیلاً "ڈائری پڑھی تھی' صنوبر بہت شدت سے اسے اپنے آس پاس محسوس ہورہی تھی..... وہ اپنی آنکھیں بند کرتی اور صنوبر اس کے تصور میں اتر آتی..... جانے اس کی اداس خالی نگاہوں میں کیسے کیسے سوال تھے..... گل آویزہ نے تھک کر ستون سے ٹیک لگائی۔

"سوالوں نے تو میرے اندر آگ لگا رکھی ہے میری بہن۔" وہ نہایت سست اور ڈھیلے انداز میں نیچے بیٹھتی چلی گئی۔

"کوئی اپنی سگی بہن کو اپنے شوہر سے منسوب کر کے سوچے تو سو' موتیں مرجائے..... میں بھی اب زندوں میں کہاں ہوں..... یہ کیا کیا صنوبر..... کاش اس بھری کائنات میں تمہیں کوئی اور ملا ہوتا۔ کاش کوئی اور میرے اللہ۔" گرم گرم آنسوؤں کی لکیری بہہ نکلی آنکھوں سے..... اور دل..... کہاں کہاں سے چٹختی اس کے ٹکڑے۔

"کیسے بے حس ہوتے ہیں یہ پتھر دلوں کے مالک۔" اس نے سختی سے اپنی آنکھیں رگڑیں۔ وہ جو جانتا تھا کہ میں کسی کی بہن ہوں..... کیسے اتنی آسانی

سے میرے قریب آنے پر تیار ہو گیا۔۔۔ پہلے ایک کے دل سے کھیلا اور اب۔۔۔" اس نے ضبط کی کوشش میں بری طرح لب چبائے۔ "وقتی جذباتیت کا شکار ہونے والے ایسے سطحی لوگوں میں حساسیت نام کو نہیں ہوتی۔۔۔ بس ایک جنون۔ بشری تقاضوں کا۔" اس نے ہاتھ کی پشت کو بلا ارادہ ہی رگڑا۔۔۔ جانے کیوں جہاں آج بھی اسجد کے لمس کی گرمی پوری شدت سے محسوس ہوتی۔

☼ ☼ ☼

"یہ سب چیزیں آج ہی لینی ہیں؟" اس نے لسٹ پڑھ کر خان بیگم کا چہرہ دیکھا۔

"ہفتے بھر سے ان نیستی ماریوں کو کہہ رہی ہوں کہ شادی کی تیاری شروع کرو لیکن ان کا دماغ صرف چوبیس گھنٹے پہلے تو کام شروع کرتا ہے۔ اب بولو۔۔۔ کچھ۔" انہوں نے زور سے پاس بیٹھی دلناز کو دھپ رسید کی۔ وہ کندھا سہلاتے برخفنہ کو دیکھنے لگی۔

"لالہ۔ ہمیں تو پتا ہی نہیں تھا کہ کس کس نے جانا ہے۔ رات کو اماں جان نے بتایا کہ زری باجی کے علاوہ سب جائیں گے۔ تو۔۔۔" برخفنہ دھیرے سے منمنائی۔

"اچھا کوئی بات نہیں۔۔۔ میں بھی کہیں قریب سے سب کچھ لے آؤں گا۔" وہ قدرے الجھا الجھا سا اٹھ کھڑا ہوا۔ آج ہی گل آویزہ نے بھی آنا تھا۔ رات تک اس کا یہی پکا ارادہ تھا کہ وہ خود اسے درے سے لے آئے گا لیکن ادھر سے سب سامان لینا بھی بہت ضروری تھا کیونکہ اگلی صبح تو سیدو کے لیے نکلنا تھا۔۔۔ بہنوں کے لیے شادی کی خریداری آج ہر حال میں مکمل کرنی تھی۔

"اکیلے جاؤ گے۔" خان بیگم نے کسی خیال کے تحت پکارا تو کچھ سوچ کر اسجد کے لب مسکرا اٹھے۔

"اکیلا اب کہیں نہیں جانا۔ ایک مہربان دوست نے مشورہ دیا ہے کہ اپنے ساتھ محافظ ضرور رکھا کروں۔" اس نے بلاوجہ تفصیلی جواب دیا خان بیگم نے تسلی سے سر ہلایا۔

"ہاں۔ اچھا کرتے ہو۔ کوشش کیا کرو کار بھی خود نہ چلاؤ' یہ ڈھیر سارے آدمی کس لیے ہیں۔"

"ہوں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا اب نکلتا ہوں۔ امید ہے دوپہر تک واپس ہو جائے گی۔ ان شاء اللہ۔"

"اور۔۔۔ وہ لڑکی۔؟" خان بیگم کے ماتھے پر واضح بل آیا۔ "کب آرہی ہے۔"

"میں نے رستم کے ذمے لگا دیا ہے۔ وہ لے آئے گا۔" اسجد کہہ کر مزید رکا نہیں۔ خان بیگم نے بھی سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

☼ ☼ ☼

گھر سے تو وہ دونوں ہاجرہ بی بی کے ہاں جانے کے لیے نکلیں ارادہ یہی تھا کہ پہلے آغا جان سے مشورہ طلب کیا جائے اور اگر یہیں رہنے کی کوئی مناسب راہ نکلتی ہو تو زر تاج چاچا اور بلاور کی حویلی جا کر مزید کچھ عرصہ گاؤں میں رہنے کے لیے ان کا ساتھ طلب کیا جائے۔ ناشتے کے فوراً" بعد ہی دونوں روانہ ہو گئی تھیں' تاکہ اسجد کا فون آنے سے پہلے وہ کسی حتمی نتیجے پر پہنچ جائیں۔ گل آویزہ کا ذاتی خیال یہی تھا کہ فوری طور پر اسے کوئی بہانہ بنا کر اسجد سے معذرت کرنی پڑے گی۔ یہ تو طے تھا کہ گاؤں وہ ہرگز واپس نہیں جائے گی۔

لیکن نہ تو زر تاج چاچا اور نہ ہاجرہ بی بی۔۔۔ گل آویزہ کے قدم گھر سے نکلتے ہی خود بخود ایک تیسرے راستے کی جانب مڑ گئے۔ زیبا چونکی تو ضرور لیکن بنا کوئی سوال کیے بہن کے ہم قدم چلتی رہی۔۔۔ یہ تیسرا راستہ نادرہ خالہ کے گھر کی طرف جاتا تھا۔ یقیناً" وہ کوئی بڑا قدم اٹھانے سے پہلے رویدہ سے ملنا چاہتی تھی۔۔۔ زیبا کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ اسجد لالہ کو اپنی صفائی میں بھلے کچھ بھی کہنے کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔ کم از کم اسے جھوٹ سچ کی کسوٹی پر پرکھنے کا یہ موقع انہیں ہرگز ضائع نہیں کرنا چاہیے تھا۔

رویدہ ان کی دیکھی بھالی تھی اور ان کے گھر والوں

سے بھی اچھی جان پہچان تھی لیکن صنوبر کی موت کے بعد چونکہ آنا جانا بالکل ہی کم ہوگیا تھا اس لیے گل آویزہ نے زیبا کو سلائی سکھانے کا بہانہ بنایا۔ گھر پر اس کی امی اور بھابھی بھی تھیں اور جب کمرے میں رویدہ اور وہ تنہا رہ گئیں تو گل آویزہ نے فوراً" ہی صنوبر کا ذکر چھیڑ دیا۔ ان کے پاس وقت کی شدید کمی تھی۔ بنا وقت ضائع کیے اصل مدعے پر آنا اس کی مجبوری تھی "پچھلے دنوں میں نے اس کی ڈائری پڑھی۔ اس میں کافی ذکر تھا آپ کا۔"

"صنوبر کی ڈائری۔" وہ یاد کر کے مسکرائی۔ "ہاں بہت شوق تھا اسے ڈائری لکھنے کا۔ روز ہی میرے پاس لے آتی کہ کچھ لکھ دو۔ اب اتنی باتیں مجھے کہاں آتی تھیں۔"

"آج کل میں بڑی الجھن میں ہوں رویدہ باجی..... آپ اس کی قریبی دوست تھیں۔ کیا میں اس ناطے آپ سے کچھ پوچھ سکتی ہوں۔"

"کہو گل آویزہ..... جتنا میں اس کے بارے میں جانتی ہوں میں کچھ نہیں چھپاؤں گی۔"

"کیا آپ جانتی ہیں کہ وہ کسی سے پیار کرتی تھی۔؟" بہت ہمت کر کے گل آویزہ اپنے دل کی بات زبان تک لے آئی "کبھی اس نے آپ سے اپنے دل کی بات کی۔؟"

"ہاں..... وہ دشمن قبیلے سے تھا۔ وہیں..... تمہاری جہاں شادی ہوئی ہے۔" رویدہ نے بے وقوفی سے فی الفور جواب دیا اور گل آویزہ کی سانس گلے میں اٹک گئی۔

"اس کا نام.....؟"

"صنوبر اسے خان کہتی تھی۔ میں نے ایک بار نام پوچھا تو ہنس کر ٹال گئی میں سمجھ گئی کہ بتانا نہیں چاہتی اس لیے دوبارہ کبھی نہیں پوچھا۔"

"آپ یہ ڈائری پڑھیں رویدہ باجی۔" گل آویزہ نے بجھے دل سے ڈائری آگے بڑھائی۔ "صرف یہ چند صفحات..... کیا ان باتوں میں کسی کا ذکر اس نے آپ سے کیا تھا۔" گل آویزہ نے وہ پہلا صفحہ نکال کر اس کے آگے کیا اور وہ خاموشی سے پڑھنے لگی۔

"ہاں۔ یہ سب باتیں میں جانتی ہوں۔" رویدہ نے اطمینان سے ڈائری واپس کی۔ "وہ کئی بار ان باتوں کا مجھ سے ذکر کر چکی ہے۔ وہ دونوں باغ میں ملتے تھے وہ اسے تحفے بھی دیتا تھا اور پھر بعد میں باغ کے علاوہ کی ملاقاتیں..... البتہ اس کا نام اسجد تھا یہ میں نہیں جانتی تھی۔ اور یہ اسجد عالم تو خان بیگم کا بیٹا ہے نا..... شاید تمہارا.....؟" وہ پہلی بار جھجکی۔ گل آویزہ مارے شرمندگی کے فقط سر ہلا پائی۔

"لیکن اسجد تو غالباً" شہر سے آیا ہے نا۔ بہت سارا پڑھ لکھ کر۔" رویدہ نے جیسے خود کلامی کی۔ "مجھے کچھ یاد آرہا ہے آویزہ۔" اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ وہ بری طرح ذہن پر زور دے رہی تھی..... پتا نہیں کیا سوچ رہی تھی گل آویزہ ایک امید پر اسے تکنے لگی۔

"مجھے ٹھیک سے یاد نہیں، لیکن ایک بار اس نے شاید ایسا کہا تھا کہ مجھے بہت شوق ہے خان میری ڈائری پر کچھ لکھ کر دے لیکن وہ تو پڑھنا لکھنا ہی نہیں جانتا۔"

"اچھا.....؟" گل آویزہ نے جوش جذبات سے زیبا کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "یا شاید یہ کہا ہو کہ وہ تو لکھنا ہی نہیں چاہتا۔" رویدہ نے اگلے ہی پل میں اس کی امید توڑ دی۔ "معاف کرنا مجھے واقعی ٹھیک سے یاد نہیں ہے۔ لیکن ایک بندی ہے جو اس معاملے میں تمہاری مدد کر سکتی ہے۔"

"وہ..... کون.....؟" گل آویزہ نے بے تحاشا چونک کر اسے دیکھا۔

"اسجد کی بھابھی۔"

"بھابھی....." اس نے بے یقینی سے دہرایا۔ "لیکن اسجد تو ایک ہی بھائی ہے پانچ بہنوں کا..... اس کی بھابھی کیسے.....؟"

"مجھے صنوبر نے بتایا تھا کہ مجھے اور خان کو، خان کی بھابھی نے باغ میں ملتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔"

"ہو سکتا ہے وہ اسجد کے کسی چچا زاد کی بیوی ہو۔ وہ انہیں بھی بھابھی کہتا ہے۔" گل آویزہ نے اپنے ہی انداز سے خود کو مایوس کر دیا اور چلنے کے لیے اٹھ

کھڑی ہوئی۔
"ایک اور بات بھی..." روبیدہ کی آواز اتنی مدھم تھی جیسے وہ کچھ اپنے آپ سے بھی چھپا رہی تھی۔
"کیا بات باجی۔" گل آویزہ پوری واپس مڑ گئی۔
"یہ بات صرف میں جانتی ہوں آویزہ... خدا کے لیے میرا نام..."
"بے فکر رہیں باجی۔" گل آویزہ نے فوراً اس کا ہاتھ تھاما "بوجھ اٹھانے کے لیے میں ہوں نا۔ شاید آپ کی معلومات میری مشکلیں کم کردیں۔"
"کہیں بڑھا نہ دیں۔" روبیدہ کا جواب اتنا بے ساختہ تھا کہ وہ دو قدم پیچھے ہوئی۔
"کک... کوئی بات نہیں۔ یہ گومگو کی کیفیت زیادہ تکلیف دہ ہے۔"
"تمہیں اپنے اندر بہت حوصلہ پیدا کرنا ہوگا۔" روبیدہ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔
"بتائیں باجی... بہن کی موت جھیل چکے ہیں۔ باقی باتیں تو ثانوی ہیں۔"
"صنوبر... امید سے تھی۔" روبیدہ نے زبان کیا کھولی۔ گل آویزہ کے پیروں تلے سے گویا کسی نے زمین کھینچ لی۔
"مرنے سے کوئی پندرہ دن پہلے وہ آخری مرتبہ گاؤں آئی تھی... ان دنوں وہ اتنی پریشان تھی کہ اگر یہ قتل کا معاملہ نہ ہوا ہوتا تو شاید وہ خود ہی خودکشی کر لیتی۔ اس نے کہا تھا اگر خان نے مجھ سے شادی نہ کی تو میں کہیں کی نہیں رہوں گی۔"
"یعنی خان اسے دھوکا دے رہا تھا؟"
"ہاں... اس کی پریشانی سے تو ایسا ہی لگتا تھا' لیکن میرا مشورہ ہے آویزہ کہ پہلے تم یہ معلوم کرو کہ دراصل وہ تھا کون؟"
"ایسا کیوں کہہ رہی ہیں۔" گل آویزہ چونکی۔ "اس نے ڈائری میں صاف صاف نام لکھا ہے۔"
"پتا نہیں کیوں... لیکن یہ چھ صفحے..." وہ کچھ کہتے کہتے اٹک گئی۔ "میں سمجھ نہیں پارہی آویزہ۔ لیکن وہ اس طرح کھول کھول کر دل کی باتیں لکھنے اور بتانے والوں میں سے نہیں تھی۔ میں اس کی بہت بھروسے مند سہیلی تھی پھر بھی اس نے کبھی مجھے خان کا نام نہیں بتایا۔ پھر تم یہ دیکھو کہ پوری ڈائری میں ان چھ صفحات کے علاوہ کہیں روزمرہ کی باتیں' حالات اور یادداشتیں وغیرہ نہیں لکھی گئیں... وہ کبھی بھی ڈائری میں روزمرہ کی باتیں نہیں لکھتی تھی۔ ان چھ صفحوں کے علاوہ پوری ڈائری صرف اشعار' اقوال' انٹرویو سے بھری ہے۔" روبیدہ نے ایک اتنی اہم بات کی طرف ان کا دھیان دلایا کہ دونوں ہکا بکا ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگیں۔
"تو پھر...؟"
"پھر ایک ہی بات میری سمجھ میں آتی ہے۔" روبیدہ نے اعتماد سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "یا تو آخری دنوں میں اسے شک ہو گیا تھا کہ اسے مار دیا جائے گا اور اس لیے اس نے واضح طور پر اپنے قاتل کا نام ڈائری میں لکھ کر پیچھے والوں کے لیے نشان چھوڑا... یا پھر کسی دباؤ میں آکر اس نے ایسا لکھا' لیکن یہ طے ہے کہ ان صفحات کے لکھنے کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہے۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی۔ جسے سمجھنا اب تمہارا کام ہے۔"
وہ اسے سمجھاتے ہوئے دروازے تک آئی۔ گل آویزہ نے اثبات میں سر ہلایا اور باہر نکل آئی۔
"اب...؟" زیبا نے سوالیہ نظروں سے بہن کی طرف دیکھا لیکن وہ کافی غائب دماغ سی لگی... بنا کوئی جواب دیئے کھوئے کھوئے انداز میں آگے بڑھنے لگی۔ زیبا نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر ایک مرتبہ پھر پیش قدمی کی۔
"وہ دشمن قبیلے سے تھا... خان تھا... باغ میں ملتا تھا... تحفے دیتا تھا... لیکن ان پڑھ تھا... شاید پڑھا لکھا تھا' شاید اسجد تھا... شاید کوئی اور تھا... شاید فلرٹ کر رہا تھا شاید سنجیدہ تھا۔" وہ چیخوں کی مانند کانوں میں بجتے سوالوں کا شور لیے آگے ہی آگے بڑھتی جارہی تھی۔ اس بار رخ نعمت اللہ خان کے گھر کی طرف تھا۔ کھیتوں کی پگڈنڈیوں سے ہوتے وہ جس گھر کے آگے سے گزر رہے تھے وہاں شامیانے لگے ہوئے تھے۔

لوگوں کی گہما گہمی تھی۔ اونچی آواز میں نغمے بج رہے تھے... اور تب ہی کھیتوں کو عبور کرتی گل آویزہ کے قدم ایک آواز نے روک لیے۔

مور جانہ زہ دا گلو لخنا یما

ہائے دا خوزہ دا چا وا بجنا یما

واللہ چہ ڈیرہ پہ زرہ سخت یما

زم دے جانانہ سرہ کوم خبرے ٹولے مورے

زوانی میں گورے او جدا لیار!

(ماں میں پھول کی چھڑی ہوں' ہائے میں تو کسی کا نصیب ہوں۔ واللہ میں دل کی بہت سخت ہوں' میں اپنے محبوب سے ملنے جا رہی ہوں... مجھے اس سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں... میری جوانی دیکھ میری ماں... میں اپنے محبوب سے جدا ہوں۔)

یہ وہ گانا تھا جو اس نے اسجد کی سنگت میں آخری بار یہاں آتے ہوئے سنا تھا۔ گلوکارہ کی دل سوز آواز اس کا سینہ چیرنے لگی' ہاتھ پر اس کے لمس کی حدت ایک بار پھر بری طرح محسوس ہونے لگی... ہاں مجھے اس کے پاس جانا ہے۔ کتنا کچھ ایسا ہے' جو صرف اسی سے پوچھنا ہے۔ اس محبت کی حقیقت پوچھنی ہے۔ جو اس نے مجھ سے کی ہے۔ اس دل لگی کے بارے میں جواب طلب کرنا ہے' جو اس نے میری بہن سے کی... دل لگی کہاں تھی اور محبت کہاں... ؟

دھوکا صنوبر نے کھایا یا میں کھا رہی ہوں... وہ شاہ خوباں... عشق باز ہے یا عشق پرست... گل آویزہ کے آگے بڑھتے قدم آپوں آپ رک گئے۔ دلوں کے معاملات کا حل کسی جرگے کے پاس کیسے ہو سکتا ہے... یہ تو آنکھوں میں لکھی تحریر ہے جسے وہ ابھی تک ٹھیک سے پڑھ نہیں پائی تھی۔

"کیا ہوا... ؟" کھیتوں کے بیچوں بیچ وہ بلاوجہ ہی رک گئی تھی۔ زیبا نے حیران ہو کر آگے پیچھے دیکھا۔

"مجھے واپس جانا ہے زیبا... " اس نے کلائی پکڑ کر بہن کو گھر کے رستے کی طرف کھینچا۔ "تمہارے ہر سوال کا جواب وہاں ہے زیبا' جہاں قدرت نے مجھے بھیجا ہے۔"

"تو کیا تم... ؟" زیبا کی آنکھوں سے حیرت مترشح تھی۔

"ہاں... " گل آویزہ نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما۔ "اس ڈائری کا ایسے موڑ پر ہمارے سامنے آنا جب میں دشمن قبیلے کی بہو اور اسجد کی بیوی بن چکی ہوں... یونہی نہیں ہے... اگر یہ ڈائری چند ماہ پہلے ہمیں ملتی تو کیسے ممکن تھا کہ میری شادی اسجد سے ہوتی... یقیناً" یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مجھے صنوبر کے قتل کا معمہ حل کرنا ہے... وہ گتھی سلجھانی ہے۔ جس کا ایک سرا اگر اس ڈائری سے جڑا ہے تو دوسرا ضرور کہیں حویلی میں ہے۔"

"لیکن اماں... اور حمدان... وہ تو تمہیں ہرگز... "

"مت بھولو زیبی... کہ میں اسجد کی بیوی ہوں۔ میرا موازنہ صنوبر سے کرنا غلطی ہے آپ سب کی... میری جان' کو وہاں کوئی خطرہ نہیں ہے... تم چلو میرے ساتھ' میں اماں کو سمجھا لوں گی۔" وہ اب اچانک ہی بہت پر جوش دکھائی دینے لگی تھی۔

"مجھے گھر چل کر تیاری بھی کرنی ہے۔ پھر حمدان نے وہاں فون کرنا ہو گا۔ دوپہر تک مجھے چلے جانا چاہیے۔" وہ ایک فیصلے پر پہنچ کر اب تیز قدموں سے گھر کے راستے پر آگے بڑھ رہی تھی۔ زیبا سمجھ گئی کہ اب اسے روکنا ناممکن ہے۔

☆ ☆ ☆

مغرب سے ذرا پہلے وہ شہر سے لوٹا تو رستم نے گل آویزہ کے حویلی پہنچ جانے کی اطلاع دی۔ وہ سامان اٹھائے سیدھا اندر چلا آیا۔ وہ بڑے کمرے میں اماں جان کے ساتھ پائنتی کی طرف بیٹھی تھی وہی نیلی شال اوڑھے۔ اسے آتا دیکھا تو گھونگھٹ مزید نیچے کر کے کچن کے اندر چلی گئی۔ اسجد ٹھیک سے چہرا بھی دیکھ نہیں پایا۔

"یہ سب سامان جو آپ نے منگوایا تھا۔" اس نے تین بڑے شاپر ماں کے قریب رکھے۔ "اور یہ اس کے لیے... " دوسرے ہاتھ میں پکڑا ایک اور شاپر اس نے

قدرے الگ کرکے رکھا۔
"رحیمہ۔ ادھر آؤ ذرا..." خان بیگم نے وہیں سے صدا لگائی۔
"لالہ کے لیے چائے لے آؤ۔ تھکا آیا ہے شہر سے۔"
"آئی خان بیگم..." رحیمہ نے کچن سے جھانکا۔
"یہ تو کپڑے لگ رہے ہیں...؟" خان بیگم نے سب سے پہلے اس آخری تھیلے کا جائزہ لیا۔
"پانچ سوٹ ہیں۔" اسجد نے آنکھوں پہ ہاتھ رکھا۔ "تین گرم سوٹ ان سلے ہیں، موسم کی مناسبت سے لے لیے۔ اور دو ریڈی میڈ شادی میں پہننے کے لیے... میرا خیال ہے پچھلے پانچ ماہ میں ہم نے اسے کچھ نیا نہیں دلایا۔"
"ہوں۔ اچھا کیا۔" خان بیگم نے شاپر پرے رکھتے ہوئے خود کو کسی بھی تفصیلی تبصرے سے باز رکھا۔
شادی میں سب ہی جا رہے تھے سوائے زرمین کے... جب سے وہ بیوہ ہوئی تھی کہیں بھی آنا جانا بالکل ترک کر دیا تھا۔ اس کے پاس رہنے کے لیے قربان چاچا کی بہو ناز، بیٹا زمان اور ان کے دو بچے آرہے تھے۔ زرمین نے پانچ سالہ آدرش کو ان کے ساتھ جانے کے لیے تیار کر لیا۔ وہ بھی ماں سے زیادہ نانی اور خالاؤں کی عادی تھی۔ ان سب نے اگلی صبح دو گاڑیوں میں سیدو کے لیے نکلنا تھا۔
اسجد چائے ختم کرکے تھوڑی دیر کے لیے کمرے میں آیا، لیکن موبائل شاید باہر کھاٹ پر رہ گیا تھا۔ وہ اٹھانے کے لیے جونہی کمرے سے نکلا گل آویزہ اسی وقت تیز قدموں سے بڑا کمرا عبور کرکے باہر جاتی نظر آئی۔ پتا نہیں کیوں، لیکن اسجد کو صاف لگا کہ وہ اس سے کترا رہی تھی... وہ مغرب کی اذان ہونے کے بعد بھی کافی دیر تک وہیں بیٹھا رہا، لیکن گل آویزہ واپس نہیں آئی۔ اماں جان نماز پڑھنے کے لیے اندر گئیں تو وہ شاپر لے کر کچن میں آیا۔ وہاں صرف نسیمہ کھڑی تھی۔
"سنو... یہ جا کر بھابھی کو دے آؤ۔" شاپر اس کے حوالے کرکے وہ کافی بگڑے موڈ کے ساتھ ڈیرے پر آگیا اور اس امید پر دیر تک یہاں بیٹھنے کا پروگرام بنایا کہ شاید وہ رات کو پچھلے صحن میں اس کا انتظار کرے، لیکن دس بجے جب وہ ڈیرے کو بند کرکے اصطبل کے راستے پچھلے صحن میں داخل ہوا تو یہاں مکمل تاریکی کا راج پایا۔ گل آویزہ نے نہ صرف دروازہ بند کر رکھا تھا بلکہ کمرے کی لائٹ بھی آف تھی۔ اوپر کے روشن دان سے اندھیرا واضح تھا۔ وہ صحیح معنوں میں پیر پٹختا اپنے کمرے میں آیا۔
کیسی بے حس ہے کتنا تڑپا ہوں اس کے لیے... کوئی پاگل بھی ایسے دیوانہ ہوا نہیں پھرتا۔ اس نے غصے سے چیزیں بیڈ پر پھینکیں۔ اس روز بارش کا لطف لینے کے لیے محترمہ رات کے ایک بجے بھی جاگ رہی تھیں اور آج دس بجے تک گل... اوپر سے بھول جانے کے مشورے دیتی ہے خود سے بکتے جھکتے اس نے سونے کی کوشش کی، لیکن اتنے شدید غصے میں نیند کیا خاک آتی تھی۔ وہ بے چینی سے کروٹیں بدلتا رہا۔

☆ ☆ ☆

"کیا مصیبت ہے بڑے... کس نے سامان اس بری طرح ٹھونسا ہے۔" اسجد کی جھنجھلائی ہوئی آواز کانوں سے ٹکرائی تو سب سے پہلے بانو اور نورینہ صحن میں آئیں۔ بابر نے صبح سویرے ہی دو گاڑیاں لا کر حویلی کے صحن میں ٹھہرا دی تھیں تاکہ گھر والے آرام سے اپنا سامان وغیرہ رکھ کر یہیں سے سوار ہو کر جائیں۔ اسجد نے گاڑیوں کو ہر قسم کے چھوٹے بڑے بیگ اور تھیلوں سے بھرا دیکھا تو اس کا پارہ ہائی ہو گیا۔
"دو دن کے لیے جا رہے ہیں یا سارا سیزن گزارنے کے لیے۔" اس نے نہایت بدتمیزی سے بیگز نکال کر باہر زمین پر پھینک دیے۔ بانو اور نورینہ نے سامان کی درگت بنتے دیکھ کر بمشکل خود پہ جبر کیا۔ لالہ تو ایسے شیر کی طرح دھاڑ رہے تھے ان کی ہمت ہی کہاں تھی آگے بڑھنے کی۔
"اور یہ دس بجے تک کمروں میں گھسے کیا کر رہے

ہیں سب کے سب۔۔۔ دوپہر کا کھانا بھی کھا کر نکلنا ہے تو پہلے بتاتے 'میں جا کر گاؤں کے دو چار کام ہی نمٹا آتا۔"

وہ بے تکان اونچا اونچا بولے جا رہا تھا۔ بردخنہ اور خان بیگم بھی گھبرا کر کمرے سے نکلیں۔ اسجد کا موڈ تو اتنا بگڑا ہوا تھا کہ خان بیگم کو بھی مداخلت کی ہمت نہیں ہوئی۔

"اندر جاؤ سب کے سب۔۔۔ گاڑیاں باہر نکال رہا ہوں۔ کوئی ضرورت نہیں ہے یہاں سے بھر کر جانے کی۔۔۔ جس نے آنا ہے۔ دس منٹ کے اندر اندر تیار ہو کر باہر آجائے۔" اس نے بنا اپنی ٹون میں ردوبدل کیے فرمان جاری کیا اور آگے بڑھ کر پھاٹک کھول دیا۔ پھر خود ہی باری باری دونوں گاڑیاں بھی باہر نکال لے گیا۔ وہ سب ہکا بکا برآمدے میں کھڑی کبھی ایک دوسرے کا منہ دیکھتیں اور کبھی صحن میں بکھرے سامان کو۔۔۔

"اوئے کم بختو۔۔۔ کس نے بولا تھا جا کر کاروں کو سامان سے بھر دو۔۔۔ اپنا اپنا بیگ اپنی گود میں لے کر نہیں بیٹھ سکتی تھیں اب دلا دیا اسے غصہ۔۔۔" خان بیگم نے ماتھے پہ ہاتھ مارا۔ "چلو اب اٹھاؤ اپنا اپنا سامان اور نکلو سب۔۔۔" انہوں نے سب سے پہلے خود ہی برقع اوڑھ کر باہر کی راہ لی تاکہ مزید دیر کا امکان نہ رہے۔

"آپ یہاں بیٹھیں۔۔۔" ماں کو نکلتا دیکھ کر وہ خود ہی آگے بڑھا اور بازو سے تھام کر انہیں آگے والی گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بٹھا دیا۔ ان کے پیچھے بردخنہ اور رولنازا نکلیں تو انہیں بھی اسی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھنے کو کہا اور ان کا سامان بھی خود ہی ایڈجسٹ کر دیا۔

"آپ کو بابر لے کر جائے گا۔ میں باقی سب کو لے کر پیچھے آرہا ہوں۔" اس نے شیشے کی طرف سے آکر ماں کو سمجھایا اور فوراً "بابر کو آواز دی۔

"دل۔۔۔ لیکن۔" خان بیگم کے تو حواس جاتے رہے یہ سوچ کر کہ پیچھے رہ جانے والوں میں تو گل آویزہ بھی تھی۔

"اوئے نامراد۔۔۔ بھابھی کو ساتھ کیوں نہیں لائی۔" انہوں نے تپ کر بردخنہ کو دیکھا' لیکن بابر نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر گاڑی آگے بڑھا دی اور وہ بے بسی سے ہاتھ ملتی رہ گئیں۔ پیچھے مڑ کر دیکھا اسجد کے ساتھ والی سیٹ تو اوپر سے نیچے تک سامان سے پر تھی۔

گل آویزہ' نورینہ اور بانو اسی وقت باہر نکلیں تو اسجد نے انہیں پیچھے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود ڈرائیونگ سیٹ پر آ گیا۔ خود پر ضبط کرتے وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئیں۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر اسجد کا مزاج ہی ٹھیک ہوتا تو وہ ضرور بیٹھنے کی سیٹنگ میں ہیر پھیر کروا لیتیں' لیکن صاحبزادہ تو ماتھے کے بل ہی درست کرنے کو تیار نہیں تھا۔ اسجد نے ہاتھ کے اشارے سے بابر کو آگے رہنے کو کہا اور یہاں بھی خان بیگم کی خواہش کی نفی ہو گئی۔ وہ چاہتی تھیں بیٹے کی گاڑی آگے رہے تاکہ وہ سب آنکھوں کے سامنے رہیں' لیکن بابر نے رفتار تیز کر دی تھی۔ خان بیگم نے سر جھٹک کر تسبیح سنبھالی اور سفر کا آغاز ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

"اف خدایا۔۔۔ یہ خان بھی ناں۔۔۔ میوزک کا کتنا شیدائی ہے۔" گاڑی اسٹارٹ ہوتے ہی میوزک پلیئر بھی لگا دیا گیا تو گل آویزہ نے سوچا۔

میں تیرے عشق میں' مر نہ جاؤں کہیں
تو مجھے آزمانے کی کوشش نہ کر

"فی الحال تو عشق میں غصہ سر چڑھ کر بول رہا ہے۔" وہ گھونگھٹ کے اندر مسکرا دی۔

ڈارک براؤن شلوار قمیص کے ساتھ بلیک لیدر جیکٹ اور دھوپ کا چشمہ لگائے وہ اتنا شاندار لگ رہا تھا کہ بے ساختہ بندے کا نظر اتارنے کو دل چاہے۔۔۔ لیکن وہ تو اسے طیش دلا کر خوش ہو رہی تھی۔ اس کے خراب موڈ کی وجہ سے بھی 'ایک وہی جانتی تھی اور فی الحال وہ اسی سے مزا لینا چاہتی تھی۔ سوچا تو آگے کے لیے اور بھی کافی کچھ تھا' لیکن اس کے لیے مناسب موقع محل کا انتظار تھا۔ اسجد کی گاڑی میں اتفاقاً "بیٹھنے پر بھی آج وہ بہت خوش تھی۔ خصوصاً" خان بیگم کی

تلملاہٹ تصور کرنا بہت اچھا لگ رہا تھا۔

اسجد نے سامنے کا شیشہ اس پر سیٹ کیا اور اب براؤن چشمے کے پیچھے سے غالباً "دیکھ بھی اسی کو رہا تھا" لیکن کوشش کا نتیجہ بہرحال صفر تھا کیونکہ وہ تو ٹھوڑی تک مکمل گھونگھٹ گرائے ہوئے تھی۔ گاڑی اب گاؤں کی چھوٹی سڑک کو چھوڑ کر منگورہ جانے والی بڑی اور مصروف سڑک پر آگئی تھی۔ گل آویزہ پوری دلچسپی سے باہر کے مناظر دیکھنے لگی۔ دل ہی دل میں شکر پڑھا کہ فرنٹ سیٹ سامان سے بھری تھی ورنہ اس سے کچھ بعید نہیں تھا کہ بنا بہنوں کا لحاظ کیے اسے آگے آنے کا کہہ دیتا۔

ہم تم سے نہ کچھ کہہ پائے، تم ہم سے نہ کچھ کہہ پائے

لگتا ہے ڈر یہ بات یہ دل کی۔ دل میں نہ رہ جائے

اسجد نے سی ڈی بدل کر نیا گانا لگایا۔ دلی کیفیات کو گانوں کی صورت عیاں کرنے کے لیے خان صاحب کے پاس خوب مواد تھا۔ جانے کیوں پر آج گل آویزہ کو اس کی دیوانگی خوب لطف دے رہی تھی... آگے چل کر بھی تو اسے فائدہ دینے والی تھی۔ روبینہ کی چند ایک باتوں سے اگرچہ ہلکی سی امید کی کرن جاگی تھی اور اسی وجہ سے دل بے اختیار ہو کر ہاتھوں سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن وہ اسے قبل از وقت کی خوش فہمی خیال کر کے قابو میں رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"لالہ... نورینہ کو الٹی آتی ہے۔" بانو نے آگے ہو کر اسجد کو مخاطب کیا تو دونوں ہی بیک وقت چونکے... اتنی دیر سے جو اپنی اپنی جگہ گانے کے بولوں میں گم ان دو کی موجودگی سے یکسر لاپروا تھے۔

"ہوں..." اسجد نے کچھ سوچ کر ڈیش بورڈ سے ایک پلاسٹک بیگ نکال کر پیچھے بڑھایا۔ "فی الحال اسے اپنے پاس رکھو، میں کچھ کرتا ہوں۔" اور تقریباً" پانچ منٹ بعد جیسے کسی نتیجے پر پہنچ کر اس نے بابر کا نمبر ملایا۔

"میں یہاں تھوڑی دیر رک رہا ہوں... تم اپنا سفر جاری رکھو۔ پانچ دس منٹ میں ساتھ آملوں گا... اماں جان سے ذکر نہ کرنا پریشان ہوں گی۔ ہماری گاڑی کا پوچھیں تو کہہ دینا پیچھے آرہی ہے۔ ہوں... اوکے اور فون بند کر دیا۔" پھر اپنی گاڑی ایک قدرے نیچے کو جاتی ذیلی سڑک پر موڑ دی۔ دو رویہ گھنے درختوں کے بیچ کا یہ راستہ بے حد خوب صورت تھا۔ کچے روڈ کے کنارے کنارے سبزہ اور خودرو کاسنی پھول کھلے تھے۔ جانے راستہ کہاں جاتا تھا لیکن دور دور تک وہاں کوئی نہیں تھا۔ البتہ درختوں کے پیچھے وہ ایک پرانی عمارت تھی۔ جیسے کوئی ڈاک بنگلہ یا پرانا اسکول، بہرحال ویران پڑا تھا۔ اسجد نے گاڑی روک دی۔

"باہر آؤ تم دونوں... یہاں کچھ دیر رک کر تازہ ہوا لو... طبیعت سنبھل جائے گی۔" وہ خود بھی باہر نکل آیا۔ گاڑی چونکہ ٹھنڈ کی وجہ سے مکمل بند تھی اور اس نے ہیٹر بھی آن رکھا تھا اس لیے ان کی طبیعت پہ بوجھ پڑا تھا، دوسرے جانتا تھا بہنیں سفر وغیرہ کی عادی نہیں ہیں۔

"لالہ... ہم ادھر سبزے والی جگہ پر چلے جائیں۔ وہاں دھوپ بھی ہے۔" باہر نکلتے ہی ٹانگیں کانپنے لگی تھیں۔

"ہاں۔ تھوڑی واک کر آؤ... کوئی جلدی نہیں ہے۔" اس نے بونٹ سے ٹیک لگا کر بازو سیدھے کیے۔ گل آویزہ نے تھوڑی سی چادر ہٹا کر سائیڈ والی کھڑکی سے علاقہ دیکھنے کی کوشش کی۔ جگہ بہت خوب صورت تھی جیسے خواب کا کوئی منظر... وہ پوری توجہ سے بلڈنگ پر غور کر رہی تھی جب ساتھ والا دروازہ کھلا اور اچانک کوئی قریب آکے بیٹھ گیا۔ گل آویزہ نے بے تحاشا چونک کر گردن موڑی۔ اسجد کو بالکل پاس بیٹھا دیکھ کر بے یقینی سے سامنے دیکھا۔ ابھی تو وہ آگے کھڑا تھا۔ پھر... اس نے فوراً" چادر درست کی۔

"کیا کہنے بھئی تمہارے... پردہ تو ایک مجھی سے جائز ہے نا تمہارا۔" عینک فولڈ کر کے جیب میں رکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ گل آویزہ نے شرمندگی سے چادر کا کونا چھوڑا۔ وہ رخ اس کی طرف موڑ کر دایاں بازو سیٹ کی پشت پر پھیلائے پوری طرح چھایا ہوا تھا۔ وہ گھبرا کر سمٹنے لگی۔

"رات کیا سوچ کر دروازہ بند کیا ہوا تھا... تمہیں احساس بھی ہے کتنی تکلیف میں رہا ہوں رات بھر۔" وہ سنجیدگی سے ذرا زیادہ سخت لہجے میں بات کر رہا تھا۔ گل آویزہ کا دل یک بارگی دھڑکا۔ اسجد کے غصے کے بارے میں سنا ضرور تھا' لیکن دیکھ آج رہی تھی۔ بلکہ یوں لگا ابھی بھی وہ ضبط سے کام لے رہا ہے۔

"لکا چھپی کا کھیل سمجھ رکھا ہے ہمارے رشتے کو...؟" لہجے میں شدت کی ناراضی تھی۔ "جس دن بازو سے پکڑ کر اپنے کمرے میں لے آیا کسی کی جرات نہیں ہو گی کچھ بولنے کی۔"

"نہیں خان' خدا کے لیے ایسا مت کرنا..." وہ بے ساختہ سر اٹھا کر بولی تو اسجد کو حیرت کا جھٹکا لگا۔ زبان کا قفل ٹوٹا بھی تو کس جملے پر...

"کیا مطلب... کیوں نہ کروں ایسا...؟ میں نے تمہیں بیوی کے روپ میں قبول کیا ہے' اسے دنیا کو بھی پتا چل جانے دو یا بزدل سمجھتی ہو مجھے۔" ماتھا سکوڑ کر اس نے سخت غصے سے گھورا۔

"یہ بات نہیں ہے خان..." گل آویزہ نے کچھ سوچ کر فوراً" ہی اپنی بات کو سنبھالا۔ "خان بیگم مجھے پسند نہیں کرتیں... آپ نے بے چینی ظاہر کی تو وہ ہم دونوں سے سخت خفا ہوں گی... بس تھوڑا سا اور وقت دے دیں تاکہ میں ان کے دل میں اپنی جگہ بنا لوں پھر..." وہ جھجک کر رک گئی اور اسجد کو اس معصومانہ التجا پر ٹوٹ کر پیار آیا۔ دوری کی وجہ بھی ایسی بتائی کہ اس کا اپنا گریز کہیں نظر نہیں آیا۔

"یعنی تمہیں اعتراض نہیں ہے میرے ساتھ رہنے پر..." سارا غصہ ساری ناراضی پل میں ہوا ہوئی۔ اس نے سیٹ کی بیک پہ رکھا اپنا دایاں ہاتھ تھوڑا سا آگے بڑھا کر اس کا گھونگھٹ ماتھے تک اٹھا دیا وہ پلکیں جھکائے لاجواب سی بیٹھی تھی۔

"بتاؤ نا... تم آنا چاہتی ہو میرے کمرے میں...؟"

"جی بھی نہیں خان..." گل آویزہ نے اس بار قدرے اعتماد سے جواب دیا۔ "بس اتنا وقت اور دے دیں کہ خان بیگم کی نفرت کو محبت میں بدل دوں..."

"اور تب تک اپنی محبت کا کیا کروں...؟" وہ اس کی لٹ سے کھیل رہا تھا۔ گل آویزہ کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگیں۔

"انتظار نہیں کریں گے...؟" اس نے درخواست کے انداز میں پلکیں اٹھا کر سوال کیا۔

"نہیں کر سکتا گل آوی... خدا کی قسم نہیں کر سکتا..." اسجد کا فوری جواب اتنا بے ساختہ تھا کہ ہنسی چھپانے کے لیے گل آویزہ نے منہ پھیر لیا' لیکن یہ ہنسی طنزیہ تھی' منہ پھیرے وہ سوچ رہی تھی... ایسے ہی تو تمہارے حرص و ہوس کی پول کھلے گی خان...

"بولو نا آوی..." اسجد نے اس کا چہرا اپنی جانب کیا۔

"جائیں خان... نوری اور بانو دیکھ لیں گی۔" وہ گھبرا کر باہر دیکھنے لگی۔

"تم بھی باہر چلو۔ بہت پیاری جگہ ہے۔"

"نہیں خان... اب چلتے ہیں۔ خان بیگم کو پتا چل گیا تو..." اس نے اپنی کاجل بھری سیاہ آنکھیں اوپر اٹھائیں تو وہ جیسے ہار مان گیا۔

"تو ٹھیک ہے' پہلے وعدہ کرو' پھر جاتا ہوں۔" اس نے اپنی ہتھیلی گل آویزہ کے سامنے پھیلائی۔ "ملو گی نا...؟"

"ہوں۔" اس نے ہولے سے اقرار میں سر ہلایا۔

"ایسے نہیں..." اسجد نے ابرو سے اپنے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا تو گل آویزہ نے جھجکتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔

"گڈ گرل..." وہ مسکرایا۔ "تو ہم کہاں ملیں گے...؟"

"میں بتا دوں گی آپ کو..." اس کا گھبرایا لہجہ منت بھرا ہو گیا۔ اسجد نے خاصی دلچسپی سے اس کا پریشان چہرا دیکھا اور ہنس پڑا۔

"اوکے۔ ٹھیک ہے۔" انگلی کی پور سے اس کا گال ہولے سے چھوا اور باہر نکل آیا۔

شادی والے گھر میں تو خوب رونق لگی تھی۔ کیوں کہ آج بارات کا دن تھا۔ وہ لوگ بھی ایک دن تاخیر سے پہنچے تھے۔ بس ایک رات یہاں گزار کر اگلے روز ولیمہ کے بعد واپسی کے لیے نکلنا تھا۔ خان بیگم کا میکا سیدو شریف سے ذرا آگے مضافات کے ایک گاؤں میں تھا۔ پتھروں سے بنے ان کے سادہ سے گھر کافی قدیم لگ رہے تھے۔ رہن سہن بھی خالص دیہاتی... دریائے سوات کے کنارے کھڑے پہاڑوں پر اوپر نیچے کٹاؤ والے کھیتوں کے آس پاس تھے یہ سب ہی گھر۔ مردوں کے ٹھہرنے کا بندوبست بالکل سامنے والے مکان میں تھا اور وہ حصہ جہاں گل آویزہ وغیرہ آئے صرف عورتوں سے بھرا ہوا تھا۔

"توبہ... تمہاری بہو تو چاند کا ٹکڑا ہے۔" کسی عورت نے اس کی ٹھوڑی اٹھا کر ستائشی نظروں سے خان بیگم کو دیکھا۔ انہوں نے محض مسکرا کر سر ہلایا۔ گل آویزہ کو وہ صاف اس سے خفا نظر آئیں۔ اب حالانکہ اسجد کی گاڑی میں بیٹھنے میں اس کا کوئی ہاتھ نہیں تھا، لیکن خان بیگم اپنا مزاج درست کرنے کو تیار نہیں تھیں۔ وہ خاموشی سے دوسرے کمرے میں چلی آئی۔ دلنازا کسی ماڈرن سی لڑکی کو میک اپ کروانے کے لیے پکڑ لائی۔ گل آویزہ نے خان کا لایا ہوا سرخ اور فیروزی نیا سوٹ پہنا تو لڑکی نے اس کا نہایت نفاست سے میک اپ کر دیا... تیاری کے بعد اس نے باقی زیورات کے ساتھ چاندی کی وہ سنگھار پٹی بھی نکالی جو اسجد نے اسے کپڑوں والے تھیلے میں رکھ کر بھیجی تھی۔

پانچ عدد نئے ملبوسات کے ساتھ خوب صورت سا چاندی کا یہ زیور دیکھ کر وہ حیرت سے گنگ بیٹھی رہ گئی تھی۔ سنگھار پٹی اس کا پسندیدہ زیور تھا۔ وہ جب کنواری تھی تو باقی دلہنوں کو دیکھ کر اکثر یہی سوچتی کہ اپنی شادی پر وہ بھی خوب پیاری سی سنگھار پٹی بنوائے گی، لیکن شادی ایسے حالات میں ہوئی کہ ان سب باتوں کا خیال چھو کر بھی نہیں گزرا... اور اسجد نے پہلے تحفے کے طور پر اس کی من پسند چیزیں بنا کے اسے دلا دی جیسے وہ اس کے دل کی بات جانتا ہو۔ پتا نہیں کب گل آویزہ کو دیکھ کر اس کے دل میں یہ خیال آیا تھا کہ اس کے چہرے پر سنگھار پٹی بہت سوٹ کرے گی۔ آئینے میں خود کو دیکھ کر تو وہ اپنے آپ کو پہچان ہی نہیں پائی۔ بانو نے سرخ دوپٹا اس کے سر پر جما کر اس کا گال چوم لیا۔

"تمہیں کسی کی نظر نہ لگے بھابھی... آج تو تم ہی دلہن لگ رہی ہو۔" وہ ہنس کر باہر نکل گئی اور گل آویزہ کے دماغ میں ایک خیال سا لپکا۔

"خان نے اسے دلہن کے روپ میں نہیں دیکھا تھا تو..." وہ اچانک مسکرائی۔ "تو کیوں نہ اپنے دیوانے کو تھوڑا اور دیوانہ بنایا جائے۔" کمرے سے نکل کر اس نے سب سے پہلے خان بیگم کا جائزہ لیا۔ باہر چونکہ کافی ٹھنڈ تھی تو وہ اپنے جیسی بزرگ خواتین کے ساتھ کمرے میں آتش دان کے قریب بیٹھی تھیں اور چونکہ شادی کا موقع تھا تو دور دراز کی میکے والیاں بھی بڑے عرصے بعد ایک جگہ جمع ہوئی تھیں۔ خان بیگم نہ صرف خوب مگن تھیں بلکہ اپنے مخصوص روایتی رنگ سے بالکل الگ دکھائی دے رہی تھیں۔ گل آویزہ وہاں سے تسلی ہونے پر نندوں کی طرف آئی۔ چاروں ایک ہی کمرے میں موجود تھیں اور خوب زور و شور سے تیار ہو رہی تھیں۔ وہ کچھ سوچ کر آروش کو باہر لے آئی۔

"سنو آروش... تمہارے ماما کہاں ہیں...؟"

"ماما تو سامنے والے گھر میں ہیں۔ انہوں نے مجھے یہ چیزیں دلائی ہیں۔" اس نے کھانے کی اشیاء کا تھیلا سامنے لہرایا۔

"تم گھر میں دوبارہ ان کے پاس بھیجوں... گم تو نہیں ہو جاؤ گی... راستہ معلوم ہے نا...؟"

"ہاں... پتا ہے۔" اس نے کافی سر میں جواب دیا۔ "سامنے تو بیٹھے ہیں۔"

"اچھا پھر ایک کام کرو۔" اس نے آس پاس دیکھ کر

سنگھار پٹی کا خالی ڈبا آروش کے سامان والے شاپر میں ڈالا۔ "یہ ڈبا جا کر بلا کو دے آؤ' بولو دلہن بای نے دیا ہے۔ جلدی جاؤ شاباش۔" وہ اسے لیے دروازے تک آئی۔ ڈبا اگرچہ خالی تھا' لیکن اسے پورا یقین تھا کہ اسجد اس کا پیغام آسانی سے سمجھ جائے گا۔ وہ خود اب ڈیوڑھی کے آس پاس ہی منڈلا رہی تھی۔ گل آویزہ کے ذہن میں یہ تھا کہ وہ آروش کو لیے دروازے پر آئے گا تو وہ چونکہ سامنے ہی کھڑی ہے تو اس کی مکمل تیاری دیکھ لے گا۔ اس کے علاوہ اپنا آپ اسے دکھانے کا کوئی چانس نہیں تھا کیوں کہ بارات کے ساتھ تو ان سب نے باقاعدہ برقع' چادریں اوڑھ کر جانا تھا۔ تیاری کیا خاک دکھا پاتی۔ وہ آس پاس دیکھ کر ایک مرتبہ پھر ڈیوڑھی میں آئی' لیکن بجائے اسجد کے ایک پندرہ' سولہ سال کا لڑکا آروش کو لیے دروازے پر آیا۔

"بھابھی... آپ یہ ادھر... دائیں طرف والے نیلے دروازے سے اندر چلی جائیں۔"

"جی...؟" وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔ پتا نہیں کون تھا اور یہ کیسا پیغام تھا۔

"یہ بیٹھک ہے بھابھی... آپ ادھر سے اندر چلی جائیں۔ وہاں اور کوئی نہیں ہے۔" وہ جھجک کر کہتا واپس لوٹ گیا اور گل آویزہ حیران حیران سی اس نیلے دروازے کے پاس آئی۔ ہلکا سا دھکا دیا تو دروازہ کھل گیا۔ اندر واقعی کوئی نہیں تھا وہ پریشان سی کھڑی تھی جب دوسرے دروازے سے اسجد مسکراتا ہوا اندر داخل ہوا اور چٹخنی چڑھا دی۔ گل آویزہ نے گھبرا کر دل پر ہاتھ رکھا۔ اپنی فضول پلاننگ پر جی بھر کے شرم آئی۔

"خان... اصل میں..."

"چپ..." اس نے آگے بڑھ کر گل آویزہ کے لبوں پر انگلی رکھی اور پیچھے دوسرے دروازے کی کنڈی بھی لگا دی۔ گل آویزہ اس کے ایک بازو کے گھیرے میں تھی۔ دونوں جانب سے تسلی ہو جانے پر اس نے آویزہ کو سامنے کھڑا کر کے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے۔

"تو میری دلہن' میرے لیے تیار ہوئی ہے۔ ہوں...؟" وہ بے تابی سے اس کی تیاری کو دیکھ رہا تھا۔

"آپ نے اتنا خوب صورت تحفہ دیا۔ میں نے سوچا کم از کم ایک نظر..." وہ شرم کے مارے بس یہی کہہ پائی۔

"ایک نظر کیوں...؟" اسجد نے اس کا چہرہ اونچا کیا۔ "اسجد عالم اپنی جان کو جی بھر کر دیکھے گا... ویسے بھی جان من نے آج خود بلایا ہے' پہلی مرتبہ..." وہ بہت رومانٹک ہو رہا تھا' نہ جگہ کا خیال نہ لوگوں کی پروا۔ سچ میں دیوانہ تھا۔

"جانے دیں خان... اگر کسی کو پتا چل گیا تو...!" وہ صحیح معنوں میں خوف محسوس کر رہی تھی' لیکن اسجد مسکراتے ہوئے بھرپور دلچسپی سے اسے تک رہا تھا۔

"سچ کہوں گل آویزہ... تمہارے چہرے پر تو زیور کی بھی شان بڑھ جاتی ہے... یہ سنگھار پٹی میرے اندازے سے کہیں زیادہ جچ رہی ہے تم پر... ایک منٹ..." اس نے فوراً" موبائل سامنے نکال کر اس کا ایک کلوز اپ لیا۔ "بیوٹی فل..." وہ ستائش کے انداز میں تصویر کو دیکھنے لگا۔

"لیکن خان... یہ تو..." اس نے گھبرا کر موبائل کی طرف اشارہ کیا۔ اسجد کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔ اس کی پریشانی کی وجہ فوراً" سمجھ میں آگئی تھی۔

"آج کل تو گرل فرینڈز بھی تصویر دیتے ایسے نہیں گھبراتیں' ڈونٹ وری بیگم صاحبہ..." اس نے حسب عادت گل آویزہ کا گال اپنی انگلی سے چھوا۔ "مسز کی تصویر اپنے پاس رکھنا اگر میرا حق ہے تو اس کی حفاظت کرنا میری ذمے داری ہے... اوہاں۔" بیگم صاحبہ کے نام پر اسے کچھ یاد آیا۔ بٹوے سے کچھ بڑے نوٹ نکال کر اس نے گل آویزہ کی ہتھیلی پر رکھے۔ "یہ میری دلہن کی منہ دکھائی۔"

"میں جاؤں۔" وہ ٹھیک سے خوش بھی نہیں ہو پا رہی تھی اگرچہ منصوبہ توقع سے کچھ زیادہ ہی کامیاب گیا تھا۔

"ہوں... ٹھیک ہے..." اب کیا کہتا کہ نہ چاہتے

ہوئے بھی اجازت تو دینی تھی۔ آہستہ آہستہ الٹے قدموں پیچھے ہٹتے وہ کچھ سوچ کر رکا اور دوبارہ اس کے قریب آیا۔ دونوں ہاتھ کندھوں پر جما کر سنجیدگی سے گل آویزہ کی آنکھوں میں دیکھا۔ "وعدہ یاد رکھنا گھر پہنچتے ہی اگلے پروگرام سے آگاہ کرنا میں انتظار کروں گا اور ہاں خود سے مجھے اپنے پاس بلانے کے لیے تھینکس۔" مسکرا کر کہتے وہ فوراً پلٹ گیا۔

"اوف..." اس کے جاتے ہی گل آویزہ نے ایک ڈھیلی سانس خارج کی۔ "خان اگر رنگی ہے تو اس کی بیگم بھی کچھ کم نہیں ہے..." وہ ہنس کر باہر نکل آئی۔ باراتیوں میں روانگی کی ہلچل نظر آنے لگی تھی۔ وہ دل ہی دل میں شکر پڑھتی کمرے میں گھس گئی کہ کسی کو اس عجیب و غریب ملاقات کی بھنک نہیں پڑی تھی۔

☆ ☆ ☆

"کیا بات ہے بھائی... وہ شعبان احمد کی بیٹی تو گاؤں واپس لوٹ آئی؟" ولی بخش کی آواز میں واضح طنز چھپا تھا۔

"واپس تو جانا ہی تھا... حیران کیوں ہو...؟" بلاور خوامخواہ ہنسا۔

"پر وہ بدلہ... اور..." ولی بخش اس کے اطمینان پر گڑبڑا سا گیا۔

"بدلہ بھی لے لیں گے۔ سنا نہیں تم نے جلدی کا کام شیطان کا ہوتا ہے۔" اسے بھی آج بات بے بات ہی ہنسی آ رہی تھی۔ ولی بخش نے کان کی لو کھجائی۔

"خیر... میں نے تو خان کا پیغام دینے کے لیے فون کیا تھا۔ وہ بہت غصے میں ہے بلاور... کہتا ہے اس بار اگر کوئی اس کے مشن کے آڑے آیا تو بھاڑ میں گئیں ساری مصلحتیں... اب تم سمجھ سکتے ہو اس کی گہرائی۔" ولی بخش نے گویا کچھ جتایا۔

"مجھے کیا سمجھاتے ہو۔" بلاور کی کشادہ پیشانی شکن آلود ہوئی سفید رنگت بھی سرخ پڑنے لگی۔ تڑیاں دینے والا لہجہ اسے کبھی بھی ہضم نہیں ہوتا تھا۔ "تمہارا خان ہمیشہ تو اپنے دام میں پھنس جاتا ہے... اسے کہو دوسروں سے امید لگانا پہلے اپنے اندر ایمان داری پیدا کرو۔" بلاور نے مضحکہ اڑایا، ولی بخش خاموشی سے سننے پر مجبور تھا۔ لومڑی کی فطرت رکھنے والے یوں بھی جذباتی رد عمل ذرا کم ہی ظاہر کرتے ہیں... مطلب نکلوانے اور نفع نقصان کے چکر میں بے غیرتی کی حد تک بہت کچھ سہہ جاتے ہیں۔

"یاد رکھو ولی بخش..." بلاور نے اپنی بات جاری رکھی۔ "دوستی ہو یا دشمنی وفاداری ہو یا غداری... آدھی ادھوری ہو تو زیادہ دیر چلتی نہیں ہے۔ مجھ سے گٹھ جوڑ کر کے تمہارا خان اگر آدھا سچ اپنے تک ہی رکھے گا تو لکھ لے کہ ناکامی اس بار بھی اس کا مقدر بنے گی اور بلاور خان کے کندھے پر رکھ کر بندوق چلانے والے کی بندوق ویسے بھی چلتی نہیں ہے۔ آگے ان کی مرضی..." بلاور ہرگز کسی دباؤ کا شکار نظر نہیں آتا تھا۔ ولی بخش نے سوچنے کے لیے کچھ وقت لیا۔

"اس بار وہ جو منصوبہ بنائے بیٹھا ہے... بنا تمہاری مدد کے پورا ہونا ناممکن ہے۔" بلاور کو تجسس سے زیادہ خطرے کی بو آنے لگی۔

"ایسا کیا سوچ کر بیٹھا ہے...؟"

"پہلے تم بتاؤ... اس گل آویزہ کے بارے میں کیا سوچتے ہو؟"

"سوچنا کیا ہے۔ تین مرتبہ دھوکا کھا کر بیٹھا ہوں۔ بلاور خان کو ایک مرتبہ دھوکا دینے والا کوئی پیدا نہیں ہوا، تین بار کا زخم تو ناقابل معافی ہے... باقی بدلے کی پہلی اینٹ تو میں رکھ بھی چکا۔ بھلے سے وہ مہارانی واپس لوٹ گئی، لیکن اسے تم یونہی مت دیکھنا۔ بڑی تیز چیز ہے... کچھ نہ کچھ طے کر کے ہی گئی ہوگی۔ حساب کتاب کے کھیل میں خان بیگم کو بھی مات دینے والوں میں سے ہے۔"

"تو کیا وہ اسجد خان سے بدلہ لینے والی ہے۔" ولی بخش نے اندازہ لگایا۔

"اسجد خان کے کھاتے میں قصور اتنے ہیں میرے بھائی کہ بدلہ لینے والوں کی قطار لگی ہے۔" بلاور نے ایک شرارتی قہقہہ لگایا۔ "بس یار، تمہارا خان مار نہیں

کھائے گا۔ اس کی آدھی ادھوری منصوبہ بندی سے اسجد بچ بھی گیا تو پیچھے کھڑی قطار سے نہیں بچ پائے گا۔ ویسے جہاں تک میرا خیال ہے تو وہ ناگن ہی کافی ہے اسے ڈسنے کے لیے۔ جسے اسجد خان اپنی آستین میں پال رہا ہے۔" وہ اب بات بے بات قہقہے لگا رہا تھا اس مرتبہ ولی بخش نے بھی اس کا ساتھ دیا۔

"یہ بھی تمہاری مہربانی ہے۔ تم ہی نے باندھی تھی ناگن اس کے گلے سے۔"

"بس تو پھر دیکھتے جاؤ کہ یہ مہربانی کیا گل کھلاتی ہے۔"

☼ ☼ ☼

آسمان آج پھر گہرے کالے بادلوں سے بھرا تھا۔ گل آویزہ نے ایک نظر اوپر اٹھا کر دیکھا۔ بارشوں کا دوسرا سلسلہ شاید آج سے شروع ہونے والا تھا۔ جمال بی بی، نسیمہ اور رحیمہ کافی دیر پہلے ہی اپنے کمرے میں سونے کے لیے چلی گئی تھیں اور وہ۔ ایک آہٹ اور کھٹکے کے انتظار میں بڑی سی شال لپیٹے برآمدے کی سیڑھیوں پر آبیٹھی، لیکن انتظار کی ان گھڑیوں میں نہ کوئی سحر انگیزی تھی نہ کوئی مسحور کن تصور، بلکہ اسے تو بہت سارے الجھے، بگڑے، ٹوٹے پھوٹے خیالات میں سے ایک عمدہ، قابل عمل اور جامع منصوبہ کشید کرنا تھا۔ بھلے اسجد بہت سیدھا تھا، لیکن بے وقوف ہرگز نہیں تھا۔ آسانی سے ہضم کیے جانے والا مضبوط بہانہ سوچتے اسے صحیح معنوں میں ٹھنڈا پسینہ آگیا۔ کچھ دور بلاشبہ وہ کسی دروازے کے بند ہونے اور کنڈی لگانے کی آواز آئی تھی۔ یقیناً" اسجد نے ڈیرے اور اصطبل کا درمیانی دروازہ بند کیا تھا اور اب وہ کسی بھی لمحے حویلی کے اس پچھلے دروازے پر آنے والا تھا۔ وہ فوراً" بھاگ کر دروازے کے نزدیک آئی اور دیوار سے لگ کر کھڑی ہو گئی تب ہی اسجد اصطبل کا دروازہ کھول کر حویلی میں داخل ہوا۔

"خان۔۔۔" گل آویزہ نے ہلکی سرسراتی آواز میں اسے پکارا تو وہ بری طرح چونک کر مڑا۔ "ارے تم یہاں کھڑی ہو۔"

"خان! مجھے آپ سے بات کرنی ہے، لیکن یہاں نہیں۔۔۔ میرا مطلب ہے ہم ادھر اصطبل میں جاتے ہیں۔" وہ بات مکمل کرکے بنا اس کے جواب کا انتظار کیے خود ہی اصطبل میں داخل ہو گئی۔ مجبوراً" اسجد کو بھی پیچھے جانا پڑا۔

"کیا بات ہے آوی۔۔۔ یہاں کیوں۔۔۔؟" جانے اتنی ٹھنڈ میں کھلے آسمان کے نیچے وہ کیا بات کرنا چاہ رہی تھی۔ اسجد تو اس کے کمرے میں جانے کے نرم گرم خیالات لیے حویلی میں داخل ہوا تھا، لیکن۔۔۔ گل آویزہ نے بنا اس کی حیرت کی پروا کیے دروازے کی کنڈی بھی لگادی، یعنی اب وہ دونوں اصطبل کے کھلے صحن میں کھڑے تھے۔

"ہوا کیا ہے یار۔۔۔" اسجد نے اضطراری کیفیت میں اس کا بازو تھاما۔ وہ بھی اب اس پراسراریت کے زیر اثر سرگوشی کے انداز میں بولنے لگا تھا۔

"خان وہاں چھپر کے نیچے چلتے ہیں۔ یہاں واقعی بہت ٹھنڈ ہے۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑے چھپر کے نیچے آگئی۔ لکڑی کے سانچے پر تیار کیا گیا یہ اصطبل کافی مضبوط اور کشادہ تھا۔ بڑی چھت کے ایک کونے میں لکڑی کی مدد سے مزید دو چھوٹے کیبن نما کمرے بنے ہوئے تھے سردی سے بچنے کے لیے، جو گھوڑوں کی یقیناً" ایک پرسکون جائے پناہ تھی۔ دوسرے کونے میں بھوسے کے دو بڑے ڈھیر لگے تھے۔ ایک طرف بانس کی سیڑھی، کچھ ڈول اور چارہ وغیرہ اٹھانے کے لیے لکڑی کے چند بیلچے۔ وہ اسے لیے بھوسے کے نزدیک آگئی۔

"تمہارے کمرے میں کوئی ہے کیا۔۔۔؟" اسجد کو پہلا خیال یہی گزرا کہ گل آویزہ کی گھبراہٹ کچھ ایسا تاثر دے رہی تھی۔

"ہے تو نہیں۔۔۔ لیکن آپ یہی سمجھیں۔" گل آویزہ کو بات شروع کرنے کا جواز مل گیا۔ وہ اب اس کے سامنے کھڑی اس کی سیاہ بولتی پرشوق آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ "اصل میں خان میں آپ سے یہ کہنا

چاہتی تھی کہ میرے کمرے میں ہم نہیں مل سکتے" کیوں کہ اکثر رات کو کسی بھی وقت خان بیگم یا زرمین باجی یہاں کا چکر لگالیتی ہیں۔" اس نے کافی روانی سے جھوٹ بولا حالانکہ اس طرف کبھی کسی نے جھانکا تک نہیں تھا۔

"تو ہم یہاں اصطبل میں ملیں گے....؟" حیرت سے اسجد کی آواز اونچی ہوگئی۔ گل آویزہ نے بے ساختہ اپنا ہاتھ اس کے منہ پہ رکھا۔

"آہستہ خان...." وہ جھنجلائی۔ اسجد کا غصہ، حیرت سب ہی پل میں کافور ہوئے۔ بے اختیار کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے خود سے قریب کیا۔

"نزدیک ٹھہو گی تب ہی تو آہستہ بولوں گا نا.... ہوں.... اب بولو کیا کہہ رہی تھیں۔" وہ انتہائی غیر سنجیدگی سے مسکرا رہا تھا۔ گل آویزہ نے خیالوں میں اپنا ماتھا پیٹا۔

"یہی کہ ہم وہاں نہیں ملیں گے.... میں نہیں چاہتی کوئی آپ کو وہاں سے نکلتے یا داخل ہوتے دیکھ لے۔" اسجد کی قربت میں اسے سخت شرم آرہی تھی۔

"تو پھر.... میرا امتحان لینا ہے بیگم صاحبہ کو....؟" اس نے ابرو اٹھا کر مصنوعی خفگی سے گھورا۔

"ہوں...." گل آویزہ نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ قدرے شرارت سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"اچھا.... تو پھر یہ چلا میں سب کو بتانے...." وہ سچ مچ تھوڑا دور ہوگیا۔

"نا۔ نا خان.... وہ گھبرا کر اس کے شانے سے لگی۔" میری توبہ.... بس یہ نہیں کرنا۔"

"تو پھر کیا کروں میری جان.... تم ہی بتاؤ۔" وہ اس کے بالوں میں نرمی سے انگلیاں چلا رہا تھا۔

"اگر آپ کہیں تو.... میں اسی راستے سے کبھی کبھار خود ڈیرے پر آجایا کروں۔" گل آویزہ نے بہت ہمت کر کے بالآخر اپنے مقصد تک رسائی حاصل کی.... اسجد ایک دم خاموش ہوا تھا۔ بالوں میں چلتا ہاتھ بھی رک گیا۔ گل آویزہ سانس روکے اس کے سینے سے لگی جواب کی منتظر تھی۔

"کبھی کبھار کیوں.... روزانہ کیوں نہیں....؟" اسجد نے کچھ دیر بعد بڑے ہی ہلکے پھلکے انداز میں سوال کیا تو گل آویزہ نے ایک سکون بھرا سانس چھوڑ کر پلکیں بند کیں۔

"پہلی کامیابی...."

"اور آج....؟" اسجد نے کسی امید پر تھوڑی اونچی کر کے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ گل آویزہ نے شرما کر نفی میں سر ہلایا۔

"یہ کیا بات ہوئی....؟" اسجد نے اس کی کلائی پر دباؤ بڑھایا۔

"ابھی جانے دیں خان.... لگتا ہے بارش بھی ہونے والی ہے۔" دور سے کبھی کبھار بجلی کی چمک کے ساتھ بادلوں کی گھن گرج جاری تھی۔

"اچھا ہے نا.... تیز بارش ہوجائے تو دونوں یہیں رکنے پر مجبور ہوجائیں گے۔" اس کا شوخ موڈ عروج پر تھا۔

"دیکھو یہاں کا ماحول۔ دو پیار کرنے والوں کے لیے اس سے رومانٹک جگہ اور کیا ہوگی.... آؤ نا۔ کچھ دیر یہاں بیٹھتے ہیں۔" اسجد نے بازو کے گھیرے میں لے کر اسے اپنی طرف موڑا اور تب ہی بارش شروع ہوگئی۔ بے ساختہ اس کا دھیان بٹا اور گل آویزہ نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنا آپ چھڑوایا.... جب تک اسجد سنبھلتا وہ کھلکھلاتی ہوئی درمیانی دروازے تک بھاگ گئی۔ لیکن اندر داخل ہونے سے پہلے ایک بار اسے مڑ کر دیکھا۔

"کل ٹھیک اسی وقت آؤں گی...." اور ہاتھ ہلا کر اندر چلی گئی۔ اسجد نے ہنس کر ہار مانی کہ یہ بھی محبوب کی ایک ادا تھی۔

☆ ☆ ☆

"خان۔ آج ڈیرے پر سوئیں گے....؟" وہ لیپ ٹاپ پر جھکا ہوا تھا جب بابر اندر داخل ہوا۔ اسجد نے چونک کر گھڑی دیکھی۔ گل آویزہ کے آنے میں ایک

گھنٹا بجا تھا۔

"نہیں۔ میں گھر جاؤں گا لیکن ذرا دیر سے۔۔۔ اور۔۔۔" وہ ذرا دیر کو رکا۔ "ڈیرا آج بند رہے گا بلکہ میں خود بند کر کے اندر کی طرف سے چلا جاؤں گا۔۔۔ تم یوں کرو۔۔۔ جو جو اپنے گھر جانا چاہتا ہے اسے بھیج دو اور جو یہاں ہیں ان سب کو گودام کی طرف بھیج دو۔ دیکھ لینا کتنے بندے رکیں گے۔"

"جی خان۔۔۔" بابر نے ہدایات غور سے سنیں۔ "رستم اپنے گھر جانے کا کہہ رہا تھا۔۔۔ باقی حاضر جان' داؤ داور میں گودام کی طرف چلے جاتے ہیں۔ یہ چابیاں آپ رکھ لیں۔" وہ ایک گچھا اس کی طرف بڑھا کر باہر نکل گیا۔ اسجد نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بازو سیدھے کیے۔ مسلسل ایک ہی پوزیشن میں کمپیوٹر پر کام کرتے کندھوں میں کھچاؤ کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر لیپ ٹاپ آف کیا اور مسکرا کر کچھ سوچتے ہوئے نچلا لب دانتوں میں دبایا۔ وہ نشاط جان۔۔۔ ابھی کچھ دیر میں خود اس کے پاس آنے والی تھی۔ اسجد نے ایک خیال کے آتے ہی چابیاں اٹھائیں اور شال لپیٹ کر باہر آ گیا۔ سب سے پہلے بڑے گیٹ کو اندر سے لاک کیا پھر ڈیرے کے سب ہی کمروں کے لاک وغیرہ کی تسلی کرتا واپس برآمدے میں آیا۔ چابیاں رکھ کر دوسری سمت میں آیا اور بالترتیب اصطبل اور حویلی کے دونوں درمیانی دروازے بھی کھول دیے تاکہ گل آویزہ بنا کسی مشکل کے سیدھی ڈیرے پر آ جائے۔

واپس کمرے میں آیا تو موبائل پر فراز کے دو پیغام آئے ہوئے تھے وہ اسے آن لائن ہونے کو کہہ رہا تھا۔ اسجد نے گھڑی پر وقت دیکھا۔ آدھا' پون گھنٹا ابھی بھی تھا اس کے پاس اس نے دوبارہ لیپ ٹاپ آن کر لیا۔۔۔ کمرے میں ہلکا نیلا نائٹ بلب جل رہا تھا۔ کچھ روشنی کھڑکی سے آ رہی تھی کیونکہ گیٹ کا پیلا بلب اس نے جلتے رہنے دیا تھا۔۔۔ جانے بات چیت میں کتنا وقت گزر گیا۔۔۔ اسے اچانک ہی خیال آیا ٹائم تو سوا گیارہ سے بھی اوپر ہو گیا تھا۔ جانے گل آویزہ اب تک کیوں نہیں آئی تھی۔ وہ قدرے تشویش سے باہر نکلا۔ اصطبل کا دروازہ داہنی طرف تھا۔ وہ کمرے سے نکل کر دائیں طرف مڑا پھر ٹھٹک کر رک گیا۔ برآمدے کے بائیں جانب کسی کے ہونے کے احساس نے اس کے قدم روکے تھے۔ جانے آنکھ کا دھوکا تھا۔ وہم۔ یا واقعی کوئی وجود فوراً پلٹا۔ دو ستون چھوڑ کر تیسرے کے قریب کوئی تھا۔

"کون ہے۔۔۔؟" وہ بے خوفی سے آگے بڑھا۔۔۔ تب ہی ستون کے پیچھے ایک نارنجی آنچل لہرایا۔۔۔ وہاں کوئی لڑکی کھڑی تھی اس کی طرف پیٹھ کیے۔ وہ مسکراتا ہوا آگے بڑھا یقیناً گل آویزہ اسے تنگ کر رہی تھی۔۔۔ لیکن۔۔۔ مدھم روشنی میں آگے بڑھتے وہ ایک دم ٹھٹکا۔۔۔ وہ گل آویزہ کیسے ہو سکتی تھی۔۔۔ پیٹھ موڑ کر کھڑی اس لڑکی نے باریک اورنج دوپٹا صرف گلے میں لیا ہوا تھا۔ اس کا لمبا بل کھاتا پراندہ کمر تک آ رہا تھا۔۔۔ وہ جدید طرز کی انتہائی چست قمیص پہنے ہوئے تھی ایک کان میں جھولتی بالی اور چہرے کے نقوش کو تقریباً چھپاتی وہ ایک لمبی لٹ۔۔۔

"ص۔۔۔ صنوبر۔۔۔" اسجد کے لبوں سے بے ساختہ پھسلا۔ خوف کی لہر جیسے پورے بدن میں دوڑ آئی۔ "کون ہے۔ سامنے آؤ۔" وہ وہیں رک گیا تھا۔ مزید آگے بڑھنے کی اسجد نے اپنے قدموں میں طاقت ہی محسوس نہیں کی۔

ہاں وہ صنوبر تھی۔۔۔ تب ہی وہ مڑی اور آہستہ آہستہ اسجد کے قریب آنے لگی۔ اور پھر اندھیرے سے اس کا چہرا روشنی میں آیا۔

"تم۔۔۔" اسجد کے لبوں سے بے ساختہ پھسلا "تم۔۔۔ اس ڈریس میں۔"

"صنوبر کو کتنا جانتے تھے خان۔۔۔" گل آویزہ آنکھوں میں وحشت لیے اس کے بالکل سامنے بہت قریب کھڑی تھی۔ "کیوں مجھ پر اس کا دھوکا ہوا۔۔۔ کیوں۔۔۔؟" وہ جنونی سی ہو رہی تھی۔ اسجد اس کی کیفیت سے کچھ بھی اخذ نہیں کر پا رہا تھا۔

"وہ یہاں آتی تھی خان۔۔۔؟ آپ سے ملنے۔۔۔

ڈیرے پہ... بولیں خان جواب دیں۔" وہ اس کے گریبان میں ہاتھ ڈالے پاگلوں کی طرح سوال کر رہی تھی۔

"پہلے تم مجھے بتاؤ... تم اس کے حلیے میں یہاں کیوں آئی ہو کیا جاننا چاہتی ہو۔" اسجد نے زبردستی اپنا گریبان چھڑوالیا۔

"اب اور کیا رہ گیا ہے جاننے کو۔" گل آویزہ کی آنکھوں سے شرارے نکل رہے تھے۔ "اس رات کیا ہوا ہوگا یہاں اس کے ساتھ اب صاف صاف دکھائی دے رہا ہے۔ نارنجی سوٹ میں اس رات... وہ آپ سے ملنے آئی تھی نا... بولیں خان وہ آپ ہی تھے نا... گل آویزہ اس وقت ہرگز اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔ اسجد کا شخص اس کی ایک جھلک دیکھ کر صنوبر کہنا اسے بہت کچھ سمجھا گیا تھا۔

"ہاں... ہاں... وہ میں ہی تھا... جس سے ملنے وہ رات کو یہاں آئی تھی... میں تھا وہ..." اسجد نے آگے بڑھ کر اس کی کلائی کو سختی سے اپنی گرفت میں لیا۔ "لیکن میں تم سے پوچھتا ہوں... تم یہاں یہ سب جاننے کیوں آئی ہو۔"

"کیوں آئی ہو...؟" وہ پوری شدت سے چلائی۔ "وہ بہن تھی میری مجھے حق ہے یہ جاننے کا کہ یہاں دشمن قبیلے میں اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔"

"تم اب بھی اسے "دشمن قبیلہ" سمجھتی ہو... اب بھی...؟" اسجد کے لہجے اور چہرے پہ بے یقینی رقم تھی۔ "کیا تم یہی جاننے یہاں آئی تھیں... بولو گل آویزہ... کہو کہ یہ جھوٹ ہے' مذاق ہے۔" وہ اسے شانوں سے پکڑ کر جھنجوڑ رہا تھا۔ "کہو کہ تم مجھے دھوکا نہیں دے رہی تھیں۔ مجھ سے پیار کرتی ہو تم... بولو گل آوی..." جانے کیوں وہ دیوانہ سا ہو رہا تھا۔

"اس رات کیا ہوا تھا خان... کیسے مر گئی میری بہن... بتائیں خان..." وہ تو اور کچھ سن ہی نہیں رہی تھی۔

"دھوکے باز تھی وہ... جھوٹی تھی..." اسجد پھٹ پڑا۔ "تم سب جھوٹے ہو۔ سب ایک ہو۔ میری بھول تھی آویزہ جو میں نے تمہیں بھروسے اور محبت کے لائق سمجھا۔"

"تو وہ آپ کی زیادتی کا شکار ہوئی تھی خان..." وہ ایک بار پھر کسی خیال سے چیخی۔ "آپ نے اسے بھی استعمال کیا... اور پھر مار دیا... مجھے بھی مار دیں... مار ڈالیں مجھے۔" وہ بنا سوچے بولتی جا رہی تھی۔

"مت کرو مجھ سے اور سوال..." اسجد نے زبردستی پیچھے دھکیلا۔ "چلی جاؤ یہاں سے..." وہ اپنی جلتی پیشانی کو ہاتھ سے مسلتا خود ہی کمرے میں چلا گیا۔ جیسے فرار چاہتا ہو گل آویزہ کی باتوں سے اور وہ تھکے تھکے قدموں سے حویلی کی طرف بڑھ گئی۔

☼ ☼ ☼

سارے راستے بند ہو جائیں' تب بھی کہیں کوئی کھڑکی کوئی راستہ ضرور ایسا ہوتا ہے جو آگے بڑھنے کے امکانات کی راہ ہموار کرتا ہے۔ وہ ابھی مایوس نہیں ہوئی تھی۔ اگرچہ ڈائری پڑھنے کے بعد جذبات دہکتے آتش فشاں جیسے ہو گئے تھے لیکن روبیدہ سے ملنے کے بعد اچھی امید کا بادل ضرور سر پر آٹھہرا تھا پر اب... امید کا آخری دیا بھی بجھ گیا تھا۔ آگے بڑھنے کی راہ میں اب سوائے کانٹوں کے کچھ نہیں رکھا تھا۔ لیکن گل آویزہ نے اس بار اپنے دل اپنے جذبات کی مکمل نفی کرنے کا تہیہ کر لیا... دل تو مردہ ہو ہی چکا تھا۔ کم از کم بہن ہونے کا حق تو ادا کر دے۔

صنوبر کے قاتل کو بے نقاب کرنے کا سفر اب ہرگز طویل نہیں رہا تھا۔ وہ مان رہی تھی کہ اس سے عجلت میں ذرا سی بھول ہو گئی تھی۔ ذرا سا جذبات پر قابو رکھتی تو اس ڈرامے کا اختتام سراسر کامیابی پر ہوتا تھا۔ لیکن بس' پھر وہی دل اور اس کی بے تابیاں... وہ بیچ راہ میں ہمت ہار بیٹھی تھی۔ ورنہ جس وقت اسجد نے اسے صنوبر سمجھنے کی بھول کی تھی وہ اپنے حواسوں میں رہ کر خان سے ٹھنڈے ٹھنڈے ہر بات اگلوا لیتی اور اسے یہ احساس بھی نہ ہونے دیتی کہ وہ دراصل یہاں صنوبر کے قتل کا معمہ حل کرنے آئی ہے۔ جس

معاملے کو پیار محبت کے ماحول میں ذرا سی ہوشیاری کے ساتھ حل کیا جاسکتا تھا۔ اسے غصے اور تکلیف کی وجہ سے خود ہی بگاڑ بیٹھی تھی۔

خان اب اس کے ساتھ کیا کرنے والا تھا یہ تو وہ نہیں جانتی تھی۔ گاؤں سے نکالا جانا' تشدد' طلاق' موت۔۔۔ بدلے کی لغت میں یہاں سب درج تھا۔۔۔ لیکن وہ بھی اپنی ساری کشتیاں جلائے بیٹھی تھی۔۔۔ اب تو اپنی ذات سے آگے بڑھ کر سوچنا تھا اور سوچ تو اس نے لیا تھا۔۔۔ رویدہ کے مطابق یہاں ایک بھابھی ایسی ہے جو ساری حقیقت سے آگاہ ہے' اسجد نے اگر اپنے منہ سے مزید کچھ نہ بتانے کی قسم کھالی تھی تو کیا ہوا۔ وہ بھابھی یقیناً" اس رات کے حوالے سے بھی کچھ نہ کچھ ضرور جانتی ہوگی۔

اب فی الحال وہ ہر طرف سے اپنا ذہن ہٹا کر صرف اس عورت کے متعلق سوچ رہی تھی جس نے ایک رات صنوبر اور اسجد کو باغ میں ملتے دیکھا تھا۔

اورنگ زیب چچا کے دو بیٹے تھے نصیب خان اور خیال خان۔ دونوں شادی شدہ تھے لیکن اگر بھابھی کا تعلق اس گھر سے تھا تو وہ صرف جبین ہی ہوسکتی تھی کیونکہ چھوٹی بھابی سلمیٰ محض ایک سال پہلے بیاہ کر آئی تھی۔ اور قربان چاچا کے چار بیٹوں میں سے صرف دوسرے نمبر والا زمان خان ہی شادی شدہ تھا۔ جس کی بیوی ناز بھابھی تھی۔۔۔ بخت گل نے اب تک شادی ہی نہیں کی تھی اور چھوٹے لائق محمد اور گل نواز بالترتیب دلنازا اور نورینہ کے منگیتر تھے۔۔۔ لہٰذا تین بھابیوں میں سے اگر کسی ایک کا انتخاب کیا جاتا تو لا محالہ وہ بھابھی ناز ہی بنتی تھی جس نے ان دونوں کو باغ میں ملتے دیکھا تھا کیونکہ ایک ان ہی کا گھر ایسا تھا جس کا ڈائریکٹ دروازہ باغ میں کھلتا تھا۔۔۔ نقشے کے حساب سے جبین بھابھی کا گھر باغ سے بہت دور تھا۔ رات کے وقت ان کے باغ میں آنکلنے کا امکان تقریباً" ناممکن تھا۔ یعنی اب یہ طے تھا کہ اس نے سیدھے ناز بھابھی سے بات کرنی تھی۔

"ارے بھائی۔۔۔ کچھ بتاؤ گے کہ کیا ہوا ہے۔۔۔ کیوں دل ہولا رہے ہو۔" فراز کے حقیقتاً ہاتھ پیر پھول گئے تھے۔ اس کا بہادر، شیر دوست رو رہا تھا فون پہ۔۔۔

"اسجد خدا کے لیے، میرا دل بہت چھوٹا ہے۔۔۔ نہ کریار۔" فراز باقاعدہ منت کرنے لگا۔

"تم آجاؤ۔" اسجد نے سنجیدگی بلکہ بے بسی سے حکم دیا تھا اب اس نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ جانے کیوں فراز کی آواز سنتے ہی دل بھر آیا تھا۔

"آج ہی نکل پڑتا ہوں۔ پریشان کیوں ہوتے ہو، لیکن کچھ تو بتاؤ، اچانک ایسا کیا ہوا۔ رات تو اتنے اچھے موڈ میں چیٹ کررہے تھے۔"

"جس کی وجہ سے خوش تھا اسی نے برباد کر ڈالا۔" وہ جانے کتنی تکلیف سے مسکرایا تھا۔

"کیا وہ میسج والی۔۔۔؟" فراز چونکا۔ "کیا وہ دوبارہ ملی تھی پر تم نے بتایا نہیں۔" فراز کے حساب سے تو بس وہیں شادی میں اس نے ایک حسینہ کو دیکھا جو اس کی مدد کرنے آئی تھی۔۔۔ دوبارہ اسجد نے اس کے حوالے سے کوئی بات نہیں بتائی تھی اور آج اچانک اس کا دوست اتنا ٹوٹا بکھرا ہوا سا۔۔۔ فراز کو اپنے سارے کام ساری مصروفیات پل میں بھول گئیں۔۔۔ یاد رہا تو بس جلد از جلد اس تک پہنچنا اور اسے تسلی دینا۔۔۔ دل سے بے ساختہ دعا نکلی کہ کاش معاملہ زیادہ سنجیدہ نوعیت کا نہ ہو۔

☆ ☆ ☆

"خان کا پیغام ہے بلاور۔۔۔"

"صرف پیغام یا کوئی سودے بازی۔۔۔" بلاور کے ابرو کھنچ گئے۔

"سودے بازی کہہ لو، زیادہ بہتر رہے گا۔" ولی بخش سنجیدہ ہی رہا۔ "فائدہ البتہ ففٹی ففٹی کا ہے۔"

"ہوں۔۔۔ بولو۔۔۔ میں دیکھ لیتا ہوں۔" بلاور بھی اناڑی نہیں تھا اس کھیل میں۔

"اسجد عالم کا سر۔"

"اور بدلے میں۔۔۔"

"بدبخت۔۔۔ اس کی بہن۔" ولی بخش کی دو ٹوک سودے بازی نے بلاور کو لمحے کے لیے ہلا ہی ڈالا۔

"دیکھو ولی۔۔۔ مذاق کسی اور وقت۔۔۔ میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا اس مرتبہ سودا ہوگا پورے سچ کے ساتھ۔۔۔ مجھ سے ہیرا پھیری نہ ہی کرو تو بہتر ہوگا۔"

"سولہ آنے سچ ہے بھائی۔۔۔" ولی بخش جھنجلایا۔

"دال برابر بھی جھوٹ نکلے تو پہلے میرا سر قلم کرنا۔"

"ایک منٹ مڑے۔۔۔" بلاور کی کنفیوژن بھی عروج پر تھی۔ "سودے بازی کا مطلب بھی سمجھتا ہے۔۔۔ مجھے کیا الو سمجھ رکھا ہے۔۔۔ جان بھی اسجد خان کی جائے گی اور بہن بھی اس کی ونی ہوگی۔ ایسا کس کتاب میں لکھا ہے۔" بلاور کے دماغ کا میٹر بری طرح گھوم گیا تھا۔

"تم ایک بار آرام سے بات تو سن لو۔۔۔ کیوں بھاگتی ٹرین میں سوار ہو رہے ہو۔۔۔ سنو اب۔۔۔" ولی کا انداز اچانک سرگوشی بھرا ہو گیا۔ "ہم تمہیں اسجد کے شہر جانے کی اطلاع دیں گے تم چھپ کر اس کا کام تمام کردینا۔۔۔ ہم اگلے دو دنوں میں بدلے کے طور پر تمہاری طرف کا کوئی آدمی ماردیں گے۔۔۔ بس پھر جیسے ہی تمہاری باری آئے سر کے بجائے ونی میں اسجد کی بہن مانگ لینا۔۔۔ زیادہ سے زیادہ دو تین مہینے انتظار کرنا پڑے گا۔۔۔ اب بول۔" ولی بخش نے بے رحمی کی حد کردی۔ بلاور کی موٹی عقل نے بھی پلان قبول کرلیا۔ ویسے بھی اس بار اگلی پارٹی کی طرف سے دھوکے کا امکان بہت کم تھا۔ دو سال پرانی چوٹ دونوں ہی اب تک نہیں بھولے تھے۔

"تو پھر سودا پکا۔۔۔" ولی بخش کو حامی بھروانے کی جلدی تھی۔

"کچھ وقت کا اندازہ ہے کہ کب تک۔۔۔"

"بس اگلی ہی بار۔۔۔ جب بھی اسجد کسی شہر جائے۔ تم اپنی طرف سے تیار رہو۔ کیا پتا کل ہی۔۔۔"

"ہوں۔۔۔ ٹھیک ہے۔" بلاور نے پرسوچ ہنکارا بھرا۔

☆ ☆ ☆

"خان بیگم..... میں نے سب کی طرف حلوہ بانٹ دیا ہے۔ ابھی بس نہال لالہ کی طرف جانا ہے۔" نسیمہ نے تمہید باندھی۔

"وہ..... میں بھابھی کو ساتھ لے جاؤں۔؟"

"ہائیں..... کیوں.....؟" خان بیگم نے تیوری چڑھائی تو نسیمہ نے گھبرا کر تھوک نگلا۔ "وہ اس روز دلشادے چاچی اور ناز بھابھی آپس میں کہہ رہی تھیں کہ خان بیگم اپنی بہو کو کہیں بھی بھیجتی نہیں ہیں..... میں نے سوچا تھوڑی دیر کے لیے بھابھی بھی ہو آتی تو.....

"ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے۔" خان بیگم نے بیچ میں ٹوکا۔ "ولیکن نوری، بانو میں سے کسی کو ساتھ لیتی جاؤ۔ اور دیکھ، جلدی آنا۔"

"جی خان بیگم۔" وہ اتنی جلدی کام ہو جانے پر تیزی سے پلٹی گل آویزہ کو بتایا تو اس نے فوراً" شال اوڑھی.....

کچھ دیر پہلے اسی نے نسیمہ کے کان میں بات ڈالی تھی کہ گھر بیٹھے اداس ہو گئی ہوں..... ذرا ناز بھابھی تک چل لیکن خان بیگم سے میرا نام مت لینا۔ اور وہ بے چاری فوراً" باتوں میں آ گئی۔ نورینہ کو خان بیگم کے حکم پر ساتھ لے جانا پڑا لیکن وہ اور نسیمہ حسب عادت اسے چھوڑ کر باغ کے حصے میں نکل گئیں۔ دلشادے چاچی کی طبیعت کچھ خراب تھی وہ آرام کر رہی تھیں..... گل آویزہ نے شکر پڑھا بھلا اس سے اچھا موقع اور کیا ہو سکتا تھا۔ وہ ذہن میں جملے ترتیب دے رہی تھی جب ناز بھابھی چائے لیے کمرے میں داخل ہوئیں۔

"تم تو بالکل بھی کہیں آتی جاتی نہیں ہو۔ حالانکہ ہم تو اکثر ہی سہ پہر کے وقت ایک دوسرے کے گھر ہو آتے ہیں۔" چائے کا کپ گل آویزہ کے ہاتھ میں دے کر وہ خود بھی پلنگ پر اس کے قریب بیٹھ گئیں۔

"بس میں کچھ سوچ کر رک جاتی ہوں۔" اس نے گویا کارروائی کا آغاز کیا۔

"کیا سوچ کر.....؟" سیدھی سی ناز بھابھی قدرے حیران ہو گئیں۔

"دراصل ہم دوسرے قبیلے والے ہیں نا۔ مجھے نہیں پتا کہ یہاں نورزادہ چاچی، میرے یا صنوبر کے بارے میں کیا رائے پائی جاتی ہے۔"

"صنوبر.....؟" ناز بھابھی بے طرح چونکیں۔

"یہاں اس کا نام ایسے سہولت سے کہاں لیا جاتا تھا۔ پھر اس کی حیثیت بھی یہاں نورزادہ چاچی اور گل آویزہ والی نہیں تھی، لیکن وہ چپ رہیں۔

"آپ ٹھیک سوچ رہی ہیں بھابھی..... صنوبر کا نام لینا یہاں کچھ مناسب نہیں، لیکن میرا خیال ہے ہمارے گاؤں کی عورتوں کے بارے میں جو عام رائے پہلے یہاں پائی جاتی ہوگی، صنوبر والے واقعے کے بعد اس میں کافی تبدیلی آئی ہوگی۔ اب حالانکہ ہمارے ہاں تو میری بہن کو مظلوم سمجھا جاتا ہے۔ لیکن یہاں میں نے کچھ اور دیکھا ہے۔" وہ سنجیدگی سے موضوع کو

آگے بڑھانے لگی۔
"ولیکن یہاں تو اس کے موضوع پر بولتا ہی کوئی نہیں۔" وہ ازحد حیران تھیں۔
"تو ایسا کیوں ہے بھابھی... کس غیر معمولی واقعے پر بات نہ کرنے کی وجہ کیا ہے۔"
"یہاں کا رواج سمجھ لو... یہاں ایسی باتیں بس بڑے بزرگوں کی محفلوں میں زیر بحث آتی ہیں یا جرگوں میں کی جاتی ہیں۔"
"ولیکن بھابھی جرگوں اور جرگوں میں بھی اس کی موت آج تک ایک معمہ ہی ہے۔ ایسا کیوں۔؟" وہ پیچھا چھوڑنے کو ہرگز تیار نہ تھی۔
"شاید کسی کو آج تک کوئی سراغ نہیں ملا۔" انہوں نے اندازہ لگایا۔
"اور جنہیں سراغ ملا... وہ کبھی بولنے کو تیار نہیں ہوں گے۔" بہت فوری حملہ تھا۔ ناز نے بے تحاشا چونک کر گل آویزہ کی آنکھوں میں دیکھا۔ اور وہ ہلکا سا مسکرا دی۔ "میں نے اس بات کا کبھی کسی سے ذکر نہیں کیا بھابھی... آج پہلی مرتبہ آپ کے سامنے اقرار کر رہی ہوں... دراصل مجھے صنوبر نے خود ایک مرتبہ بتایا تھا... بلکہ قتل ہونے سے پہلے آخری مرتبہ جب وہ ہم سے ملنے آئی تھی۔ تب ہی اس نے مجھے بتایا تھا کہ ناز بھابھی نے مجھے اور خان کو باغ میں ملتے دیکھ لیا ہے۔ اس نے رویدہ والی تفصیلات کو گول کر کے سارا معاملہ خود پر لے لیا۔ ناز بھابی لاجواب سی بیٹھی تھیں۔ گل آویزہ نے ان کی خاموشی سے فائدہ اٹھایا۔
"کیا آپ نے بھی کبھی کسی سے اس بات کا ذکر نہیں کیا کہ یہاں کسی کے ساتھ اس کا دوستی یا محبت کا تعلق تھا۔"
"نہیں..." ناز بھابھی نے فوراً" نفی کی۔ "یہ میری مجبوری تھی۔ اور میں یہ بات آج تک کسی کو بتانے کے قابل نہیں ہوں۔ بلکہ تم بھی میری مجبوری سمجھ سکتی ہو۔" وہ پوری طرح گل آویزہ کے دام میں آگئی تھیں۔ گل آویزہ نے سانس روک لی۔ اب اسے ہر جملہ خوب سوچ سمجھ کر منہ سے نکالنا تھا۔
"کوئی بھی مجبوری انصاف سے بڑی نہیں ہو سکتی۔" اس نے ایک ڈھکا چھپا جملہ ترتیب دیا۔
"یہاں سوال میرے بچوں اور میرے مستقبل کا تھا۔ وہ اگر زمان خان سے میری طلاق کروا دیتا تو میرا پیچھے کوئی بھی نہیں ہے... جہاں میں لوٹ کر جا سکتی۔" ناز بھابھی نے بہت صاف اور واضح الفاظ میں بات کی تھی لیکن گل آویزہ کو لگا جیسے اس کے کان بجے ہوں۔
"وہ آپ کی طلاق کیوں کرواتے...؟"
"تم شاید اس کی طاقت سے ابھی واقف نہیں ہو۔" ناز بھابھی پھیکا سا مسکرائیں۔ "یہاں صرف اس کی چلتی ہے۔ اور وہی ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ اس کے خوف سے میں نے آج تک اپنے آپ سے بھی وہ بات نہیں دہرائی۔"
"آپ نے اس رات کیا دیکھا تھا بھابھی!" گل آویزہ بری طرح الجھ گئی تھی۔ سمجھ نہیں رہی تھی کیسے بنا ان اس دلائے یہ گرہ کھولے۔ بھابھی شاید احتیاطا"
"یہ وہ اس" سے کام چلا رہی تھیں کیونکہ گھر میں باقی افراد خانہ بھی موجود تھے۔
"وہ اور صنوبر درخت کے نیچے ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے بہت قریب ہو کر کھڑے تھے... وہاں اور کوئی نہیں تھا۔"
"صنوبر اور کون...؟" اس نے جھنجلا کر خود ہی سوال کر ڈالا۔
"کیا مطلب...؟" ناز نے حیرت سے اسے دیکھا۔ اس کے حساب سے تو آویزہ نام سے واقف تھی... تو پھر وہ کیا جاننا چاہتی تھی۔
"میرا مطلب ہے کیا وہ صنوبر اور اسجد تھے۔" گل آویزہ نے خود ہی سوال کر ڈالا۔

(باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ)

دسمبر کی آخری شب تھی۔۔۔ آسمان کالے کالے بادلوں سے ڈھکا تھا۔ تیز برسات ہورہی تھی۔ ایسے میں سبز کوہسار کے دامن میں کھڑے صنوبر اور سرکنڈے کے درختوں کے درمیان بنا یہ سفید رنگ کا ایئرپورٹ انتہائی حسین لگ رہا تھا۔ شب کا تیسرا پہر تھا ایئرپورٹ پہ رش معمول کا تھا۔۔۔ اٹالین طرز کی بنی یہ لابی اس وقت خاموش پڑی تھی۔۔۔ چند ہی لوگ جو مسافر دکھائی دیتے تھے بیٹھے تھے اپنی اپنی مصروفیت سمیت۔ سفید ماربل پہ سیاہ چمکتے بوٹ کی آوازوں نے فضا میں غیر محسوس سی موسیقی پیدا کی تھی۔

اگر پیروں سے اوپر دیکھتے جاؤ تو سیاہ پینٹ کہ اوپر چوڑی ہتھیلی جس کی پشت پہ گھنے بال موجود تھے کلائی میں سیاہ پٹے والی گھڑی پڑی تھی سیاہ کوٹ میں ملبوس وہ شخص سیدھا چلتا آرہا تھا چال باوقار تھی اور شخصیت پرکشش اس نے کسی مین ڈیزائنر کا تھری پیس پہن رکھا تھا۔ چہرے کی نقش حسین تھے پتلی نازک شیشی آنکھیں بھرے لب اور چہرے پہ موجود داڑھی اس کے چہرے کو مزید پرکشش بنارہی تھی دائیں گال پہ مسا تھا جو داڑھی کے بالوں میں چھپ گیا تھا جو بغور دیکھنے پہ دکھائی دے رہا تھا۔

وہ گارڈن کی سمت میں لابی میں آرہا تھا ساتھ میں ایک گوری رنگت کا نوجوان تھا جو دو قدم اس سے پیچھے تھا۔ ہاتھ میں لیپ ٹاپ اور بریف کیس تھا وہ اس کے ساتھ تیز تیز آرہا تھا۔۔۔ وہ اس لڑکے کی ہدایت پر ایک طرف رکھی ٹیبل جو کہ ریزرو لگتی تھی پہ جا بیٹھا۔ ٹیبل پہ "معصب حسین" کا ٹیگ لگا تھا۔ گارڈ مودب انداز میں اردگرد کھڑے تھے جبکہ وہ لڑکا سامنے کھڑا اس سے کچھ کہہ رہا تھا۔۔۔ لڑکے کے جانے کے بعد اور اس نے آگے بڑھ کر ٹیبل پر رکھا میگزین اٹھایا۔ وقت گزاری کی خاطر۔۔۔ چند صفحے ادھر ادھر کیے۔۔۔ کچھ پڑھا' دیکھا اور کچھ نظرانداز کردیا۔۔۔ وہ بے زار سا دکھائی دیتا تھا۔۔۔ سامنے سے آہٹ محسوس ہونے پہ۔۔۔ اس نے نظریں اٹھائیں تو ایک چھ سات سالہ خوب صورت سی بچی ایک عورت کا ہاتھ پکڑے گزر رہی تھی اس نے ملائم نظروں سے بچی کو دیکھا اور نگاہیں جھکالیں۔۔۔ اور۔۔۔ سانس رکا تھا۔۔۔ چند لمحوں کے لیے۔۔۔ اس کی نظریں کانچ کی میز پہ تھیں وہ کچھ تلاش کررہا تھا۔۔۔ اس نے فوراً پلکیں اٹھائیں اور سامنے دیکھا جہاں چند ٹیبل چھوڑ کر دور کوئی بیٹھا تھا۔۔۔ اور اسی اثنا میں سامنے سے ایئر ہوسٹس کا گروپ گزرا۔ وہ ان کے درمیان سے جھانکنے کی کوششیں کرنے لگا۔۔۔ کچھ نظر آیا کچھ نہیں۔۔۔ اب ایئر ہوسٹس کا وہ گروپ گزر چکا تھا اور منظر واضح تھا۔۔۔ اس سے تھوڑے فاصلے پہ وہ بیٹھی تھی۔۔۔ وہ چند لمحے یک ٹک اسے دیکھے گیا۔۔۔ ناقابل یقین اتفاق۔۔۔ وہ کب سے اس سے ملنا چاہتا تھا۔۔۔ اسے دیکھنا چاہتا تھا۔۔۔ وہ اب تک ویسی ہی تھی وہی کتابی چہرہ۔۔۔ ستارہ آنکھیں گلاب جیسے لب ستواں ناک اور وہی ریشمی بال جو کبھی کمر سے نیچے ہوا کرتے تھے اب شانوں سے نیچے تھے مشین کے ذریعے ان میں مصنوعی کرل پیدا کیے گئے تھے۔ وہ سفید لیڈیز تو پیس میں بیٹھی میگزین کی ورق گردانی کررہی تھی۔ اور معصب کو احساس نہیں ہوا کہ وہ جانے کتنے لمحوں سے محودید ہے' ہاتھ سے میگزین سرک کر گر گیا تب وہ چونکا۔۔۔ اس کے گارڈز اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ ایک نے بڑھ کر میگزین فرش سے اٹھایا اور معصب کھڑا ہوا بے اختیار اس کی طرف بڑھا۔۔۔ چال میں اب تیزی و بے قراری تھی' وہ چند لمحوں پہلے والی بارعب چال نہ تھی۔ وہ چار قدموں کا فاصلہ دو قدموں میں طے کرتا اس تک پہنچا تھا۔ وہ سر جھکائے میگزین میں محو تھی وہ مسکراتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا پھر زور اسا گلا کھنکار کر بولا۔

"کیا یہ سیٹ ریزرو ہے۔" وہ بولا تو آواز دھیمی اور خوب صورت تھی لہجہ بھی صاف تھا۔ وہ جو رسالے میں کھوئی تھی سرنفی میں ہلاتی بولی۔

"نہیں نہیں بالکل نہیں۔" بول کے سرجوں ہی گردن اوپر کی جانب اٹھائی سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کے چند لمحے یوں ہی تکتے کے گزرے۔۔۔ پھر وہ یک دم سے مسکرائی تھی شاید خواب کے حقیقت ہونے کا یقین

آگیا تھا۔ ستارہ آنکھیں مزید چمک اٹھی تھیں۔
"معصب حسین۔" مسکرا کر وہ کہتی وہ کھڑی ہوئی اور ہاتھ مصافحہ کے لیے بڑھایا معصب نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ تھاما... نظریں گال پہ موجود سیاہ تل پہ تھیں جو بالکل پہلے جیسا تھا اور اسے ہمیشہ سے یہ ہی سب سے زیادہ پسند تھا۔
"بیٹھو نا پلیز۔" ہاتھ پیر ملا کے اس نے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ اس کی عین سامنے والی کرسی پہ بیٹھ گیا۔ "اتنے لمبے عرصے بعد آخر ملاقات ہو گئی۔" وہ مسکرا کے بولی
۔
"پورے آٹھ سال تین مہینے اور انتیس دن بعد ملاقات ہوئی ہے مس منعم شیرازی۔" معصب نے کہا۔
"حساب بہت اچھا ہو گیا ہے تمہارا۔" وہ مسکرائی اور بولی "اور بتاؤ کیسے ہو۔" معصب نے گہری سانس بھرتے ہوئے چہرہ سنجیدہ بنایا اور پھر بولا۔
"ویسا ہی ہوں زیادہ نہیں بدلا بس وزن سات کلو مزید بڑھ گیا ہے۔" اور اسے توجہ سے سنتی منعم نے حیرت سے آنکھیں کھولی تھیں لبوں پہ مسکراہٹ ابھر رہی تھی۔ "میرے اسٹائلش کا کہنا ہے کہ سر تیس سال کی عمر میں تھوڑا میچور اسٹائل ہونا چاہیے اور اسی لیے یہ اسٹائلش داڑھی رکھ لی... نظر مائنس پوائنٹ فائیو ہو گئی ہے تو ریڈنگ گلاسز لگ گئے۔" اب کے منعم ہنس پڑی وہ پرانے انداز میں باتیں کر رہا تھا۔ "اور ڈائبیٹس ابتدائی اسٹیج پہ ہے... بس کچھ خاص نہیں بدلا۔" وہ لاپروا انداز میں بتلا رہا تھا اور وہ جو مسلسل ہنس رہی تھی اب کہ سنجیدہ ہوئی تھی چہرے پہ فکر و پریشانی واضح تھی۔
"تمہیں ذیابیطس ہو گئی... کیسے؟؟"
"بیماریوں کے لیے وجہ نہیں ہوتی... وقت کے ساتھ ہر مشین کی کارکردگی متاثر ہوتی ہے انسان بھی تو مشین ہے نا... اور پھر بالکل ابتدائی مراحل میں ہے محض پرہیز ہی کافی ہے۔ میرے ڈاکٹرز کچھ زیادہ ہی پرہیز کرواتے ہیں مجھ سے۔" اس نے لاپروائی سے مسکرا کے بتلایا البتہ نظروں میں ایک زخم تھا جو منعم کو دکھ گیا تھا۔
"تمہیں ڈاکٹرز کے کہنے پر پرہیز تو کرنا ہے۔ احتیاط علاج سے بہتر ہے۔ ابھی کی احتیاط اگلے دس سال سکون سے زندگی گزارنے دے گی۔" منعم نے سنجیدگی سے صلاح دی تھی اور معصب نے مان لینے والے انداز میں سر کو خم دیا تھا۔
"ارے اتنی سیریس بیماری بھی نہیں اب تو کافی ٹھیک ہو گیا ہوں۔ خیر میری چھوڑو اپنی بتاؤ تم بالکل نہیں بدلیں بلکہ پہلے سے زیادہ خوب صورت ہو گئی ہو بلکہ ٹی وی سے زیادہ ینگ اور خوب صورت تم حقیقت میں دکھائی دیتی ہو۔" وہ ذرا سا آگے ہو کے دلچسپی سے بولا اور منعم اس کی بات پہ دل کھول کر ہنسی اور وہ اسے دیکھتا رہا جانے کب سے وہ اس ہنسی کو دیکھنا چاہتا تھا۔
"تم نے شاید مجھے غور سے نہیں دیکھا۔" اور معصب نے آنکھوں کو اوپر کی جانب اٹھا کے تائیدی انداز میں اشارہ کیا تھا۔ "میری آنکھوں کے گرد دو رینکل (جھریاں) آگئے ہیں جن کے چکر میں مجھے اینٹی ایجنگ کریم استعمال کرنی پڑتی ہے بال پہلے کے مقابلے ایک چوتھائی رہ گئے ہیں اور مائیگرین بھی کبھی اٹھ جاتا ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے اس کی ٹون (انداز) میں بولی۔ اور وہ جو اس کی بات پہ مسکرا رہا تھا... آخری الفاظ سن کر ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔
"تمہیں مائیگرین ہو گیا... کیسے؟" وہی سوال۔
"کچھ بیماریوں کے لیے وجہ نہیں ہوتی۔" وہ اداسی سے بول کے مسکرائی۔ "اگر دو ڈھائی گھنٹے مکمل نیند لوں تو افاقہ ہو جاتا ہے اتنی شدید نوعیت کا نہیں ہے اور پھر ڈاکٹرز تو ہیں نا۔" وہ بولی تو لہجے میں تھکاوٹ سی تھی۔ معصب نے گہری سانس بھری کم و بیش ان کا ایک سا ہی حال تھا۔ وہ جس طرف بیٹھے تھے ادھر سامنے ہی گلاس ونڈو تھی جس سے رن وے (Run way) کا منظر صاف دکھائی دیتا تھا برسات کی وجہ سے وہاں کی تمام بتیاں جل رہی تھیں۔ زرد روشنی میں بارش کی موٹی موٹی بوندیں واضح نظر آرہی تھیں۔ وہ

سفید چمچماتی ایئربس کھڑی تھیں چند لمحے خاموشی سے سرکے۔

"وقت کتنا آگے چلا گیا ہے سب کچھ بدل گیا ہے..... ہم کتنے بدل گئے۔" معصب دھیرے سے مسکراتے ہوئے بولا تھا۔ منعم مسکرائی تھی۔

"کون سوچ سکتا تھا۔ اتنی ڈرپوک شرمیلی سی لڑکی جو ہمیشہ اپنے خول میں سمٹی رہتی تھی جیسے اپنی تحریروں میں شاعری لکھتے وقت یہ ڈر رہتا ہو کہ کوئی پڑھ کے سب اسے غلط نہ سمجھیں۔ آج ملک کی اتنی بڑی باوقار اور بہادر صحافی ہے..... جو کرپٹ بے ایمان سیاست دانوں کے خطرناک راز ان کے سامنے بے دھڑک عیاں کردیتی ہے جو عوام کے حقوق کے لیے آوازیں اٹھاتی ہے جب کہ اسے خود دھمکیاں ملتی ہیں۔" معصب مسکراتے ہوئے بولا۔ نظریں منعم پہ لگی تھیں جو نظریں جھکائے مسکرا رہی تھی۔ پھر مسکراتے ہوئے گویا ہوئی۔

"آہاں..... کون سوچ سکتا تھا کہ وہ لڑکا جو ہر وقت ملک کے فرسودہ سیاسی نظام جاگیردارانہ نظریات و عقائد کے خلاف بغاوت کا علمبردار بنا پھرتا تھا جو یونیورسٹی الیکشن میں ہمیشہ لیبر اسٹوڈنٹ فیڈریشن سے اٹھتا تھا' حالانکہ اس کا اپنا بیک گراؤنڈ سیاسی گھرانے کا تھا۔ وہ لڑکا جس کو ہم "مستقبل کا مصطفیٰ کمال اتاترک" کہتے تھے آج اس ملک کا کامیاب ترین بزنس مین ہے۔" منعم بھی اسی کے انداز میں بولتے ہوئے نظروں سے نیچے کی جانب اشارہ کیا جہاں اس کے ہاتھوں تلے خلیج ٹائمز میگزین کا بزنس ایڈیشن دبا تھا' جس میں اس کی بڑی سی تصویر عربی شہزادے کے ساتھ چھپی تھی۔

"ہم سوچتے بہت کچھ ہیں' مگر ہوتا وہی ہے جو تقدیر ہم سے چاہتی ہے۔ اگر ہم اپنے شعبے میں کامیاب ہوتے ہیں تو لوگ سوچتے ہیں کہ یہ شخص محنت سے اس طرف آیا ہے۔ یہ متعلقہ شعبے میں مہارت رکھتا ہوگا تب ہی اس نے یہ راہ چنی۔ حالانکہ سچ یہ ہوتا ہے کہ کبھی کبھی ہم راستوں کا انتخاب خود سے بھاگنے کے لیے بھی کرتے ہیں۔" وہ دھیمے کھوئے لہجے میں بولا۔ ایک خالی پن سا اندر محسوس ہوا تھا دونوں جانب۔ منعم جانتی تھی۔

"اور وہ راستے ہمیں دور تک لے جاتے ہیں کامیاب مسافر بناتے ہیں اور پھر ایک موڑ پہ آگے دوبارہ خود سے ملا دیتے ہیں۔" اس کے ادھورے جملے کو اب منعم نے پورا کیا اور معصب نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے تھے کہ ویٹر کافی لے آیا۔ منعم نے اسے ٹرے ٹیبل پہ رکھ کے جانے کا اشارہ کیا۔ منعم اب کافی بنا رہی تھی معصب نے نظریں گلاس ونڈو کی جانب گھمائیں وہاں برسات اب تک ویسی ہی تھی..... تیز۔

"کافی....." منعم کی آواز پہ وہ چونکا۔ ہاتھ بڑھا کے پیالی تھامی۔ ایک سپ لی پھر مسکراہٹ لبوں پہ اٹھ آئی۔ "تمہیں کینٹین کی وہ چائے یاد ہے۔" معصب مسکرا کر بولا۔

"مجھے تو چاچا کے سموسے' پٹھان کے بن کباب' بریانی اور تمہارے فیورٹ وہ دال چاول بھی یاد ہیں۔" منعم مسکرا بولی تھی۔

"کیا دن تھے یار وہ بھی ہم سب گروپ فرینڈز تھے' مگر کتنے مختلف تھے..... یاد ہے پہلے سال تک تو ہم صرف شکلوں سے ایک دوسرے کو پہچانتے تھے نام تک نہیں جانتے تھے ایک دوسرے کا۔" معصب پرانے دنوں کو یاد کرتے بولا تھا۔ بہت دور کسی جزیرے پہ پنچھا دکھائی دیتا تھا اور منعم بھی کھوئی سی تھی۔

"ہاں سیکنڈ ایئر میں جب ہم اسائنمنٹ پارٹنر بنے تب ہم سب کی آپس میں جان پہچان ہوئی اور جب پرنسپل سر نے ہمیں سیمینار لائبریری بھیج دیا تھا سالانہ بیت بازی کے لیے تب بھی ہم سب بحث کرتے رہے تھے اور پھر فائنلی ہماری دوستی ہوگئی تھی۔" اب منعم اس کی ہم سفر محسوس ہو رہی تھی۔

"لیکن دوستی ہوجانے کے بعد بھی ہم آپس میں اتنا لڑتے تھے اور سب سے زیادہ لڑائی مجھ میں اور تم میں ہی ہوتی تھی۔" منعم نے مسکرا کے کہا۔

"سوری میں نہیں لڑتا تھا صرف اختلاف رائے رکھتا تھا اور تم ہر معاملے میں ہمیشہ مجھ سے ہی اختلاف کرتی تھیں، میں کہتا دن تو تم پہ رات کہنا فرض ہو جاتا تھا۔" معصب نے جواب دیا۔

"ہاں پھر بھی تمہیں اسٹیج ہمیشہ میں ہی لکھ کے دیتی تھی اور تمہارے حصے کے نوٹس بھی میں ہی بناتی تھی تمہیں تو الیکشن لڑنے سے فرصت نہیں ملتی تھی۔" منعم نے کہا تھا۔

"لازمی سی بات ہے مجھے اس راہ پہ ڈالنے والی بھی تو تم ہی تھیں تم ہی نے کہا تھا بجائے ان سب پہ تنقید کرنے کے خود الیکشن لڑلو اور میں تمہارے ہی کہنے پہ گیا تھا۔" معصب نے واضح کیا تھا۔

"جی نہیں۔ آپ اور اتنے فرماں بردار کہ میرے کہنے پہ جائیں وہ تو آپ ضد پہ گئے تھے اور پھر ڈیپارٹمنٹ کی ساری حسینائیں تھیں نا آپ کی سپورٹ کے لیے تو لیڈر کو تو جانا ہی تھا۔" منعم نے منہ بناتے ہوئے کہا تھا گویا اب تک ناراض ہو۔

"اور تم آج تک لڑکیوں کے مجھ پہ مرنے سے جلتی ہو۔" معصب نے پر تاسف لہجے میں کہا تھا اور منعم نے جلدی سے بولا۔

"جلے میری جوتی۔" اور کافی کا کپ لبوں سے لگا لیا، لیکن خفگی واضح تھی اور معصب مسکرایا تھا۔

"ہم بھی کیا ہوا کرتے تھے یار۔ اور وہ وقت بھی کیا وقت تھا۔" معصب اب تجزیہ کر رہا تھا اور منعم مسکرائی تھی۔

"باقیوں کی لائف کیسی چل رہی ہے۔ میری تو کسی ملاقات ہی نہیں ہو پاتی۔" معصب بولا تھا۔

"سب اپنی اپنی زندگیوں میں مصروف ہیں ہمارے گروپ کے باقی تین افراد تو خیر سے شادی شدہ ہو گئے ہیں، سب ہی فیملی والے لوگوں کی طرح مصروف ہیں۔ میری بھی کبھی کبھار ہی ملاقات ہو پاتی ہے سب سے۔ کام کی مصروفیت وقت ہی نہیں دیتی ملاقاتوں کا۔ ہاں البتہ تم سے واقعی ملنا چاہتی تھی۔ کم از کم مرنے سے پہلے ایک بار تو ضرور۔" منعم سنجیدگی سے کہتی آخر میں شوخ ہوئی۔

"ویسے ایسی کچھ خواہش میری بھی تھی کم از کم ایک بار تو ملنا ہے زندگی میں۔" معصب دلچسپی سے بولا جس پہ دونوں کا قہقہہ نکل پڑا۔ بالکل کسی پرانے وقت کی طرح۔

اسی لمحے اناؤنسمنٹ ہوئی، مگر ان دونوں کا دھیان اس طرف نہیں تھا۔

"تم نے اب تک شادی کیوں نہیں کی۔" معصب نے دھیرے سے پوچھا لہجہ سادہ تھا۔ منعم نے ایک نظر گلاس ونڈو کی طرف اٹھائی۔ ایک ایئربس رن وے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ آہستہ آہستہ نظریں موڑیں اور کپ میں پڑی کافی کو دیکھ کے دھیرے سے گم قدر کھوئے لہجے میں بولی۔

"تم نے اب تک شادی کیوں نہیں کی۔" معصب خاموش رہا۔ نظریں گلاس ونڈو کی طرف اٹھائیں۔ جہاں اب جہاز رن وے سے پرواز بھر رہا تھا۔ برسات ویسی ہی تھی۔ چند لمحے وہ اس منظر کو خاموشی دیکھے گیا۔ پھر براہ راست منعم کو دیکھا۔

"تمہاری وجہ سے۔" وہ بولا تو لہجہ مضبوط تھا، مگر جامع اور پر اعتماد تھا اور منعم کی سانس لمحے بھر کے لیے رکی۔ نظریں جو کافی پر تھیں جمی رہ گئیں۔ اسے ایسا لگا جیسے وقت تھم سا گیا ہے۔ وہ یہ بات کب سے سننا چاہ رہی تھی۔ معصب اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ مستقل جانچتی نظروں سے اور وہ ایسے بیٹھی تھی جیسے سکتہ ہو گیا ہے اور چند لمحے یوں ہی خاموشی سے سرکتے رہے۔ وہ یوں ہی موم کی گڑیا بنی بیٹھی رہی اور وہ یوں ہی دیکھتا رہا۔ پھر موم کی گڑیا میں جان سی پڑی۔

"تمہاری وجہ سے۔" منعم نے لبوں کو ہلکی سی جنبش دی تھی۔ نظریں اب تک کپ پہ جمی تھیں جس میں کافی ٹھنڈی ہو کر اب بدذائقہ ہو گئی تھی اور معصب کی کب کی رکی سانس اب بحال ہوئی تھی۔ گلاس ونڈو سے بجلی کی کڑک اندر بھی آئی مگر خاص محسوس نہیں ہوئی تھی۔ اور معصب کے دل میں سکون سا اتر آیا تھا۔

"میں نے اتنا عرصہ یہ سوچ کے ضائع کر دیا کہ شاید تمہیں میرا انتظار نہیں ہے۔" معصب نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔

"شاید... گویا یقین نہ تھا..." منعم نے تھکی ہوئی آواز میں کہا نظریں اٹھائیں تو پلکوں میں نمی واضح تھی۔

"جانے کیوں مجھے یہ لگا کہ تم میرے بارے میں وہ نہیں سوچتیں جو میں تمہارے بارے میں سوچتا ہوں۔" معصب نے شکست خوردہ لہجے میں وضاحت کی تھی اور منعم دکھ سے بولی۔

"اپنے طور کس طرح سوچ لیا تھا تم نے کہ میں..." اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا اور معصب کی نظریں اب جھک گئی تھیں۔

"تمہاری فرحان کے ساتھ اتنی اچھی دوستی تھی خاندانی تعلقات تھے اور فرحان کئی دفعہ میرے سامنے تمہارا ذکر کسی اور طرح کر چکا تھا۔ مجھے لگا کہ شاید تم صرف مجھے دوست ہی سمجھتی ہو اور پھر فیرویل نائٹ پہ..." اب کے معصب نے جملہ ادھورا چھوڑا تھا اور منعم نے کافی کا مگ ٹیبل پہ رکھ دیا تھا۔

"فرحان میرا اچھا فیملی فرینڈ تھا' محلے دار... وہ واحد شخص تھا جسے میں جانتی تھی یونیورسٹی میں... میری اس سے دوستی نہیں تھی ہمیں اس کی عزت کرتی تو بحیثیت فیملی فرینڈ... اور اس کے ارادوں کا مجھے تب پتا چلا جب اس نے میرے گھر پیغام بھیج دیا میرے لیے... میرے والد کو ویسے بھی یہ بات نہیں اچھی لگی تھی انہوں نے اپنے طور انکار کر دیا تھا اور جب مجھ سے پوچھا تو میں نے بھی انکار کر دیا تھا' مگر تم نے کیسے یہ سوچ لیا کہ میں اسے..." منعم نے دکھ سے کہا تھا نظروں میں شکوہ واضح تھا۔

"کیا تم نے بھی انکار کیا تھا...؟" معصب نے دوبارہ پوچھا۔ لہجہ تبدیل تھا جو منعم نے توجہ سے نہیں جانچا۔

"تو کیا... ہاں کہہ دیتی..." منعم نے قدرے تپے انداز میں کہا تھا۔

"کیوں انکار کیا تھا۔" معصب کے سوالات جاری تھے۔

"کیوں کہ میرا دماغ خراب ہو گیا تھا۔" اب کے منعم چڑی تھی۔ وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔

"مجھے لگتا تھا تم مجھ سے اتنا لڑتی ہو ہر وقت اعتراض کرتی ہو... شاید تمہارے میرے بارے میں وہ خیالات نہیں ہیں اور جب تم میرا کام کرتی تھیں تو مجھے لگتا تھا شاید کچھ ہو مگر... تم تو اور بھی دوستوں کے کام کرتی تھیں۔" وہ لمحے بھر کو رکا۔ "مجھے لگا یہ بھی صرف دوستی ہو گی۔" وہ بولا تو لہجہ خالی تھا۔

"دوستی..." منعم زیر لب کہہ کر مسکرائی۔ پھر بولی۔ "تمہیں یاد ہے فرحان اکثر تم پہ اعتراض کرتا تھا لڑتا تھا تمہیں جنرل سیکریٹری ہونے کے طعنے دیتا تھا محض اس لیے کہ تم پورے سمسٹر الیکشن میں مصروف رہتے تھے' میں تمہارے نوٹس تیار کرتی تھی اور تم بہت ہی سرسری سا پڑھتے تھے' مگر پھر بھی ٹاپ کر لیتے تھے۔" منعم اسے یاد دلاتے ہوئے بولی اور معصب آگے کی طرف جھکا۔ جاننے والے انداز میں۔

"کسی نے بھی تمہارے نوٹس کو باقیوں کے بنے نوٹس یا میرے خود کے بنے نوٹس سے کمپیئر نہیں کیا۔ اگر کرتا تو اسے بھی پتا چل جاتا۔" منعم دھیمے لہجے میں بولتی نظریں نیچی کر گئی اور معصب اب حیران کن نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں فرحان سے کہتا تھا کہ میں نے وہی پڑھا ہے جو منعم دیا ہے اور وہ نہیں مانتا تھا کہتا کہ منعم تو خود بھی وہی پڑھتی جو ہمارے لیے نوٹس تیار کرتی ہے پھر تم کیسے اکیلے ٹاپ کرتے ہو سب کو کرنا چاہیے۔" معصب یاد کرتے ہوئے بولا۔

"تمہارے نوٹس' تمہارے اسائنمنٹ' تمہارا ہر کام میرا بہترین کام ہوتا تھا' میں جو سب سے بہترین تعریف پڑھتی تھی' تمہارے ہینڈ آؤٹ میں لکھ دیتی تھی۔ جو سب سے اچھی تحقیق ہوتی اسے تمہارے اسائنمنٹ کا حصہ بنا دیتی میں' تمہارا ہر کام تمہارے حساب سے کرتی تھی دل لگا کر۔ ایسے کرتی تھی کہ

تم ٹاپ کرو اور تم کر لیتے تھے کیوں کہ میں جانتی تھی تمہیں مجھے صرف حوالہ دینا ہے پوری دنیا تسخیر تم خود کر سکتے ہو۔" وہ کھوئے کھوئے سے لہجے میں بولی اور معصب حیران سا اسے دیکھے جا رہا تھا۔ باہر برسات اب قدرے ہلکی ہو چکی تھی۔

"میں تمہارے سارے کام کرتی تھی اور اکثر تمہارے چھوڑے ہوئے کام بھی اور آج بھی تمہارا چھوڑا ہوا کام ہی کر رہی ہوں۔ یہ فیلڈ میں نے اسی لیے چنی تھی تاکہ جو کام تم نے ادھورا چھوڑ دیا وہ میں پورا نہ سہی کم از کم اسے جاری رکھوں۔" اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گئی تھی آنکھوں سے آنسو کے چند قطرے ٹوٹ کے چہرے پہ گرے تھے اور تل پہ سے بھی گزرے تھے اور معصب کے دل پہ سے بھی۔

"میں تمہیں تب سے سوچتا تھا جب تمہارا نام تک نہیں جانتا تھا، لیکن ہمیشہ ڈرتا رہا۔ پتا نہیں کیوں۔ میں ڈرپوک نہیں تھا، لیکن تمہارے معاملے میں میں نے خود کو ہمیشہ ایسے ہی پایا اور جب جاننے لگا اور بھی زیادہ ڈر گیا۔ تم سے لڑنا، بحث و تکرار کرنا اور تمہاری کہی باتوں کو ماننا۔ یہ سب مجھے اچھا لگتا تھا، مگر یہ سب کرتا ایک ڈر کے ساتھ تھا۔ ہر بات پہ ڈر تھا کہ کہیں تمہیں کھو نہ دوں اور فیئر ویل والی شب وہی ہوا تھا جس کا مجھے ڈر تھا۔" معصب نے آخری جملہ ٹوٹے لہجے میں بولا۔

"فیئر ویل کی شب۔" منعم دھیرے سے بولی تھی۔ "فرحان نے جب مجھے پرپوز کیا تھا۔ تب میں نے تمہیں ہماری باتیں سنتے دیکھ لیا تھا، لیکن تم۔ فوراً ہی پلٹ گئے۔ میرا جواب ہی نہیں سنا تھا، میں نے اسے انکار کر دیا تھا۔" منعم نے کہا تھا اور معصب نے نظریں اٹھا کے دیکھا تھا۔

"کیوں۔" معصب نے پھر سوال کیا۔

"کیوں کہ میرا دماغ خراب تھا۔" منعم کا وہی چڑا ہوا جواب آیا اور معصب دھیرے سے مسکرا دیا۔

"میں اس پل بھی ڈر گیا تھا۔ تمہارا جواب سننے کی ہمت نہیں تھی۔ اگر تم نے ہاں کہہ دی ہوتی تو شاید آج زندہ رہنا بھی مشکل ہوتا میرے لیے۔ اسی لیے پلٹ گیا اور پھر تم نے ہی کہا تھا کہ اپنے بابا کی مدد کرو اسی لیے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے ان کے پاس چلا گیا مدد کے لیے۔ اب تک کر رہا ہوں۔" معصب دھیرے سے لہجے میں بولا اور منعم نے اسے گھورا تھا۔

"بڑے تم فرماں بردار۔ میری کہی مانو۔" چڑے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔

"آج تک تمہاری کہی تو مانتا آیا ہوں، تم نے کہا الیکشن لڑو۔ لڑا۔ تم نے کہا بابا کے پاس چلے جاؤ۔ چلا آیا۔" اب معصب کا لہجہ معصومیت بھرا تھا اور منعم نے گھور کے اسے دیکھا تھا۔

"اگر اس روز میری بات سن لیتے تو شاید آج یوں نہ بیٹھے ہوتے۔" منعم نے تپ کے کہا تھا اور وہ مسکرا دیا۔

"واقعی اگر سن لیتا تو آج ذیابیطس کا مریض نہ ہوتا۔" معصب نے دھیرے سے کہا تھا اور منعم کے تنے اعصاب ڈھیلے تھے۔ چہرے پہ دکھ ابھرا تھا۔

"یہ تمہارا ہی غم تھا جو۔ کھا گیا تھا مجھے۔" معصب دھیرے سے بولا۔

"اگر یوں سب کچھ چھوڑ کے گئے نہ ہوتے تو آج مائیگرین نہ ہوا ہوتا مجھے۔" منعم اسی کے انداز میں بولی اور معصب کے چہرے پر درد کی لہر محسوس ہوئی تھی۔ "یہ مائیگرین تمہارے ہجر کے رت جگوں کی نشانی ہے۔" وہ بولی تو لہجے میں تکلیف تھی۔ معصب نے گہرا سانس بھرا تھا۔

"میں نے اپنے ساتھ ساتھ تمہارا بھی نقصان کیا ہے۔" اس کے لہجے میں دکھ کا اظہار تھا۔ منعم چپ رہی گویا اس کی بات کو مہر ثبت کیے ہو۔ اسی لمحے

سرورق کی شخصیت

ماڈل ---------- فاطمہ آفندی

میک اپ ---------- روز بیوٹی پارلر

فوٹو گرافی ---------- موسیٰ رضا

دوبارہ اناؤنسمنٹ ہوئی اور اس کا وہ سیکریٹری لڑکا معصب کو اس کی ٹیبل پہ سے ڈھونڈتا ہوا ادھر آیا تھا اور پھر قدرے حیرت سے ساتھ بیٹھی لڑکی کو دیکھا اور جھک کر معصب کے کان میں سرگوشی کی جس پہ وہ سر ہلا کے رہ گیا۔

"تمہیں برسات بہت پسند تھی نا....." وہ پھر سے اپنے انداز میں بولا۔ کلاس ونڈو کی جانب دیکھتے ہوئے جہاں بارش پھر شروع ہو چکی تھی اور ایک ایر بس آرہی تھی۔ منتم کی نظریں بھی وہیں تھیں۔

"تھوڑی دیر پہلے تک بہت بری لگ رہی تھی چند لمحے پہلے ہی پھر سے اچھی لگی ہے....." وہ بولی تو لہجہ مسکراتا مگر شرمیلا تھا اسے لگا اس نے پرانی منتم کو دیکھا ہو۔

"آرہی تھیں یا جا رہی ہو....." معصب نے پھر سوال کیا تھا۔

"جا رہی تھی..... سوچ رہی ہوں ہمیشہ کے لیے چلی جاؤں....." منتم دھیرے سے بولی۔

"میں بھی جا رہا تھا..... مگر اب سوچ رہا ہوں اکیلے نہیں جاؤں....." معصب بولا تو منتم نے نظریں اٹھا کے اسے حیرانی سے دیکھا.....

"میرے ساتھ چلو گی..... برسات میں..... ایک نئی منزل کی طرف....." معصب نے پوچھا۔ منتم نے ایک نظر باہر کھڑی ایر بس پہ ڈالی۔

"کہاں تک لے جاؤ گے ساتھ....." وہ مسکرا کے بولی۔

"جہاں تک زندگی ساتھ دے گی وہاں تک....." وہ مسکرا کے بولا اور منتم دھیرے سے مسکرا دی۔ معصب نے کھڑے ہو کے ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔

"چلو ذیابیطس اور مائیگرین کا علاج مل کے ڈھونڈیں گے....." معصب مسکرا کر بولا اور منتم نے مسکرا کے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

☆ ☆

حیا بخاری

دسمبر کے اوائل ایام ___ دبیز دھند کی چادر میں رات کی تاریکی بھی گم ہونے لگی تھی۔ سڑک سنسان تھی۔ رات خاموش اور جھاڑیوں میں چھپے مڈوں، کیڑے مکوڑوں کی آوازیں اسی قدر صاف اور تیز ___ وہ شہر سے کافی دور نکل آیا تھا۔ مطمئن ہو کر اس نے بائیک روکی۔ ذرا سا مسکرا کر ارد گرد کا جائزہ لیا۔ پھر گود میں رکھی ہیلمٹ کو سر پہ جمایا۔ دو تین لمبے سانس لیے اور زور سے پاؤں مار کر انجن اسٹارٹ کیا۔ اس کی ہیوی بائیک فوراً" جاگ اٹھی۔

"بیسٹ آف لک ہیری" مسکراتے ہوئے اس نے اپنی بائیک کو وش کیا تھا۔ اور ایک جھٹکے سے بائیک آگے بڑھی تھی۔ اس بار اسپیڈ کافی تیز تھی۔ دھند بڑھتی جا رہی تھی۔ حدِ نگاہ بھی گم ہوتی جا رہی تھی۔ مگر وہ ہر خوف سے بے فکر اسپیڈ بڑھائے جا رہا تھا۔ بائیک کی لائٹس بھی سامنے کچھ بھی دکھانے میں ناکام ٹھہر رہی تھیں۔ لیکن اسے کچھ مطلب نہ تھا۔ بائیک کے تیز پہیوں کے شور سے خوف ناک آواز پیدا ہونے لگی تھی۔ ذرا دور جا کر اس نے ایک جمپ لگا کر اپنا پھیلا وجود ہوا کے سپرد کر دیا تھا۔ اب اس کے صرف ہاتھ ہینڈل پہ جمے تھے۔ باقی سارا دھڑ ہوا کے دوش پہ لہرا رہا تھا۔

"ہائیو" وہ چلایا تھا اس کی آواز خوشی سے بے حد نمایاں تھی۔ ذرا دیر یونہی سفر کرنے کے بعد وہ دوبارہ سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔ بائیک کی اسپیڈ مزید بڑھا دی تھی۔

سردی بڑھنے لگی تھی۔ اس نے ذرا سا کندھوں کو سکیڑا۔ لمبے سانس لے کر جیسے خود کو گرم کیا اور ایک مرتبہ پھر جھٹکے سے اپنا جسم ہوا میں اچھال دیا ___ بائیک اس بار ذرا سا لڑکھڑائی تھی اور وہ بھی توازن کھو بیٹھا تھا۔ اس کے دائیں ہاتھ سے ہینڈل چھوٹ گیا تھا۔ اور اس سے پہلے کہ وہ گرتا اور اس کے ساتھ بائیک بھی، بائیک کسی جامد مضبوط چیز سے پوری شدت کے ساتھ جا ٹکرائی تھی۔ وہ گھٹنوں سے بجز اٹرک تھا۔ جو شاید رات کا سفر روک کر وہاں کھڑا کر دیا گیا تھا۔ یہ ٹکراؤ اس قدر شدید تھا کہ اس کا وجود ہوا میں اڑتا ہوا ٹرک سے کہیں دور سڑک کے درمیان جا پڑا تھا۔ دور سے آتی تیز کار اسے روندتے گزر گئی تھی۔

"یاد رکھنا ___ یہ محبتیں ادھار ہیں اور تمہارا وجود قرض دار ___ تم اس پہ اتنا حق نہیں رکھتے۔" کوئی سرگوشی میں بولا تھا۔ تاریکی مزید بڑھ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

تین منزلہ اس خوب صورت گلابی بنگلے میں آج ہر فرد مصروفِ دعا تھا۔ بے قرار تھا اور منتظر تھا۔ اس خوش خبری کا جس کے لیے وہ کتنے عرصے سے تڑپ رہے تھے۔

"امی۔ آج ہمارا بھائی آئے گا۔" ننھی منال نے ماں کو پریشانی سے مسلسل تسبیح کے دانے گراتے دیکھا تو پوچھا۔

"ان شاء اللہ۔ ان شاء اللہ۔" دو سالہ منال کے جواب میں امی اور چاچی دونوں نے ایک ساتھ کہا تھا۔ اور دوبارہ دعا میں مشغول ہو گئی تھیں اور جب اماں حلیمہ نے آ کر بیٹے کی خوش خبری سنائی تو گویا پورے گھر

میں اک نئی زندگی نے کروٹ لی تھی۔
رمضان الٰہی کے دو بھائی اور تھے۔ فضل الٰہی اور پھر ان سے چھوٹے رحمت الٰہی۔ رمضان اور فضل کو اللہ نے اولاد سے نوازا تو مگر دونوں بھائی اولاد نرینہ سے محروم رہے۔ فضل الٰہی کو دو اور رمضان کو تین بار اللہ نے رحمت بخشی۔ لیکن دونوں ہی نعمت سے محروم رہے۔ رمضان کی بیوی رضیہ ہائی بلڈ پریشر کی مریضہ تھیں۔ اور تینوں بار ان کو آپریٹ کرانا پڑا تبھی ڈاکٹرز نے مزید اولاد کو ان کی اپنی سلامتی کے لیے خطرہ گردانا تھا۔ فضل الٰہی تو منال کی پیدائش کے بعد ہی مایوس ہو گئے۔ اب سارے گھر کی امیدیں رحمت سے جڑیں تھیں۔ اور اللہ پاک نے اس مرتبہ ان کو مایوس نہیں کیا تھا۔ ان کے خاندان کو بھی وارث ملا تھا۔ محبت اور خلوص سے جڑے اس خاندان میں بچی خوشی دوڑ گئی تھی۔

رمضان نے بڑی چاہ سے بچے کا نام رکھا۔ فضل

الٰہی نے اسے گھٹی دی اور رحمت بس بھائیوں اور بھابیوں کے کھلتے چہرے دیکھتے رہے۔ وہ دل ہی دل میں اس رب کے حضور شکر گزار تھے۔ جس پاک ذات نے ان کے خاندان کے چہروں پہ اس قدر انوکھے رنگ بکھیر دیے تھے۔

"نوربان" واقعی ان کی زندگی جگمگانے والا ستارہ تھا۔ سارے گھر کی خوشی بس نوربان سے جڑی تھی اور پورے گھر میں ایسا فرد بھی تھا جس نے اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے اس کا سفید گول سرخ چہرہ چھوتے ہوئے اسے پوری کائنات جانا تھا۔ سفید گلابی کپڑوں میں لپٹا وہ ننھا سا وجود اسے عزیز تر محسوس ہوا تھا۔ جب وہ احساس نامی کسی چیز کا شعور بھی نہیں رکھتی تھی۔ اور وہ تھی ننھی سی دو سالہ منال۔

☆ ☆ ☆

نوربان سب کی زندگی کا محور تھا۔ سب اس کی کسی نہ کسی چیز کا خیال کرتے اور منال اس کی ہر چیز کا خیال کرتی۔

"نوربان... دودھ پیا کرو۔ ہڈیاں مضبوط ہوں گی۔" زینت تائی دودھ کا گلاس لے کر اس کے پیچھے پیچھے پھرتیں۔ چاہے باقی سارے کام رہ جاتے نوربان دودھ نہ پیتا۔ تب تک چین سے نہ بیٹھتیں۔

باہر گلی میں کرکٹ کھیلنے جاتا تو شائزہ آپی بیٹھک کی کھڑکی کی سلاخوں سے چپک کر کھڑی رہتیں۔ کھڑے کھڑے ٹانگیں شل ہو جاتیں۔ کمر درد کرنے لگتی، گردن اکڑنے لگتی مگر مجال ہے جو ذرا نظر ادھر ادھر کر لیتی۔ اماں، چاچی آوازیں دیتیں اسے ڈھونڈتیں وہاں آتیں۔ اور اس کے کام کا اندازہ ہوتے ہی واپس لپک لیتیں۔ مبادا نظر چوک نہ جائے۔

اذانوں کے بعد گھر آتے ہی وہ مارے باندھے ہوم ورک کے لیے بیٹھتا مگر سارا دھیان ٹی وی پہ چلتے ٹام اینڈ جیری پہ ہوتا۔ عائزہ آپی کو کھلو بھائی پہ رحم آتا اور ٹام اینڈ جیری شو ختم ہونے سے پہلے ہی اس کا ہوم ورک مکمل ہو جاتا۔

"آپی کتنی بار منع کیا ہے؟ ہر مدد کر دیا کریں۔ پڑھائی میں اس پر کوئی ترس نہ کھایا کریں۔ کل کو اسی کا نقصان ہو گا۔" چودہ سالہ منال سونے سے پہلے اس کا ہوم ورک چیک کرتی اور بہن کی لکھائی پہچان کر فوراً اس کے سر ہو جاتی۔

"اللہ نہ کرے کوئی نقصان ہو۔" عائزہ تو کانپ کانپ جاتی۔

"اور کیوں نہ کروں مدد۔ ایک ہی تو بھائی ہے میرا۔ اوپر سے اس کا سلیبس تو دیکھو۔ اتنا زیادہ کام... میرا اتنا چھوٹا سا بھائی اکیلے کر سکتا ہے بھلا؟" وہ دلیلیں دیتی۔

"ہم سب کر چکے ہیں تو اسے بھی کرنا پڑے گا۔" منال نے دو ٹوک لفظوں میں کہا اور واپس بیٹھک میں آ گئی۔ جہاں نوربان اس کا منتظر تھا۔ شام کو جب وہ اکیڈمی سے واپس آتی تو اسٹڈی میں اس کی ہیلپ کر دیا کرتی۔ اور کسی کے سامنے دو منٹ ٹک کر نہ بیٹھنے والا نوربان اس کے سامنے بڑے آرام سے ٹکا رہتا۔

"تم نے پھر عائزہ آپی سے ہوم ورک میں ہیلپ لی۔" اس نے نوربان کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے ہیلپ نہیں لی۔ انہوں نے خود مکمل کر دیا۔" وہ قالین پہ انگلیاں پھیرتے ہوئے بولا۔

"اور تم کہاں تھے؟" اس نے بیٹھے بیٹھے ہی ہاتھ سینے پہ باندھ کر پوچھا۔

"میں یہیں تھا۔" کچھ دیر بعد جواب آیا۔

"اوکے۔" منال نے چبا کر کہا۔ "سارا ہوم ورک رف رجسٹر پہ ابھی مجھے کر کے دکھاؤ۔"

"جی۔ میں ابھی کرتا ہوں۔" وہ مودب انداز میں کہہ کر فوراً کام میں جت جاتا اور صرف یہی نہیں، جہاں جہاں وہ اپنی فیملی کا نوربان کے لیے پیار غیر متوازن دیکھتی ٹوک دیتی۔

"امی۔ بان کو دو انڈے کیوں دے رہی ہیں۔ پہلے سے کس قدر روئی ہو رہا ہے۔"

"اللہ منال خدا کا خوف کرو۔ تم تو نوربان کے پیچھے ہی پڑ گئی ہو۔" شائزہ غصہ ہو جاتی۔

"منال کیوں ٹوکتی ہو اسے۔" اماں بھی تیز نظروں سے گھورتیں۔

"اماں اس کی بھلائی کے لیے ہی ٹوکتی ہوں۔" وہ تڑپ اٹھتی۔

"میں بتاؤں اماں۔ کیوں ٹوکتی ہے۔" عائزہ آتے ہی حصہ لیتی۔

"اسے قلق ہے کہ اس کی جگہ نوریان نے لے لی ہے۔" وہ اپنا خیال بڑے دھڑلے سے پیش کرتی۔

سولہ کی حدود میں قدم دھرتی منال بس تاسف سے بہن کو دیکھ کے رہ جاتی۔ اس سارے معاملے سے بے خبر رہتا یا خود کو ظاہر کرتا تو صرف نوریان۔ وہ یوں چپ چاپ ناشتا کیے جاتا۔ جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہ ہو یہ اور بات جب وہ ناشتے کی ٹیبل سے اٹھتا تو ایک انڈہ ویسے کا ویسا پڑا رہتا۔ جام کی بوتل بند رہتی۔ اور دودھ کا گلاس بالکل خالی.... یہ سب دیکھ کر جہاں منال کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ در آتی۔ وہیں اسے ای' تائی کی بڑبڑاہٹیں بھی سننے کو ملتیں۔

"ٹوک لگادی بچے کے کھانے پہ۔ تبھی آج صبح سے کھا نہیں سکا۔ آج میں اس کے تایا سے بات کروں گی۔ وہی اس لڑکی کو سمجھائیں گے۔" ای کی بات پہ اس کے کھلے لب مزید کھل جاتے۔

✵ ✵ ✵

وقت نے رفتار پکڑی تو سب بدلنے لگا۔ نوریان نے اس قدر شاندار قد کاٹھ نکالا کہ دو سالہ منال کیا' چھ سال بڑی عائزہ بھی اس سے کم عمر لگنے لگی۔ جوانی کی دہلیز پہ قدم دھرتے ہی منال خود بخود ایک خول میں سمٹنے لگی۔ نوریان البتہ اب زیادہ پر اعتماد شخصیت میں ڈھل چکا تھا۔ منال کو پکارتے وقت دبتے لہجے کی جگہ دوستانہ اور پر اعتماد لہجے نے لے لی تھی۔ باقی سب بہنوں کی طرح وہ منال کو کبھی آپی نہ کہہ سکا تھا۔ اتنی بڑی وہ کبھی لگتی ہی نہیں تھی اسے۔ لیکن وہ اس کی ہر بات مان لینے کے باوجود اس سے فرینک بھی نہیں ہو پاتا تھا۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس نے یہ مرحلہ کافی آسانی سے طے کر لیا تھا۔

منال اب بھی اسے ٹوک دیتی تھی۔ لیکن اب وہ خاموش بیٹھ کر صرف سنتا نہیں تھا۔ بلکہ باقی لوگوں کی ناراضی سے نہ صرف اس کی ڈھال بن جاتا تھا۔ بلکہ اس کی بات بھی علی الاعلان مان لیتا تھا۔ وہ دونوں لازم و ملزوم بنتے جا رہے تھے اور یہ چیز ان کی آنکھوں میں خواب سجاتی اس سے پہلے ہی ان کے بڑے ان کے اس بے نام رشتے کو اپنے تئیں اچھی طرح سمجھ کر مسکرانے اور خوشی کی نوید ماننے لگے۔ البتہ منال اور نوریان اس بات سے قطعی بے خبر تھے۔

✵ ✵ ✵

"منال جلدی کرو یار مجھے دیر ہو رہی ہے۔" منال کی یونی وین کا ڈرائیور بیمار تھا۔ تبھی آج تایا نے یہ ذمہ داری نوریان کو سونپی تھی۔ اور جو اس نے کافی بحث کے بعد قبول کی تھی۔ مگر اب.... وہ بالکل ریڈی تھا وہ بھی کب سے اور منال کا پتا تک نہ تھا۔ کئی بار وہ آواز دے چکا تھا۔

"تمہیں دیر ہو رہی ہے تو کیوں کھڑے ہو۔ جاؤ۔" عائزہ میلے کپڑوں کی گٹھڑی اٹھائے سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔

"منال کا ویٹ کر رہا ہوں آپی۔" وہ اکتایا ہوا تھا۔

"تم نے تو کل منع کر دیا تھا نا۔ میں نے اسے کہا بھی کہ آج چھٹی کر لے۔ مگر نہ جی پیدل ہی نکل لی۔ ناشتا بھی نہیں کیا۔" عائزہ نے بتایا تو ان کی مکمل بات سنے بغیر ہی تیزی سے باہر نکل گیا۔ عائزہ حیرت سے کندھے اچکاتی آگے بڑھ گئی۔

"تم سے دو منٹ انتظار نہیں ہو سکتا تھا۔" اس کی توقع کے عین مطابق وہ کالونی سے باہر بس کے انتظار میں کھڑی تھی۔ سفید رنگت دھوپ کی تمازت سے سرخ پڑ رہی تھی۔

"کس کا انتظار؟" وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔ ایک ٹانگ فٹ پاتھ پہ جمائے وہ اسے دیکھے گیا۔

"میں نے کہا تھا میں تمہیں چھوڑوں گا۔"

"تم نے کہا نہیں تھا' زبردستی مانے تھے۔" وہ اب بھی دوسری طرف ملامتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔
"اچھا آجاؤ۔ میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں۔" وہ نرم ہوا۔
"تم جاؤ۔ میں چلی جاؤں گی تمہیں دیر ہو رہی ہے۔" ضدی تو وہ بچپن سے تھی۔ نوربان سے بھلا بہتر اسے کون جان سکتا تھا۔
"منال سید کے لیے میں اتنا ٹائم تو ویسٹ کر ہی سکتا ہوں۔" وہ مسکرایا تھا۔ منال نے ایک نظر اس پہ ڈالی۔ وہ اسے دیکھے جا رہا تھا۔
"کبھی ہمیں بھی لفٹ کرا دو۔ اتنے برے ہم بھی نہیں۔" منال کا دل بے قابو ہوا تھا اور نوربان .... وہ کوئی تین لڑکوں کا گروپ تھا۔ جس کا لیڈر تھا وہ شاید۔ منال کو اس طرح نوربان سے باتیں کرتا دیکھ کر وہ شاید کچھ اور سمجھا تھا۔
"قسم سے کرولا پہ لے کر جاؤں گا۔ اس کی پھٹیچر بائیک تمہارے قابل کہاں۔" وہ منال کے بے حد قریب آیا تھا اور منال نوربان کے .... اس نے کانپتے ہاتھوں سے نوربان کا بازو تھاما تھا۔ نوربان نے بایاں ہاتھ اس کے کپکپاتے ہاتھ پہ رکھ دیا۔ تبھی بس وہاں آکر رکی تھی۔
"تم جاؤ منال۔" اس نے دھیرے لہجے میں منال کو کہا۔ نوربان کی آنکھیں لال ہونے لگیں۔ وہ ضبط کی انتہا پر تھا۔
"لیکن ہاں یہ ..." منال بول نہ پائی۔ نوربان نے زبردستی اسے بس پر چڑھا دیا تھا۔ بس کے آگے بڑھتے ہی وہ تینوں اس کی طرف آئے تھے۔ نوربان بھی مکمل طور پہ ان کی طرف متوجہ تھا۔

☆ ☆ ☆

"منال۔"
"ہوں۔" زوبیا نے اسے پکارا تو وہ گم سم سی ہنکار ابھر گئی۔
"یہ صبح تمہارے ساتھ بائیک والا کون تھا۔" منال کے دل نے بے اختیار ایک بیٹ مس کی نہ جانے کیوں وہ بیس سالہ لڑکا آج اس کے حواسوں پہ چھا رہا تھا۔
"کزن ہے میرا۔" سادہ لہجے میں جواب دیا۔
"واؤ یار۔ ہاؤ لکی یو آر۔" زوبیا پرجوش لہجے میں بولی۔
"اس قدر ہینڈسم کزن ہے تمہارا' نہ پوچھو تمہارے جانے کے بعد جو منظر بدلا۔"
"کیا مطلب۔" منال بری طرح چونکی۔
"میں اسی وقت وہاں پہنچی تھی۔ جب وہ لڑکے تم دونوں کے ساتھ الجھ رہے تھے۔ مگر میرے پہنچنے سے پہلے ہی بس روانہ ہو گئی۔ ورنہ میں بھی وہ سارا تماشا دیکھنے سے محروم ہو جاتی۔" زوبیا کسی فلم کا حال بیان کرنے لگی تھی گویا۔
"اس بڑے سانڈ نے کالر پکڑا تھا تمہارے کزن کا۔ نہ پوچھو ان تینوں کا حشر کیا پھر ہیرو نے' کتنا مجمع اکٹھا ہو گیا تھا۔ سب کے سامنے ان ذلیلوں سے اٹھک بیٹھک کروائی تمہارے ہیرو کزن نے۔" اور منال کو ایک دم ہی اپنا آپ بہت اہم محسوس ہونے لگا۔ زندگی کی بائیس بہاروں میں وہ احساسات اس نے کبھی محسوس نہیں کیے تھے۔ جو آج اس کے اندر تک ہلچل سی بپا کرنے کے درپے تھے۔ اس دن وہ کوئی لیکچر صحیح سے اٹینڈ نہیں کر پائی تھی۔ محبت اپنی پوری شان سے اس کے دل پہ اتری تھی۔ وہ فتح ہوئی تھی اور اس کے لیے یہ بھی ایک خوش قسمتی تھی۔
سارا دن وہ نوربان کے سامنے جانے سے کتراتی رہی تھی۔ کہیں وہ اس کے چہرے سے ہی اس کے دل کا حال نہ جان لے۔ دن کا کھانا بھی اس نے کمرے میں منگوا لیا تھا۔ عائزہ کے بقول نوربان دو تین مرتبہ اس کا پوچھ چکا ہے۔ اسے مزید خوش گوار احساس دے گیا تھا۔
ادھر نوربان عجیب سی بے چینی میں گھر گیا تھا۔ منال کا سارا دن یوں کمرے میں بند رہنا' اسے لگا وہ ڈر گئی تھی۔ اور وہ جس طبیعت کی لڑکی تھی' ڈرنا بنتا بھی

تھا۔ شام تک آخر کار وہ ایک فیصلہ کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

"چاچو۔۔۔ کل سے منال کی وین چھڑوا دیں میں کالج جاتے وقت اسے بھی یونی چھوڑتا جاؤں گا۔" رات کو کھانے پہ اس نے ڈائریکٹ فضل الٰہی سے بات کی تھی۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔" رمضان بے حد خوش ہوئے۔

"بالکل۔ باقی بہنیں تو ایک ساتھ جاتی تھیں۔ منال اکیلے وین سے جاتی ہے۔ روز دل کو دھڑکا سا لگا رہتا ہے۔" تائی امی نے بھی فکرمندی سے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

"نہیں بابا۔ میں وین میں ٹھیک ہوں۔ یہ بائیک اتنی تیز چلاتا ہے۔" وہ اسی وقت وہاں آئی تھی۔ اور فوراً اعتراض اٹھا دیا تھا۔

"میں آہستہ چلاؤں گا۔" نورہان فوراً بولا۔

"ہو ہی نہیں سکتا۔" وہ کرسی سنبھالتے ہوئے بولی۔

"ہو سکتا ہے۔ میں کر کے دکھاؤں گا۔ لیکن تم اب ہر حال میں میرے ساتھ ہی جاؤ گی۔ شہر کے حالات ویسے بھی کافی خراب ہیں۔" وہ پریشان تھا ان کے لیے کسی خیال سے اس کی گھنی پلکیں جھکنے لگیں۔ وہ مزید نہ بول سکی۔ نورہان کو کچھ اطمینان ہوا۔

"ویسے میں وین والے کو جانتا ہوں۔ بہت اچھا آدمی ہے۔ اور پھر اس طرح روز تمہیں بھی دیر ہو جایا کرے گی۔ تمہاری اسٹڈی کا حرج ہو گا۔" فضل الٰہی نے بیٹی کی مشکل آسان کی۔

"بالکل میں یہی تو کہنا چاہ رہی ہوں۔" منال کو دوبارہ توانائی ملی۔

"پھر یہ بائیک اتنی تیز چلاتا ہے پاپا۔" کہاں وہ اس کے ساتھ ڈانٹ ڈپٹ تک کر لیا کرتی تھی۔ اور کہاں آج اس کے ساتھ بائیک پہ روز بیٹھ کر جانے سے ہی دل لرز رہا تھا۔

"فائن بابا۔" نورہان کا لہجہ بدلا۔ تیز نظریں منال پہ ہی جمی رہیں۔ "البتہ۔۔۔"

"جی بابا کی جان۔" رحمت الٰہی نے مسکراتی نظروں سے بیٹے کو دیکھا۔

"مجھے اپنی پسند کی نئی بائیک چاہیے۔" جوس پیتی منال کو اچھو لگ گیا۔

"ابھی چند ہفتے پہلے ہی تو تم نے بائیک لی ہے۔" رحمت بھی حیران ہوئے۔

"اب مجھے کوئی اور چاہیے۔ زیادہ فاسٹ ' زیادہ فیوریس Furious" وہ گھونٹ گھونٹ چائے پینے لگا۔ نظریں البتہ منال پہ جمی تھیں۔ جو اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اب کی بار منال کی آنکھوں میں پریشانی تھی۔

"بھئی اتنے سوال کیوں پوچھ رہے ہو۔ سب کچھ میرے بیٹے کا ہی تو ہے۔" رمضان الٰہی نے بات ہی ختم کر دی۔

"تم بیٹا مجھے آرڈر کیا کرو بس۔ جو چیز بھی چاہیے۔" انہوں نے جیسے اسے کھلی چھٹی دی تھی۔

"لیکن ایسے تو یہ بگڑ بھی سکتا ہے تایا ابو۔" منال بالآخر بول ہی پڑی۔ نورہان کے لبوں پہ کالا تل مچل مچل گیا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

"جو تم سب کا اتنا خیال کرتا ہے وہ بگڑ کیسے سکتا ہے۔" تایا نے مسکراتے ہوئے منال کے سر پہ ہاتھ پھیرا اور منال نے نورہان کی مسکراتی آنکھوں سے پیغام دوبارہ موصول کیا۔ وہ اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"جو تمہارا اتنا خیال کرتا ہے منال سید' وہ بگڑ کیسے سکتا ہے۔" منال نظریں جھکا گئی۔

☆ ☆ ☆

جب سے شانزہ آپی کی شادی طے ہوئی تھی۔ وہ بہت ایکسائیٹڈ تھی۔ شانزہ کی باقی دونوں بہنوں کی شادی اس کے بچپن میں ہوئی تھی۔ تبھی وہ اتنا انجوائے نہ کر سکی تھی۔ لیکن اس بار اس کا پکا ارادہ تھا کہ گا گا کر گلہ بیٹھا دینا ہے۔ مگر ہار نہیں ماننی۔ اور واقعی ایسا ہی ہوا تھا۔ ہر فنکشن پہ منال چھائی رہی تھی۔ سب کی

نگاہوں کا مرکز رہی تھی وہ۔ شانزہ کی نند نے تو دوسرے بھائی کے لیے اس کی خواہش کا اظہار بھی کر دیا تھا۔ لیکن گھر کی تینوں بڑی خواتین نے فی الحال ٹال ہی دیا۔

آج ولیمے کی تقریب تھی۔ تقریب شانزہ کے سسرالی گھر کے وسیع و عریض لان میں رکھی گئی تھی۔ شاکنگ پنک کامدار شرٹ اور چوڑی دار پاجامے میں منال کی کھلتی گلابی رنگت مزید دمک رہی تھی۔ اس نے بال کھلے چھوڑ رکھے تھے اور ساری محفل کی توجہ سمیٹ رہی تھی۔ نوربان نے خاص طور پہ نوٹ کیا تھا کہ شانزہ کا چھوٹا دیور مسلسل منال کو ہی نظروں کا محور کیے ہوئے تھا۔ ایک دوبار اس لڑکے نے منال سے بات بھی کرنے کی کوشش کی لیکن منال معذرت کر کے نکل گئی۔ نہ جانے کیوں نوربان کو وہاں بے چینی سی ہونے لگی۔ اس نے سیل نکالا۔

"میری طبیعت خراب ہے۔ گھر جا رہا ہوں۔" بے دلی سے اس نے منال کو پیغام سینڈ کیا اور وہاں سے باہر نکل آیا۔ بنگلوں سے کچھ دور ایک صاف ستھرے خالی پلاٹ میں پارکنگ کا انتظام کیا گیا تھا۔ وہ حسب عادت اپنی بائیک پہ ہی آیا تھا۔ تبھی اسے جانے میں بھی سہولت تھی۔ وہ بائیک نکالنے لگا۔

"رکو..... جانا مت میں باہر آ رہی ہوں۔" منال کا پریشان سا پیغام موصول ہوا۔ وہ مسکرا نہ سکا۔ نہ جانے کیوں دل اداس ہونے لگا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ واقعی اس کی طرف چلی آ رہی تھی۔

"ہاں۔ تم ٹھیک ہو۔" کچھ دیر پہلے اس کے خوب صورت چہرے پہ چھلکنے والی خوشی اور سرشاری کی جگہ پریشانی لے چکی تھی۔ نوربان کو تاسف نے گھیر لیا۔

"ویسے ہی۔ مجھے شاید اتنے لوگوں کی موجودگی سے گھبراہٹ ہونے لگی ہے۔" وہ دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔" وہ چونکا۔

"ہاں! میں امی کو بتا آئی ہوں کہ میرے سر میں شدید درد ہے۔ میں تو خود تمہیں کہنے والی تھی کہ تمہارا میسج آ گیا۔ ویسے بھی تائی امی ہیں گھر پر، چائے لے کر سو جاؤں گی۔ صبح تک ٹھیک بھی ہو جاؤں گی۔"

وہ یوں پیشانی مسل رہی تھی۔ جیسے سچ میں اس کے سر میں درد ہو۔ اب کی بار نوربان مسکرائے بنا نہ رہ سکا۔

"تمہیں ڈر نہیں لگے گا میرے ساتھ۔" اس کی آنکھوں میں شرارت چمکی تھی۔

"نہیں مجھے یقین ہے۔ تم میرا خیال کرو گے۔ بائیک آہستہ چلاؤ گے۔" وہ ذرا سا آہستہ بولی تھی۔ اور نوربان قہقہہ لگا کر ہنس دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ گھر پہنچے تو تائی امی سو چکی تھیں۔ ملازم بھی کوارٹر میں جا چکے تھے۔ صرف چوکیدار جاگ رہا تھا۔

"تم یہیں لان میں تارے گنو۔ میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔" وہ بائیک سے اترتے ہوئے بولی۔ نوربان نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"میں بنا لیتا ہوں تم ہی گنو یہ تارے وارے۔ مجھ سے نہیں ہوتے یہ عاشقوں والے کام۔" وہ مسکراتا ہوا اندر بڑھ گیا۔ منال کندھے اچکا کر لان کی سیڑھیوں پہ بیٹھ گئی۔ وہ چند منٹ بعد ہاتھوں میں کپ لیے اس کے قریب بیٹھا تھا۔

"تھینک یو۔" چائے "تقریباً" ختم ہونے والی تھی۔ جب وہ دھیرے سے بولی تھی۔

"چائے کے لیے؟" نوربان ذرا حیران ہوا۔

"نہیں بائیک آہستہ چلانے کے لیے۔" منال کی بات پر وہ دور خلاؤں میں دیکھنے لگا۔

"تمہیں میری بات مان لینی چاہیے تھی۔ یوں اکیلے وین میں جانا مجھے ٹھیک نہیں لگ رہا۔" وہ چند دن پرانی بات پہ لوٹ آیا۔

"میں شروع سے آتی جاتی ہی رہوں وین پہ اور لڑکیاں بھی ہیں۔ مجھے کوئی پرابلم نہیں۔" منال نے اس کی فکر دور کی۔

"ویسے شانزے آپی کس قدر خوش تھیں نہ؟" وہ بات بدل گئی۔ وہ صرف سر ہلا گیا۔

"اور نعمان بھائی، کتنے ہینڈسم ہیں نا۔" نورہان نے ذرا سا چہرہ موڑ کر اسے دیکھا تھا۔ وہ دور تاروں کو تک رہی تھی۔

"نعمان بھائی کے ساتھ جو لڑکا بیٹھا تھا۔ وہ کون تھا؟" وہ اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"بھائی ہیں نعمان بھائی کے۔ کافی اچھی پوسٹ پہ فائز ہیں۔"

"تمہیں کیسے لگے؟" اپنے سوال پہ اسے خود بھی حیرت ہوئی تھی۔

"ٹھیک ہی لگے۔" سادہ سا جواب آیا۔

"تم کیوں پوچھ رہے ہو۔" اچانک ہی منال کو خیال آیا۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"ویسے ہی۔۔۔" وہ نظریں چرا گیا۔

"میں چینج کرلوں۔ کافی تھکن ہو رہی ہے۔ اللہ کرے نیند بھی آجائے۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

"ہاں۔۔۔ تم چلو۔ میں کچھ دیر بیٹھوں گا۔" وہ سر ہلاتی اوپر اپنے کمرے میں آگئی۔ چینج کر کے بیڈ پہ آئی تو یوں ہی سیل فون چیک کیا۔ اسکرین پہ تو نورہان کا پیغام جگمگا رہا تھا۔

"تاروں بھری اس رات میں منال سید کو میں بتانا چاہوں گا کہ وہ آج بے حد پیاری لگ رہی تھی۔ بالکل پریوں کی طرح۔۔۔" پیغام کے سامنے مسکراتی شرارت۔۔۔ منال کے دل نے ایک بیٹ مس کی۔ اس نے ذرا سا کھڑکی کا پردہ ہٹا کر نیچے دیکھا۔ نورہان وہیں بیٹھا موبائل دیکھ رہا تھا۔ آئی تو تو اس نے بھی شرارتی پیغام ٹائپ کیا اور سینڈ کردیا۔ دوسری طرف پیغام موصول ہوتے ہی اس نے ہنستے ہوئے نورہان کو اٹھتے دیکھا تھا۔ وہ بھی دل سے مسکرا دی تھی۔

بچپن سے لے کر آج تک اس کی کوئی فرمائش رد نہ کی گئی تھی۔ اس کے لب سے فرمائش نکلتی۔ اور بہترین سے بہترین چیز اس کے حضور پیش کر دی جاتی۔ سب ڈرتے بھی کہ کہیں یہ بے جا لاڈ پیار نورہان کی زندگی کو زنگ آلود نہ کردے۔ لیکن سب ہی اس قدر بے بس پاتے اس معاملے میں خود کو کہ کسی اور پہلو پہ سوچا بھی نہ جاسکتا اور پوری خوشی سے نورہان کی فرمائش پوری کر دیتے۔

نورہان سمجھ دار بچہ تھا۔ اس محبت اور پیار نے اس کی شخصیت میں بگاڑ کی جگہ سنوار دیا تھا۔ گھر والوں کے ساتھ اس کا رویہ، اس کی سیدھی طبیعت، خوش مزاجی اور سب سے بڑھ کر والدین کی فرماں برداری نے سب کو مطمئن کر دیا تھا۔ کسی کے دل میں اب اس کے متعلق رتی برابر خوف و خدشات نہیں رہے تھے۔ نورہان کی طرف سے وہ بالکل مطمئن تھے اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ صحیح تھا یا غلط۔۔۔

✵ ✵ ✵

یونی کے گیٹ سے نکلتے ہی گاڑی ایک غیر معروف شاہراہ کی طرف مڑی تو تقریباً سب ہی لڑکے لڑکیاں حیران ہوئے۔ "انکل اس راستے سے کیوں جا رہے ہیں؟ یہ تو کافی لمبا روڈ ہو جائے گا۔" فرنٹ سیٹ پہ بیٹھے لڑکے نے ڈرائیور سے استفسار کیا۔

"اندرون شہر آج اساتذہ کی ہڑتال ہے۔ کوئی گریڈ وریڈ کا مسئلہ ہے۔ تب ہی سارے راستے بلاک کر رکھے ہیں۔ پھر مظاہرین کا کوئی اتا پتا نہیں کب کوئی چیز اٹھا کر گاڑی پہ پل پڑیں۔ فی الحال یہ ہی راستہ مجھے محفوظ لگا۔" سب ہی ڈرائیور کی بات سے متفق ہوئے تھے۔

گاڑی تیزی سے دوڑنے لگی۔ یہ سڑک قدرے ویران تھی۔ دو رویہ تھی اور کافی چوڑی بھی۔۔۔ منال نے بنا رکے گاڑی چلتے دیکھ کر بے ساختہ روز سے ادھر سے ہی جانے کی خواہش کی تھی۔ ورنہ شہر میں تو آدھا وقت مختلف جگہوں پہ ٹریفک میں پھنس پھنس کر نکل جاتا تھا۔ اس نے پرس سے ہینڈ فری نکال کر کان میں اڑستے اور گانے پہ سر دھنتی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ مخالف سائڈ کی روڈ پہ کچھ من چلے نوجوان وہیلنگ میں مصروف تھے۔ آگے پیچھے اپنی اپنی بائیک پہ وہ مہارت سے کرتب دکھاتے ایک دوسرے کے آگے نکلنے کی کوشش کرتے۔ منال کا دل خوف سے تیز

تیز دھڑکنے لگا۔
"ان نوجوانوں کو دیکھو، زندگی جیسی چیز داؤ پہ لگا رکھی ہے۔ ماں، باپ صرف ایک بار ان کو یہ حرکت کرتا دیکھ لیں۔ قسم سے اپنے ہاتھوں سے ان کی بائیکس جلا دیں۔" اس نے کڑھ کر دل میں سوچا تھا۔
تب ہی اس نے دور سے بلیک کلر کی ہونڈا بائیک آتے دیکھی تھی۔ اس کی رفتار اس قدر تیز تھی کہ منال کو وہ کسی دھندلی چیز کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔ اور پھر اس کا دل زور، زور سے دھڑکنے لگا۔ دوسری طرف سے تیز رفتار کوچ آ رہی تھی۔ کوچ نے راستہ غلط لیا تھا۔ وہ ڈرائیور کی اس جلد بازی کا مطلب نہیں جان سکی تھی۔ ان کی گاڑی بھی رک گئی تھی۔ لڑکے کچھ دیر دوسری سائڈ پہ ہونے والے معرکے دیکھنا چاہ رہے تھے اور لڑکیاں بھی انٹرسٹڈ تھیں۔ سب پرجوش تھے۔ بلیک بائیک قریب آ چکی تھی۔ کوچ والا بھی اب راہ نہ بدل سکتا تھا۔ تب ہی بائیک والے نے ایک دم اپنا جسم ہوا میں اچھال دیا۔ وہ کسی پرچم کی طرح لہرانے لگا۔ قریب تھا کہ بائیک اور کوچ میں تصادم ہو جاتا وہ چھلاوے کی طرح واپس سیٹ پہ بیٹھا اور بائیک نکال لے گیا۔ سب نے تالیاں بجا کر اسے داد دی۔
منال خوف سے جیسے اسی لڑکے کو دیکھتی رہی۔ اس نے بائیک روک دی تھی۔ اب وہ ہیلمٹ اتار رہا تھا اور پھر اس نے ہیلمٹ اتارتے ہوئے بڑے اسٹائل سے بال سنوارے تھے اور منال.... اس کی رگوں میں خون جیسے منجمد ہونے لگا تھا۔ اس چہرے کو پہچاننے میں وہ کبھی دھوکا نہیں کھا سکتی تھی۔
گاڑی رواں ہوئی۔ وہ دیکھتی رہی۔ لڑکا بہت پیچھے رہ گیا۔ وہ مڑ نہ سکی۔ اس میں سکت ہی باقی کہاں رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

شانزہ بہت دن بعد گھر آئی تھی۔ سب بے حد خوش تھے۔ اس کا کھلتا چہرہ اس کی خوشیوں کا گواہ تھا۔ کوئی اور دن ہوتا تو منال بھی بے حد خوش ہوتی، لیکن آج وہ صرف اور صرف خوف میں مبتلا تھی۔ کسی طور دل کو چین ہی نہیں آ رہا تھا۔
وہ چاہتی تو ڈائریکٹ تایا ابو سے بات کر سکتی تھی۔ لیکن وہ جانتی تھی کہ وہ نورہان پہ کس قدر یقین کرتے تھے۔ نورہان ایک چھوٹی سی وضاحت دیتا اور منال کی ساری باتیں پس منظر میں چلی جاتیں۔
وہ اچھی طرح سمجھتی تھی کہ اسے اگر کسی سے بات کرنا چاہیے تھی تو وہ صرف اور صرف خود نورہان تھا۔ صرف وہی اس کی نیچر، اس کی فطرت کے زیادہ قریب رہی تھی۔ وہ اس کی رگ رگ سے واقف تھی۔ یہ اس کا اندازہ تھا۔ اور آج اسے اپنے اندازے پہ بے حد افسوس اور غصہ آ رہا تھا۔
وہ جتنا جلدی اس سے بات کرنا چاہ رہی تھی نورہان اسی قدر دیر کر رہا تھا۔ اسے صبر نہ ہوا تو گھر والوں کو شانزہ کے ساتھ مصروف دیکھ کر وہ باہر لان میں آ کر ٹہلنے لگی۔ بہر حال اسے نورہان کا انتظار تو کرنا ہی تھا۔
رات کے بارہ بجنے والے تھے۔ گھر کے سب ہی افراد سونے کے لیے جا چکے تھے۔ جب اس نے گلی میں بائیک کی آواز سنی۔ بائیک کی آواز سنتے ہی اس کے تھکے ہارے وجود میں توانائی سی بھر گئی۔ اس نے گیٹ کے اوپر لائٹ جلتی بجھتی دیکھی تھی۔ پھر اس نے چوکیدار بابا کو تیزی سے گیٹ کی طرف بڑھتے دیکھا اور پھر گیٹ کھلتے ہی وہ بائیک لیے اندر آیا تھا۔ چوکیدار گیٹ بند کرتا واپس کوٹھڑی میں چلا گیا۔ وہ بائیک کھڑی کرتا چابی جھلاتا مزے سے اندر جانے لگا کہ کسی احساس نے اس کے پیر جکڑ لیے۔ وہ ذرا سا مڑا اور حیرت سے کھڑا رہ گیا۔ منال جھولے پہ بیٹھی اس کی طرف ہی دیکھ رہی تھی۔ وہ مسکراتا ہوا اس کی طرف آیا۔
"تم اس وقت یہاں؟" اس کے لہجے میں حیرت نمایاں تھی۔ منال سر شام ہی سو جانے کی عادی تھی۔ کجا اس قدر رات اس کا باہر لان میں موجود ہونا نورہان کے لیے واقعی باعث حیرت تھا۔

"تمہیں کب سے جاگنے کی عادت پڑ گئی۔" وہ اس کے قریب ہی جھولے پر بیٹھ گیا۔

"تمہیں جھوٹ بولنے کی عادت کب سے ہو گئی نورہان؟" اس نے نورہان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے الٹا سوال کر دیا۔

"جھوٹ کیا مطلب؟" وہ مزید حیران ہوا۔

"دھوکا دینا کب سیکھا؟" ایک اور تیکھا سوال۔

"محبتوں کی امانت میں خیانت کرنا کب شروع کیا تم نے؟" وہ تلخ ہو رہی تھی۔ نورہان ناسمجھی اسے دیکھے جا رہا تھا۔

"تم پہ کسی بھوت کا سایہ ہو گیا ہے۔" وہ اٹھ گیا۔ منال بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آج سارا دن کہاں تھے؟" اس کے سوال پہ وہ پلٹا۔ ذرا سا مسکرایا۔ "دوستوں کے ساتھ تھا اور کہاں؟" پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالتا وہ کندھے اچکا گیا۔ منال ضبط سے نچلا ہونٹ کاٹ گئی۔

"دوستوں کے ساتھ کہاں؟" وہ اس کے قریب آئی۔

"ایک دوست کے گھر برڈ ز پارٹی تھی۔ سو صبح سے وہیں انجوائے کرتا رہا اور کہاں۔" وہ صاف جھوٹ بول گیا۔ اس بار منال کا ضبط جواب دے گیا۔ اس نے کس کر اس کے بائیں گال پہ تھپڑ دے مارا تھا۔ نورہان ساکت ہو گیا تھا۔ دھان پان سی اس لڑکی سے وہ ہر طرح کی توقع کر سکتا تھا مگر اس طرح کی حرکت.... وہ بالکل مفلوج ہو کر رہ گیا۔ وہ دو قدم مزید اس کے قریب ہوئی تھی۔

"تایا، بابا، چاچو، سب اماں، بہنیں، اتنے محبت کرنے والے لوگ، تمہیں دیکھ دیکھ کر جینے والے لوگ، تمہاری سانسوں سے دھڑکنے والے دل، تمہارے لمس سے وجود کو تسلیم کرنے والے لوگ، تمہیں کسی کا بھی خیال نہ آیا ہاں۔ اگر خدانا خواستہ تمہیں کچھ ہو جاتا تو.... " وہ اس پہ چلائی تھی۔ "یاد رکھنا ہاں...." اس نے شہادت کی انگلی اٹھا کر اسے وارن کیا۔

"یہ محبتیں ادھار ہیں.... اور تمہارا وجود قرض دار.... تم اس پہ اتنا حق نہیں رکھتے کہ تم ایک چھوٹے سے پاگل پن کے لیے ان ساری محبتوں، لوگوں اور اپنے وجود کو داؤ پہ لگا دو۔" وہ جیسے ہوش میں آیا تھا۔ کوئی لفظ اس کے ذہن کے پردے پہ نقش نہ ہو پایا تھا۔ یاد رہا تو صرف تھپڑ۔ نورہان کے اندر تک جلن اترنے لگی۔

"تم...." اس نے منال کا بازو زور سے پکڑ کر کھینچ کر اپنے ساتھ لگایا۔ اس کی گرفت اس قدر مضبوط تھی کہ منال کی آنکھیں جلنے لگیں۔ وہ کچھ دیر خونخوار نظروں سے اسے دیکھتا گرم سانس سے اس کے چہرے کو جلاتا رہا۔ پھر جیسے اس نے خود پہ ضبط کر کے اسے خود سے دور جھٹکا تھا۔ اور تیز قدموں سے اندر چلا گیا۔ وہ وہیں کھڑی سسکتی رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

نورہان اس سے ناراض تھا۔ اس نے اس رات کے بعد اپنی بائیک کو بھی ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ لیکن اب اکثر پڑھائی کے بہانے گھر سے باہر رہنے لگا تھا۔ منال کو تاسف گھیرنے لگا۔ وہ بچپن سے واقف تھی کہ جس چیز کے لیے وہ نورہان کو منع کر دیتی۔ وہ منع ہو جاتا تھا تو خواہ مخواہ اس قدر ناراض ہونے کی اسے کیا ضرورت تھی۔ اس کی حالت عجیب سی ہونے لگی۔ آنسو تھے کہ خود بخود پھسل پھسل جاتے تھے۔

آج تیسرا روز تھا۔ وہ نورہان سے نہیں مل پائی تھی۔ اسی لیے اسے سخت پریشانی ہو رہی تھی اور یہ پریشانی تب مزید بڑھ گئی جب شانزہ اپنے دیور کے لیے اس کا پیام لے کر آئی۔ منال کا دل پھٹنے کے قریب ہو گیا۔

"تم بھی پاگل ہو شانزے.... سرے سے منع ہی کیوں نہ کر دیا؟" تائی نے سنا تو فوراً ڈپٹ دیا۔

"اتنا اچھا رشتہ ہے تائی۔ منع کیوں کر دیتی۔" شانزہ حیران ہی رہ گئی۔

"منال کے لیے جب گھر میں اتنا اچھا رشتہ موجود

ہے تو باہر کیا تک ہے۔" امی نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

"کون۔ نوربان؟" وہ تو خوشی سے چلا ہی اٹھی۔

"تو اور کون بھلا" دونوں میں اتنی اچھی انڈر اسٹینڈنگ ہے۔ اٹیچ ہیں اس قدر' سچ کہوں تو سارے بڑے مل کر یہ طے کیے بیٹھے ہیں۔" تائی نے مزید انکشافات کیے۔ اندر آتی منال کے دل سے سارے خدشات دم توڑ گئے تھے۔

"منال اور نوربان کی مرضی بھی پوچھی ہے کسی نے؟" شانزہ نے یوں ہی پوچھ لیا۔

"بزرگوں کی آنکھیں چہرے پڑھ لیتی ہیں۔ تم بس اپنے ویو کے لیے اور لڑکی دیکھو۔" امی نے اسے ہری جھنڈی دکھائی۔ وہ خوش دلی سے ہنس دی۔

☼ ☼ ☼

"گیا..." وہ رات دیر سے گھر لوٹا تھا۔ شانزہ پھر بھی اس کی منتظر تھی اور اس کے خیال میں اس نے اپنے تئیں بھلے نوربان کو ایک بہت بڑی سرپرائز نیوز دی تھی۔ لیکن اس کا ری ایکشن شانزہ کا دل دھڑکا گیا تھا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ آپ لوگوں نے ایسا سوچ بھی کیسے لیا؟" وہ تڑپ اٹھا تھا۔ بایاں گال نہ جانے کیوں جلنے لگا تھا۔

"سب بڑوں نے تم دونوں کی اٹیچ منٹ کو دیکھ کر ہی فیصلہ کیا ہے اور یقین کرو اب تو میرا بھی یہ ہی خیال تھا کہ تم منال..."

"فار گاڈ سیک آپی۔ خود سے مفروضے گھڑ کر دو دو زندگیاں تو برباد نہ کریں۔" اس نے شانزہ کی بات مکمل نہ ہونے دی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ میں منال کے ساتھ بہت اٹیچ ہوں۔ بچپن سے وہ مجھے اور میں اسے اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں اس سے شادی کر لوں۔ دو سال بڑی ہے وہ مجھ سے۔" وہ دلیل دینے لگا۔

"یہ اتنی بڑی بات نہیں ہے۔" شانزہ ناراض ہوئی۔

"آپ کے نزدیک نہ سہی۔ میرے نزدیک ہے۔ منال کی شادی کی عمر ہے اور میری' میرے ابھی کھیلنے کودنے کے دن ہیں۔ تیس سال تک تو میں اس جھنجھٹ کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتا۔ اور پھر وہ بھی دو سال بڑی لڑکی سے... نہیں۔" دروازے کے قریب کھڑی منال ذرا سا لڑکھڑائی تھی۔

"ہرگز نہیں۔" وہ مزید بولا تھا۔ شانزہ اس کے بعد اس سے کچھ نہ بول پائی تھی۔

☼ ☼ ☼

شانزہ کمرے میں آئی تو وہ سرہانے میں منہ دیے بیٹھی تھی۔ وہ چپ چاپ اپنے بستر کی طرف بڑھ گئیں۔

"میرے لیے بھی سرپرائز نیوز لائی ہیں آپی۔" منال کے بکھرے لہجے پہ وہ جھٹکے سے مڑی تھی۔ منال کی لال آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ اس کی نوربان سے ساری بات سن چکی ہے۔ وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھی اور اسے خود میں بھینچ لیا۔

"تو کیا تم نوربان سے..." شانزہ نے دھڑکتے دل سے منال سے استفسار کیا تھا۔ جواب میں وہ پھوٹ پھوٹ کے رو دی تھی۔ دیوار کے ساتھ لگے نوربان نے اپنا گال سہلایا تھا۔

"تم ایک بار مجھے کہہ کر تو دیکھتیں۔ تم تو جانتی تھیں کہ نوربان سید' منال سید کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہے۔ پھر اس قدر بے اعتباری کیوں؟ جب اعتبار ہی نہیں تو رشتہ کی کیا اہمیت۔"

اس رات وہ ساری رات کئی دنوں بعد سنسان سڑکوں پہ بائیک دوڑاتا رہا تھا۔ تیز... تیز تر... تیز ترین۔

☼ ☼ ☼

"یہ بھلا کیسے ہو سکتا ہے شانزے؟" امی' تائی' چچی سب ہی اس کی بات سن کر کتنے ہی لمحے تو بول ہی نہ سکے تھے اور یہ بات ان کی بھی اس قدر غیر یقینی۔ نوربان'
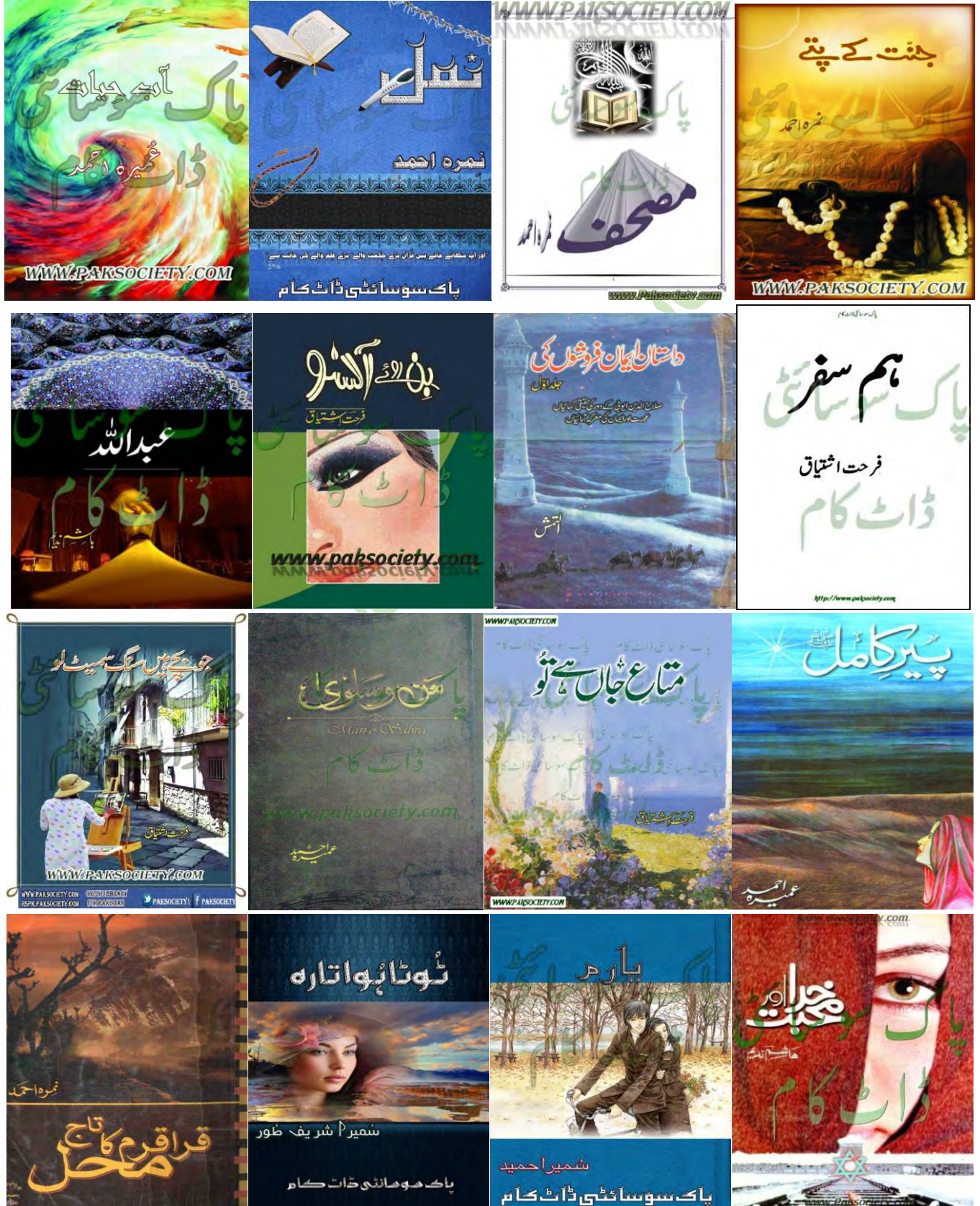
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

منال کے کس قدر قریب تھا' یہ وہ سب جانتے تھے۔ ان کو یقین تھا کہ اگر وہ ایک دوسرے کو اس طرح سے پسند نہ بھی کرتے ہوں' پھر بھی ان کو جب بڑوں کے فیصلے کا پتا چلے گا تو کم از کم بھی ان کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ ان دونوں میں اس قدر انڈر اسٹینڈنگ تھی کہ وہ دونوں ایک اچھی اور خوش گوار زندگی گزار سکتے تھے۔

ان سب میں سے کسی ایک نے بھی نہ سوچا تھا کہ صرف دو سال کا عمر کا فرق ایشو بن جائے گا۔ اور ان میں سے کسی کو یہ یقین بھی ہرگز نہ تھا کہ یہ اعتراض نوربان اٹھا دے گا۔ یہ خدشہ اگر تھا بھی تو منال کی طرف۔ سب ہی شازیہ کی بات سن کر شاکڈ تھے۔

"یہ تو شکر ہے ای کہ میں نے خوشی اور جوش میں آکر نوربان سے بات کرلی۔ ورنہ اتنا اچھا رشتہ آپ لوگ ایک خواہ مخواہ کے قیاس کے پیچھے گنوا لیتے۔" شازیہ نے کہا تو۔۔۔

"میں خود بات کرتی ہوں نوربان سے۔۔۔ یقین کرو شازیہ! رحمت نے تو ہمیشہ منال کو ہی بہو کے روپ میں دیکھا ہے۔ ایک ہی تو بیٹا ہے ہمارا' اتنا فیصلہ کرنے کا تو حق بنتا ہے ہمارا۔" چچی نے قطعی لہجے میں کہا۔

"میرے خیال میں یہ رشتے زور زبردستی سے اچھے نہیں رہتے چاچی۔ احسان اچھا لڑکا ہے۔ پھر میرے سسرال میں قدر ہے بہو کی۔ منال میری طرح عیش کرے گی۔ میں فی الحال ان کو ٹال دوں گی۔ مگر آپ سے یہی کہوں گی۔ اچھی طرح سوچ لیں۔ یوں پڑھے اور اچھے رشتے بار بار دستک نہیں دیتے۔" شازیہ کی بات پہ تینوں خواتین نے تائیدی انداز میں سر ہلا دیا۔

☼ ☼ ☼

گھر کے مردوں تک بھی معاملہ پہنچ گیا تھا۔ وہ بھی نوربان کو سمجھانے کی کوشش کرنے لگے۔

"ہم سب نے تمہارے لیے اپنی زندگیاں وقف کردیں۔ تمہاری ذات کو اپنا محور حیات بنالیا۔ تمہاری ہربات پوری کی' کوئی خواہش نہیں ٹالی۔ اس سب کا یہ صلہ دے رہے ہو۔" رحمت اسے اسی لہجے میں بات لوٹا رہے تھے۔

"اوہ" نوربان طنزیہ لہجے میں مسکرایا۔

"تو آپ سب مجھ سے ان محبتوں کا تاوان وصول کرنا چاہتے ہیں؟؟" اس کا لہجہ تلخ تھا۔

"محبتیں تاوان نہیں ہوتیں نوربان۔۔۔" رمضان کے دل کو ٹھیس سی لگی۔ البتہ ان کا لہجہ ویسا ہی شفیق رہا۔

"محبتیں تو مان بھرا ادھار ہوتی ہیں۔ کوئی اگر آپ پہ اپنی پوری کائنات نچھاور کرتا ہے تو صلے میں اگر تمہاری زندگی کے ہی بارے میں ایک فیصلہ اور وہ بھی اچھا فیصلہ کرنا چاہتا ہے تو اسے اتنا تو حق دو۔ ورنہ مان' بھروسا سب ٹوٹ جاتا ہے۔" وہ اسے اب بھی سمجھا رہے تھے۔

"میں پھر بھی یہ کہوں گا۔ میں معذرت چاہتا ہوں۔ آپ سب کی محبتوں کا یہ ادھار میں چکانے سے رہا۔" وہ تیز لہجے میں بول گیا۔

"نوربان۔" رحمت چلاتے ہوئے اس کی طرف بڑھے تھے کہ رمضان نے ان کو روک لیا۔

"چھوڑو رحمت یہ ٹھیک کہہ رہا ہے میرے خیال میں اس قسم کے فیصلے زبردستی میں نہیں کیے جاتے۔ شازیہ جو رشتہ منال کے لیے لائی ہے' وہ بھی کم نہیں۔" نوربان ان کی بات پہ چونکا پھر تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔ رحمت ڈھے سے گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

اس رات وہ ایک دوست کے گھر رہا تھا۔ صبح گھر پہنچا تو سامنا شازیہ آپی سے ہوا۔ وہ حیران ہوا کیونکہ ویک اینڈ کے علاوہ کبھی ادھر کا رخ نہیں کرتی تھیں۔ دوسری طرف شازیہ بھی اسے دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔ رف سے حلیے میں بڑھی ہلکی شیو اور سرخ انگارہ آنکھیں' وہ کہیں سے بھی پرانے والا ایکٹیو اور خوش باش نوربان نہیں لگ رہا تھا۔ شازیہ کا دل۔۔۔ کسی نے مٹھی میں بھینچ لیا۔

"شازیہ آپی۔ آپ آج یہاں کیسے؟" مسکراتے

ہوئے اس نے فوراً اپنی حیرت کا اظہار بھی کر دیا تھا۔
"امی نے بلایا تھا۔ منال کے لیے بات کرنا بھی کوئی ضروری۔" وہ بغور اس کا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔ نورہان کا دل ڈوبا۔
"تم ٹھیک ہو؟" شانزہ کے لہجے میں اس کے لیے فکر بول رہی تھی۔ اور وہ سب لوگ ایسے ہی تھے۔ پر خلوص، محبت کرنے والے۔ وہ ایک دوسرے کی کمزوری کی بجائے طاقت بنا کرتے تھے۔ دوسرے کے لیے سہولت خود پیدا کر دیتے تھے۔ نورہان کو دل ہی دل میں شرمندگی نے گھیرا۔ اس کے اس قدر سخت رویے کے باوجود کوئی اس سے ناراض نہیں ہوا تھا۔ سب اس کی اب بھی اسی طرح کیئر کرتے تھے۔ سوائے منال کے۔ جیسے پہلے وہ خود کو پس منظر میں دھکیل رہا تھا۔ اور اب وہ خود منظر سے بالکل غائب ہو گئی تھی۔ اس نے بھی شاید نورہان کی خواہش جانتے ہوئے اس کے لیے آسانی کی تھی۔
"میں ٹھیک ہوں۔ آپ پلیز پریشان نہ ہوں۔" نورہان کو اچھا نہیں لگا۔
"خیر تم اب اپنا حلیہ درست کر لو اب تمہیں کوئی تنگ نہیں کرے گا۔ پتا ہے امی کہہ رہی تھیں کہ میں اپنے سسرال والوں کو آنے کا عندیہ دے دوں۔ احسان تو چٹ منگنی پٹ بیاہ کا کہہ رہا ہے۔ دعا کرو۔ بس جو بھی ہو اچھا ہو۔" شانزہ اسے جوش سے بتاتے واپس مڑی تھی۔
"آپی۔" اس نے پکارا۔ شانزہ پلٹی۔ "جی؟"
"منال خوش ہے؟" وہ نظریں نہ اٹھا پایا تھا۔
"ہے نہیں تو بھی ہو جائے گی۔ میں احسان کو جانتی ہوں۔ وہ اسے خوش ہی رکھے گا۔" شانزہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور اندر چلی گئی۔ نورہان کی آنکھیں کیوں جلنے لگیں یہ اسے خود بھی معلوم نہ تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ بائیک پہ چند دوستوں کے ساتھ یونیورسٹی روڈ پر مستی کرنے آیا تھا۔ جب اسٹاپ پہ منال اسے نظر آئی تھی۔ آج اس کی وین نہیں آئی تھی۔ تب ہی شاید بس کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ دوستوں سے ایکسکیوز کرتا منال کی طرف بائیک لے آیا۔
"آجاؤ۔ میں چھوڑ دیتا ہوں منال۔" اس نے نرمی سے اسے مخاطب کیا۔ منال نے ایک نظر اس پہ ڈالی اور چہرہ موڑ لیا۔ اس کی متورم آنکھوں کو دیکھ کر نورہان کے دل کو کچھ ہوا تھا۔
"کم آن منال۔۔۔ یوں روڈ کنارے تم مجھے بالکل بھی اچھی نہیں لگتیں۔"
"اچھی بات ہے۔" منال نے جیسے مکھی اڑائی۔
"کبھی میری بات بھی مان لیا کرو۔" اسے غصہ آنے لگا تھا۔
"جاؤ نورہان۔ میرا تماشا نہ بناؤ۔" منال نے ارد گرد موجود لڑکے لڑکیوں کو اپنی طرف متوجہ ہوتے دیکھ کر اسے غصے سے کہا۔ وہ لب کچلتا اسے دیکھے گیا۔
"نورہان۔" تب ہی کوئی لڑکا تیزی سے بائیک اڑاتا۔ نورہان کو پکارتا ان کے قریب سے گزرا تھا۔
"آ و یار۔ ون ویلنگ کا اصلی مزا تو رش روڈ پہ ہی آتا ہے۔" قدرے دھیمی رفتار سے پاس سے گزرتے بائیک پہ بیٹھے اس لڑکے نے بھی اسے مخاطب کیا تھا۔ منال کو اور غصہ آنے لگا۔
"جاؤ نہ۔ مزے سے اپنی اور کئی دوسری زندگیاں خطرے میں ڈالو۔" وہ ایک ایک لفظ چبا کر بولی۔ نورہان نے ایک نظر اسے دیکھا۔ ہیلمٹ چڑھائی اور زن سے بائیک آگے بڑھا دی تھی۔ یہ ون وے روڈ تھا۔ دونوں طرف سے ٹریفک خاصی زیادہ تھی۔ اور اس قدر رش روڈ پر وہ دھوئیں کی طرح اڑا جا رہا تھا۔ منال نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے لب خود بخود کوئی ورد کرنے لگے۔ تب ہی کوئی بائیک اس کے قریب رکی تھی۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔ وہ نورہان تھا۔
"ڈرو نہیں۔" وہ مسکرایا۔ اس کے نچلے ہونٹ پہ ننھا سا تل بھی مسکرا دیا تھا۔
"مروں گا نہیں۔" اس کی گہری براؤن آنکھوں میں شرارت تھی۔

"تم مر بھی جاؤ تو کسے پروا ہے نورہان......" اس نے زندگی میں شاید پہلی بار اس کا مکمل نام لیا تھا۔ بچپن میں اس کا پورا نام نہ لے سکنے کی وجہ سے وہ اسے صرف ہان کہہ کر پکار لیتی تھی۔ رفتہ رفتہ یہ اس کی عادت بن گیا۔ اور نورہان بھی عادی ہو گیا تھا۔ تب ہی اس وقت پورا نام سن کر اس کے ہونٹوں سے چھٹی مسکراہٹ ایک پل میں رخصت ہوئی تھی۔

"مجھے تو بس صرف ان کی فکر ہے۔ جن کی زندگی تمہاری سانسوں سے جڑی ہے۔"

اس کی بس آ گئی تھی۔ وہ اس پہ ایک نگاہ غلط ڈالے بغیر بس پہ چڑھ گئی تھی۔ نورہان کچھ دیر وہیں رکا تھا۔ پھر تیز اسپیڈ سے اس کی بس کے ہمراہ ہوا تھا۔ وہ بائیک کو ہوا میں اچھالتا، کبھی خود ہوا میں جھول آتا' بائیک کو ہوا میں اٹھا کر کتنے ہی چکر کاٹ لیتا۔ وہ مسلسل اس کی بس کے ساتھ یا سامنے ہی یہ کرتب دکھا رہا تھا۔ شاید وہ اسے زچ کر رہا تھا۔ منال کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ بس میں بیٹھا ہر شخص اسے ملامت کر رہا تھا۔

نورہان کی بائیک کی رفتار آہستہ ہوئی۔ بس آگے نکل گئی۔ منال نے مڑ کر اسے دیکھنے کی کوشش نہ کی تھی۔ ذرا دور جا کر نورہان کی بائیک اس کی کھڑکی کے قریب آئی تھی۔ منال نے ناراض نظر ڈال کر چہرہ موڑ لیا تھا۔ نورہان آگے بڑھتا چلا گیا تھا۔ گاڑیوں کے ہجوم میں وہ اس کی آنکھوں سے اس بار مکمل اوجھل ہوا تھا۔ اس نے نم پلکیں موند کر سیٹ کی پشت سے ٹیک لگالی۔

☼ ☼ ☼

رات گہری ہونے لگی تھی اور سرد بھی۔ آج دھند بھی سر شام اتری تھی۔ اس نے ٹیرس سے نیچے دیکھنے کی کوشش کی' مین گیٹ اور چوکیدار کی کوٹھڑی پہ جلتے لائٹ بلب ہی ٹمٹماتے نظر آ رہے۔ باقی تو ہر چیز دھند کی لپیٹ میں تھی۔ وہ گرم شال لپیٹتی نیچے چلی آئی۔ گھر کے سب ہی نفوس شاید سونے کے لیے جا چکے تھے۔ وہ باہر لان میں نکل آئی' پھر گیراج کے اس حصے کی طرف جہاں وہ بائیک کھڑی کرتا تھا۔

"اللہ کرے آج وہ گھر پر ہو۔" وہ دعا مانگتی اس طرف آئی۔ بائیک اپنی جگہ پر نہیں تھی۔ اس کا دل ڈوبا پھر اسے غصہ آنے لگا۔ وہ کتنا کہتی تھی اپنے بڑوں کو شام کے بعد نورہان کو باہر جانے کی اجازت نہ دیں۔

"تمہیں کیا پرابلم ہے۔ دوستوں کے ساتھ ہی تو جاتا ہے۔" سب سے پہلے تو شانزہ آپی نے اس کی حمایت کی تھی۔

"پھر سب کے سب اچھی فیملیز کے ہیں' اچھی طرح جانتے ہیں تمہارے تایا ابو ان کو۔" امی نے بھی بھتیجے کی سائیڈ لی تھی۔

"اس کے دوست بھی تو کئی دفعہ رات یہیں رک جاتے ہیں۔ تم فکر مت کیا کرو بیٹا۔ بڑا ہو نے دو اس کو۔" تایا ابو بھی مسکراتے ہوئے اس کی فکر دور کرتے' مگر اس کی فکر دور ہوتب نہ۔ وہ غصے سے بڑبڑاتی اندر کمرے میں آ گئی تھی۔ اس نے قالین پہ پڑے جائے نماز کو ایک نظر دیکھا۔ صبح کے واقعے کے بعد وہ جس قدر غصے میں تھی۔ اس وقت نورہان کی غیر موجودگی نے اسے مزید بدظن کر دیا تھا۔ اس نے نم چہرہ صاف کیا اور بیڈ پر آ گئی۔

"نہیں نورہان! میں تمہارے لیے اپنی دعا ضائع نہیں کروں گی۔" کہتے ہوئے اس نے سختی سے آنکھیں رگڑی تھیں۔

آج اس نے دعا نہیں کی تھی اور بیڈ پہ لیٹ گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ پرسکون ہو چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ شہر سے کافی دور نکل آیا تھا۔ سڑک سنسان تھی۔ اس نے ایک جگہ بائیک روکی۔ ہیلمٹ اتاری کچھ دیر یوں ہی سرد ہوا اپنے اندر جذب کرتا رہا۔

"تم مر بھی جاؤ تو پروا کسے ہے۔" کوئی اس کے کانوں میں چلایا تھا۔

"وہ کہتی ہے ہیری' میں مر بھی جاؤں تو اسے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" اس نے مسکراتے ہوئے اپنی

بائیک پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ یوں جیسے واقعی وہ اسے سن رہی ہو۔

"ایسا ہے تو ایسا سہی منال سید۔" وہ مسکرایا اور دوبارہ بائیک پہ بیٹھ گیا۔

"بس دعا ہے۔ اتنی سانسیں بچ جائیں۔ ایک بار دیکھ بھی لوں اپنی آنکھوں سے۔ تمہیں واقعی پروا نہیں ہے یا۔۔۔" اس نے بائیک اسٹارٹ کی۔ لمبی سانس لی۔

"جب کہ مجھے یقین ہے تم میری طرف ہی لوٹو گی۔ دوڑتی چلی آؤ گی۔ منال سید کو نورہان کے علاوہ کوئی مکمل کر ہی نہیں سکتا۔" اس نے زن سے بائیک آگے بڑھائی تھی۔ ہوا اور دھند نے سارے منظر دھندلا دیے تھے۔ اسے کچھ بھی نظر نہیں آرہا تھا' لیکن وہ کرتب دکھاتا آگے بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ اس کی بائیک ایک کھڑے ٹرک میں جا لگی تھی۔ گہری تاریکی میں ڈوبتے ذہن میں آخری شبیہ بلاشبہ منال کی ہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"منال۔۔۔ منال۔۔۔ اٹھو۔" رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا۔ جب کسی نے چیختے ہوئے اسے جھنجوڑ ڈالا تھا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھی تھی' اس نے دیکھا۔ وہ عائزہ تھی۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ منال کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔

"کیا ہوا ہے عائزہ آپی۔ خیر تو ہے نہ؟" وہ کانپتے لہجے میں بولی تھی۔

"تم جلدی سے چادر سویٹر لے کر نیچے آجاؤ۔ سب پتا چل جائے گا۔" وہ تیز لہجے میں کہہ کر واپس پلٹ گئی۔ منال سے تو ہلنا محال ہو گیا' بڑی مشکل سے گرم کوٹ لیا' چادر لپیٹی اور منہ ہاتھ دھوئے بغیر ہی نیچے آگئی۔ نیچے ابو' امی اور عائزہ اور تائی امی اس کے انتظار میں بیٹھے تھے۔

"جلدی چلو سب۔" اس پہ نگاہ پڑتے ہی فضل الٰہی تیزی سے باہر نکلے تھے۔ سب نے ان کی پیروی کی تھی۔ وہ بت بنی کھڑی رہی۔ امی نے اس کا ہاتھ پکڑا اور تقریباً" ساتھ گھسیٹتے ہوئے باہر لے گئیں۔ کسی انہونی نے الارم بجانا شروع کر دیا تھا اس کے اندر۔

"عائزہ آپی۔ پلیز بتائیں ہوا کیا ہے؟" وہ صحیح سے بول بھی نہ پا رہی تھی۔

"نورہان۔" عائزہ نے بھی بمشکل لفظ ادا کیا۔ منال کا دل ڈوب کے ابھرا تھا۔

"نورہان کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔ وہ بہت زخمی ہے۔" عائزہ سسک پڑی تھی اور منال سیٹ کی پشت پہ ڈھے سی گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

نورہان کی کنڈیشن سیریس تھی۔ اس کے تقریباً" تمام جسم پر ہی شدید چوٹیں آئی تھیں۔ رات سے اگلی رات لوٹ آئی تھی' مگر نورہان نے ابھی تک آنکھ نہ کھولی تھی۔ چار گھنٹے کے طویل آپریشن کے بعد اسے آئی سی یو میں رکھا گیا تھا۔ رمضان اور رحمت نے سب گھر والوں کو واپس بھیج دیا تھا۔ شانزہ البتہ اب بھی ان کے پاس تھی۔ اسے صبح اطلاع دی گئی تھی اور وہ تب سے وہاں تھی۔

پولیس اور اب تک ملنے والی رپورٹس کے مطابق نورہان کا ایکسیڈنٹ سنسان سڑک پہ ہوا اور اس میں سارا قصور سراسر نورہان کا ہی تھا۔ نزدیکی ڈھابے والوں نے بھی اس لڑکے کو پاگل گردانتے ہوئے بیان دیا تھا کہ وہ یوں اندھوں کی طرح تاریکی میں بائیک چلا رہا تھا جیسے مرنے کے ارادے سے آیا ہو۔ اس کی بائیک کی چنگھاڑ نزدیکی گاؤں کے لوگوں نے بھی سنی تھی اور ایکسیڈنٹ کی خطرناک آواز سن کر ہی وہ سب اس شدید سرد موسم میں بھی اس کی مدد کے لیے باہر نکل آئے تھے' یہ ان ہی کی بدولت تھا کہ نورہان بدترین سہی مگر سانسیں تو لے رہا تھا۔

اسے بے ہوشی میں دو دن گزر چکے تھے مگر بڑھتے سمے کے ساتھ وہ ول پاور استعمال کر رہا تھا' لاشعوری طور پہ ہی سہی وہ واپس لوٹنا چاہ رہا تھا اور ڈاکٹرز اس سے بے حد مطمئن تھے۔ اس کی سانسیں چل رہی تھیں

اور اس کے گھر والوں کی امید اور زندگی۔

ڈاکٹرز بتا چکے تھے کہ اس کی مکمل صحت یابی ایک معجزہ ہی ہوگا۔ اس کے بازو' کمر اور ٹانگیں اس قدر متاثر تھیں کہ ڈاکٹرز زیادہ پرامید نہ تھے' ان کے مطابق پچھتر فیصد چانسز تھے کہ نورہان ایک معذور زندگی ہی جی سکتا تھا۔ بالکل مکمل صحت مند زندگی اب صرف ایک معجزہ تھی' لیکن ان کی ساری فیملی مطمئن تھی۔ وہ معجزوں پہ یقین رکھتے تھے۔ نورہان کی پیدائش بھی تو اک معجزہ ہی تھا ان کے لیے اور انھیں اللہ پہ یقین تھا وہ سب اچھا کردے گا۔ وہی تو مسبب الاسباب ہے۔

☼ ☼ ☼

منال اس رات کے بعد اسپتال نہیں گئی تھی۔ اس کی ہمت ہی نہیں ہوئی تھی۔ آئی سی یو کے سفید شیشے کے پار اس سفید پٹیوں میں جکڑے بے جان وجود کو دیکھنے کی اور ان دو دنوں اور راتوں میں وہ صرف دعا کرتی رہی تھی۔

اسے بار بار پچھتاوا ہونے لگتا۔ اس دن اس نے ضد کیوں کی۔ نورہان تو تھا ہی ضدی۔ اس نے کیوں دعا کا دامن چھوڑ دیا۔ اسے یقین تھا' وہ دعا کرتی تو اس رات بھی وہ بخیر و عافیت گھر پہنچ آتا۔ چاہے کتنی ہی ضد کرتا' خطرناک کرتب دکھاتا' اس کی دعا ضرور اسے بچا لیتی۔ جو بھی اسپتال سے آتا۔ اس کا حال پوچھتی۔ بہتری کا سن کر دعا کی شدت اور بڑھ جاتی۔ انھی دنوں میں اس نے خود سے ایک مرتبہ پھر اعتراف کیا تھا۔ منال سید ہر حال میں صرف نورہان کے لیے ہی جیتی تھی۔

آج پانچواں روز تھا۔ قوی امید تھی کہ آج اسے ہوش آجاتا۔ اس دن سب کا دل معمول سے کچھ زیادہ تیز دھڑک رہا تھا۔

"اسے ہوش میں آنے دو۔ اچھی طرح خبر لوں گا۔" اتنے دن سے گم صم رحمت میں جان آئی تھی۔

"غلطی صرف اس کی نہیں۔" رمضان دھیمے لہجے میں بولے۔

"قصور ہمارا بھی ہے۔ منال اسے اچھی طرح جانتی اور سمجھتی تھی۔ بار بار ہمیں وارن کرتی رہی۔ اسے ٹوکتی رہی۔ ہم سب اس بے چاری کو بھی نظرانداز کرتے رہے۔ اس نقصان میں ہم سب برابر کے ذمہ دار ہیں۔" ان کی بات میں وزن تھا۔ تب ہی رحمت الٰہی نے مزید کوئی بات نہیں کی تھی۔

دعائیں قبول ہوئیں۔ شام کے پانچ بجے تھے جب نورہان نے کراہتے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔ نورہان کے گھر میں سب کو نئی زندگی ملی تھی۔ نورہان کو اسی رات کمرے میں شفٹ کردیا گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

نورہان کو ہوش تو آگیا تھا مگر ابھی بھی وہ ہوش و بے ہوشی کے بیچ میں رہتا۔ آنکھیں کھلی رہتیں' پھر بھی وہ سامنے کے منظر کو سمجھنے میں ناکام رہتا۔ ڈاکٹرز کے مطابق اس کا ذہن ابھی مکمل طور پہ بیدار نہیں ہو پا رہا۔ منال ابھی تک اسپتال نہیں گئی تھی۔ آج امی ضد کرکے اسے لے کر آئی تھیں۔ وہ کانپتے پیروں سے نورہان کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ نورہان کے ماتھے سے لے کر ٹھوڑی تک سارے چہرے پہ جا بجا چھوٹے پلاسٹ لگے تھے۔ باقی پورا جسم سفید پٹیوں میں جکڑا تھا اس کے خوب صورت چہرے کا یہ حال دیکھ کر منال کا دل رونے لگا۔ تب ہی اس نے نورہان کی پلکوں کو لرزتے دیکھا' وہ ایک مرتبہ پھر جاگ رہا تھا۔

"جاگ جاؤ ہان۔ تمہاری آنکھیں بند تو بالکل بھی پیاری نہیں لگتیں۔" وہ نم لہجے میں اسے پکار کر بولی تھی۔ نورہان نے دھیرے سے آنکھیں کھول دیں۔

"منا... نا... نال۔" اس کی آنکھوں میں اس کا عکس کس قدر گہرا تھا۔ دھندلائی سی آنکھوں میں روشنی بکھرتی چلی گئی تھی۔ وہ منال کو پہچان چکا تھا۔ اسے مکمل ہوش آگیا تھا۔

"امی... بابا..." وہ روتے ہوئے چلا دی تھی۔ گم صم سے تینوں افراد تیزی سے اس کی طرف لپکے۔ نورہان

اب انہیں دیکھ رہا تھا۔

"امم۔ مم۔ ای۔" وہ درد کی وجہ سے شاید بول نہیں پا رہا تھا۔ ماں نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے اس کی بلائیں لے لیں۔

"نورہان۔۔۔" رمضان اپنے آنسوؤں پہ قابو نہ پا سکے۔ منال نے ان کے کندھے تھام کر ان کو تسلی دی۔

"ایسا کیوں کیا تم نے ہمارے ساتھ نورہان۔۔۔" رحمت اس وقت بھی اپنی طبیعت اور غصے پہ قابو نہ رکھ سکے تھے۔ اسے شعور میں دیکھتے ہی وہ چلا اٹھے تھے۔ اتنے دنوں کی جاگی، مرجھائی آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی۔

"ہماری محبت، مان، بھروسے کا تم یہ صلہ دو گے۔ میں تو مر کر بھی سوچ نہیں سکتا تھا۔"

"بس کرو رحمت۔ اس کی حالت تو دیکھو۔" تائی ای نے انہیں ٹوکا۔

"اس کی اس حالت کے ذمہ دار ہم نہیں ہیں بھابھی۔ اس حالت کا ذمہ دار یہ خود ہے۔ کتنی بار اخباروں میں پڑھا، ٹی وی پر سنا کہ کچھ من چلوں نے ون ویہلنگ جیسے خطرناک کام میں جان گنوا دی۔۔۔ اور میں ان پہ کتنی لعنت ملامت کرتا، اس بات سے بے خبر کہ میرا اپنا بیٹا روزانہ اپنے ساتھ ساتھ کئی بے گناہ لوگوں کی زندگی خطرے میں ڈال دیتا ہے۔" بھائی بھابھی روکتے ہی رہ گئے مگر رحمت بولتے چلے گئے۔

"تم نے، تم نے منال کو ٹھکرایا تھا نہ۔ صرف دو سال کی عمر کے فرق کے لیے اب اپنی حالت دیکھو۔۔۔ کون کرے گا تم سے شادی۔۔۔ ایک اپاہج اور زخم زدہ چہرے والے انسان سے شادی۔۔۔"

"رحمت پلیز۔" رمضان ان کو باہر کی طرف کھینچنے لگے۔

"تم نے مجھے سب کے سامنے شرمندہ کر دیا نورہان۔۔۔" وہ روتے ہوئے باہر نکل گئے تھے۔ رمضان اور ان کی بیوی بھی ان کے پیچھے لپکے تھے۔ منال نے دیکھا، نورہان چھت کو گھور رہا تھا۔ اس کی دائیں آنکھ سے ایک آنسو ٹپکا اور لڑھکتا چلا گیا۔ منال نے دھیرے سے وہ آنسو اپنی انگلیوں کی پوروں پہ چن لیا۔ نورہان کی روح تک میں ٹھنڈک اتر گئی۔ اس نے عجیب اداس نظروں سے منال کو دیکھا تھا۔ وہ سسکتی باہر نکل گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس دن کے بعد وہ پھر اسپتال نہیں گئی تھی۔ جو بھی تھا۔ ابھی بھی وہ نہ صرف نورہان سے خفا تھی بلکہ غصہ بھی تھی۔

آج پورے تین ہفتے بعد وہ گھر آ رہا تھا۔ اس کی حالت اس قدر بہتر تھی کہ اسے اسپتال سے گھر شفٹ کیا جا رہا تھا، لیکن اگلے چھ ماہ تک اسے بیڈ ریسٹ پہ ہی رہنا تھا۔ وہ صبح سے اس کے کمرے کی صفائی میں جتی تھی۔

"میں کچھ مدد کروا دوں۔" شانزہ نہ جانے کب گھر آئی تھی۔ اسے یہاں مصروف دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں آپی۔ آپ اور ای لوگوں سے مل لیں، میں تب تک کام نبٹا کے ابھی آتی ہوں۔ بس ذرا سا ہی کام رہ گیا ہے۔" وہ بیڈ کی چادر بدلتے ہوئے بولی۔ شانزہ سر ہلا کر مڑنے لگی۔

"آپی۔" منال نے ایک دم سے پکار لیا۔

"جی۔" وہ مڑی۔

"وہ کیسا ہے؟" منال کی آواز کمزور تھی۔

"ویسا ہی ہے۔ اب تو جیسے بولنا ہی بھول گیا ہے۔" شانزہ کی آواز میں اداسیاں بھرنے لگیں۔ "سارا دن میں اس سے بات کرتی رہی۔ اس کے بولنے کی منتظر رہی۔ پر وہ خاموش ہی رہا۔" منال کا دل خراب ہوا۔

"بس آتے وقت تمہارا پوچھا کہ منال بزی ہو گی تب ہی نہیں آئی۔" منال کا دل دھڑکا۔

"میں نے کہا۔ شاید تمہارا کمرہ وغیرہ سیٹ کر رہی ہو۔ امتحان بھی ہیں اس کے۔"

"اس نے کیا کہا پھر۔" منال بے اختیار پوچھ بیٹھی۔

"کہہ رہا تھا منال کو تیاری کی کیا ضرورت۔ یوں ہی

جا کر بیٹھ جائے ہال میں۔" وہ بتاتی گئیں۔ منال مسکرا دی۔

"اچھا میں چاچی کو مل کے آتی ہوں۔ تم پلیز ایک کپ چائے بنا دینا۔"

"میں ابھی لاتی ہوں۔" منال نے فوراً" کہا اور ان کے ساتھ ہی کمرے سے باہر نکل آئی۔

☆ ☆ ☆

یہ اس کی دل بہادری تھی کہ وہ بہت تیزی سے ری کور کر رہا تھا۔ ڈاکٹر اس کی ری کوری سے خاصے مطمئن اور خوش تھے۔ اس کے سارے کاموں کی ذمہ داری تایا' بابا اور چاچا نے مل کر سنبھال لی تھی۔ مختلف قسم کی ایکسر سائزز' اس کی دوسری بنیادی ضروریات' سب کا خیال رکھتے' بہترین کیئر کی وجہ سے وقت سے پہلے وہ بیٹھنے کے قابل ہو گیا تھا۔ کمر اور گردن کا پلاستر بھی اتر گیا تھا۔ صرف ٹانگوں کے فریکچر ابھی مکمل طور پہ کور نہیں ہو پائے تھے۔ ڈاکٹرز نے احتیاطاً" ابھی اسے بیٹھنے اور وہیل چیئر استعمال کرنے سے روک دیا' لیکن اس سے صبر نہیں ہو پا رہا تھا۔ پچھلے دو ماہ سے اس نے منال کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ بھول کر بھی اس کے سامنے نہیں آئی تھی اور اس کے دل کو قرار نہیں آ رہا تھا۔

آج صبح سے گھر میں خاصی چہل پہل محسوس ہو رہی تھی۔ اوپر سے کوئی کمرے میں بھی نہیں آ رہا تھا کہ وہ پوچھ ہی لیتا۔ اس نے ذرا سا ہاتھ کی مدد سے ایک ٹانگ کو حرکت دینا چاہی۔ درد کی تیز لہر اٹھی۔ وہ سسکاری بھر کر رہ گیا تب ہی شانزہ اندر آئی تھی۔

"یہ کیا کر رہے ہو نوربان۔" وہ تڑپ کے چلائی۔

"ڈاکٹرز نے کہا بھی ہے کہ کتنی احتیاط کی ضرورت ہے' ذرا سی غلطی تمہیں ساری عمر کے لیے اپاہج کر سکتی ہے۔" وہ اس کی ٹانگوں پہ کمبل ڈالتے ہوئے سخت لہجے میں بولی۔

"ڈاکٹرز نے یہ بھی کہا ہے کہ میرے چلنے کے صرف ففٹی ففٹی ہی چانسز ہیں۔" وہ تلخی سے مسکرایا۔

"جو احتیاط سے بڑھ سکتے ہیں۔ اوکے۔ اور انہوں نے تمہاری کمر اور بیٹھنے کے متعلق بھی تو یہی کہا تھا نا۔" شانزہ مسکرائی۔

"خیر۔ یہ اوپر اتنی ہلچل کیوں ہے؟ کوئی آیا ہے کیا؟" اسے اصل بات یاد آئی۔

"ہاں۔" شانزہ خاموش سی ہو گئی۔

"احسان اور ان کی امی ہیں۔ تمہیں پوچھنے آئے ہیں۔"

"منال کہاں ہے؟" وہ پوچھ بیٹھا اس کا سوال اس قدر اچانک تھا کہ شانزہ چونکے بنا نہ رہ سکی۔

"احسان کو پیچھے کی طرف لان دکھانے گئی ہے' امی نے کہا تو......"

"آپی لائٹ آف کر دیں' مجھے سونا ہے۔" وہ اس کی بات کاٹ گیا۔ شانزہ مزید چونک گئی۔

"تم ٹھیک ہو؟" وہ پریشان ہوئی۔

"پلیز آپی۔" وہ لیٹ گیا تھا۔ شانزہ خاموشی سے لائٹ آف کر کے نکل گئی تھی۔ نوربان نے غصے سے سائیڈ ٹیبل پہ رکھی امپورٹڈ واچ اٹھا کر کھینچ ماری تھی جو پچھلے باغ میں کھلنے والی کھڑکی کراس کر گئی تھی اور احسان کے ساتھ وہاں سے گزرتی منال کے پاؤں میں جا گری تھی۔ اس نے حیرت سے وہ گھڑی اٹھائی اور احسان سے معذرت کرتی اندر چلی آئی۔

تھوڑی دیر بعد ہی نوربان نے شانزہ کو دوبارہ آتے دیکھا تھا۔ اس نے کھڑکی بند کی اور گھڑی سائیڈ ٹیبل پہ رکھ دی۔ وہ حیران ہوا۔

"یہ کہاں سے ملی ہے آپ کو۔" وہ پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

"منال نے دی ہے کہ تمہیں دے دوں۔"

"وہ خود کہاں ہے؟" وہ بے اختیار ہوا۔

"سونے چلی گئی۔" شانزہ کے بتانے پہ اس نے مطمئن سانس لی۔ وہ جانے لگی تو اس نے دوبارہ پکار لیا۔

"آپی۔"

"جی۔"
"آپ کے گھر والوں نے منال کے بارے میں کوئی بات کی؟؟"
"نہیں۔ تمہارے ساتھ اتنا بڑا حادثہ ہوا۔ وہ یہ ذکر چھیڑ بھی کیسے سکتے تھے پاگل۔" شانزہ مسکرائی۔
"ویسے سچ میں نوربان۔۔۔ منال اور تمہارے بارے میں میرا دل بھی یہی کہتا ہے کہ تم دونوں۔۔۔"
"منال مجھ سے ملنے نہیں آتی؟؟" اس نے ایک مرتبہ پھر اس کی بات کاٹ دی تھی۔
"ناراض ہو شاید تم سے۔ ٹھیک ہو جاؤ تو منالینا۔" شانزہ نے مسکرا کر کہتے ہوئے باہر نکلنے لگی۔
"آپی! منال کو کہنا نوربان سید کو منانا نہیں آتا۔" اس نے تکیہ منہ پہ رکھتے ہوئے کہا تھا۔ شانزہ اس کے معصوم انداز پہ مسکرا دی تھی۔

☼ ☼ ☼

"تم اتنے دن سے نوربان سے نہیں ملیں۔" شانزہ نے فراغت پاتے ہی اسے جا پکڑا۔
"ہاں۔ تو۔" کمال بے نیازی سے جواب آیا۔ وہ لیپ ٹاپ سامنے رکھے کوئی فائل کھولے بیٹھی تھی۔
"تمہیں اس سے مل لینا چاہیے تھا۔ ڈاکٹرز پتا ہے کیا کہہ رہے تھے۔"
"وہ ٹھیک ہو جائے گا۔" منال یوں ہی کام میں مصروف اس کی بات کاٹ گئی۔
"تمہیں کیسے پتا؟" شانزہ نے پوچھا۔
"میں دعا کر دیتی ہوں اس کے لیے۔" سادہ سا لہجہ۔۔۔
"اس کے زخم خراب ہو رہے ہیں منال؟" شانزہ نے کہا تو وہ چونک کے سیدھی ہوئی۔
"کل اسے ہلکا سا ٹمپریچر تھا۔ ڈاکٹرز کہہ رہے تھے کچھ بے احتیاطی ہوئی ہے۔ مسلسل ٹانگ نے حرکت کی ہے، جس کی وجہ سے کچھ خلیے کھنچ جانے کی وجہ سے زخم کچے اور خراب ہو گئے ہیں۔ انفیکشن بڑھ گیا تو نوربان کے چلنے کے چانسز اتنے ہی مدھم ہو سکتے ہیں۔"
"اتنی کیئر کے باوجود۔۔۔ یہ کیسے ممکن ہے؟؟"
"بابا کہہ رہے تھے وہ رات کو نیند میں بے چین رہتا ہے' تب ہی یہ سب بے احتیاطی ہو جاتی ہے۔" شانزہ مزید بتانے لگی۔
"ڈاکٹرز تو کہہ رہے تھے انفیکشن بڑھ گیا تو خدانخواستہ ٹانگیں ہی۔۔۔" وہ بتا نہ سکی۔
"اس کو ہم میں سے کسی پہ ذرا برابر ترس نہیں آیا۔" منال کے لہجے میں ناراضی چھلک پڑی۔
"تم ناراض ہو اس سے۔"
"بہت سخت۔" وہ سخت لہجے میں بولی۔
"اس نے ایک پیغام دیا تھا۔" وہ چونکی۔
"کہ نوربان سید کو منانا نہیں آتا۔" شانزہ مسکرائی۔
"تو۔۔۔" منال دوبارہ لیپ ٹاپ پر مصروف ہو گئی۔
"تو مان جاؤ یار۔"
"اسے بھی کہہ دیں۔ منال سید کو یوں مان جانا نہیں آتا۔" اس نے صاف جواب دیا تھا۔ شانزہ منہ بنا گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"امی۔" وہ کمرے میں آئی تو امی نماز پڑھ کر تسبیح میں مشغول تھیں۔ اسے دیکھ کر سر ہلا کر جواب دیا' وہ ان کے پاس ہی قالین پہ بیٹھ گئی۔
"مجھے آپ سے ضروری بات کرنی تھی۔"
"ہاں ہاں۔ کہو بیٹا۔"
"امی۔ مجھے احسان سے شادی نہیں کرنی۔" اس نے قوت جمع کر کے بالآخر کہہ ہی دیا تھا۔ وہ کچھ دیر خاموش اس کا چہرہ تکتی رہیں۔
"سچ کہوں تو میرا اور تمہاری تائی' چاچی کسی کا بھی دل اس رشتے پہ راضی نہیں' لیکن احسان جیسے اچھے لڑکے کو رد کرنا بھی عقل مندی نہیں۔۔۔ پھر ابھی تک کچھ امید تھی' لیکن اب تو اس کی حالت کا کچھ پتا نہیں خدانخواستہ اگر وہ مکمل طور پہ اپاہج ہو گیا تو۔" ان کے

لہجے میں مایوسی تھی۔

"آپ کو یاد ہے امی... بچپن میں جب مجھے خسرہ ہوا تھا۔ میرا سارا چہرہ دانوں سے بھر گیا تھا۔ کس قدر بھیانک تھا وہ سب کچھ اور آپ مجھے لگائے کتنا روتی تھیں کہ اگر میرا چہرہ بگڑ گیا تو مجھے کون اپنائے گا۔ کون مجھ سے محبت کرے گا۔" اس نے ماں کو یاد دلایا۔

"تب ہان نے ہی کہا تھا کہ وہ مجھ سے شادی کرے گا۔" وہ مسکرائی تھی۔

"تب وہ بچہ تھا۔ بڑے ہو کر اس نے عمر کے دو سال کے فرق کو بھی معاف نہیں کیا منال۔" ان کے لہجے میں ناراضی نہیں تھی۔

"لیکن میں بچی نہیں ہوں امی۔ نوریان کی وہ بات میں آج تک نہیں بھولی۔ اگر کبھی خدا نہ کرے ہان کے ساتھ کچھ برا ہوا تو میں اسے اپنا ساتھی بنانے میں قطعی عار نہیں محسوس کروں گی۔" امی نے اس کا ماتھا چوم کر اسے گلے سے لگا لیا تھا۔

"نوریان مجھے جس قدر عزیز ہے' میں اس کے لیے کیا کر سکتی ہوں یہ تم نے مجھے سمجھا دیا۔ اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے منال۔" دعائیں سمیٹتی وہ اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔

☆ ☆ ☆

دسمبر پوری شان سے لوٹ آیا تھا۔ سردی کے ساتھ ساتھ دھند بھی جاگ اٹھی تھی۔ دوبارہ انفیکشن ہو جانے کی وجہ سے اس کی ری کوری میں چھ کی بجائے نو ماہ لگ گئے تھے' لیکن بہرحال وہ بیماری کو شکست دینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ وہ چلنے لگا تھا۔ گھر میں سب کے چہرے کھل اٹھے تھے' لیکن خود اس کا دل مرجھانے لگا تھا۔ وہ لاکھ کوشش کر لیتا منال کو نہیں مل پایا تھا۔

"منال نے کہا ہے کہ منال سید کو ایسے مان جانا نہیں آتا۔" اور نوریان سید نے طے کیا تھا کہ اسے ہر حال میں منال سید کو منانا تھا۔

شانزہ نے ہی اسے بتایا تھا کہ منال کے احسان کے رشتے سے انکار پہ امی بابا نے 'رحمت چاچا سے منال اور نوریان کے لیے ایک بار پھر بات کی ہے' لیکن رحمت چاچا نے اس بار خود صاف جواب دے دیا تھا۔ ان کے بقول وہ اس پھول جیسی بچی کو اس بے وقوف لڑکے سے باندھ کے اس کی زندگی برباد نہیں کر سکتے تھے اور اب منال کی امی ایک مرتبہ پھر احسان کے گھر والوں کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ نوریان نے فوراً" شانزہ کو حال دل سنایا تھا۔ مبادا اور دیر نہ ہو جائے۔

"تو اتنے ڈرامے کی کیا ضرورت تھی۔ پہلی مرتبہ انکار کیوں کیا؟" شانزہ تو حق دق رہ گئی۔ نوریان نے اسے تھپڑ والی رات کا سارا واقعہ سنا دیا۔

"اتنی ضد' اتنی انا... یہ تو زیادتی ہے نوریان۔" شانزہ خفا ہوئی۔

"میں شرمندہ ہوں۔"

"یہ کافی نہیں۔ اس سے معافی مانگ لو۔" شانزہ مسکرائی۔

"اوں امی... تاکہ وہ اور سر چڑھ جائے۔"

"دیکھ لو۔ محبتوں کے ادھار کبھی کبھی اس طرح بھی چکانے پڑتے ہیں اور میرے خیال میں اس قدر مشکل بھی نہیں... کیوں؟"

"ہوں..." وہ سوچنے لگا۔

☆ ☆ ☆

وہ دھند کی چادر کو محسوس کرتی ایئر فون لگائے آنکھیں بند کیے سیڑھیوں پہ بیٹھی تھی۔ جب کوئی دبے پاؤں وہاں آیا تھا۔

"سنا ہے کوئی لڑکی میرے لیے روز دعا کرتی تھی۔" اس نے دھیرے سے اس کے کان سے ایئر فون نکالتے ہوئے کہا تھا۔ وہ ذرا سا گھبرائی پھر فوراً" اعتماد بحال کرتے ہوئے بولی۔

"وہ لڑکی سب کے لیے دعا کرتی ہے۔"

"سنا ہے وہ بہت روتی بھی تھی میرے لیے۔" شرارتی لہجہ...

"جھوٹ سنا ہے۔" وہ مکر گئی۔

"اس نے بڑی چاہ سے میرا کمرہ بھی صاف کیا تھا۔" وہ اسے تکے جارہا تھا۔ منال کو گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔

"امی نے کہا تھا۔ صرف اس لیے۔" وہ حاضر جواب تھی۔ وہ مانتا تھا۔

"اس نے احسان سے شادی کرنے سے انکار کردیا۔" اس نے اس کی طرف ایک اور تیر اچھالا۔

"سراسر میری مرضی۔" وہ اٹھنے لگی۔ نوربان نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ بیٹھی رہ گئی۔ وہ اس کے کان میں سرگوشی کرنے لگا۔

"اور پھر میں نے اسے اپنا آنسو اس کی پوروں سے چنتے محسوس کیا' دیکھا۔"

"اور..." وہ اس بار جواب نہ دے سکی اور پتھر کی ہوگئی۔

"اور وہ میرے دل میں' میری روح میں اتر گئی۔" وہ اعتراف کررہا تھا۔ صرف ایک زینہ اوپر بیٹھا وہ اس کی دل کی دہلیز پار کرتا اس کی ساری خفگی' ناراضی کے سب ہی خول چٹخا رہا تھا۔

"اور نوربان سید نے ان نو ماہ چھبیس دنوں میں بار بار اس کا انتظار کیا..."

اسے دل سے یاد کیا... اس کی ایک جھلک کی خواہش کی... اور بار بار خود کو باور کرتا رہا کہ نوربان سید منال سید کے بغیر نہ رہ سکتا ہے۔ نہ جی سکتا ہے۔" اس نے دھیرے سے اس کا ہاتھ چھوڑا تھا۔

"بدتمیز۔" وہ کہہ کر اٹھی اور تیزی سے اوپر کی طرف بڑھ گئی۔

"سنو۔" نوربان نے پکارا۔ وہ رکی۔

"تیار رہنا۔ محبتوں کے کافی ادھار ہوچکے۔ بہت جلد سب چکانے کی کوشش کروں گا۔" وہ شرارتی لہجے میں بولا۔ منال ایک پل مزید وہاں نہ رکی۔ اندر بھاگ گئی۔ وہ دیر تک مسکراتا رہا تھا۔

☆ ☆

تنزیلہ ریاض

رابینزل

مہر کو کہانیاں سننے کا بے حد شوق ہے۔ اسکول کے فینسی ڈریس شو میں وہ شہزادی رابینزل کا کردار ادا کر رہی ہے' اس لیے اس نے اپنے پاپا سے خاص طور پر شہزادی رابینزل کی کہانی سنانے کی فرمائش کی۔ کہانی سناتے ہوئے اسے کوئی یاد آجاتا ہے' جسے وہ رابینزل کہا کرتا تھا۔

نینا اپنے باپ سے ناراضی کی وجہ سے اپنے خرچے مختلف ٹیوشن پڑھا کر پورے کرتی ہے۔ اس کی بہن زری ٹیلی فون پر کسی لڑکے سے باتیں کرتی ہے۔ نینا کی سلیم سے بہت دوستی ہے۔ سلیم کی محلے میں چھوٹی سی دکان تھی۔ ایک ایکسیڈنٹ کی وجہ سے وہ ایک ٹانگ سے معذور ہو جاتا ہے۔ سلیم نے پرائیویٹ انٹر کیا ہے اور اس کی غزل احمد علی کے نام سے ایک ادبی جریدے میں شائع ہوتی ہے۔

سمیع اور شہرین نے ضد کرکے اپنے والدین کی مرضی کے خلاف جا کر شادی کی ہے' لیکن شہرین اپنے والدین کی ناراضی کی وجہ سے ڈپریشن کا شکار ہو جاتی ہے۔ سمیع اور شہرین دونوں اپنی بیٹی ایمن کی طرف سے بہت لاپروا ہیں اور انہوں نے گھر کی دیکھ بھال کے لیے دور کی رشتہ دار اماں رضیہ کو بلا لیا ہے۔

صوفیہ کا تعلق ایک متوسط گھر سے تھا' صوفیہ کی شادی کاشف نثار سے ہوتی ہے' جو وجاہت کا اعلا شاہکار بھی تھا۔ شادی کے بعد صوفیہ کو کاشف کا غیر عورتوں سے بے تکلفی سے ملنا پسند نہیں آتا اور وہ شک کا اظہار کرتی ہے' لیکن کاشف کاروبار کا تقاضا ہے کہہ کر اس کو مطمئن کر دیتا ہے۔ صوفیہ کو کاشف کے دوست مجید کی بیوی حبیبہ بہت بری لگتی ہے کیونکہ وہ کاشف سے بہت بے تکلف ہے۔ صوفیہ کی ایک بیٹی پیدا ہوتی ہے۔ زرمین۔

حبیبہ کے شوہر مجید کا روڈ ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو جاتا ہے وہ اپنا سارا پیسا کاشف کے کاروبار میں انویسٹ کر دیتی ہے۔ حبیبہ کاشف پر شادی کے لیے دباؤ ڈالتی ہے' کاشف کے انکار پر ان کا جھگڑا ہو جاتا ہے اور وہ دبئی چلی جاتی ہے۔

کاشف کے تعلقات ایک ناکام اداکارہ رخشی سے بڑھنے لگتے ہیں اور وہ کاشف کو فلم بنانے کے لیے آمادہ کر لیتی ہے اور اس چکر میں کاشف اپنا سارا پیسا لٹا دیتا ہے۔ صوفیہ ایک مردہ بچے کو جنم دیتی ہے۔ کاشف کی ماں بی بی جان کا انتقال ہو جاتا ہے۔

سلیم کی بہن رخشی کا انتقال ہو جاتا ہے اور نینا اس کی بیٹی مہر کے لیے پریشان ہوتی ہے۔ نینا کی اسٹوڈنٹ رانیہ اسے بتاتی ہے کہ ایک لڑکا اسے فیس بک اور واٹس ایپ پر تنگ کر رہا ہے۔ "آئی لو یو رابینزل" لکھ کر۔

شہرین کو برین ٹیومر ہو جاتا ہے اور سمیع اس کا آپریشن کرواتا ہے اور اس کی ماں کو منا کر اسپتال لے آتا ہے۔

زری جس لڑکے سے بات کرتی تھی وہ شادی کے لیے کہتا ہے' زری نینا سے ذکر کرتی ہے۔ نینا اس کی تصویر دیکھ کر چونک جاتی ہے' بعد میں اس کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی لڑکا ہے جو رانیہ کو میسج کرتا تھا وہ زری کو منع کرتی ہے اور سلیم کے کہنے پر زری کو سمجھانے کے لیے رات کو سلیم کو گھر بلاتی ہے۔ زری اس پر سلیم سے محبت کرنے کا الزام لگاتی ہے۔ شور ہونے پر ابا جاگ جاتے ہیں اور سلیم کو تھپڑ مارتے ہیں۔ سلیم صدمے اور شرمندگی کی وجہ سے خودکشی کر لیتا ہے۔

سترہویں قسط

"کیا ہوا...؟" سمیع نے اس کے چہرے کے آگے ہاتھ ہلایا تھا۔ وہ کسی گہری سوچ میں گم تھی۔ اس کے متوجہ کرنے پر چونکی نہیں مگر اضطراب کے عالم میں اسے دیکھنے لگی۔ سمیع کو اس کے تاثرات بے چین کر گئے۔

"شہرین... سب ٹھیک ہے نا... کیا ہوا ہے؟" اس نے بیڈ پر اس کے قریب بیٹھ کر اس کا ہاتھ تھاما' پھر فوراً" پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دیکھنا چاہا تھا کہ کہیں اسے حرارت تو نہیں ہے۔ کینسر جیسے موذی مرض کو شکست دینے کے بعد اس کا مدافعتی نظام کافی کمزور پڑ چکا تھا۔ کبھی کبھی بلاوجہ نقاہت اور حرارت محسوس ہونے لگتی تھی۔

"اس نے تو میری بات ہی نہیں سنی... بدتمیزی سے کال ہی کٹ کر دی۔" شہرین اس کے پریشان ہونے پر وضاحت دیتے ہوئے بولی۔ سمیع نے اس کی بات کو سن کر ذرا ناک چڑھا کر دیکھا تھا۔ اس کے گمان میں تھا کہ شاید شہرین نے اپنی امی یا بہن سے بات کی ہے اور انہی کے نازیبا رویے کی بنا۔ پر وہ اس طرح الجھی ہوئی سی نظر آتی ہے۔ حالانکہ اب ان لوگوں سے شہرین کے تعلقات کافی خوش گوار ہو چکے تھے مگر پھر بھی سمیع کو پہلا خیال انہی کا آیا تھا۔

"کس کی بات کر رہی ہو... ادے کو کال کی تھی... کل مہینہ سے بات ہوئی ہے؟" وہ اپنی ناگواری چھپائے بنا۔ سوال کر رہا تھا۔ شہرین نے اب کی بار چونک کر اسے دیکھا اور پھر اسے سمجھ میں آیا کہ سمیع غلط سمجھ رہا ہے۔

"ارے نہیں نہیں... میں تو اس ٹیوٹر کی بات کر رہی ہوں جو رانیہ کو پڑھانے آتی تھی۔" اس نے سیل فون سائڈ ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔ سمیع کو اس کی بات سن کر مزید برا لگا۔

"اچھا تو اس نے بدتمیزی سے کال کٹ کر دی ہے؟" وہ پوچھ رہا تھا۔ شہرین نے منہ لٹکا کر اسے دیکھا۔

"ہاں... یا شاید مجھے ہی محسوس ہوا۔ اس نے تو میری بات ہی نہیں سنی۔ بلکہ یہ ماننے سے بھی انکاری ہو گئی کہ وہی رانیہ کی ٹیوٹر ہے اور رانگ نمبر کہہ کر کال ہی کاٹ دی' حالانکہ میں نے اسی نمبر پر کال کی تھی جو رانیہ نے دیا تھا۔" اس کا دل ہی ٹوٹ گیا تھا۔

سمیع نے اپنا سرہانہ بیڈ کے کراؤن سے ٹکایا' پھر خود اس پر پشت ٹکا کر اسے گھورتے ہوئے بولا۔

"تم خاندان والوں کے جھمیلوں سے اکتائی نہیں ہو کیا جو اب باہر والوں کے نخرے بھی سہنے شروع کر دیے ہیں۔ کیا ضرورت ہے کسی ایرے غیرے کی منتیں کرنے کی۔ وہ اکڑ کس بات پر رہی ہے۔ ایک ٹیوٹر ہی تو ہے۔ آج اخبار میں اشتہار دو۔ شام تک بیس ٹیوٹرز دروازے پر کھڑی ہوں گی۔" سمیع کا لہجہ کچھ ایسا تھا کہ شہرین کا منہ مزید لٹک گیا۔

"میں تو اس لیے کہہ رہی تھی کیہ بھابھی نے بہت تعریف کی تھی اس کی... رانیہ حفظ کرنے کے باعث اسکول نہیں جاتی تھی تو پڑھائی میں کمزور تھی' پھر اسی ٹیوٹر نے محنت کر کے اسے اس مقام پر پہنچایا... اب پوزیشن ہولڈر ہے رانیہ... میں تو بس ایمن کے لیے کچھ بہترین کرنا چاہ رہی تھی... تم ناراض کیوں ہو رہے ہو۔" وہ بجھے ہوئے انداز میں بولی تھی' اس نے بہت امید کے ساتھ کال کی تھی' اس لیے وہ ہرٹ بھی زیادہ ہوئی تھی۔

"اوہ یار... تم اس معاملے کو حواسوں پر سوار کر رہی ہو... ایمن پانچ سال کی بچی ہے... وہ پی ایچ ڈی نہیں کر رہی کہ اتنا پریشان ہوا جائے۔" سمیع اب کی بار پہلے سے زیادہ برہم ہوا تھا۔

"میں حواسوں پر سوار کر رہی ہوں...؟" شہرین کو اس کا یہ الزام بہت چبھا تھا۔

"سمیع میں حواسوں پر سوار نہیں کر رہی۔ ایکچوئلی یہ معاملہ خود بخود میرے حواسوں پر سوار ہو رہا ہے۔ ایمن تین اسکولز کے ایڈمیشن ٹیسٹ میں فیل ہو چکی ہے۔ جو اسکول ہمارے بجٹ میں آتے ہیں۔ وہ صاف ہی کہہ دیتے ہیں کہ بچی آٹسٹک ہے۔ (ایسا بچہ جو دماغی طور پر درست نہیں ہوتا۔ لوگوں سے بات چیت کرنے میں گھبراتا ہے۔) لاسٹ ٹائم جو انٹرویو ہوا۔ اس میں ایمن نے کسی ایک سوال کا جواب بھی نہیں دیا۔ اسکول والوں نے جو

اسیسمنٹ پیپر دیا ہے۔اس پر لکھا ہے کہ بچی کو اے ڈی ایچ ڈی کا مسئلہ ہے۔"
"نہیں؟کیا مسئلہ ہے۔عجیب ہاؤسنگ سوسائٹی جیسا مسئلہ لگ رہا ہے؟" سمیع نے اس کی بات کو سنجیدہ نہیں لیا تھا۔
"اسکول مینجمنٹ کا خیال ہے کہ ایمن کو بی ہیویرل ایشوز ہیں۔اسے اسپیشل اٹینشن کی ضرورت ہے۔ تاکہ اس کی اٹینشن ادھر ادھر نا ہو۔انہوں نے تجویز کیا ہے کہ کوئی ایسا اسکول تلاش کیا جائے جہاں ایک ہی ٹیچر ہو جو تین چار بچوں کو لک آفٹر (دیکھ بھال) کرے اور اسے بیسک کانسپٹس (بنیادی تصور) سکھائے اور اس کے رویے میں بہتری لاسکے۔اب میں ایسا اسکول کہاں سے تلاش کروں جہاں صرف کلاس روم میں چار بچے ہوں اور ٹیچر کی ساری توجہ میری بچی پر ہو۔ تم ہی بتاؤ مجھے ایسی صورت میں ٹیوٹر تلاش کرنے میں خوار نا ہوں تو کیا کروں؟"
وہ جیسے زچ ہو کر بولی تھی۔اسے کبھی کبھی سمیع پر بھی غصہ آنے لگتا تھا کہ وہ اس معاملے میں ذرا بھی دلچسپی نا لیتا تھا۔ابھی بھی اس کی آنکھیں جیسے بھر آئی تھیں۔وہ واقعی بہت پریشان تھی۔کراچی میں تھی تو سسرال والوں سے دور تھی اور سو طرح کے جھنجھٹ سے بچی ہوئی تھی۔خاندان والے ملتے نہیں تھے تو بھی پریشان رہتی تھی' اب دونوں جانب کے لوگ ملنے لگے تھے' تب بھی پریشانی بڑھ گئی تھی۔لاہور آجانے کے بعد ملنا ملانا بھی بدل گیا تھا۔ تقریبات میں آنا جانا ہوتا تھا' سسرال والے ملتے تھے' کزنز بھابھیاں بھی فون کے ذریعے ہی سہی مگر رابطے میں تھیں اور ایمن کے متعلق بھی سوال ہوتے تھے۔شیرین کو دل ہی دل میں احساس کمتری محسوس ہونے لگا تھا۔پہلے ہی اسے طعنے ملتے تھے کہ وہ غیر برادری کی ہے' اسے وضع داریاں نہیں نبھانا آتیں۔
ایمن کو دیکھ کر تو اب ساس نے بھی کہنا شروع کر دیا تھا کہ ماں کو بچی کی تربیت کا ذرا خیال ہی نہیں ہے' کیونکہ وہ ابھی تک اسکول نہیں جاتی' اسے کچھ آتا جاتا نہیں ہے۔شیرین کو واقعی اس معاملے سے اب عجیب طرح کی پریشانی لاحق رہنے لگی تھی۔سمیع نے اس کے چہرے کو غم ہوتے دیکھا تھا اسے ہنسی بھی آئی اور دل ہی دل میں تاسف بھی محسوس ہوا۔شیرین بہت حساس تھی' جبکہ وہ اس کی پریشانی سمجھنے کو تیار نا تھا۔اس نے آگے بڑھ کر شیرین کا ہاتھ تھاما تھا۔
"اچھا میں کرتا ہوں کچھ۔۔۔ تم پریشان مت ہو۔۔۔ میں بات کرتا ہوں کسی سے۔۔۔ اوکے۔" وہ تسلی دے رہا تھا' لیکن شیرین کا دل مطمئن نا ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس نے بے دم نگاہوں سے فون کو دیکھتے ہوئے اسے دور دھکیل دیا تھا۔آج اس کا دل بہت خاموش تھا اور اسے خود ہی اپنی اس کیفیت سے خوف آتا تھا۔احساسات کا ہونا اور پھر ان کا مجروح ہو کر شور مچانا ایک الگ کیفیت ہے اور پھر ان کا شور مچا مچا کر تھک کر چپ ہو جانا بالکل ہی الگ کیفیت ہے۔ایسی کیفیت بہت خوف ناک ہوتی ہے۔
"تمہارا جذبات کا ہونا اور پھر اپنے ہونے کا احساس دلاتے رہنا بہت ہی ضروری امر ہے۔۔۔ ورنہ انسان خالی ہو جاتا ہے اور خالی انسان پاگل ہوتے ہیں۔" جب جب وہ اپنے گھر والوں سے خفا ہو کر گم صم ہو جایا کرتی اور سارے زمانے سے لاتعلق ہو جایا کرتی تھی تو سلیم اکثر اسے مذاق میں کہا کرتا تھا۔
"ہونہہ۔۔۔ جہنم میں جائیں جذبات۔۔۔ میری جوتی کی ہیل کو بھی پروا نہیں۔جوتی تو دور کی بات ہے۔" وہ تنک کر جواب دے دیتی تھی' لیکن یہ حقیقت تھی کہ ابا کے معاملے میں اس کا دل بہت چھوٹی عمر سے بے پروا ہو گیا تھا۔ اس نے انہیں قبول کیا تھا' نا ہی انہیں اس میں وہ کشش محسوس ہوئی تھی جو زرمین کے لیے وہ محسوس کرتے

تھے۔ اسے وہ پہلی رات یاد تھی جو اس نے خالہ خالو کے بغیر اپنے امی ابا کے ساتھ گزاری۔
"مجھے یہاں نہیں رہنا... مجھے اپنے گھر جانا ہے... میں نوشی باجی کے ساتھ سوتی ہوں۔" وہ زبردستی لائی گئی تھی، سو وہ رات کا اندھیرا پھیلتے ہی بلکنے لگی تھی۔ صوفیہ اسے سنبھالتے سنبھالتے نڈھال ہوئی جاتی تھی۔ تسلی دلاسے 'لولی پوپ' چاکلیٹ کا لالچ' کچھ بھی اسے خاموش نہیں کروا پا رہا تھا۔ زرمین بھی بے دم ہی ہو گئی تھی' ورنہ وہ بہت خوش تھی کہ اس کے ساتھ کھیلنے والا کوئی دوسرا بچہ گھر میں آگیا تھا۔ اس نے اپنی گڑیا' چابی سے چلنے والا بھالو' ریموٹ کنٹرول' جہاز سب لا کر اس کے پاس ڈھیر کر دیا تھا' لیکن وہ بس روتی جاتی تھی۔
"مجھے اپنے گھر جانا ہے۔ مجھے میرے گھر چھوڑ آئیں۔ مجھے یہاں نہیں رہنا۔" اس کا ایک ہی واویلا تھا۔
کاشف ان سب لوگوں کو گھر چھوڑ کر واپس چلا گیا تھا۔ واپس آیا تو یہ ڈرامہ چل رہا تھا' کچھ دیر تو وہ ٹی وی کے آگے بیٹھا یہ سب سنتا رہا' پھر اسے غصہ آنے لگا تھا۔
"صوفیہ اسے ہٹاؤ یہاں سے... بچی ہے یا گھڑی کا الارم... بجتی چلی جا رہی ہے' بجتی چلی جا رہی ہے۔" اس نے ناگواری بھرے لہجے میں کہا تھا۔ صوفیہ نے لاچاری سے اس کی جانب دیکھا۔
"اس کو ذرا باہر گھما لائیں نا۔ آپا لوگوں کو یاد کر کے ہلکان ہوئی جا رہی ہے۔ باہر جائے گی تو بہل جائے گی۔" اس نے درخواست کی تھی۔ کاشف نے اسے گھور کر دیکھا۔
"شاباش ہے بھائی تمہاری سوچ پہ... شوہر تھکا ہارا گھر آیا ہے اور تم بجائے پانی کھانا پوچھنے کے اس مزدوری پر لگا رہی ہو۔ مجھ سے نہیں اٹھائے جاتے یہ نخرے... یہ نہیں سنبھلنے کی ہم سے... تمہاری آپا نے اچھی دشمنی نکالی ہے تم سے... خوب تربیت کی ہے بچی کی۔" وہ چڑ کر بولا تھا' پھر کونین کی جانب دیکھا۔ "اچھا تم اب رونا بند کرو... میں صبح لے جاؤں گا تمہیں۔" اس نے بچی کو تسلی دینی چاہی تھی' لیکن وہ بپھر کر بولی۔
"مجھے نہیں جانا آپ کے ساتھ... آپ گندے ہیں۔" کونین کا رونا بند ہی نہیں ہو رہا تھا' ساتھ ہی اس نے اپنی ناپسندیدگی بھی ظاہر کر دی۔ کاشف نے ناگواری کے ساتھ اسے دیکھا۔
"ارے ہاں بی بی... ایک تم اچھی ہو... دوسرے تمہارے ڈگڈگی والے خالو... ہم گندے ہی بھلے ہیں۔" وہ اس انداز میں بات کر رہا تھا جیسے کسی چھوٹی بچی سے نہیں بلکہ ہم عمر انسان سے بات کر رہا ہو۔ نینا چپ نہیں ہوئی تھی' بلکہ اس کا سسکنا بلکنا مسلسل جاری و ساری تھا۔ صوفیہ اسے گود میں لے کر اپنے بیڈ روم میں آگئی۔ اسے بہلاتے پھسلاتے' گود میں لے کر پچکارتے پچکارتے اس کی کمر ادھ موئی ہو گئی تھی' لیکن کونین کی ضد ختم نا ہوئی تھی۔ اسی اثنا میں کاشف بھی کمرے میں آگیا تھا۔ اس نے کونین کو صوفیہ کی گود سے لیا اور پٹخ کر بیڈ پر پھینک دیا۔
"چپ... بالکل چپ... اب آواز نکلی تو گردن مروڑ دوں گا تمہاری۔" وہ ایسے دھاڑ کر بولا کہ صوفیہ بھی دہل سی گئی۔ کاشف نے ساتھ ہی اس کا ہاتھ پکڑا' کمرے کی سب لائٹس آف کیں اور اسے دھکیلتا ہوا کمرے سے باہر آگیا۔ اس نے باہر نکل کر کمرے کا دروازہ بند کر دیا تھا۔ چند ثانیے تو کسی کو سمجھ نا آیا کہ کیا ہوا ہے۔ کونین بھی دبک کر تاریک کمرے میں بستر پر گری' ادھر ادھر دیکھتی رہی' پھر اس نے دوبارہ سے واویلا مچانا شروع کر دیا تھا۔
"خبردار' اب تم کمرے میں گئیں تو۔ خود ہی رو پیٹ کر سو جائے گی یہ اور اگر نا سوئی تو مجھے بتانا میں اسے بوری میں بند کر کے نہر میں پھینک آؤں گا۔ بڑی بڑی مچھلیاں اسے زندہ کھا لیں گی۔" اس نے غرا کر صوفیہ کو کہا تھا۔ اس کی آواز اتنی بلند تھی کہ تاریک کمرے میں سسکتی کونین کی سماعتوں نے سب صاف سنا تھا اور اس کی آواز ہچکی کے ساتھ بند ہو گئی تھی۔ اس نے اس آدمی کی آنکھوں میں اپنے لیے بے زاری دیکھی تھی۔ کیا پتا وہ اسے واقعی نہر میں پھینک آتا۔ اس نے ہلکی سسکیاں لیں۔ اپنی آواز کو دبا لیا۔ وہی کمرہ جہاں تاریکی تھی' اب وہاں سکوت بھی چھا گیا تھا۔

"امی مجھے کچھ روپے چاہیے تھے۔" نینا نے دستک دینے کے بعد کمرے میں داخل ہوتے ہوئے مدعا بیان کیا تھا۔ اس کی تمام ٹیوشنز ختم ہو چکی تھیں اور دوسرا کوئی ذریعہ آمدنی نہ تھا۔ اس کا موڈ ٹھیک ہوتا تھا تو ماں سے روپے مانگتے ذرا نہ ہچکچاتی تھی' لیکن اگر مزاج برہم ہوتا تھا تو اپنی ہی جمع پونجی کو سوچ سوچ کر استعمال کرلیا کرتی تھی۔ سلیم کی زندگی میں تو سلیم سے بھی بس کا کرایہ وغیرہ لے لیتی تھی' لیکن اب یہ سلسلہ بھی ختم ہو چکا تھا۔

"کہاں جارہی ہو؟" صوفیہ نے اس کا حلیہ دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ وہ یونی ورسٹی کے خود ساختہ یونیفارم میں ہی ملبوس تھی۔ وہی کاٹن کی ہلکی سی شلوار قمیص جسے دیکھ کر ہی جھرجھری آتی تھی۔ خنکی کافی بڑھ گئی تھی۔ تو ساڑھے نو کا وقت تھا' لیکن دھند اتنی شدید تھی کہ سورج کی کوئی ایک اکلوتی کرن بھی نظر نہ آتی تھی اور نینا نے کوئی سویٹر' جرسی کچھ بھی نہ پہن رکھا تھا۔

"آپ بتا میں کہاں جاؤں؟" نینا نے جواب دینے کی بجائے ایک اور سوال کیا تھا۔

"میں تو اس لیے پوچھ رہی تھی سردی بہت ہے۔ یونی ورسٹی جاؤ گی کیا۔ یا کوئی ٹیوشن پڑھانے۔" صوفیہ نے پھر سوال کیا تھا اور اس سے پہلے کہ نینا کچھ بولتی۔ سائڈ ٹیبل پر پڑے سیل فون کی بیپ بج اٹھی۔ نینا نے رخ موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ ابا کا فون تھا۔

"ابا گھر پر ہی ہیں کیا۔" اسے کچھ حیرانی ہوئی۔ ساتھ ہی اس نے واش روم کے بند دروازے کی جانب دیکھا تھا۔ اسے اگر اندازہ ہوتا تو وہ روپے مانگنے کبھی بھی ابا کی موجودگی میں نہ آتی۔ اس نے اپنی زندگی میں کبھی بھی باپ سے براہ راست کچھ نہ مانگا تھا۔ اس کا سب لین دین ماں کے ذریعے ہوتا آیا تھا۔

"ہاں... کہہ رہے تھے سردی بہت ہے۔ دھوپ نکلے گی تو ہی اسٹور پر جاؤں گا۔ سوپ کی فرمائش کررہے ہیں۔ یخنی رکھ کر آئی ہوں۔ ذرا تیار ہو جائے تو باقی لوازمات ڈالوں گی۔" امی نے رضائی سے پاؤں نکالتے ہوئے اسے جواب دیا تھا۔ اس دوران سیل فون کی بیپ مسلسل بجتی رہی تھی' لیکن امی کو حیرانی ہوئی تھی نہ وہ چڑ رہی تھیں۔

"اسٹور سے تو فون آنا شروع ہو گئے ہیں... اور آپ کہہ رہی ہیں ابا کا آج جانے کا ارادہ نہیں ہے۔" اس نے صرف تجسس کی خاطر یہ سوال کر ڈالا تھا۔

"ارے یہ اسٹور سے نہیں آرہے۔ کچھ دنوں سے بلاوجہ مس کالز آتی رہتی ہیں۔ اللہ جانے کون ہے۔ تمہارے ابا بھی تنگ آئے ہوئے ہیں کہ جانے کون بے وقت گھنٹیاں بجاتا رہتا ہے۔" امی روپے نکالنے کے لیے الماری کی طرف مڑی تھیں۔ نینا نے آگے بڑھ کر ابا کا سیل فون اٹھالیا۔ جس سے کالز آرہی تھیں' وہ اسکرین پر نمایاں تھا۔ نینا' ابا کے سیل پر آنے والی کال کو ریسیو تو نہیں کرسکتی تھی' لیکن اس نے نمبر کو بغور دیکھتے ہوئے ذہن نشین کرنا شروع کیا تھا۔ دو تین بار اس نے وہی نمبر دل ہی دل میں دہرایا' پھر اس سے پہلے کہ امی اس کی طرف مڑتیں' اس نے فون واپس رکھ دیا تھا۔

"یہ لو... اور سنو کوئی جیکٹ وغیرہ پہن لو... بہت ٹھنڈ ہے۔" امی نے اسے مشورہ دیا تھا۔ اس پر جیسے کچھ اثر نہ ہوا تھا۔

"میری فکر مت کیا کریں امی' میرے اندر اتنی برف جم گئی ہے کہ باہر کی ٹھنڈ اثر ہی نہیں کرتی۔ آپ ذرا ابا کا دھیان رکھیں۔ اس عمر میں بھی فون کی گھنٹیاں بج رہی ہیں۔ باقی آپ خود سمجھ دار ہیں۔" اس نے مصنوعی انداز میں مسکراتے ہوئے کہا اور پھر روپے پکڑ کر باہر نکلنے لگی تھی۔ صوفیہ نے حد درجہ چونک کر اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ مذاق کے موڈ میں تو بالکل نہیں لگ رہی تھی۔

"اس بات کا کیا مطلب... کیا کہنا چاہتی ہو تم۔" بدقت اس کے منہ سے یہ جملہ نکلا تھا۔
"کہہ تو رہی ہوں ابی... آپ خود سمجھ دار ہیں... آنکھیں اور کان کھلے رکھیں... زمانہ بہت خطرناک ہے۔" اس نے اب کی بار اتنی سنجیدگی سے کہا تھا کہ صوفیہ سن ہو کر رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

نیہا کو اپنے ساتھ رکھنے اور پھر اپنے ساتھ مانوس کرنے کے لیے صوفیہ کو بہت محنت کرنا پڑی تھی 'لیکن یہ بھی حقیقت تھی کہ جو کشش وہ زرمین کے لیے محسوس کرتی تھی' وہ اسے کونین سے محسوس نہ ہوتی۔ کچھ وہ بھی ہر گزرتے دن کے ساتھ بدتمیز اور خود سر ہوتی جاتی تھی۔
کاشف نے پاکستان آکر پھر ہوم اپلائنسز کا بزنس شروع کیا تھا۔ صوفیہ کے نام جو گھر تھا' اس کے نیچے ایک بڑا گودام تھا' جس کا اچھا خاصا کرایہ وصول ہوتا تھا' سو مالی لحاظ سے وہ بہت مضبوط نہیں تھے تو کمزور بھی نہ تھے۔ اصل مسئلہ کونین کا ہی تھا جو ماں' باپ کے گھر سے زیادہ خالہ کے گھر وقت گزارنا پسند کرتی۔ اسے زبردستی ان کے گھر سے لانا پڑتا جس پر وہ کئی کئی گھنٹے روتی رہتی اور پھر کاشف سے مار کھا کر ہی روتے روتے سو جاتی۔
"یہ ہے ہی بدتمیز... یہ ہے ہی ضدی' یہ ہے ہی ڈھیٹ۔" کاشف اسے ایسے ہی مخاطب کرنے کا عادی تھا' ایسے میں صوفیہ اگر اسے پیار سے پچکارتی بھی تو اس کا خاص اثر نہ ہوتا تھا۔ اسی کی خاطر آپا اور دولہا بھائی نے صوفیہ کے گھر کے بالکل سامنے کرائے پر گھر لیا۔ یہ اور بات ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے روپے جمع کرکے اور کچھ صوفیہ ہی سے ادھار لے کر وہ گھر خرید لیا تھا' لیکن پھر بھی کونین اولاد تو صوفیہ کی تھی اور خالہ کے گھر بار بار جانے سے کاشف چڑنے لگتا تھا' سو صوفیہ دونوں جانب سے سخت مشکل کا شکار تھی۔
بیٹی کے مزاج کے مطابق چلنے کی کوشش کرتی تھی تو شوہر کا مزاج بگڑنے لگتا اور وہ اس کی غلط تربیت کو الزام دیتے ہوئے صوفیہ اور اس کے بہن بہنوئی کو طعنے دینے لگتا تھا۔ وہ بہت مشکل وقت تھا۔ صوفیہ کو اپنا بھرم اور شوہر دونوں حد سے زیادہ عزیز تھے' سو یہ تو کبھی نہ ہوا تھا کہ اس نے کاشف کے متعلق کوئی بڑی بات یا شکوہ اپنے گھر والوں سے کیا ہو حتیٰ کہ وہ اپنی بیٹیوں کی نظر میں بھی باپ کے امیج کو بہت بلند رکھنے کی خاطر بھی اونچی آواز میں شوہر سے بات بھی نہ کرتی تھی۔
ماضی میں جو کچھ ہوا' وہ اسے بھلا چکی تھی۔ اب وہ مشرقی عورتوں کی اس قسم سے تعلق رکھتی تھی جن کے لیے شوہر کا کہا پتھر پر لکیر ہوتا ہے' سو کاشف کی مرضی کے بغیر تو وہ ایک قدم بھی نہ اٹھاتی تھی' یہ ہی وجہ تھی کہ کاشف سارے خاندان کی نظر میں ایک بہترین انسان تھا۔ جس کی ایک بہترین فیملی تھی' مگر صوفیہ جب بھی کونین کو دیکھتی تھی تو اسے اپنی ساری محنت اکارت ہوتی لگتی تھی۔ وہ کاشف جس کی سب عزت کرتے تھے۔ کوئی نہیں کرتا تھا تو وہ اس کی اپنی چھوٹی بیٹی تھی۔ کونین کاشف نثار۔

☼ ☼ ☼

"میں نے ایک ٹیوشن اکیڈمی کو فون کرکے اپنی ڈیمانڈز بتادی ہیں۔ وہ کسی اچھے ٹیوٹر کو آج یا کل میں بھجوائیں گے۔ تم ذرا چیک کرلینا۔ ایمن کے لیے ٹھیک لگے تو اوکے بول دینا۔" سمیع نے اگلے دن رات کے کھانے پر اسے بتایا تھا۔
"مجھے کوئی میل' ٹیوٹر نہیں چاہیے۔ فی میل ہی چاہیے۔ یہ ضرور کہہ دینا تھا انہیں۔" شہرین نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تھا۔
"ارے یہ بات تمہیں پہلے بتانی چاہیے تھی نا۔ اب جانے وہ لڑکے کو بھیجتے ہیں یا لڑکی کو۔ خیر ہمیں تو میتھ

آف ڈیوٹی ختم ہونے تک... غرض سے نا۔ کیا فرق پڑتا ہے ٹیچر لڑکا ہو یا لڑکی۔" سمیع اپنی پلیٹ میں سلاد نکال رہا تھا۔ شہرین کو اس کے لاپروا انداز پر سخت غصہ آیا۔

"سمیع... تم اتنے لاپروا کیوں ہو گئے ہو... جب کہہ دیا کہ فی میل ٹیوٹر ہی چاہیے... تو اب بحث کیوں کر رہے ہو۔" شہرین برہمی سے بولی تھی۔ وہ قطعاً" اس انداز میں بات کرنے کی عادی نہ تھی اور سمیع کو بھی ایسا لہجہ سننے کی عادت نہ تھی۔ وہ چند لمحے حیرانی سے اسے دیکھتا رہا' پھر اس نے اپنی خفگی کا اظہار کیے بغیر عام سے انداز میں اسے ٹوکنے پر اکتفا کیا تھا۔

"خفا کیوں ہو رہی ہو یار... ایمن ابھی بچی ہی تو ہے۔ اگر کوئی میل ٹیوٹر بھی مل جاتا ہے تو کیا فرق پڑتا ہے۔"

"کیوں فرق نہیں پڑتا۔ تم اخبار نہیں پڑھتے کیا۔ یا نیوز چینل نہیں دیکھتے۔ کیا کچھ نہیں ہو رہا آج کل... چھوٹی بچیوں کے ساتھ تو آج کل الٹے سیدھے معاملات زیادہ ہونے لگے۔ میں رسک نہیں لے سکتی۔" وہ ابھی بھی اسی انداز میں بولی تھی۔

"یہ تم بات کس طرح کر رہی ہو۔ بالکل اپنی ادے کے انداز میں... یہی بات آرام سے بھی تو کی جا سکتی ہے' مگر نہیں' تمہیں عادت سی پڑ گئی ہے ہر معاملے میں غلطیاں ڈھونڈتے رہنے کی۔ پہلے شور مچا رکھا تھا کہ ٹیوٹر ڈھونڈ کر دو۔ اب اگر کوئی پیش رفت ہوئی ہے تو یہ نیا شور مچا دیا ہے۔" سمیع بھی اب کی بار اپنے لہجے کی اکتاہٹ چھپا نا پایا تھا۔ شہرین اس کے الزام پر حیران ہوئی' پھر اس نے ہاتھ میں پکڑا چمچ پلیٹ میں رکھ دیا۔

"کیا کہا... مجھے عادت ہے شور مچانے کی... بحث کرنے کی... اچھا تو ٹھیک ہے... غیرت مند لوگ ایسے کاموں میں بحث کیا ہی کرتے ہیں... میں ذات کی پنجابن نہیں ہوں نا کہ ہر معاملے کو چھوڑ دیتی... مٹی پاؤ... آہو آہو کہہ کر جان چھڑوا لوں۔" وہ ناک چڑھا کر بولی تھی۔ سمیع کو اس کی بات پر مزید غصہ آیا۔

"شہرین حد کرتی ہو تم بھی... میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اتنے چھوٹے سے ایشو میں بھی تم ذات برادری گھسیٹ لاؤ گی۔ یعنی کھانے کی ٹیبل پر بھی اب ہمارے گھر میں یہ باتیں ہوا کریں گی۔ سچ کہتے ہیں سیانے کہ شادیاں اپنی ہی ذات میں کرنی چاہئیں' ورنہ زندگی بھر بس رونا' پیٹنا چلتا رہتا ہے۔" وہ ناک چڑھا کر بولا تھا۔ شہرین کو اس جواب کی توقع نہ تھی۔ اس نے اپنی سیٹ چھوڑی اور کھا جانے والی نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے بولی۔

"ایسی بات تھی تو مان لیتے سیانوں کی... کیوں کی مجھ سے شادی... ڈھونڈ لیتے اپنی کوئی بھاری بھرکم کزن... جس کے ساتھ رہتے ہوئے تمہیں اپنے فیصلوں پر پچھتانا نہ پڑتا۔" وہ رکی نہیں تھی' بلکہ کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ پہلے کوئی فی میل ٹیوٹر ڈھونڈ مرلوں۔ پھر ڈھونڈ لوں گا کزن بھی۔ فکر مت کرو۔" اس نے جواب دینا عین فرض سمجھا تھا۔ شہرین کمرے میں جا چکی تھی۔ ایسا جھگڑا ان کی شادی شدہ زندگی میں پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

"صوفیہ... یہ میں گرم مسالے لائی تھی۔ سفید زیرہ ہے' کالی مرچ... لونگ اور تھوڑی سی بڑی الائچی بھی ہے۔" وہ کب سے لاؤنج میں ٹی وی لگائے دیوان پر بیٹھی اپنی ہی سوچوں میں گم تھی' جب آپا ہاتھ میں شاپر پکڑے سیڑھیاں چڑھتی آگئیں۔ صوفیہ نے بلاوجہ چہرے کو ہاتھوں سے صاف کیا۔ آج کل دل بہت بوجھل رہتا تھا۔ زری کی شادی کے دن قریب آرہے تھے اور اس کا دل جیسے بند ہوتا رہتا تھا۔ نمازوں میں تسبیحات کے بعد بس بیٹی کی خوشیوں کے لیے دعا میں مانگتی رہتی تھی۔

"یہ بھی لائی تھی... کھٹی گولیاں ٹافیاں... یہ پسند ہیں نا منا کو... ہر بار جب ہال آتا تھا سب سے پہلے سلیم ان

ہی کو چیک کرتا تھا کہ یہ نہ آئیں تو ناراض ہو گی۔ بتاؤ اب کون دھیان رکھے گا کہ نیناناراض ہے یا نہیں۔۔۔ اتنی فکر رہتی تھی بہن کی اسے۔۔۔ اور جاتے ہوئے سوچا تک نہیں کہ بہن کیا کرے گی۔" آپا دیوان پر بیٹھتے ہوئے تاسف بھرے لہجے میں بولیں تھیں۔ سلیم کے انتقال کے بعد وہ بہت بوڑھی لگنے لگی تھیں' تھکی تھکی اور ہمہ وقت بیمار نظر آتی تھیں' ورنہ صوفیہ نے کبھی انہیں سستی سے بیٹھا یا اس طرح اپنے غموں کا اظہار کرتے نہ دیکھا تھا۔ صوفیہ سے ہمدردی میں ایک لفظ بھی نہ بولا گیا تھا۔

"دکان بند کروی ہے صوفیہ۔۔۔ یہ کچھ چیزیں تھیں تو سوچا تمہیں بھی دے دوں۔۔۔ اونے پونے بیچ دیا ہے سب۔۔۔ دالیں چاول کچھ چاہیے تو بتاؤ۔" آپا نے خود ہی بات ٹال دی تھی۔

"کیوں آپا۔۔۔ دکان تو اچھی چل رہی تھی نا۔۔۔ بند کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" صوفیہ کو کچھ کہنا ہی تھا۔ آپا نے گہری لمبی سانس لی۔

"کیا بتاؤں بہن۔۔۔ ارادہ تو یہی تھا کہ تمہارے بھائی چلالیں گے اسے۔۔۔ لاکھ دو لاکھ کا مال پڑا ہے اس دکان میں۔۔۔ لیکن اب ان سے نہیں ہوتا یہ کام۔۔۔ مال لانا۔۔۔ حساب کرنا۔۔۔ آرڈر دینا ان کے بس کا روگ نہیں رہا۔ کچھ سلیم کے انتقال نے انہیں توڑ کر رکھ دیا ہے۔ دکان میں بیٹھے بھی ہوں تو بس چپ کر کے دیواروں کو تکتے رہتے ہیں۔ علیم نے دو ایک بار روتے ہوئے بھی دیکھا۔ وہ کہتا ہے دکان ابا کو بیمار کر رہی ہے۔ کیا فائدہ بلاوجہ انہیں اذیت دینے کا۔ نقصان ہوتا ہے تو ہونے دیں۔۔۔ ہم نے دو جنازے دو' دو مہینے کے فرق سے اٹھائے ہیں صوفیہ۔۔۔ ہم مزید آزمائش نہیں سہہ سکتے۔۔۔ بچے اب اس دکان کے حق میں نہیں رہے۔ میں تو کسی بات میں بولتی ہی نہیں ہوں۔ جوان بچہ چلا گیا میرا۔۔۔ میرا نقصان تو کبھی بھر' نا پائے گا۔" آپا تھکے ہوئے لہجے میں بولی تھیں۔

"بس آپا۔۔۔ دکان چلانے والا نہیں رہا تو دکان رکھ کر بھی کیا کرلیں گے ہم۔۔۔ سلیم کے جانے سے ہم سب کا نقصان ہوا ہے۔۔۔ نینا کو دیکھتی ہوں ہوں تو کلیجا منہ کو آتا ہے۔ ایک سلیم ہی تو تھا جس سے اپنے دل کی بات کہہ سن لیتی تھی۔ اب تو ایسی چپ ہوئی ہے کہ بعض اوقات پاگل لگنے لگتی ہے۔ کتنی کتنی دیر خاموش بیٹھی رہے گی یا پھر بولے گی تو بلاوجہ' بنا کسی مقصد کے اناپ شناپ بولتی جائے گی۔" صوفیہ کا لہجہ گلوگیر ہو گیا تھا۔

"مجھے تو اس دن کے بعد سے شکل ہی نہیں دکھائی اس نے۔۔۔ اس کو کہا کرو نا کہ خالہ سے مل جایا کرے۔" آپا نے شکوہ کیا تھا۔ صوفیہ نے ان کی بات کو تاسف سے سنا' پھر لاچاری بھرے لہجے میں بولی۔

"آپا بڑی ضدی اور خود سر ہے۔۔۔ میری بات تو سنتی ہی نہیں ہے۔۔۔ اللہ جانے کون سے گناہوں کی سزا ملی ہے مجھے۔ ایسے زبان چلاتی ہے' ذرا' ذرا سی بات پر کہ اپنی تربیت پر افسوس ہونے لگتا ہے۔" آپا بہن تھیں اس کی۔۔۔ اور پھر اس کے ہر راز سے واقف تھیں' نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے منہ سے یہ سب باتیں نکل گئی تھیں۔

"بچی ہے صوفیہ۔۔۔ حساس دل کی مالک ہے۔" آپا نے اتنا ہی کہا تھا کہ صوفیہ نے ترش کر ان کی بات کاٹی۔

"آپا صرف ایک وہی تو حساس دل کی مالک نہیں ہے۔۔۔ سب انسان ہی حساس ہوتے ہیں۔ میں کیا حساس نہیں ہوں۔ مگر میرے بارے میں سوچے گا کون۔۔۔ زندگی گل گئی اس اولاد کے پیچھے۔ یہی اولاد تھی جس کے لیے وہ سب برداشت کیا جو کوئی اور عورت برداشت نہ کرتی۔ ایک غصیلے جلد باز مرد کے ساتھ زندگی گزارنا آسان نہیں ہوتا آپا۔ لیکن کس کی خاطر کیا یہ سب۔۔۔ اسی اولاد کی خاطر نہ۔۔۔ مگر ہاتھ کیا آیا۔۔۔ آپ کیا جانیں آپا جب جوان اولاد اٹھ کر ماں' باپ کو طعنے دیتی ہے نہ تو دل پر کیا گزرتی ہے۔ اللہ کا شکر ادا کیا کریں کہ آپ کو فرماں بردار اولاد ملی ہے۔"

صوفیہ کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ آپا نے کچھ کہنا چاہا' پھر ارادہ ترک کر دیا۔ ایک عمر گزر گئی تھی' لیکن صوفیہ نے کبھی اپنی غلطی کو تسلیم نہ کیا تھا۔ ان کے کچھ کہنے سے وہ مزید برافروختہ ہو جاتی' سوان کا چپ رہنا ہی بہت تھا'

ورنہ انہیں بڑی شکایت تھی کہ بہن' بہنوئی نے نہنا کے ساتھ ویسے محبت کی ہی نہیں تھی' جیسی وہ زین سے کرتے تھے۔ ذرا ذرا سی بات پر اس کی پٹائی کر دینا' ہمہ وقت اسے بدتمیز اور خود سر ہونے کے طعنے دینا دونوں میاں' بیوی کی عادت رہی تھی۔ نہنا کی شخصیت کی سب خامیاں ان کی تربیت کا ہی نتیجہ تھا' سو اب یہ ہی کچھ ہونا تھا جو ہو رہا تھا۔

خار بو کر گلاب پانے کی تمنا کرنا بے وقوفی ہی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ بس اسٹاپ پر بیٹھی یونی ورسٹی بس کا انتظار تو نہیں کر رہی تھی۔ اگر کر رہی ہوتی تو اب تک کتنی ہی بسیں گزر کر جا چکی تھیں' کسی ایک میں تو سوار ہو سکتی تھی' لیکن وہ بس بیٹھی تھی اور آتے جاتے لوگوں کو دیکھ رہی تھی اور اسے احساس تک نہ تھا کہ کوئی اسے بھی دیکھ رہا تھا۔ اس نے گھر سے نکلتے ہی اس نمبر پر کال کی تھی جس سے ابا کو مسلسل کالز آ رہی تھیں اور اس کی توقع کے عین مطابق وہ کال کسی خاتون نے ریسیو کی تھی۔ وہ آواز تو نہیں پہچانتی تھی' لیکن پھر بھی آواز سے وہ یہ ہی اندازہ لگا سکی کہ وہ خاتون درمیانی عمر کی تھی۔ اس سے اسے کیا فرق پڑتا تھا۔ اسے تو پہلے سے اندازہ تھا کہ اس کا باپ ہمیشہ سے الٹی سیدھی حرکات میں ملوث رہا ہے۔

ہو سکتا ہے یہ بات کسی اور کے لیے اتنی نامناسب نہ ہوتی یا وہ اس مردانہ فطرت سمجھ کر اگنور کر دیتی' لیکن نہنا کو اپنے باپ کی اس عادت سے نفرت تھی۔ اسے بہت اچھی طرح سے اندازہ تھا کہ اس کے ابا کو ہر تین چار سال بعد ایکسٹرا میریٹل افیئر چلانے کا خبط تھا۔ سب سے بڑی ستم ظریفی یہ تھی کہ ان سب افیئرز کی کسی نہ کسی طرح نہنا کو خبر ہو جایا کرتی تھی اور ہر بار وہ اپنے ہی باپ کو لے کر عجیب سے تاثرات کا شکار ہو جاتی تھی۔

ہوا نہیں رہی تھی' لیکن دھند نے خنکی کو بڑھا دیا تھا سب ہی گرم کپڑے پہنے سر' منہ لپیٹے پاس سے گزرتے چلے جا رہے تھے اور وہ بس لاتعلق گم سم سی بیٹھی تھی۔

"آپ کیا ایسے ہی ہمیشہ بس کا انتظار کرتی ہیں؟" وہ یک دم اس کے سامنے آ گیا تھا' پھر اس کے پاس بینچ پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ نہنا نے بنا چونکے اسے دیکھا۔

"کیسے... کیسے انتظار کرتی ہوں میں بس کا خاور صاحب؟" اس کے لہجے میں عجیب سا تاثر تھا' جیسے نشے میں ہو۔ خاور کو کچھ حیرانی ہوئی۔ وہ تو توقع کر رہا تھا کہ طنزیہ چبھتا ہوا کوئی جواب آئے گا۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے۔" اس نے حیران ہو کر پوچھا تھا۔ دل چاہا کہ فوراً" اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دیکھے کہ کہیں اسے بخار تو نہیں۔ مگر خدشہ تھا کہ وہ کھینچ کر تھپڑ مار دے گی' سو اس نے اپنے ہاتھ کو قابو میں رکھا تھا۔

"میں نے پوچھا... کیسے انتظار کرتی ہوں میں بس کا؟" وہ اب پھر سے سامنے کی جانب دیکھنے لگی تھی۔ وجود پر کوئی گرم کپڑا بھی نہ تھا۔

"کیا یہ لڑکی پاگل ہے۔ اگر نہیں تو پھر ضرور کوئی خلائی مخلوق ہے؟" خاور نے سوچا تھا۔ اسے دیکھ کر اس کا وجدان اور سوچنے سمجھنے کی تخلیقی صلاحیتیں بہتر کام کرنے لگتی تھیں۔

"ایسے جیسے کتابیں لائبریری میں پڑھنے والوں کا انتظار کرتی ہیں۔ شیلف میں بند چپ چاپ... بنا کچھ کہے... کسی کو مخاطب کیے... مگر منتظر... کہ کوئی آئے' کوئی تو آئے اور... میرا مطلب ہے..." وہ جان بوجھ کر چپ ہو گیا تھا۔ اس کا کہا گیا اگلا جملہ اس کے سامنے بیٹھی لڑکی کو خفا بھی کر سکتا تھا جو وہ چاہتا نہیں تھا' جبکہ وہ ابھی بھی ویسے ہی بت بنی بیٹھی تھی' جیسے کچھ سنا ہی نہ ہو۔ چند لمحے ایسے ہی خاموشی میں گزر گئے۔ خاور کو اس کی خاموشی حیران کر رہی تھی۔

"آپ کی طبیعت مجھے واقعی ٹھیک نہیں لگ رہی۔ اگر آپ برا نہ منائیں تو میں پوچھ سکتا ہوں۔ سب ٹھیک ہے نا۔" اب کی بار وہ بہت سنجیدہ تھا جبکہ وہ ابھی بھی ایک لفظ نہ بولی تھی۔ خاور نے اس کا چہرہ دیکھا۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں بھیگی ہوئی لگتی تھیں۔ اس نے میکانیکی سے انداز میں اس کا ہاتھ تھاما تھا جو انتہائی سرد تھا اور اس سے بھی زیادہ سرد اس کا رویہ۔ وہ تو کسی کے غیر کے لفظ نہ برداشت کرتی تھی کہ کسی بیگانے کے لمس پر بھی خاموش بیٹھی تھی۔

"تم مجھے ٹھیک نہیں لگ رہی۔ اٹھو۔ آؤ میرے ساتھ۔" اس نے یک دم اس کے ہاتھ پر وزن ڈال کر اسے اٹھنے میں مدد دی تھی۔ وہ بے ہوش تو نہیں تھی اس لیے یک دم ہی اس کے سرد وجود میں جنبش پیدا ہوئی تھی۔ اس نے اپنا ہاتھ ایک جھٹکے سے اس کے ہاتھ سے چھڑوانا چاہا تھا۔

"کچھ نہیں ہوا ہے مجھے۔ ٹھیک ہوں میں' آپ کو زیادہ بے تکلف ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ ناک چڑھا کر بولی تھی۔ خاور کی جان میں جان آئی۔ اس نے گھبرا کر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"اگر اتنی ہی ٹھیک ہو تو کسی دوسرے کی جان لینے کی کوشش کیوں کر رہی ہو۔ ڈر گیا تھا میں۔" وہ چڑ کر بولا۔

نیناں نے رخ موڑ کر اس کی جانب دیکھا۔

"شرم تو نہیں آتی آپ کو اس طرح فلرٹ کرتے ہوئے۔ کیا ملتا ہے مرد کو ایسی حرکتیں کر کے۔" وہ کھا جانے والے انداز میں بولی تھی۔ الفاظ تو سخت تھے ہی' انداز بھی ایسا تھا کہ خاور سلگ اٹھا۔

"فلرٹ نہیں کر رہا ہوں۔ اور کبھی کیا بھی نہیں ہے کسی کے ساتھ۔ کیا خیال ہے کہ سب مرد ویلے نکمے ہوتے ہیں۔ انہیں کوئی مالی مجبوری نہیں ہوتی' انہیں یونی ورسٹی کے تھیسز پروجیکٹس نہیں بنانے ہوتے۔ انہیں کپڑوں لتوں کی فکر نہیں ہوتی۔ ان کی مائیں انہیں ٹوک کر گھر کے کام نہیں کرواتیں ان سے۔ تمہارا خیال ہے کہ مرد بس فلرٹ کرنے کے لیے دنیا میں اتارے گئے ہیں۔ اتار دو یہ تعصب کی عینک محترمہ۔ اگر سب عورتیں ایک سی نہیں ہوتیں' تو ہر مرد بھی ایک سا نہیں ہوتا۔ پتا نہیں کون سی کتابیں پڑھتی رہتی ہو جن میں مرد کا صرف ایک ہی چہرہ دکھایا جاتا ہے۔ اور پھر فرماتی ہیں شرم نہیں آتی' فلرٹ کرتے ہوئے۔ اونہہ۔" وہ چبا چبا کر بول رہا تھا۔ نیناں بالکل اس کی جانب مڑ گئی تھی۔

"تو پھر کیوں میرا پیچھا کرتے ہیں۔ جہاں میں جاتی ہوں۔ وہیں کیوں آ جاتے ہیں آپ۔ ایک چھوٹی بچی کا بہانہ بنا کر کیوں کال کرتے ہیں مجھے۔ یہ اچانک اتنے سارے اتفاقات آپ کی ہی زندگی میں کیوں ہونے لگے ہیں۔ آپ کو کیا لگتا ہے مجھے سمجھ نہیں آتا یہ سب۔ بدھو سمجھ رکھا ہے کیا۔" نیناں کا انداز بالکل میکانکی سا تھا۔ خاور چند لمحے تو کچھ بول ہی نہ سکا' پھر اسے دل ہی دل میں بہت سبکی محسوس ہوئی۔ وہ سمجھتا کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے وہ نیناں کو سمجھ میں نہیں آ رہا' لیکن وہ کوئی بے وقوف سی نا سمجھ لڑکی نہیں تھی۔ وہ تو سب کچھ سمجھ بوجھ رہی تھی۔ اب بلا وجہ آئیں بائیں شائیں کرنے کا وقت نہ رہا تھا۔

"اچھا تو پھر سچ کہہ دیتا ہوں۔ لیکن خبردار اس کے بعد کوئی بک بک کی تو۔ اچھا تو عرض کیا ہے کہ اچھی لگتی ہو تم مجھے۔ اتنی شدید کہ ہر وقت تمہارے بارے میں سوچتا رہتا ہوں۔ تم سے ملنے کے بہانے ڈھونڈتا رہتا ہوں۔ تمہیں دیکھ لیتا ہوں تو سکون سا آنے لگتا ہے۔ تمہاری آواز سن کر خوشی محسوس ہوتی ہے۔ تم سے بات کرنے کے بہانے سوچتا رہتا ہوں۔ جس روز بات ہو جائے اس روز خوشی کے مارے نیند نہیں آتی اور جس روز بات نہ ہو۔ اس روز بے چینی کی وجہ سے جاگتا رہتا ہوں۔ اور کیا کیا بتاؤں۔" وہ ہی بات جو اس نے بہت جوش سے شروع کی تھی مکمل ہوتے ہوتے اس کے لہجے میں ذرا نرمی اتر آئی تھی۔

نیناں نے گھور کر اسے دیکھا۔

"کس قدر چھچھورے ہیں۔" وہ بولنا ہی چاہتی تھی کہ خاور نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔
"بس... میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ بک بک مت کرنا۔ خاموش رہو۔ صرف تمہیں ہی بولنے کا لائسنس نہیں ملا ہوا... میں بھی بول سکتا ہوں۔"
"اچھا تو بولیں... آپ ہی بول لیں پہلے..." نمنا مرعوب تو نہیں ہوئی تھی' لیکن اس کے لہجے کے ونگ انداز سے متاثر ضرور ہو گئی تھی۔ خاور نے چند ثانیے اس کی آنکھوں میں دیکھا' پھر گہری سانس بھر کر بولا۔
"آئی لو یو... محبت کرنے لگا ہوں تم سے... کوئی مسئلہ ہے تو بولو..."
"محبت..." نمنا کی آنکھیں پھٹ سی گئیں۔ اس کے اندر اتنی برف جمی تھی کہ محبت کی یہ تپش بھی اسے پگھلا نا سکی تھی۔
"وہ کیا ہوتی ہے؟" یہ سوال اس نے اپنے آپ سے کیا تھا۔ خاور سوالیہ انداز میں اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ آٹھ سال کی تھی جب پہلی بار اسے اپنے باپ کی رنگین فطرت کا اندازہ ہوا۔ وہ بہت چھوٹی سی تھی' لیکن اس کا دماغ اپنی عمر کے بچوں سے دو قدم آگے چلتا تھا۔ اسے چہرے پڑھنے آتے تھے' اسے رویے سمجھ میں آتے تھے' اس کی قوت مشاہدہ بلا کی تیز تھی۔ ان دنوں اسکول پک اینڈ ڈراپ کرنے والی وین کے ڈرائیور کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا تو اسکول کی پک اینڈ ڈراپ کاشف کو اپنے ذمے لینی پڑی۔ وہ اور زری دو مختلف اسکول میں جاتی تھیں۔ زری پڑھائی میں اتنی تیز نہیں تھی' اس لیے اس کا ایڈمیشن نمنا والے اسکول میں ہو نہ سکا تھا۔
اس کی ٹیچر چھٹی کے وقت بچوں کو اپنی نگرانی میں بس یا وین میں بٹھایا کرتی تھیں اور وہ بچے جنہیں ماں' باپ لینے آتے تھے' ٹیچر باقاعدہ ان سے مل کر بچے ان کے حوالے کرتی تھیں۔ پہلی ہی بار جب کاشف اسے پک کرنے آیا تو نمنا کو ٹیچر کے رویے میں کچھ عجیب سا تاثر محسوس ہوا۔ یہ کاشف نہیں تھا جو ٹیچر سے مرعوب ہوا تھا' بلکہ یہ ٹیچر تھیں جو کاشف سے مرعوب ہو گئی تھیں۔ ہر روز وہ باپ کے آنے پر ٹیچر کی مسکراہٹ کو مزید پھیلتا ہوا محسوس کرتی تھی' وہ موبائل کا دور تھا۔
"مس شہنیلا... ٹریفک کی وجہ سے بعض اوقات مجھے آنے میں دیر سویر ہو جاتی ہے... تو آپ اپنا سیل نمبر مجھے دے دیں' تاکہ ایمرجنسی کی صورت میں آپ سے رابطہ کیا جا سکے۔" اس کو اپنی جانب دائیں کھڑا کیے اس کا باپ اس کی نوجوان ٹیچر سے اس کا سیل فون نمبر مانگ رہا تھا اور ٹیچر نے وہ نمبر دے بھی دیا تھا۔ اسے آج تک یاد تھا کہ اسے یہ بات بری لگی تھی۔ کیوں بری لگی تھی... یہ اسے بہت عرصے تک سمجھ میں نہ آیا تھا' پھر ایک دن ٹیچر نے کاشف سے لفٹ مانگ لی۔
"میرے بھائی مجھے لینے نہیں آسکیں گے۔ آپ مجھے ڈراپ کر دیں گے۔" ٹیچر نے کہا اور کاشف نے بنا چوں چراں کیے اثبات میں سر ہلا دیا' پھر ایک روز واپسی پر ٹیچر نے نہ صرف لفٹ مانگ لی' بلکہ کاشف نے مینگو شیک بھی پلایا۔ اس روز اس نے گھر آتے ہی یہ بات ماں کو بتا دی تھی۔ اس کے بعد ماں' باپ کے درمیان بحث ہوئی یا کوئی لڑائی جھگڑا ہوا' یہ اسے پتا نہیں چلا تھا' لیکن اگلے دن شام کو اس کے ہاتھوں ایک گلاس ٹوٹ گیا تھا اور کاشف نے اسے زوردار تھپڑ مارا تھا۔
"ادھر ادھر دیکھنے سے فرصت ملے تو کوئی چیز تمیز سے تھامنی آئے۔" کاشف کی آنکھوں سے آگ اگلتی اسے صاف محسوس ہوئی تھی' تب تک اسے بھول چکا تھا کہ اس نے اصل میں غلطی کی کیا ہے۔
"میں شیلف پر رکھ رہی تھی تو میرے ہاتھ سے گر گیا۔" وہ سخت لہجے میں بولی تھی۔ اسے باپ سے اکثر مار پڑتی

رہتی تھی۔ اسے ایک آدھ تھپڑ سے فرق نہیں پڑتا تھا۔
"آنکھوں اور کانوں کا جتنا استعمال کرتی ہو۔ اتنا ہاتھوں کا بھی کرلیا کرو تو ایسا کبھی نہ ہو۔" کاشف اسی انداز میں بولا تھا۔
"آپ بھی ہاتھوں کا جتنا استعمال کرتے ہیں۔ اتنا دماغ کا کرلیں تو ایسا کبھی نہ ہو۔" وہ خود سر تھی' بدزبان بھی تھی' لیکن اس کو ایسا بنانے والے بھی اس کے اپنے ہی تھے۔
"بہت خوب... بہت اچھے... بدتمیز... ایسے بات کرتے ہیں ناباپ سے... دیکھ رہی ہو صوفیہ اپنی چہیتی کی زبان کے جوہر... یہ سکھا رہی ہو تم اس کو... یہ تربیت ہے تمہاری... زمین سے پوری طرح نکلی نہیں ہے اور زبان گز بھر کی ہے۔" کاشف نے اسے تین' چار تھپڑ ایک ساتھ مارے تھے اور ساتھ ساتھ چلانے لگا تھا۔ صوفیہ بھی کمرے سے نکل آئی۔
"کیا ہوا... کیا بات ہے؟" وہ ان دونوں کے چہروں کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ کیا ہوا' لیکن اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ کاشف کو روک یا ٹوک سکتی۔ نینا پٹتی رہی تھی اور روتی رہی تھی' سوائے اس کے کسی کو سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ وہ پٹائی جو گلاس ٹوٹنے پر کی گئی' اصل میں کسی اور بات کا غصہ تھا' ورنہ برتن تو اس سے اکثر ٹوٹ جایا کرتے تھے۔
"پاپا کو میرے شکایت لگانے پر غصہ آگیا... لیکن وہ یہ بات امی سے چھپانا کیوں چاہتے تھے... کیوں... ایسی کیا بات تھی اس سارے معاملے میں..." بہت دن تک یہ سوال اس کے دماغ سے چپکا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"کیا بات ہے' طبیعت ٹھیک ہے آپ کی۔" زری نے امی کو چپ دیکھ کر سوال کیا تھا۔ وہ جب سے اٹھی تھی ان کو ست سا محسوس کر رہی تھی۔
"ہاں ٹھیک ہوں... سردی کی وجہ سے گھٹنوں میں درد ہے' بس..." صوفیہ یہی کہہ پائی تھی' ورنہ حقیقت تو یہ تھی کہ وہ ذہنی طور پر بہت تھکی ہوئی تھی۔ آج سارا دن وہ مختلف سوچوں میں گھری رہی تھی۔
"امی... اظفر کی امی آئی ہوئی ہیں لاہور شاپنگ کے لیے۔" زری نے اپنا مدعا بیان کیا تھا۔ صوفیہ نے بھی ذہن میں موجود ساری سوچوں کو جھٹک ڈالا تھا۔ نینا کو تو عادت تھی اناپ شناپ بکتے رہنے کی... وہ آخر کتنی دیر اس کی وجہ سے پریشان رہتی۔
"اچھا... انہوں نے بتایا ہی نہیں... میں ان کو کھانے پر انوائیٹ کرلیتی... آخر کو سمدھیانہ ہے۔ ہمارا فرض بنتا ہے انہیں گھر بلائیں۔" صوفیہ نے ساری توجہ زری کی جانب مرکوز کی تھی۔
"میں نے اظفر سے کہا تھا۔ وہ کہتا ہے' رہنے دو۔ اس کی امی اتنی زیادہ سیڑھیاں بار بار نہیں چڑھ سکتیں۔ ایک تو آپ لوگ سیڑھیاں مرمت بھی نہیں کرواتے۔ پرانے زمانے کی بنی ہوئی ہیں۔ لونچے اونچے سے اسٹیپ ہیں... آنٹی (اظفر کی امی) کہتی ہیں انہیں کمر میں درد ہونے لگتا ہے ایسی سیڑھیاں چڑھ کر۔" زری کے چہرے پر ساس کے متعلق بات کرتے ہوئے بے چارگی اور تاسف دونوں جھلکنے لگا تھا۔
"آئے ہائے... اتنی بھی کیا نازک مزاجی ہوئی... یہ چار سیڑھیاں چڑھ کر ہی تھک جاتی ہیں... اور وہ جو دو' دو انچ کی ہیل والے سینڈل پہن کر آئی تھیں ہمارے گھر۔ ان سے کمر میں درد نہیں ہوتا۔ بس لوگوں کو تو نخرے کرنے کا بہانہ چاہیے۔" صوفیہ کو سخت برا لگا۔
"نہیں امی... آنٹی بالکل بھی نخرے والی خاتون نہیں ہیں۔ وہ اتنی ہمبل' اتنی ڈاؤن ٹو ارتھ (شائستہ اور سیدھی

سادی) قسم کی ہیں۔ ہو گا کوئی مسئلہ ان کا۔۔۔ میں تو خود تین چار دفعہ مسلسل سیڑھیاں چڑھ اتر لوں تو ٹانگیں تھک جاتی ہیں۔" زری نے فوراً "صفائی دی تھی۔

"ہاں بھئی تم ان کی زبان نہیں بولو گی تو کون بولے گا۔ آخر کو تمہاری ساس ہیں۔" صوفیہ کو اس کی بات بھی اچھی نا لگی تھی۔ ویسے بھی زری کے اطوار سے بھی اسے چڑ ہونے لگی تھی۔ اس کی منگنی کیا ہو گئی تھی' اسے ہر وقت اظفر اور سسرال والوں کے نخرے اٹھانے سے ہی فرصت نہ ملتی تھی۔ ہر دو دن بعد کچھ نہ کچھ پکا کر اظفر کے یہاں بھجوا دیتی تھی۔ کبھی چکن بریانی' کبھی کوفتے' کبھی گاجر کا حلوہ تو کبھی کھیر۔ سارا بجٹ اتھل پتھل کر دیتی وہ۔۔۔

"اچھا چھوڑیں آپ۔۔۔ وہ میں آپ کو بتا رہی تھی کہ آنٹی کہہ رہی تھیں کہ میں میک اپ اور شوز وغیرہ اپنی پسند سے خرید لوں۔ سوئیٹرز اور کارڈیگنز وغیرہ کے لیے بھی کہہ رہی تھیں۔ کہہ رہی تھیں جیولری بھی لے لو ایک ہی بار۔" زری نے ان کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاں تو ان سے پوچھو کہ کس سے خریدنی ہے جیولری۔۔۔ ہمیں بتا دیں۔ تمہارے ابا کو بولیں گے وہ ہمیں لے چلیں گے۔" صوفیہ نے ہامی بھری تھی۔ زری چند لمحے خاموشی سے ان کا چہرہ دیکھتی رہی' پھر اس نے کھنکارتے ہوئے حلق صاف کیا تھا۔

"امی۔۔۔ آنٹی کہہ رہی تھیں کہ اظفر لے جائے گا مجھے۔۔۔ یعنی صرف مجھے۔۔۔ تو میں بھی اس کے لیے شاپنگ کر لوں ساتھ ہی۔۔۔ میں نے ان کو کہہ دیا ہے کہ امی سے پوچھ کر بتاؤں گی۔ آخر ہمیں بھی تو شاپنگ کرنی ہی ہے۔" وہ ذرا سا شرما کر بولی تھی۔ صوفیہ نے گھور کر اسے دیکھا۔

"تمہارا مطلب ہے وہ تمہیں ساتھ لے کر جائے گا۔ یعنی تم دونوں اکیلے۔۔۔؟" صوفیہ کو بڑا نامناسب لگا تھا۔

"او ہو امی۔۔۔ دو لوگ اکیلے ہوتے ہیں کیا۔ عجیب باتیں کرتی ہیں آپ۔۔۔" اس نے برا مان کر کہا تھا۔

"تمہارے جیسے گھروں میں اسے ہی "اکیلا" کہا جاتا ہے بی بی۔۔۔ بھلا بتاؤ کوئی بڑا بزرگ ساتھ نہیں جائے گا۔ یہ کل کے بچے شادی کی خریداری کریں گے۔۔۔ میری طرف سے صاف انکار ہے بھئی۔" صوفیہ نے صاف انکار کر دیا تھا۔

"ہاں تو کیا ہو گیا۔ اتنی پینڈو دس والی باتیں کیوں کر رہی ہیں۔ آخر اس میں برائی کیا ہے۔" زری نے ناک چڑھائی تھی۔

"دیکھو زری میں صاف بات کروں گی۔ ایک تو یہ کہ ایسی کسی بات کی اجازت تمہارے ابا بھی نہ دیں گے۔ دوسرا ہم جس محلے میں رہتے ہیں وہاں سب ایک دوسرے کے معاملات کا بڑا دھیان رکھتے ہیں۔ سارے محلے میں عجیب عجیب باتیں پھیلیں گی' اچھا نہیں لگتا۔" صوفیہ نے اتنا ہی کہا تھا کہ زری نے بات کاٹ دی۔

"امی پلیز جانے دیں نا۔۔۔ اظفر نے اتنے مان سے کہا تھا مجھے۔ میں اس کو انکار کروں گی تو وہ ہمیں کنزرویٹو (قدامت پسند) ہی فیملی سمجھے گا نا۔ پلیز امی! ۔۔۔ مان جائیں نا۔" وہ اصرار کر رہی تھی۔ صوفیہ سمجھ سکتی تھی کہ زری خود بھی اظفر کے ساتھ باہر جا کر شاپنگ کرنے میں دلچسپی رکھتی ہے۔

"اچھا۔۔۔ میں تمہارے ابا سے بات کروں گی۔" صوفیہ نے بے دلی سے بات ختم کر دی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی لائٹ آف دیکھی تو اس کا پارہ مزید ہائی ہو گیا تھا۔ ایسا کبھی نہ ہوا تھا کہ شہرین اس کے کمرے میں آنے سے پہلے سوئی ہو۔

کیا ان کے درمیان موجود رشتے کی بنیاد بدل رہی تھی۔ کیا محبت اکتاہٹ کا شکار ہونے لگی تھی۔ ایسا تھا تو کیوں

تھا۔ سمیع اسی سوچ میں گھلتا ہوا بستر پر بیٹھ گیا تھا' پھر اس نے شیرین کی جانب دیکھا جو سوئی ہوئی نہیں تھی' لیکن اداکاری ایسے کر رہی تھی جیسے سمیع کے لائٹ جلا دینے پر گہری نیند سے جاگی ہو۔ اس نے اکتا کر لحاف سر تک تان لیا تھا۔ سمیع نے اس کی اس حرکت کو ناپسندیدگی سے دیکھا اور پھر کھینچ کر لحاف اتار دیا تھا۔

"کیا مصیبت ہے۔ اب کیا میں اس کمرے میں اپنی مرضی سے سو بھی نہیں سکتی۔" وہ غرا کر بولی تھی۔ سمیع نے اس کی جانب دیکھا۔

"نہیں۔۔۔ نہیں سو سکتیں تم۔" وہ اطمینان سے بولا تھا۔

"کیوں۔۔۔ بتاؤ مجھے کیوں۔۔۔ کیوں نہیں سو سکتی میں؟" وہ مزید غصیلے انداز میں بولی تھی۔ سمیع کو ہنسی آگئی' لیکن اس نے اس کی جانب دیکھا نہیں تھا۔

"اب چپ کیوں ہو۔۔۔ بولو۔" وہ اسے خاموش پا کر پھر چلائی۔ سمیع نے گردن موڑی تھی۔

"قسم سے بالکل بلی لگ رہی ہو۔۔۔ وہ بھی موٹی تازی۔" وہ منہ کو پھلا کر اس کے موٹاپے کی جانب اشارہ کر رہا تھا۔ شیرین کا غصہ بھی یہیں تک تھا۔ اسے بھی ہنسی آگئی۔

"اب ہنس کیوں رہی ہو موٹی بلی۔" اس نے ٹانگیں بیڈ پر رکھتے ہوئے خود کو گھسیٹ کر شیرین کے برابر کیا تھا۔

"دیکھا پھر اعتراض۔۔۔ تمہیں عادت پڑ گئی ہے سمیع مجھے ٹوکتے رہنے کی میری ہر بات سے انکار کرنے کی۔" اس کے جلے بھنے انداز نے سمیع کو مسکرانے پر مجبور کیا۔

"اتنی ناراض کیوں رہنے لگی ہو جان میری' پہلے تو کبھی اتنے شکوے نہیں ہوئے تھے مجھ سے۔۔۔ تمہیں۔" اس نے اس کے کندھے پر اپنا بازو رکھ کر اسے خود سے قریب کیا تھا۔

"تم خود بھی تو کتنا بدلتے جا رہے ہو۔ اپنے رویے پر بھی تو غور کرو۔" وہ منہ بنا کر بولی تھی۔

"یار میں نے کیا کہہ ڈالا تھا۔۔۔ یہی تو کہا تھا کہ اچھا چلو چھوڑو میں کردوں گا کل کال کہ فی میل ٹیوٹر ہی ہونی چاہیے۔ ختم کرو اب اس قصے کو۔" سمیع اکتا کر بولا تھا۔

"تھینک یو سوچ۔" شیرین نے سرہلاتے ہوئے کہا تھا۔

"قسم سے مجھے احساس ہو گیا ہے کہ میری امی ٹھیک کہتی تھیں۔" سمیع کے انداز میں شرارت تھی جو شیرین کو سمجھ بھی آگئی تھی۔

"ہاں دنیا کے سب مردوں کو ماں کی باتیں ٹھیک اور بیوی کی باتیں غلط ہی لگتی ہیں۔"

"دیکھا پھر جھگڑا شروع کر دیا تم نے۔۔۔ میں تو پہلے ہی سوچ رہا تھا کہ شیرین بہت جھگڑالو ہوتی جا رہی ہے۔۔۔ ایسی تھی تو نہیں میری بیوی کہاں ہے وہ شگفتہ مزاج شیرین جس سے سمیع نے محبت کی تھی۔" وہ اسے چڑا رہا تھا۔

"یعنی اب محبت نہیں کرتے تم مجھ سے اس بات کو بھی تو ایڈمٹ کر لو کہ تم بھی بدل رہے ہو۔" وہ شکوہ کناں انداز میں بولی تھی۔ سمیع نے لمحہ بھر اس کی آنکھوں میں دیکھا پھر نفی میں سرہلایا تھا۔

"ایسا کبھی نہیں ہو گا شیرین۔۔۔ کبھی بھی نہیں جب تک اس وجود میں سانس رہے گا۔۔۔" اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ شیرین نے اس کی بات کاٹ دی۔

"ہاں ہاں جانتی ہوں۔۔۔ بھٹو تیرا نام رہے گا بس سن رکھے ہیں یہ نعرے میں نے۔" سمیع نے قہقہہ لگایا۔

"جی نہیں۔۔۔ جب تک اس وجود میں سانس رہے گا۔۔۔ یہ شیرین کی محبت کے حصار سے کبھی نا نکل پائے گا۔۔۔ یہ سوچنا بھی مت میری جان۔" وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ شیرین کو اتنے دنوں کے بعد اس کے منہ سے یہ سب سننا بے حد اچھا لگا۔ وہ مزید اس کے ساتھ چپک گئی تھی۔

"اچھا آئی ایم سوری نا۔ پتا کیا مجھے خود سمجھ نہیں آتا کہ مجھے اب غصہ جلدی کیوں آجاتا ہے۔۔۔ خواہ خواہ

میرا بارہ ہائی ہونے لگتا ہے میں چاہتی ہوں بس ایمن کے جتنے بھی معاملات میری بیماری کی وجہ سے تاخیر کا شکار رہے ہیں۔ پلک جھپکتے ٹھیک ہو جائیں... تو میں پرسکون ہو جاؤں گی۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا شیرین... جہاں اللہ تعالیٰ نے اتنے بڑے بڑے مسائل ختم کر دیے ہیں وہاں یہ مسئلے بھی حل ہو جائیں گے بس تم خوش رہا کرو۔ اس خوشی کو محسوس کیا کرو۔ تم صحت مند ہو گئی ہو تمہارے گھر والے میرے گھر والے سب ہم سے خوش ہیں۔" سمیع نے رسان سے اسے سمجھایا تھا۔ شیرین کچھ نہیں بولی تھی۔ سمیع نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا پھر جیسے اسے کچھ یاد آیا۔

"اچھا وہ کیا کہہ رہی تھی تم... چھڈو جی مٹی پاؤ یعنی پنجابی بس یہی باتیں کرتے ہیں۔" وہ اسے گھور رہا تھا۔

"ہاں تو اور کیا... تم تو بس لاہور واپس آ کر بالکل ایسے ہو گئے ہو... ہر ضروری معاملہ بس یہی کہہ کر نبٹا لیتے ہو۔" وہ بھی مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

"اچھا... تو تم بتا دو کہ پھر ضروری معاملات کیسے نبٹائے جاتے ہیں... ہاں بولو بتاؤ۔" وہ اسے مسلسل گدگدا رہا تھا۔ شیرین ہنس ہنس کر دہری ہونے لگی۔

"بس یونہی ہنستی رہا کرو شیرین... اس ہنسی سے زیادہ کچھ قیمتی نہیں ہے میرے لیے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا تھا جو مسلسل ہنسنے کے باعث بھیگ گئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"سوپ تو بہت اچھا بنا ہے بالکل باہر کے سوپ کا مزا ہے۔" کاشف نے سوپ کا پیالہ ختم کر کے صوفیہ کو دیتے ہوئے تعریف بھی کی تھی۔ وہ خوشی سے کھل گئی۔ شوہر کی جانب سے کھانے کی تعریف اسے اکثر ملتی رہتی تھی۔

"اچھا؟ چلیں شکر ہے کہ آپ کو پسند آیا اور ہم نے تو ایک عرصہ ہو گیا باہر کا سوپ پیا نہیں، ہمیں کیا پتا ریستوران کے سوپ کا ذائقہ کیسا ہوتا ہے۔" صوفیہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"میرے کہنے کا مطلب تھا کہ بہت اچھا بنا ہے۔ تمہیں بالآخر چائنیز کھانے بنانے آ گئے ہیں۔"

"ارے صاحب ایک عمر ہو گئی آپ کے گھر کا چولہا چوکا کرتے ہوئے بچیاں جوان ہو گئی ہیں اب بھی ہاتھ صاف نا ہوتا تو آخر کب ہوتا تھا۔" صوفیہ متاثر نا ہوئی تھی۔

"نہیں کھانا تو تم شروع سے اچھا بنا لیتی ہو۔ بی بی جان اللہ بخشے تمہارے پکائے کھانوں کی ہمیشہ تعریف کرتی تھیں۔" کاشف کو آج بہت عرصہ بعد ماں بھی یاد آئی تھی۔

"ہاں جی اللہ کا بڑا شکر ہے کہ دیسی اسٹائل کے کھانے تو میں شروع سے اچھے پکا لیتی ہوں۔ چائنیز وغیرہ پکا پکا کر اب ان میں بھی ایکسپرٹ ہو گئی ہوں پھر کوئی کمی بیشی ہو تو زری انٹرنیٹ سے ریسیپیز ڈھونڈ ڈھونڈ کر بتاتی رہتی ہے... بچے جوان ہو جائیں تو مائیں ہر کام میں ہی ایکسپرٹ ہو جاتی ہیں۔"

صوفیہ نے سادہ سے انداز میں کہا۔ ایک عمر ہوتی ہے جب ایسی باتوں پر کوئی تعریف کرے تو خوشی ہوتی پھر جب روز روز ایک جیسی باتوں پر سراہا جانے لگے تو پھر ان باتوں میں کشش ختم ہونے لگتی ہے۔ صوفیہ کے لیے کھانا بنانا کوئی بڑی بات نا تھی۔ اسے ایسی تعریف میں کوئی دلچسپی محسوس نا ہوتی تھی۔

"اچھا تو جوان بچوں کی ماں یہ بتاؤ بچے کر کیا رہے ہیں ہمارے گھر میں تو ابھی سے سناٹا اتر آیا ہے... زری کی شادی ہو گئی تو ہم تو بہت اداس ہو جائیں گے۔" صوفیہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ ایسی باتیں کرنے کے عادی تو نا تھے۔

"میں تو ابھی سے سوچ سوچ کر ہولتی رہتی ہوں... بس اللہ میری بیٹیوں کے نصیب اچھے کرے... انہیں ان

کے گھر کی ہر خوشی نصیب ہو ماں باپ کو بس یہ سوچ ہی پرسکون رکھتی ہے کہ ان کی اولاد جہاں بھی ہے خوش ہے۔"
صوفیہ یاسیت بھرے لہجے میں بولی تھی۔ کاشف نے ٹی وی کی جانب دیکھا تھا پھر ایک نظر اس پر ڈالی۔
"ماں باپ کی نیت نیک ہو تو اولاد کو ہر راہ روشن ملتی ہے... ان شاء اللہ ہماری بیٹی اپنے گھر بہت خوش رہے گی"
کاشف نے گویا بات ختم کردی تھی۔ صوفیہ نے کچھ لمحے اس کی جانب دیکھا پھر سر جھٹک دیا۔ اسے یاد آیا تھا کہ اسے زری کے متعلق بھی اجازت لینی تھی۔
"وہ مجھے آپ سے ایک بات پوچھنی تھی۔" اس نے تمہید باندھتے ہوئے شوہر کا چہرہ دیکھا تھا۔ کاشف نے استفہامیہ انداز میں اسے دیکھا تو اس نے کچھ جھجک کر ساری بات بتادی۔ "کہ اظفر زری کو شاپنگ کے لیے لے جانا چاہتا تھا۔ کاشف نے سب کچھ تحمل سے سنا پھر سرہلایا تھا۔
"اب میں کیا کہوں صوفیہ حلیمہ۔ زمانہ بہت بدل گیا ہے بچوں کی بات نہ ماننے میں بھی نقصان ہی ہوتا ہے... اور پھر مجھے نہیں لگتا کہ اس میں کوئی حرج ہے لیکن۔" وہ رکا تھا۔
"نینا کو بھی زری کے ساتھ بھیجنا' دونوں بہنیں اکٹھی ہوں گی تو کسی کو الٹی سیدھی بات کا موقع ہی نہ لے گا۔"
وہ حتمی لہجے میں بولا۔ صوفیہ کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا سوائے اس کے۔
نینا کو زری کے ساتھ جانے کے لیے منائے گا کون۔ بلی کے گلے میں گھنٹی باندھنا اتنا آسان کب ہوتا ہے۔

☼ ☼ ☼

"آئی لو یو۔ محبت کرنے لگا ہوں تم سے۔" اس کے کانوں میں جیسے یہ جملہ ایک بار پھر گونجا تھا۔ اس نے کروٹ بدلی۔
"اسے ہمت کیسے ہوئی مجھ سے یہ بات کرنے کی... کل نظر آئے کہیں... منہ توڑ دوں گی اس کا۔" اس نے ناگواری سے منہ بناتے ہوئے سوچا تھا۔ اسی دوران امی کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔ ساتھ میں سوپ کی ٹرے جس میں رکھے پیالے سے اڑتا دھواں نینا کی بھوک کو مزید بڑھا گیا۔ اس نے صبح سے کچھ نہ کھایا تھا۔
"یہ لو نینا... بہت اچھا سوپ بنایا ہے۔ تمہارے ابا تو بہت تعریف کررہے تھے۔" صوفیہ نے اسے ٹرے تھمائی تھی۔ وہ بھی چوں چراں کیے بنا اٹھ گئی۔
"اچھا ہے نا۔" صوفیہ کو چونکہ اس سے زری کے متعلق بھی بات کرنا تھی اس لیے وہ پاس ہی بیٹھ گئی تھی۔ اس کے استفسار پر نینا نے سرہلایا تھا۔
وہ ذہنی طور پر خود کو بہت تھکا ہوا محسوس کرتی تھی۔ اسے لگتا تھا اس کی ذہنی استعداد کم ہونے لگی ہے۔ اسے چیزیں جلدی سمجھ میں نہ آتی تھیں۔ ابھی بھی ذہن میں وہ فون نمبر جو اس نے ابا کے سیل فون سے ذہن نشین کیا تھا بار بار چمک رہا تھا اور دوسری جانب خاور کا کہا گیا جملہ وقفے وقفے سے یاد آنے لگتا۔ اسے یہ سب چیزیں کوئی خوشگوار تاثر نہیں دے رہی تھیں بلکہ وہ اکتا رہی تھی اور سر میں جیسے ہلکے ہلکے دھماکے ہونے لگے تھے۔
"زری تمہارے ابا نے اجازت دے دی ہے... کہہ رہے تھے زمانہ بدل گیا ہے۔ آج کل کے بچے سمجھ دار ہیں... اپنا اچھا برا سمجھتے ہیں۔ اپنے بڑوں کی عزت کا پاس ہے انہیں' سو تم جاسکتی ہو' نینا تم بھی اس کے ساتھ چلی جانا۔" امی نے ابا کے کہے گئے جملوں کو دو سے ضرب دے کر بیان کیا تھا۔
"کہاں... کہاں جانا ہے۔" نینا نے سوپ کا چمچہ بھر کر منہ میں رکھا تھا۔
"شاپنگ کے لیے اظفر لے جانا چاہتا ہے۔" امی نے بس اتنا ہی کہا۔ نینا نے ناگواری سے انہیں دیکھا۔

"میں خواہ مخواہ ساتھ جاؤں کباب میں ہڈی 'زری اکیلی جائے میں کیوں جاؤں۔" وہ ناک چڑھا کر بولی تھی۔
"او ہو تمہارے ابا کہہ رہے ہیں کہ دونوں بہنیں اکٹھی چلی جائیں گی 'زری اکیلی جاتی ہوئی اچھی نہیں لگتی" امی نے وضاحت کی تھی۔
"اکیلی جاتی ہوئی اچھی نہیں لگے گی تو مت جائے نا۔ مجھے تو درمیان میں مت گھسیٹئے۔" نینا اسی انداز میں بولی تھی۔ اسے یہ بات قطعاً" منظور نا تھی اور یہ بات صوفیہ پہلے سے جانتی تھی۔
"دیکھو نینا۔۔۔ بہنیں ایسے موقع پر کام آیا ہی کرتی ہیں۔۔۔ اب داماد کو کیسے انکار کریں ہم۔۔۔ وہ زری کو اس کی پسند کی جیولری' میک اپ وغیرہ دلانا چاہتا ہے۔ نئی نئی رشتہ داری ہے انکار کریں گے' تو جانے وہ کیا سمجھے اس لیے تمہارے ابا کہہ رہے تھے کہ تم اور زری دونوں جاؤ۔" امی نے رسانیت سے اسے سمجھایا تھا۔
"دیکھیں امی۔۔۔ اگر آپ کو یہ بات اچھی نہیں لگ رہی' تو آپ زری کو اس کی اجازت مت دیں اپنی اولاد کے لیے اچھا برا فیصلہ کرنے کا اختیار ہے آپ کو' لیکن میں کسی ایرے غیرے کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔" اس نے زری کا لال بھبھوکا چہرہ نوٹس میں لائے بغیر دو ٹوک جواب دیا تھا۔
"تم کوئی بات تحمل سے بھی سن لیا کرو کبھی۔ دراصل تمہارے ابا کہہ رہے تھے۔" صوفیہ نے کچھ کہنا چاہا لیکن نینا نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں روک دیا۔
"امی یہ ابا کے خود غرض اقوال زریں مجھے نا سنایا کریں۔۔۔ میں ذرا بھی امپریس نہیں ہوتی۔۔۔ آپ ابا کو جا کر صاف کہہ دیں کہ ان کی اولاد کی نگرانی کرنا ان کی اپنی ذمہ داری ہے میری نہیں میں کیوں چاچا کیدو بن کر ان کی بیٹی کی چوکیداری کروں۔" اس کا لہجہ پہلے سے زیادہ تلخ تھا۔ صوفیہ چپ کی چپ رہ گئی۔
"رہنے دو صوفیہ اسے پہلے کبھی کوئی بات سمجھ میں آئی ہے جو اب آئے گی مت کہو اس سے کچھ۔" ان دونوں کو ہی پتا نہیں چلا تھا جب ان کی بلند آواز سن کر ابا کمرے کے دروازے میں آکر کھڑے ہو گئے تھے۔
"شکریہ نوازش۔" نینا نے بہت دھیمی آواز میں کہا تھا۔
"لہجہ دیکھو اس کا۔۔۔ اسے تمیز ہی نہیں رہی ہے بات کرنے کی اس دن کے لیے تو اسے اتنا پڑھایا تھا کہ جب پڑھ لکھ جائے تو ماں باپ کو ہی ذلیل کرے۔۔۔ یہ سکھاتی ہیں کتابیں۔" ابا انتہائی تلخ لہجے میں بولے تھے۔ یہ شاید کوئی پانچ چھ سال بعد ہو رہا تھا کہ ابا نے براہ راست اس انداز میں نینا سے بات کی تھی۔ اس نے بستر پر بیٹھے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔
"یہ سب میں نے کتابوں سے نہیں سیکھا۔۔۔ آپ سے سیکھا ہے' اپنے ماں باپ سے سیکھا ہے۔" نینا نڈر لہجے میں بولی تھی۔
"نینا چپ کرو۔ اس لہجے میں بات کرتا ہے کوئی اپنے باپ سے۔" امی نے دہل کر اسے چپ کروانا چاہا تھا۔
"مت ٹوکو اسے صوفیہ۔۔۔ اس نے سمجھنا ہوتا تو اب تک سمجھ چکی ہوتی لیکن یہ لاعلاج ہو چکی ہے۔۔۔ اس کو اتنا بھی احساس نہیں کہ ماں باپ نے اس کے لیے کیا کیا نہیں کیا۔ پالا پوسا بڑا کیا ہر عیش و آرام دیا پڑھایا لکھایا۔"
"سب ہی ماں باپ کرتے ہیں۔۔۔ یہ کوئی بڑا احسان نہیں ہے میرے لیے ایسا کیا خاص کر دیا آپ نے۔" وہ بڑبڑائی تھی۔
"یہ بس اب چار جماعتیں پڑھ گئی ہے۔۔۔ تو اس کو حق حاصل ہے کہ ہمارے ہی سر میں جوتے مارے۔۔۔ ہمیں ہی طعنے دے' ذلیل کرے حالانکہ اسے یہ عقل نہیں ہے کہ اس کو یہ سب ملا کس کے توسط سے ہے یہ سب اس کے لیے کیا کس نے ہے۔ باپ کا روپیہ خرچ خرچ کر ہی اس قابل ہوئی ہو کہ باپ کو بھگو بھگو کر مار سکو۔ آگئی ہے آج مجھے سمجھ کہ اولاد کو فتنہ کہتے کس لیے ہیں۔۔۔ کہہ دو اس کو۔۔۔ اب پھوٹی کوڑی نہیں ہے میرے پاس اس کے

لیے۔۔۔ اسے بھی تو پتا چلے کہ ماں باپ نے اس کے لیے کیا کیا نہیں کیا۔" ابا کا بلڈ پریشر ہائی ہونے لگا تھا' صوفیہ نے آگے بڑھ کر ان کا ہاتھ تھاما۔

"آپ چھوڑیں اسے یہ نہیں سمجھنے کی' آئیں چلیں یہاں سے' زری ابا کو پانی لا کر دے۔" صوفیہ ان کا ہاتھ تھام کر انہیں باہر کی جانب لے جانے لگی تھیں۔ زری بھی فوراً" پیچھے ہی نکل گئی۔ نمناو ہیں بیٹھی رہ گئی تھی۔۔۔ پشیمان پریشان اور تنہا وہ کب بدتمیزی کرنا چاہتی تھی کسی سے لیکن وہ کیا کرتی اس کی رگوں میں خون نہیں تھا آگ تھی وہ ٹپ ٹپ آنسو بہانے لگی۔

☼ ☼ ☼

وہ بہت مدہوش گہری نیند میں تھی جب سیل فون کی بجتی بیپ نے اسے جگا ڈالا تھا۔ اس نے آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے سامنے دیوار پر لگے کلاک کی جانب دیکھا بارہ بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔

"اس وقت کس کا فون ہو سکتا ہے۔" اس نے سیل فون ہاتھ میں پکڑ کر اس کا والیوم بند کر دیا تھا کہ کہیں سمیع کی نیند نا ٹوٹ جائے۔

"میں کون بات کر رہی ہوں۔۔۔ رانیہ کی ٹیوٹر۔۔۔ آپ نے کچھ دن پہلے مجھے اپنی بچی کی ٹیوشن کے لیے کال کی تھی نا۔" دوسری جانب سے ہیلو سنتے ہی استفسار کیا گیا تھا۔ شہرین نے حیرانی سے سیل کی جانب دیکھا۔ اس لیے نہیں کہ یہ کال بے وقت کی گئی تھی بلکہ اس لیے کہ وہی آواز جو چند دن پہلے رعونت بھری کرختگی سے سماعتوں میں محفوظ ہو گئی تھی آج اس قدر بجھی ہوئی' افسردہ اور روئی ہوئی لگتی تھی۔

"جی جی۔۔۔ میں اپنی بچی ایمن کے لیے کسی اچھی ٹیوٹر کی تلاش میں ہوں۔" اس نے جواب دیا تھا۔

"میں پڑھانے کو تیار ہوں۔۔۔ میری فیس آٹھ ہزار ہو گی۔۔۔ اور فیس میں ایڈوانس لیتی ہوں۔" اس نے اپنی ڈیمانڈ بتائی تھی۔ ایمن چونکہ نیند میں تھی اس لیے زیادہ پرجوش انداز تو نا اپنا سکی لیکن پھر بھی اس نے یہ پیشکش قبول کر لی تھی۔

"جی مجھے منظور ہے۔۔۔ آپ کل اگر شام کو ہمارے گھر آجائیں تو میں آپ کو ایمن سے ملوا دوں گی۔۔۔ میں رانیہ لوگوں کے اوپر والے پورشن میں ہی رہتی ہوں۔" شہرین نے اسے تفصیل سے بتایا تھا لیکن اسے بڑی حیرانی ہوئی۔ اس کی بات پوری سنے بغیر ہی فون بند کر دیا گیا تھا۔

"عجیب لڑکی ہے یہ بھی۔۔۔" اس نے جماہی لیتے ہوئے خود کلامی کی تھی۔

"کس کی کال تھی اس ٹائم۔۔۔؟" سمیع کی آنکھ اس کی باتوں کی آواز سے کھلی تھی۔

"وہ ٹیوٹر کا انتظام ہو گیا ہے۔" اس نے اسے بھی بتایا اور فون سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر ہاتھ دوبارہ بلینکٹ میں گھسا لیے۔

"یا اللہ تیرا شکر۔۔۔ میری بیوی کے کندھے ایک بوجھ سے تو آزاد ہوئے۔" سمیع نے نیند سے بوجھل لہجے کے ساتھ سرگوشی کی تھی' پھر وہ دونوں ہی ہنس دیے تھے۔ انہیں اندازہ بھی نہیں تھا کہ وہ بات جو ابھی ان کے لیے اطمینان کا موجب نظر آرہی ہے آنے والے وقتوں میں ان کی زندگیوں میں ایک بہت بڑی تبدیلی لانے والی ہے۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

☼ ☼
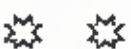
مریم جہانگیر
افسانہ محبت

"یہ لو کھاؤ" وہ بہت خاموشی سے آیا تھا اور اب پیڑ کے پیچھے پنجوں کے بل اس کے سامنے بیٹھا اسے امرود کی قاشوں پہ چینی لگا کر دے رہا تھا۔ اس بلی کے لیے چینی والا امرود ہی پسندیدہ پھل تھا۔

"میں نے کچھ نہیں کیا تھا۔ سچی....!"

اس کی آنکھوں سے موٹے موٹے دو آنسو گر پڑے۔ وہ بری طرح گھبرایا۔ پلیٹ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گرنے والی تھی۔ اس نے فوراً" پلیٹ فرش پر رکھی اور اس کے تیزی سے بہتے ہوئے آنسوؤں کو گالوں کی آخری حد سے انگلی کی پوروں میں سمیٹا۔

"ہٹ جاؤ، تم بھی آئے تو ہلکا ہلکا ہنس رہے تھے۔"

وہ اب آنسو روک چکی تھی اور اس کے سنجیدہ چہرے پہ ہنسی ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی تھی، تاکہ اسے لتاڑ سکے۔ لیکن وہ بھی اپنے نام کا ایک ہی تھا۔ عذیر اتنی ہی سنجیدگی سے بیٹھا ہوا تھا۔ جب اس کے چہرے پہ مسکان کا کوئی مٹا ہوا سا نشان بھی نظر نہ آیا تو لائبہ نے اپنا ہاتھ خود امرود کی قاش کی طرف بڑھایا۔ عذیر کی زبان پہ کھجلی ہوئی۔

"ویسے اماں نے زیادہ ڈانٹ دیا تمہیں۔ اس عمر میں درخت پہ چڑھنا اتنی بھی کوئی اوچھی حرکت نہیں۔"

پورا زور "اس عمر" پہ تھا۔ لائبہ نے آنکھیں اٹھا کر دیکھا تو عذیر کی آنکھوں میں شرارت نے اسے تپا دیا۔

"تمہیں تو میں بتاتی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ دامن جھاڑتی اٹھی۔

پیڑ کے ساتھ لگے جھولے کے آگے عذیر بھاگ رہا تھا اور پیچھے لائبہ۔ نجانے کتنے سالوں سے یہ کھیل جاری تھا۔ کھیلنے والے نہیں تھکے تھے۔ لیکن دیکھنے والی دو آنکھیں بار بار یہی منظر دیکھ کر اوب چکی تھیں۔

"اس لڑکی کو عزت راس ہی نہیں ہے۔ جان کر بے عزت ہوتی ہے میرے ہاتھوں سے" عامرہ خاتون نے زہر خند لہجے میں خود کلامی کی اور برآمدے سے نظریں ہٹا کر اپنے سامنے کی الماری پہ مرکوز کرلیں جس پہ خوشخط لفظوں میں لکھا تھا "اللہ کے بندوں سے محبت بھی عبادت ہے۔"

☆ ☆ ☆

لائبہ، عذیر کے چچا کی بیٹی تھی۔ لائبہ کی والدہ کا بچپن میں ہی انتقال ہو گیا۔ اس کے والد بشارت صاحب کو بارہا لوگوں نے بیاہ رچا لینے کا مشورہ دیا۔ لیکن انہوں نے کسی مشورے کو در خود اعتنا نہ جانا۔ انہیں اپنی بیٹی کے جذبات عزیز تھے۔ کسی دوسری عورت کے آنے پہ یہ ضمانت بالکل نہ رہتی کہ پھول سی لائبہ کے جذبات پھول سے ہی رہیں گے۔ وہ اپنے کہنے پہ ڈٹے رہے۔ اسی اثنا میں چھ سال مزید گزرے اور عذیر کے والد کو بھی اللہ نے اپنے پاس بلا لیا۔ وہ دو گھرانے جو ایک گھر میں رہتے تھے۔ دونوں ادھورے ہو چکے تھے۔ لائبہ کی والدہ نہیں تھیں اور عذیر کے والد نہیں تھے۔ بشارت صاحب کے سر پہ ایک دفعہ پھر مشورے دینے والے ٹوٹ پڑے۔

"اپنی بھابھی سے شادی کرلو۔ دو ادھورے لوگ ایک دوسرے کو مکمل کر سکتے ہیں" کی منطق بن بادل برسات کی طرح برسنے لگی۔ عامرہ خاتون نے اس معاملے میں چپ تھامے رکھی۔ انہیں اگر نکاح کا پیغام پہنچایا جاتا تو وہ مان بھی جاتیں انہیں اس گھر سے خاص انس تھا۔ کسی بھی صورت میں وہ اس گھر سے جدائی کا سوچ ہی نہیں سکتی تھیں۔ ان کے پیچھے تھا ہی کون.... کوئی بھی نہیں....

من ہی من میں وہ کانوں کی کچی عورت لوگوں کے بہلاوے میں آگئیں۔ اسے لگا کہ واقعی اس گھر میں رہنے کا بس یہی ایک راستہ باقی بچا ہے کہ بشارت سے عقد ہو جائے۔ ادھر بشارت صاحب کسی کے ہاتھ نہ آئے۔ اپنی بھابھی کو ایسی نظر سے دیکھا نہیں تھا اور دوسرا اپنی بیٹی کے سر پہ سوتیلی ماں لانا ان کا دل گوارا ہی نہیں کر رہا تھا چاہے وہ اس کی تائی ہی کیوں نہ ہوتیں۔ البتہ ایک کام انہوں نے کیا۔ عامرہ خاتون کو گھر سے نہ جانے دیا۔ عامرہ خاتون اس امر پہ جہاں شکر گزار ہوتیں وہیں ایک "نہ" کی جانے والی تذلیل کوند کی طرح ان کے دماغ سے چپک گئی۔ رد کیے جانے کا احساس عورت کو

کسی بھی رشتے میں اور کسی بھی عمر میں پاگل کر دیتا ہے۔ یہ پاگل پن اگر ایک مشت باہر نہ بھی آئے تو اندر ہی اندر ذلت میں الاؤ کی طرح دہکتا رہتا ہے۔ کسی نہ کسی رنگ میں یہ ساری تپش اپنی حدت سے اپنے ماحول کو آشنا کروا ہی دیتی ہے۔

بشارت صاحب نے بھابھی کو بیوی تو نہ بنایا، لیکن انہیں گھر سے بھی نہ جانے دیا۔ حویلی نما گھر کے درمیان میں دیوار نہ اٹھائی لیکن اپنے لیے سامنے کے حصے کا ایک کمرہ مختص کر لیا۔ اپنے اور لائبہ کے کام کاج کے لیے ملازمہ رکھ لی۔ بھابھی کو کبھی تکلیف نہ پہنچائی۔ جو آمدن ہوتی اس میں سے عذیر کا حصہ بیٹوں کی طرح دو حصے نکالتے، لائبہ پہ ایک حصہ خرچ کرتے۔ کبھی منہ سے پیسوں کا تذکرہ بھی نہ کرتے۔ ہر ماہ کی پانچ تاریخ کو لائبہ کے ہاتھ لفافہ بھابھی کو پہنچ جاتا۔ یہ اور بات کہ اس چھوٹی سی بچی کے ہاتھ سے پیسے لیتے عامرہ خاتون کو اپنی انا سو دفعہ مارنا پڑتی۔ نجانے کیسے ان کے اندر کہیں انا کو مار دینے کا حوصلہ زہر بن کر لائبہ کے خلاف جمع ہونے لگا۔ ایک دن اچانک بشارت صاحب کی طبیعت بگڑ گئی۔ طبیعت کا بگڑنا تو بہانہ تھا۔ قدرت نے بہت سے چہرے واضح کرنے تھے۔ لائبہ روتی ہوئی عامرہ خاتون کے پاس آئی۔

"تائی اماں وہ ابا گر گئے ہیں۔"

"اوہو میں نماز پڑھ کر آتی ہوں۔" آگے سے یوں جواب دیا گیا جیسے آخری نماز ادا کرنی ہو۔

"تائی اماں، ابا بیٹھک میں ہیں مجھ سے اٹھائے نہیں گئے۔ آپ چلیں نا" لائبہ نے آگے بڑھ کر ان کا بازو تھام لیا۔

"آئے ہائے اس لڑکی کو سجھائی ہی نہیں دیتا کچھ بن ماں کی پلی ہے تربیت نہیں ہوئی، لیکن اپنی عقل بھی دیکھو کوری کی کوری ہے۔ وہ نامحرم ہیں میرے لیے اور ادھر نماز تیار کھڑی ہے۔ بی بی جی جان چھوڑو۔ کہہ رہی ہوں کہ نماز پڑھ کر آتی ہوں۔" بازو جھٹک کر وہ گویا ہوئیں۔

لائبہ کو باپ سے زیادہ عزیز کچھ نہیں تھا۔ منہ میں آیا کہ اگر ایسا ہی نامحرم تھے تو اتنے سالوں سے یہیں کیوں پڑی رہیں اور پیسے کیوں پکڑتی رہیں۔ اگر وہ خدا ترس تھے تو ان پہ بھی اللہ واسطے کا ترس کھا ہی لیتیں لیکن خاموش رہی۔

عقل سے سوچتی تو لائبہ کے پاس دینے کو جواب بہت کرارے تھے، مگر باپ کی دی گئی تربیت آڑے آ گئی..... وہ متاسف تاثرات لیے تائی امی کو ڈبڈبائی نگاہوں سے دیکھتی، باپ کے کمرے میں لوٹ آئی۔ بشارت صاحب کی حالت ایسی نہیں تھی کہ عذیر کے آنے کا انتظار کیا جاتا۔ وہ چادر اوڑھ کر باہر نکلی، ٹیکسی لی اور ٹیکسی والے کی مدد سے ہی باپ کو ہسپتال لے آئی۔

عامرہ خاتون نماز سے فارغ ہوئیں تو انسانیت نے سر اٹھایا۔ ان کے اصولوں کے مطابق ابھی تک لائبہ کو بیٹھک میں ہی منتظر ہونا چاہیے تھا۔ اسے بیٹھک میں منتظر نہ پا کر ان کی عزت نفس کو کاری ضرب لگی۔ وہ خاموشی سے عذیر کے آنے کا انتظار کرنے لگیں۔

عذیر آیا تو اسے سارا واقعہ یوں توڑ مروڑ کر بتایا گیا کہ وہ لائبہ کی بدتمیزی کا قائل ہو گیا۔ اس نے ہسپتال جانا چاہا تو ماں سے اجازت نہ ملی۔ عامرہ خاتون کو صحیح معنوں میں اپنے اختیارات کا اندازہ ہوا اور وہ ان اختیارات کو جتاتے ہوئے خود پسندی میں مبتلا ہو گئیں۔ دوسری طرف بھی کوئی عذیر کے انتظار میں سوکھ رہا تھا۔ یہ لائبہ تھی، جو ہسپتال کے یخ بستہ ماحول میں اپنوں کی اپنائیت کی حدت کی منتظر تھی۔ باپ آئی سی یو میں تھا۔ کسی اپنے کی شدید ضرورت تھی۔

ڈاکٹر بار بار آ کر پوچھتا کہ "آپ کے ساتھ کوئی میل اٹینڈنٹ نہیں ہے؟" لائبہ کی متلاشی نظریں بار بار ہسپتال کے داخلی دروازے پر جا کر پلٹ رہی تھیں۔ اسے آج عذیر کی شدید ضرورت تھی۔ لیکن اس نے نہ آنا تھا سو نہ آیا۔ بہت سی امیدیں اپنی موت آپ مر گئیں۔ کئی خوش گمانیوں نے خودکشی کی۔ بہت سے مضر تعلقات خود بخود ختم ہو گئے۔

باپ کے اے ٹی ایم کارڈ نے رشتہ داروں سے زیادہ ساتھ نبھایا۔ دو روز بعد باپ کو گھر لے کر لوٹی، تو اپنے

پاؤں پر چلتا ہوا انسان آدھے جسم کے فالج سے لاچار اور بے بس ہوا ساتھ آیا۔ گھر کا سارا ماحول بھی بدل گیا تھا۔ پہلے پہل عامرہ تائی کی چبھتی ہوئی نظریں اور آواز روح کو گھائل کرتی تھی۔ اب بھی چبھن باقی تھی، لیکن چبھن پہ حاوی ایک اور شے تھی اور وہ تھی خاموشی۔۔۔ صرف خاموشی۔ عامرہ خاتون ایک دفعہ بھی اپنے کمرے سے نکل کر بشارت صاحب کا پوچھنے نہ آئیں۔ ان کے آنے کا انتظار کس کو تھا۔ لیکن عذیر کا انتظار تو تھا۔ یہ انتظار بھی اپنے آپ ختم ہو گیا۔ وقت کے تیز طوفان کے سامنے روشنی قائم نہ رہ سکی۔ سارے دیے بجھ گئے۔

✲ ✲ ✲

"اماں ایسی بھی کیا ناراضی ہے؟ ہمیں ایک دفعہ تو جانا چاہیے۔" عذیر ماں کو منانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ کمرے کے روشن دان پر ایک چڑیا اپنے گھونسلے کو مکمل کرنے کی کوشش میں مصروف تھی، اس بات سے بے خبر کہ کل کی چلنے والی آندھی میں اس کی ساری گھاس پھونس ہوا کی نذر ہو جانی ہے۔

"اسے میں نے انتظار کرنے کو کہا تھا، لیکن وہ بالشت بھر کی لڑکی پھنے خان بنی پھرتی ہے۔ خود ہی چلی گئی۔ یوں گھر کی لڑکیاں باہر جاتی ہیں؟ یہ ہمارے گھر کی عزت ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ عزت تھی۔ دو دن ہسپتال رہی۔ ایک فون ہی کر سکتی تھیں، لیکن اس کی ناک کے نیچے تو تم بھی نہیں آتے" عامرہ خاتون کہانی کو اپنی مرضی کا موڑ دے رہی تھیں۔

"ہاں ایک فون تو اسے کرنا ہی چاہیے تھا۔ آپ نے بھی شرط رکھی تھی کہ اس کا فون آئے تو تب جانا اور اس نے فون ہی نہیں کیا۔" عذیر بڑبڑا رہا تھا۔

عامرہ خاتون دل ہی دل میں اپنی فتح پر خوش ہوئیں۔ بچپن کی دوستی اور انسیت پر انہوں نے نقب ڈال ہی دی تھی۔

✲ ✲ ✲

اگلا دن طوفانی تھا۔ شدید بارش اور جھکڑ سے سارا گھر ہلنے لگا۔ عذیر کے دھلے ہوئے کپڑے چھت پہ پڑے تھے۔ عامرہ خاتون نے آوازیں دے کر عذیر کو متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ وہ اپنے کمرے میں کانوں میں ہینڈز فری لگائے دھنوں میں کھویا رہا۔ جب عذیر کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا تو انہیں لائبہ یاد آئی۔ کتنے ہی کام وہ بغیر کہے کر دیا کرتی تھی۔ دل کی اس بے ایمانی پر عامرہ خاتون کو تاؤ آیا۔

انہیں تو خس کم جہاں پاک ہونے پر شکر ادا کرنا تھا۔ دکھتے ہوئے گھٹنے پر ہاتھ سے دباؤ ڈالتیں وہ خود ہی چھت پر چلی گئیں۔ سیڑھیاں اتر رہی تھیں کہ بجلی زور سے کڑکی۔ ایسی ڈریں وہ کہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکیں اور سیڑھیوں سے لڑکھڑا کر نیچے گر گئیں۔

چڑیا سہمی ہوئی روشن دان میں چھپی بیٹھی تھی۔ اس کا ناپائیدار گھونسلا تنکا تنکا ہو کر فرش پہ بکھرا چڑیا کی بے بسی پر نوحہ کناں تھا۔

طوفان کے شور نے چڑیا کی چیخوں پہ اپنے کان بند کر لیے تھے۔ ہوا کچھ تھمی اور کواڑ کھلے۔ سب آوازیں واضح ہوئیں تو ماں کی چیخوں نے عذیر کے دماغ میں گھنٹیاں بجا دیں۔ وہ فی الفور ماں کو ہسپتال لے کر پہنچا تھا۔ لائبہ نے اس سارے معاملے میں خاموش تماشائی کا کردار بھی ادا نہیں کیا۔ جو لوگ اس کے باپ کا سہارا نہیں بن سکتے تھے۔ وہ اس کے لیے کچھ نہیں تھے، تماشا بھی نہیں!

✲ ✲ ✲

"میرا تکبر سر کے بل زمین پر آیا ہے" عامرہ بیگم مسلسل آنسو بہا رہی تھیں اور عذیر کے پاس ان کو دینے کو کوئی تسلی کوئی دلاسا نہیں تھا۔

"امی آپ اپنا خیال رکھیں، کیوں رو رو کر خود کو ہلکان کر رہی ہیں۔" عذیر اپنی ماں کی غلطی کو جانتا بھی تھا مانتا بھی تھا، لیکن آپریشن کے بعد ماں کا یوں رونا عذیر کے دل پر آنسو گرا رہا تھا۔ اس دن کا گرنا صرف کسی چوٹ کی وجہ ثابت نہ ہوا، گھٹنے اپنی جگہ سے کھسک گئے تھے۔ ڈاکٹر نے فوری آپریشن تجویز کیا

تھا۔ ہڈیوں کے درمیان کا گودا ہڈیوں کی رگڑ کے باعث کم ہو گیا تھا۔ آپریشن ناگزیر ہوا تو عذیر نے اپنی ساری جمع پونجی لگا دی۔ اولاد والدین کو لوٹانے پر آئے تو خود کو بھی بیچ دیتی ہے۔ وہ اپنی سواری بھی بیچ بیٹھا' ہسپتال میں اکیلے رہ کر اسے کئی بار لائبہ کا خیال آیا۔ لڑکا ہو کر اس نے ہسپتال میں تنہائی کے اصلی مفہوم جانے تھے۔ نجانے لائبہ پر کیا گزرتی رہی ہو گی۔ اس سے آگے وہ کچھ نہ سوچ سکا۔

"مجھے گھر لے جاؤ' میں نے لائبہ سے معافی مانگنی ہے۔" عامرہ خاتون روتے ہوئے ایک ہی فریاد کر رہی تھیں۔ عذیر ان کی بات نہیں مان سکتا تھا۔ اس نے ڈاکٹر کی مانی تھی۔ تقریباً" پندرہ دن بعد ماں کو لے کر گھر لوٹا تو شدت سے دل چاہا کہ لائبہ کے پاس چلا جائے' لیکن کس منہ سے جاتا۔ چچا کی بیماری پر منہ نہیں دکھایا تھا اب ماں کی بیماری پر کیسے مدد مانگتا۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔۔۔۔ مدد کے بغیر گزارا تو ہو سکتا تھا لیکن غم بانٹنے والا کندھا شدت سے درکار تھا۔

☼ ☼ ☼

"تو جا اس کے پاس' اسے کہہ میں اسے بلا رہی ہوں' وہ آجائے گی۔" عامرہ خاتون عذیر سے مسلسل مطالبہ کرنے لگیں۔

"اماں وہ تو آجائے گی' لیکن مجھے بتائیں میں اسے منانے کیسے جاؤں؟" عذیر نے روہانسی آواز میں اپنی لاچاری ظاہر کی۔

"عذیر غلطیاں کر کے بیٹھ نہیں جانا چاہیے' ان کو لکیر نہیں سمجھنا چاہیے' ان کو پیٹتے نہیں رہنا چاہیے' بلکہ جونہی احساس ہو کہ یہ غلط ہے اس مٹانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ میں غلطی کر کے بیٹھی ہوں' لیکن دیکھو اب اپنے پیروں پر چل نہیں سکتی۔ یہ نہ ہو تمہارے پیروں کی زمین بھی چھین لی جائے۔" عامرہ خاتون نے عذیر کو ڈرایا۔

"پھر کیا کروں میں؟" عذیر نے ہتھیار پھینک دیے۔

"اس کے پاس جاؤ" عامرہ بیگم نے حکم دیا۔

"کس منہ سے جاؤں" عذیر کے پاس سوال تھا۔

"اسی منہ کے ساتھ جاؤ جس پر افسردگی اور ندامت کی تہ جمی ہوئی ہے۔ اس چہرے پہ اسے جلدی ترس آئے گا۔" عامرہ بیگم نے اسے لائبہ کے پاس جانے کے لیے اکسایا۔

☼ ☼ ☼

عذیر باہر برآمدے میں آیا تو وہ کچن میں کھڑی روٹی پکا رہی تھی۔ اکیلے زندگی کے ذائقے چکھتے اس کے معصوم چہرے پر تلخی کا نقاب چڑھ گیا تھا۔

"لائبہ" عذیر نے اسے پکارا وہ خاموش رہی۔ بھلا بولنے کو کچھ باقی تھا۔ "لائبہ مجھے معاف کر دو" وہ معافی مانگ رہا تھا۔

کیا اتنا آسان تھا معاف کر دینا؟ لائبہ نے سوچا۔ کس جرم کی معافی مانگ رہا ہے یہ؟ کس بات پہ معاف کر دوں؟ وہ خود سے سوال کرنے لگی۔

"لائبہ کچھ تو بولو" وہ ڈرے ڈرے لہجے میں دوبارہ گویا ہوا۔

"کیا سننا چاہتے ہو؟" وہ عذیر کی آنکھوں میں اجنبی آنکھوں سے جھانکتے ہوئے بولی۔

عذیر نے جھرجھری لی۔ یہ آنکھیں کل تک اس کی تھیں' آج اجنبی ہو گئی تھیں۔

"دیکھو یوں تو نہ کرو' مجھ سے غلطی ہو گئی ہے مجھے معاف کر دو۔"

"جھوٹ بول رہے ہو تم' تمہیں آج بھی اپنی غلطی کا احساس نہیں ہوا' ضرورت کا احساس ہوا ہے۔ تمہیں معلوم ہوا ہے کہ تمہارا رہنے میں اور کسی کے ساتھ ہونے میں کیا فرق ہوتا ہے۔ آج تم اپنی تنہائی دور کرنے آئے ہو۔" لائبہ نے یہ کہتے ہوئے اسے دیکھا بھی نہیں تھا۔

"تم جو کہہ رہی ہو ٹھیک کہہ رہی ہو تم بہت بہادر ہو میں مانتا ہوں تم رہ سکتی ہو تنہا میں نہیں ہوں بہادر۔ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا' میں واقعی غلط تھا' لیکن

ایک دفعہ کی غلطی تو سب ہی معاف کر دیا کرتے ہیں' میں لوٹ کر تمہارے پاس آیا ہوں' اپنی غلطی تسلیم کر رہا ہوں' مجھے معاف کر دو' اماں بہت شرمندہ ہیں۔"
عذیر نے نظریں جھکا کر معافی مانگی۔

"یہ کہاں کا انصاف ہے عذیر تجارت صاحب؟ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ مرد جب چاہے غلطی کرے جب جی چاہے لوٹ آئے' اسے احساس ہو تو منانے آئے اور عورت مان جائے' تم کس رشتے سے لوٹ آنے کا دعوا کر سکتے ہو؟ تم میرے تھے ہی کب؟ تم جیسے مرد سے تو شکر ہے کہ میرا ایسا کوئی رشتہ نہیں کہ میں تمہارے لوٹ آنے کا انتظار کرتی۔ تم مرد ضرور ہو' لیکن میرے مرد نہیں ہو' میرے کچھ نہیں ہو' میں تمہیں برداشت کرنے کی پابند نہیں ہوں۔ سنا تم نے؟"
لائبہ اس پر چلا رہی تھی۔

"وہ خواب جو ہماری آنکھوں نے دیکھے تھے انہیں تم یوں کیسے نوچ سکتی ہو؟ اب تو اماں بھی راضی ہیں' انہوں نے خود بھیجا ہے تمہارے پاس۔" عذیر اس کی آواز سے ہراساں ہوا۔ وہ' اس کی مٹھی سے ریت کی طرف پھسل رہی تھی۔

"خواب؟ کون سے خواب؟ وہ خواب جنہیں اپنے باپ کی بیماری میں اپنے آنسوؤں میں بہا آئی ہیں؟ اب تم دکھاؤ تو بھی مجھے وہ خواب نظر نہیں آئیں گے۔ تمہاری اماں' ماں ہیں' ان کا کہنا نہ کہنا اہمیت رکھتا ہے' میرے ابا لڑکی کے باپ ہیں ان کا تو جینا مرنا بھی اہمیت نہیں رکھتا۔ ان کی ساری زندگی کا خلوص ایک طرف اور تائی اماں کی رتی بھر شرمندگی ایک طرف۔ ان کا پلڑا بھاری ہے' کیوں کہ ان کے پاس نعمت ہے اور میرا باپ اپنا سب کچھ لٹا کر بھی اپنی سانسیں زبردستی کھینچ رہے ہیں کیوں کہ ان کے پاس رحمت ہے۔" لائبہ کے اندر کا غبار باہر نکل رہا تھا۔

"لائبہ۔۔۔ دیکھو یار انسان خطا کا پتلا ہے' مجھ سے غلطی ہو گئی در گزر کر دو۔" عذیر اب کچن کے فرش پر گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گیا۔

اس شخص کو لائبہ نے اپنے دل کی سب سے اونچی مسند پر بٹھایا تھا' یہ پہلے نظروں سے گرا پھر دل سے اتر گیا۔ وہ چاہ کر بھی اس شخص سے محبت نہیں کر سکتی تھی' وہ کرنا بھی چاہتی تو ہسپتال میں تنہا گزاری دو راتیں اس کے اور عذیر کے درمیان آ جاتی تھیں۔

وہ اس شخص کی پروا کرنا بھی چاہتی تو اسے وہ دن رات یاد آ جاتے تھے جب وہ اپنے باپ کو سنبھال رہی تھی۔ باپ مرد ہونے کی وجہ سے اپنی بیٹی کے ہاتھوں سنبھالے جانے پر بے آواز آنسو بہاتا تھا۔ وہ خود کو بیٹا نہیں بنا سکتی تھی۔ وہ بیٹی ہی تھی' اسے یہی رہنا تھا۔ ایک بیٹی اپنے محبوب کو تو معاف کر سکتی ہے' پر ایک باپ کے احسان فراموش بھتیجے کو معاف کرنے کا کلیجا کہاں سے لاتی۔

اس نے ایک نظر عذیر کے جھکے ہوئے سر کو دیکھا اور منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ انکار کرنے کے لیے ضروری تھا کہ وہ اس شخص کی طرف نہ دیکھے' ورنہ بچپن کے ماہ و سال رکاوٹ بننے کی کوشش کرتے۔ دوسری طرف منہ پلٹا تو کھڑکی کے باہر لیٹے ابا جی پر نظر پڑ گئی۔ وہ آنکھوں میں امید لیے بہتے آنسوؤں کے ساتھ لائبہ کو دیکھ رہے تھے۔ ان کے آنسو' اس کی ایک ہاں سن کر تھم سکتے تھے۔ لائبہ کے ہاتھ کپکپائے' اس نے کھڑکی کی سلاخوں کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔

"تم جاؤ' میں آتی ہوں تائی اماں کے پاس' میں نے معاف کیا۔"

وہ بیٹی تھی اس نے یہی کرنا تھا۔ رحمتیں نعمت نہیں ہوتیں۔ کفران نعمت کیا جاتا ہے اور نعمتیں انکار کرتی بھی اچھی لگتی ہیں۔ رحمتوں کو صرف سر جھکانا ہوتا ہے۔ اس نے بھی سر جھکایا تھا۔

☆ ☆

حمیرا نوشین
الٹی زنجیر

ناشتے کی ٹیبل پر تین نفوس موجود تھے اور تینوں ہی خاموشی سے ناشتا کرنے میں محو تھے، میں نے اپنا سلائس ختم کر کے جلدی سے محبوب کے لیے کپ میں چائے انڈیلی اور ان کی طرف کھسکادی۔ انہوں نے خاموشی سے چائے کا کپ لبوں سے لگالیا۔

"فرحت آپا اور نبیل بھائی دوپہر تک پہنچ جائیں گے۔" انہوں نے بڑی بہن کا نام لیا۔

"ان کے پہنچنے سے پہلے ہر چیز ریڈی ہونی چاہیے۔"

"جی اچھا۔" کہہ کر میں نے ٹیبل پر سے ناشتے کے برتن سمیٹنے شروع کیے۔ ارم اٹھ کر ٹی وی کے سامنے جا بیٹھی اور محبوب گاڑی کی چابی لے کر گیٹ کی طرف روانہ ہوئے، میں بھی ان کے پیچھے سر جھکائے چل دی، میں نے گیٹ کھولا وہ گاڑی زن سے باہر نکال لے گئے اور میں دھڑاک سے گیٹ بند کر کے بڑبڑاتی ہوئی اندر کی جانب چل دی۔

"ہونہہ۔ پتا نہیں کس قسم کے مجازی خدا سے واسطہ پڑا ہے۔ ایک وہ سونیا ہے، جو شوہر کی بانہوں کے حلقے میں رہتی ہے اور یہاں شوہر کی بے رخی نے آنکھوں میں حلقوں نے پڑاؤ ڈال رکھا ہے۔ آہ! کیسی خوش نصیب ہوتی ہیں وہ بیویاں، جو شوہروں کی نظروں کے حصار میں رہتی ہیں۔" میرا دل محبوب کی بے اعتنائی پر تڑپ رہا تھا۔

"کاش۔ نام کا ہی کچھ ان کی شخصیت پر اثر پڑ جاتا تو آج میرا بھی دل اور چہرہ سونیا کی طرح کھلا کھلا اور شاداب رہتا۔"

میں نے تو اب ان کا نام لے کر پکارنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ بازل کے بابا، ہادی کے بابا ہی کہہ کر مخاطب کرتی ہوں۔ یہی نام ان کی شخصیت پر جچتا ہے، جوانی میں بھی بڈھی و سنجیدہ روح سمائی ہوئی تھی۔ ہونٹ ہمیشہ ظلم و ستم کی ماری بہو کی طرح سمٹے ہی رہتے مجال ہے، جو میں نے ان کو کبھی چہکتے دیکھا ہو۔ کہاں پھنسادیا اماں ابا نے بھی مجھے۔

ان کی نظر میں تو ان کا داماد لاکھوں میں ایک ہے۔ سنجیدگی و متانت کا حسن ان کی شخصیت کو بہت بارعب بنا کر رکھتا ہے۔ آج کل کے مردوں کی طرح چھچھورے و نظرباز نہیں کہ جن کی نظریں اپنی جگہ پر ٹھہرتیں ہی نہیں ہمیشہ دائیں بائیں، اوپر نیچے متحرک رہتی ہیں۔

بقول آپا کے "شکر کرو کوئی نظرباز شوہر نہیں ملا اپنی نظر کی حفاظت کرنا جانتا ہے۔"

"ہونہہ نظر کی حفاظت۔۔۔ ایسی بھی کیا نظر کی حفاظت کہ بیوی کا تمتماتا روپ اور حسن بلاخیز سے بھی نظر چرا کر رکھے، کبھی تو تعریف کے دو بول اور نظروں میں خمار گھول کے بیوی کے دل کو خوش کر دے۔ اس سونیا کو دیکھو صبح سے شام تک کیسی سجی سنوری رہتی ہے، کتنے نک سک سے تیار ہو کر رہتی ہے شوہر جب تعریف کرتا ہے تو ساری محنت وصول ہو جاتی ہے۔" میں غصے میں ہادی کے کپڑے جھٹکے سے اتارنے لگی وہ بے چارہ ان جملوں سے گھبرا کر رونے لگا۔ آپا میری طرف تاسف بھری نگاہوں سے دیکھنے لگیں۔

"پھر وہی رونا۔۔۔" وہ جیسے میری ان باتوں سے چڑ گئی تھیں۔

"سونیا چھڑی چھانٹ ہے دن رات اپنے اوپر ہی توجہ نہیں دے گی تو سارا دن کیا کرے گی، تم اپنا سونیا سے تقابل کرنا چھوڑ دو۔ اپنے گھر اور اپنے شوہر کی طرف دیکھو۔ شوہر تمہاری گھر گرہستی اور تم سے خوش ہے تو تمہیں اور کیا چاہیے۔ اور مجھے یہ بتاؤ کیا تمہارے شوہر نے کبھی تمہیں بناؤ سنگار سے منع کیا ہے، جو تم یوں سر جھاڑ منہ پھاڑ پھرتی ہو۔" آپا میرے ہاتھ سے ہادی کے کپڑے چھین کر خود پہنانے لگیں اور مجھے کھلی نگاہوں سے گھورا۔

"منع نہیں کیا تو کبھی کہا بھی نہیں۔۔۔ شادی کے اوائل دنوں میں، میں جب تیار ہوتی تھی تو کیا انہیں میرا دلکش سراپا نظر آتا تھا؟ تعریف کے چند جملے کیا ان کا منہ سکھاتے تھے؟" بیڈ پر پڑی اشیا اٹھا کر میں نے بیڈ شیٹ کی شکنیں درست کیں اور منہ پھلا کر بیٹھ گئی۔

"یاد ہے آپ کو وہ واقعہ جو میں نے ہنی مون سے

واپسی پر سنایا تھا۔"
"ہاں۔۔۔ ہاں یاد ہے سو دفعہ کا سنایا ہوا قصہ اچھی طرح ذہن نشین ہے مگر میری بہن تم اب اسے بھول جاؤ تو اچھا ہے۔"
"کیسے۔۔۔ کیسے بھول جاؤں۔۔۔" میں نے کرب سے آنکھیں میچ لیں۔
"دلکش نظاروں میں ہماری گاڑی رواں دواں تھی' شادی کے ابتدائی دن۔ میاں بیوی ہنی مون کے لیے روانہ' پرفسوں ماحول' دل کھلے کھلے۔ ایسے میں بار بار محبوب کا میری طرف دیکھنا مجھے کس قدر مسحور کر رہا تھا کوئی میری دل سے پوچھتا۔ ان کی نظریں کبھی میری گوری کلائیوں کی طرف اٹھتیں اور کبھی کھنچ چہرے سے ہوتی نازک مرمریں گردن کی طرف۔ گہری نگاہوں نے میری پلکوں کی جھالروں کو جھکانے پر مجبور کر دیا تھا۔ میرے لبوں پر بڑی دل آویز و دلکش مسکراہٹ تھی۔ وہ میری خوب صورتی سے نظر چرا بھی کیسے سکتے تھے' میں حسن و زیبائی کے تمام تیر و ترکش سے مسلح تھی۔
کن انکھیوں سے میں نے ڈرائیور کی طرف دیکھا' مگر اس کا دھیان مکمل ڈرائیونگ کی طرف تھا۔ محبوب کی چشمان ساحر میرے ہاتھوں و چہرے پر پھسل رہی تھیں۔ نگاہ یار کی نظروں کے طواف سے میرے دل کی حالت دگرگوں تھی۔
"یہ چوڑیاں اور گلے میں جو نیکلس ہے گولڈ کا ہے نا۔" ان کے سوال پر میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔
"یہ میں نے بڑے شوق سے بنوائی تھیں۔ اس کا ڈیزائن دیکھیں کس قدر خوب صورت ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے اپنی چوڑیوں پر ہاتھ پھیرا۔
"بے وقوف۔۔۔ تم تو بالکل عقل سے پیدل ہو۔" محبوب کے جملے' میری مخمور نگاہوں کو یک دم پوری طرح وا کر گئے۔ "بھلا سفر میں گولڈ پہن کر آنے کی کیا ضرورت تھی۔ پتا بھی ہے حالات کس طرح کے ہیں۔ آج کل خالی جان لے کر گھر سے نکلتے ہوئے دھڑکا لگا رہتا ہے اور یہ محترمہ اتنا گولڈ پہن کر نکلی ہیں۔" غصے سے دانت چباتے ہوئے انہوں نے آہستگی سے میرے ہاتھوں سے چوڑیاں اتاریں اور رومال میں باندھ کر جیب میں رکھ لیں۔
سارے حسین رومینس کا بیڑہ غرق کر کے رکھ دیا۔ میں جو ان کی نظروں کو اپنے چہرے پر مچلتا دیکھ کر ان کی محبت خیال کر رہی تھی اس کا سبب میری بے وقوفی تھا۔ پل میں سارے خواب توڑ ڈالے۔ وہ وقت یاد کر کے سچ میں میری پلکوں کے گوشے نمناک ہو گئے۔
"ان باتوں کو نہ بھولنا ساری عمر سینے سے چمٹا کر رکھنا۔ شکر کرو تم بے وقوف کو سمجھ دار انسان مل گیا۔ ورنہ دو بے وقوف پتا نہیں اپنی زندگیوں کو مشکلات کے کس موڑ پر لے جاتے' یہ نہ کبھی یاد کرنا کہ ذرا جو تمہاری طبیعت خراب ہو بچوں کو ناشتا تک بنا کر دے گا۔ راتوں کو اٹھ کر ہادی کا فیڈر کون بنا کر دیتا ہے۔ کون سا ایسا شوہر ہے جو بیوی کے اتنے آرام کا خیال رکھے گا یہ اچھائی نہ کبھی یاد کرنا۔" آپا نے کڑے تیوروں سے مجھے گھورا تو میں نظریں چرا گئی۔
"یہ بچپنا چھوڑ دو اب۔ تم اب بچی نہیں ہو دو بچوں کی ماں ہو کس چیز کی کمی ہے تمہیں محبوب نے۔ عزت' مان' اعتماد سب کچھ تو تمہیں دیا ہوا ہے اور کیا چاہیے تمہیں۔ خاندان بھر میں تمہاری پرسکون زندگی کی مثالیں دی جاتی ہیں۔"
"عزت' مان' اعتماد کے ساتھ عورت کو محبت و توجہ کی بھی ضرورت ہوتی ہے جو اس خشک بندے میں سرے سے ہے ہی نہیں۔"
"ناشکری مت کرو۔ مرد اسی عورت کو عزت دیتا ہے جس سے محبت کرتا ہے' یہ بات اپنے بھس بھرے دماغ میں بٹھالو۔" آپا جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں۔
"لو بھئی میں تو چلی' دو گھڑی بہن کے پاس آ کر سوچتی ہوں کوئی اپنا دکھ سکھ کہہ لوں' مگر یہاں بہن کو اپنے ہی خود ساختہ دکھڑے سنانے کی فرصت نہیں' ایک ہی نقطے پر سوئی اٹکی ہوئی ہے کبھی آگے نہیں سرکے گی۔" گیٹ سے نکلتے نکلتے بھی وہ چار باتیں سنا کر

مجھے سلگا کے گئیں۔

٭ ٭ ٭

محبوب سے میری شادی کو پانچواں برس تھا۔ میں ابھی پڑھ رہی تھی انٹرمیڈیٹ کے ایگزام دے کر زرلٹ کے انتظار میں ڈائجسٹ وناول پڑھ پڑھ کر گزار رہی تھی۔ ہیرو ہیروئن کی نوک جھوک' رومانٹک جملے میرے ہونٹوں پر مسکان اور دل میں مدھر گھنٹیاں بجادیتے۔ دل و دماغ پر ہیرو سوار ہوجاتا اور اس کی آنکھوں کی مستی میری آنکھوں میں کئی خوش رنگ خواب بن جاتی۔ اسی اثنا میں آپا محبوب کا رشتہ لے کر وارد ہوگئیں۔

اکلوتا لڑکا والدین اپنے ابدی گھر روانہ ہوچکے تھے' دو بہنیں شادی شدہ' ایک بہن کنواری' لڑکے کا اپنا بزنس' مالی آسودگی' خوب صورتی و شرافت کا مرقع۔

امی ابو نے ہاں کرنے میں ذرا دیر نہ لگائی اور میں نے تصویر دیکھتے ہی اپنے دل میں اسے ہیروں کی حیثیت دے کر خود ہیروئن بن گئی۔

روز شام کو' خوابوں کے نگر میں تیار ہو کر اپنے ہیرو کے ساتھ بائیک پر نکل جاتی۔ میرے ہیرو کی مخمور نگاہیں مجھے نظریں جھکانے پر مجبور کردیتیں لب گلاب بنے رہتے اور دل شاداب چمن کی طرح کھلا رہتا۔ دل کی خالی زمین پر محبت کی فصل کاشت کرنے والا آگیا تھا مگر میری مسکراہٹیں اس وقت ابھر کر معدوم ہوگئیں جب شادی کے چند دن بعد میں نے کھلکھلاتے ہوئے اپنا سر محبوب کے کندھے پر رکھا تو انہوں نے ناگواری سے میری طرف دیکھ کر مجھے جھٹکے سے پیچھے کیا۔

"کچھ ہوش کرو' دروازہ کھلا ہے ارم گھر پر ہے تمہارے یہ بلند قہقہے سن کر وہ کیا سوچے گی۔"

"یہی کہ میرے بھیا بھابھی اپنی لائف سے بے پناہ خوش ہیں اور زندگی ہنستے مسکراتے گزر رہی ہے۔"

میں نے ایک ادا سے کہتے ہوئے ان کا ہاتھ پکڑ لیا میں ان کے بہکتے لب اور کسی شوخ جملے و جسارت کی منتظر تھی مگر میری سماعتیں وہ سن رہی تھیں جس کا میں نے شادی کے اوائل دنوں میں تصور بھی نہیں کیا تھا۔

"اپنے اس چھچھورپن پر کنٹرول کرو گھر میں جوان بہن کے ہوتے مجھے یہ ٹھٹھول بازی پسند نہیں ...۔ آئندہ احتیاط کرنا۔" پیشانی کی شکنوں کے ساتھ ان کے لہجے کی شکنوں نے میرے دل میں دراڑیں ڈال دیں۔ پھر ہر گزرنے والا دن ان دراڑوں میں اضافہ کرتا چلا گیا۔

ایسا نہیں تھا کہ وہ میرا خیال نہیں رکھتے تھے' میری ہر ضرورت کو بنا کہے جان لیتے۔ اکثر شاپنگ پر لے جاتے امی کے گھر جانے پر بھی روک ٹوک نہ کی۔ آپا کا گھر چند گلیاں چھوڑ کر تھا وہ اکثر چلی آتیں تو خندہ پیشانی سے ملتے مگر خندہ لب نہ ہونے کی جیسے قسم کھا رکھی تھی اور اس دن کے واقعہ نے تو محبوب سے میرے شکووں میں مزید اضافہ کردیا تھا۔

گرمی و حبس زدہ موسم نے ایک دم ہی انگڑائی لی تھی کالے بادلوں نے پورے آسمان پر قبضہ جمالیا تھا اور لمحوں میں ماحول جل تھل کردیا۔ میں بے خود ہو کر باہر لان میں چلی آئی۔ ارم کچن میں پکوڑے بنانے گھس گئی مجھے برستی بارش میں نہانے کی بجائے پکوڑوں میں دلچسپی تھی۔ میرا شدت سے دل چاہا کہ اس وقت محبوب گھر آجائیں تو مل کر بارش انجوائے کریں کچھ لمحے قبولیت کے ہوتے ہیں۔ ادھر میں نے سوچا اور ادھر محبوب کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔ میں نے خوشی سے سرشار جلدی سے گیٹ کھولا وہ گاڑی اندر لے آئے اس سے قبل کہ وہ اندر کی جانب قدم بڑھاتے میں دلکشی سے مسکراتے ہوئے ان کا ہاتھ پکڑ کر لان کی سمت لے جانے لگی۔ ساتھ ہی میں نے بارش کے قطرے ٹپکتے' لمبے گھنیرے بالوں کو ان کے چہرے پر جھٹکا دیا۔ بارش میں بھیگے بال ان کے چہرے کو نم کر گئے۔ میں بھیگے کپڑوں میں ان کے سامنے کھڑی تھی محبوب کی نگاہیں میرے سراپے سے الجھنے لگیں۔ میں کسی فلمی سین کی منتظر تھی ان کا ہاتھ میری طرف بڑھا۔ دل کی دھڑکنیں سر میں آئیں اور بوجھل پلکیں

ایک دوسرے میں پیوست ہوگئیں مگر اگلے ہی لمحے میرے منہ سے کراہ نکلی میں نے تڑپ کر آنکھیں کھولیں اور شکوہ کناں نظروں سے محبوب کی طرف دیکھا مگر وہ میری طرف دیکھ ہی کب رہے تھے سختی سے بازو دبوچے وہ مجھے کھینچتے ہوئے اندر کمرے کی طرف لے جانے لگے۔ بیڈروم میں لے جاکر انہوں نے مجھے بیڈ پر جھٹکے سے گرالیا۔ تڑاخ سے دروازہ بند کیا اور شعلہ بار نگاہیں مجھ پر گاڑدیں میں سہم گئی۔

''تمہیں کچھ اندازہ ہے کہ تم کتنی سطحی حرکتیں کرتی ہو۔''

''میں نے کیا کیا ہے آپ کے ساتھ بارش میں بھیگنے کی خواہش کا اظہار ہی تو کیا تھا۔'' تکلیف کی شدت سے ہونٹ چباتے ہوئے میں نے آستین اوپر کرکے اپنے بازو پر ان کی انگلیوں کے ثبت نشان دیکھے۔ دودھیا بازو پر نشان محبوب کی سختیوں پر سرخ انگارہ ہوئے تھے میں سہلانے لگی۔ اتنے جارحانہ رویے کے باوجود اب بھی دل میں موہوم سی امید تھی کہ شاید اپنی اس ظلم پر شرمسار ہوکر لبوں کی نرمی سے اس تکلیف کے احساس کو مٹاڈالیں مگر انہوں نے میری ہر آس وامید کو اپنے جلتے لہجے کی نذر کردیا۔ اس ظلم جبر کی وجہ جاننے کے لیے میں نے اپنی نظریں ان کی طرف اٹھائیں۔

''جس وقت تم نے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے بالوں کو میرے چہرے پر جھٹکا دیا تھا اسی دم ارم پکوڑوں سے بھری پلیٹ لے کر داخلی دروازے تک آئی تھی مگر تمہاری اس گھٹیا حرکت پر وہ الٹے قدموں لوٹ گئی۔ مجھے کس قدر ندامت ہوئی مگر تم تو موسم انجوائے کرتی ساری حدیں پار کررہی تھیں۔

تمہیں میں کس طرح سمجھاؤں، تمہاری ناقص عقل میں میری بات کیوں نہیں سماتی کہ اپنے اس گھٹیا رومینس کو کمرے کی حد تک محدود کرلو۔ آئندہ اگر ارم کی موجودگی میں تم میرے اتنے قریب ہوئیں تو مجھ سے کسی اچھے رویے کی امید نہ رکھنا۔'' اپنے لہجے کا سارا زہر میری سماعتوں میں انڈیل کر وہ کمرے سے کیا گھر سے بھی نکل گئے۔

باہر بارش تھم چکی تھی۔ مگر میری آنکھوں سے برسات جاری ہوچکی تھی بس فرق صرف اتنا تھا کہ باہر کی بارش دل کو سکون بخش رہی تھی اور آنکھوں کی برسات دل وروح پر آبلے برسارہی تھی۔ اس دن کے بعد مجھے بارش کی مٹھاس پھیکی لگنے لگی، میرے دل کے لطیف جذبے سرد پڑ گئے۔ جب بھی آسمان نے بادلوں کا پیراہن اوڑھا میں نظریں چرا گئی۔

میرا رومانٹک ہیرو خشک مزاج شوہر کا روپ دھارے چلبلی ہیروئن کو سنجیدگی کا پیراہن اوڑھانے کے درپے تھا اور وہ اس کوشش میں بھرپور کامیاب رہا۔

بازل اور ہادی اس سنجیدگی میں مزید اضافہ کرنے کے لیے آگئے کہ اب تو مجھ پر ہیروئن بننے پر پکی قدغن لگ چکی تھی۔ جس عمر میں لڑکیوں کی شادیاں ہوتی ہیں میں دو بچوں کو سنبھالے اپنے رنگین خواب سینت کر رکھ چکی تھی۔

جس روپ میں مجھے محبوب دیکھنا چاہتے تھے میں وہ روپ مکمل دھار چکی تھی سنجیدگی ومتانت مجھ میں ایسی کوٹ کر بھری کہ میں محبوب کی موجودگی میں اپنے لبوں کو پھیلنے کی چنداں جرات نہ دیتی۔ ارم جب تک موجود رہی میں کمرے سے باہر اس شخص سے انجان ہی رہی۔ ایک حد فاصل ہم دونوں کے درمیان ہمیشہ رہی۔ اس کے باوجود دل میں یہ خواہش ہمکتی ہی رہتی کہ کاش! میرا ہیرو مجھے گہری نظروں سے دیکھے اور میں لجاجاؤں مجھ سے روپ سنوارنے کی فرمائش کرے اور میں حکم بجالاؤں۔ میں کھلکھلاتی اس کے سنگ لانگ ڈرائیو پر نکل جاؤں۔ مگر وائے حسرتا!

ارم کی شادی ہوئی تو دل میں یہ خواہش مزید جڑ پکڑتی جارہی تھی اور اس کا اظہار میں آپا کے سامنے کردیتی، تو وہ میری عقل پر ماتم کرتی رہ جاتیں مجھے ہی بے وقوف گردانتیں۔

بھلا یہ خواہش کیا عقل سے ماورا لڑکیوں میں ہوتی ہے۔ اب تو ارم بھی اس گھر سے اپنے گھر کو پیاری

ہو چکی تھی۔ جب وہ کھلکھلاتی نوفل کے ہمراہ گھر میں داخل ہوتی تو میں حسرت سے اس کے چہرے کو تکا کرتی۔

کتنی خوش دکھائی دیتی تھی وہ نوفل کی ہمراہی میں۔ نوفل اس کو محبت پاش نظروں سے دیکھتا تو کتنے ہی حیا کے رنگ اس کے چہرے کو مزید دلکشی بخش دیتے اور وہ نہال ہو جاتا میرے اندر چھنا کے سے کچھ ٹوٹ جاتا۔

محبوب میرے اس روپ کے خواہاں کیوں نہیں۔ کیا یہ دلکشی انہیں میرے چہرے پہ دیکھنے کی کوئی چاہ نہیں۔ ہمارے درمیان یہ بے تکلفی و یہ قربت کیوں نہیں۔ کیا محبوب کے نزدیک شادی کا مقصد محض عورت کا گھر سنبھالنا مرد کی ضرورت پوری کرنا اور بچے پالنا ہے۔

صبح جب وہ گھر سے نکلتے تو شام تک ایسا کوئی جملہ میرے کانوں میں رس نہ گھولتا جسے یاد کر کے سارا دن مسکراہٹ میرے ہونٹوں پر رقصاں رہے۔

میں شام کو بے تابی سے ان کی واپسی کی منتظر رہتی مگر میری خواہشیں ہمیشہ تشنہ ہی رہیں۔ بند پلکوں میں چھپے خواب کہیں روپوش ہو گئے تھے پھیکی و بے کیف سنجیدہ رویوں و سنجیدہ جملوں میں میری ازدواجی زندگی محو سفر تھی۔

☼ ☼ ☼

صبح سے میری طبیعت ناساز تھی۔ باذل کے اسکول اور محبوب کے دکان پر جانے کے بعد میں کسلمندی سے پڑی رہی دوپہر تک ٹمپریچر بھی محسوس ہونے لگا۔ پورا گھر میری توجہ کا طالب تھا مگر میں اپنے اندر اٹھنے تک کی ہمت نہ پا رہی تھی۔ ہادی کے آگے کھلونوں کا ڈھیر ڈال دیا۔ وہ جب تھک گیا تو وہیں کارپٹ پر آنکھیں موندے دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گیا۔ اسے آہستگی سے اٹھا کر بیڈ پر لٹا کر کمبل اوڑھایا۔ کلاک کی طرف نگاہ ڈالی۔

باذل کی اسکول سے چھٹی کا وقت ہو رہا تھا۔ میں نے چادر لی، موبائل اٹھایا اور گیٹ لاک کر کے اسکول کی طرف بے جان قدم سرکا دیے۔ اسے اسکول سے لا کر نوڈلز بنا کر دیے اور پھر لیٹ گئی۔ میری آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں، پتا نہیں مجھے کیا ہو رہا تھا میں اپنی طبیعت سمجھنے سے قاصر تھی۔ ابھی لیٹے دس منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ گیٹ کی بیل نے میری مندی آنکھوں کو کھولنے پر مجبور کر دیا۔

"اب کون آ گیا...؟ ویسے تو کوئی اس گھر میں پھٹکتا نہیں ہے آج طبیعت ناساز ہے تو پتا نہیں کون ٹپک پڑا۔" بڑبڑاتے ہوئے میں نے چکراتے سر کے ساتھ گیٹ کھولا تو میرے سامنے میری پڑوسن سونیا ہاتھ میں باؤل لیے کھڑی تھی اسے دیکھ کر جہاں میرے ہونٹ پھیلے وہیں دل سکڑ کر رہ گیا۔ شوہر کی محبت اور توجہ نے اس کا روپ نکھار رکھا تھا اور ادھر شوہر کی بے توجہی سے میرا حسن کملا کر رہ گیا تھا۔ بغیر میک اپ کے بھی وہ تر و تازہ کھلا گلاب لگ رہی تھی۔ میں نے مسکرا کر اسے گلے لگایا اور اندر بیڈ روم میں ہی لے آئی۔

"کڑھی بنائی تھی سوچا تمہارے لیے لے چلوں۔" باؤل اس نے میرے ہاتھ میں پکڑایا تو میں نے شکریہ ادا کرتے ہوئے تھام کر سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"کیا بات ہے تم ٹھیک تو ہو تمہارا چہرہ مرجھایا ہوا لگ رہا ہے مجھے۔"

"ہاں ٹھیک ہوں بس ذرا سر چکرا رہا تھا۔" میں اس کے قریب ہی صوفے پر بیٹھ گئی۔

"تم سناؤ آج تمہارا کیسے آنا ہو گیا تم تو مدتوں شکل نہیں دکھاتیں" میری بات پر اس کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔

"نواز بزنس میٹنگ کے سلسلے میں شہر سے باہر گئے ہیں تو میں نے سوچا فائدہ اٹھا لیا جائے۔"

"کیوں...؟ کیا نواز بھائی نے تمہاری میرے گھر آنے پر پابندی لگائی ہوئی ہے۔" میں نے بھنویں سکیڑیں۔

"یہ پوچھو کہ انہوں نے کس کس چیز پر پابندی نہیں لگائی۔" آہ بھرتے ہوئے اس نے اپنا سر صوفے سے لگایا۔ میں اسے بغور دیکھنے لگی اس کی آنکھوں میں نمی واضح تھی جیسے وہ پلکیں جھپک جھپک کر اپنے اندر اتار رہی تھی۔

"سونیا کیا بات ہے تم پریشان ہو؟ تمہاری آنکھوں

میں یہ نمی کیسی؟" میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا تو وہ میرے کندھے سے لگ کر بلک پڑی ایسی تڑپ کر روئی کہ مجھے نہیں سمجھ آرہی تھی میں اسے کیسے چپ کرواؤں۔ میں نے اٹھ کر پانی کا گلاس اس کے لبوں سے لگایا۔ ذرا دیر بعد وہ سنبھلی تو میں نے اس اشک فشانی کا سبب دریافت کرنا چاہا۔

"اس حلیے میں تم کتنی پیاری لگ رہی ہو' مکمل گھر گرہستی۔" میرے بالوں کی لٹ کو اس نے اپنے ہاتھوں سے چھوا تو میری آنکھیں تحیر سے پھیل گئیں۔

"اس اجاڑ حلیے میں میں تمہیں اچھی لگ رہی ہوں...؟ یہ بکھرے بال' بے رونق چہرہ' ملگجے کپڑے' کیوں مذاق اڑانے پر تلی ہو۔" شرمندگی نے مجھے گھیر رکھا تھا۔

"یہ حلیہ ایک مکمل گھریلو عورت کا ہے تم اس گھر کی ملکہ لگ رہی ہو' نہ کہ شوکیس میں سجا شوپیس۔" اس کی آنکھوں کی بجھتی جوت اور بات مجھے حیران کر رہی تھی۔

"کیا مطلب...؟"

"میری شادی کو چار برس ہو گئے بینش مگر نواز نے مجھے کبھی گھر کی ملکہ نہیں بننے دیا' میرا وجود اس کے لیے شمع محفل ہے' تم یقین کرو گی میں ترستی ہوں اس دھلے چہرے کے لیے' جس پر کسی غازے کی تہ نہ ہو جو میرا حقیقی چہرہ ہو' میں ترستی ہوں اپنے خوب صورت امریکن اسٹائل کچن میں کھڑی ہو کر پسینے میں شرابور کھانا بنانے کے لیے۔

بینش میں چاہتی ہوں کہ میں سارا دن گھر کی صفائی ستھرائی کرتے ہوئے تھک جاؤں میرے کپڑے شکن آلود و گرد آلود ہوں۔ پورا دن مجھے اپنے بال سمیٹنے کی بھی فرصت نہ ملے اور جب شام کو نواز آئیں تو میں ان سے کہوں آج میں نے واشنگ مشین لگائی' گھر کی صفائی کی' کھانا بنایا میں بہت تھک گئی ہوں' تو وہ مسکراتے ہوئے میرے سخت ہاتھوں کو لبوں کی نرمیاں بخشیں تو میری دن بھر کی تھکن کافور ہو جائے۔"

سونیا آنکھیں موندے' بے خودی کی کیفیت میں بولے جا رہی تھی اور میرا چکراتا سر اس کی باتیں سن کر مزید چکرا کر رہ گیا' یہ کیسی ناشکری کر رہی تھی وہ میری سمجھ سے بالا تھی۔

"تم میری باتوں پر حیران ہو رہی ہو۔" اس نے آنکھیں کھول دیں میری نگاہیں جو اس پر ٹکی تھیں ان میں دیکھتے ہوئے دھیمے سے مسکرا کر پوچھا' تو میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی اور میرے بیڈ روم پر طائرانہ نظر ڈالی۔

کمرہ بالکل بے ترتیب ہو رہا تھا ہادی کے کپڑے تک میں نے صبح سے چینج نہیں کیے تھے۔ بیڈ شیٹ پر شکنیں پڑی تھیں۔ بادل کا یونیفارم ایک طرف پڑا تھا جوتے ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے' کھلونوں کا ڈھیر کمرے کو مزید رونق بخش رہا تھا۔ کمرے پر اس کی طائرانہ نگاہیں مجھے شرمندگی میں مبتلا کیے دے رہی تھیں۔

"دراصل میں صبح سے میری طبیعت ناساز تھی اس وجہ سے کمرے کی ڈسٹنگ بھی نہیں کی۔" خجالت سے کہتے ہوئے میں بادل کا یونیفارم بیڈ سے اٹھانے لگی تو اس نے میرے ہاتھ سے یونیفارم لے لیا اس پر اپنا ہاتھ پھیرا اور مسکراتے ہوئے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ وہ آج مجھے جی بھر کر شرمسار کرنے پر آمادہ تھی' پھر وہ کھلونوں کی طرف متوجہ ہو گئی' ایک ایک کھلونے کو خوش ہو کر دیکھتی۔ میں اس کی حرکتوں پر حیران ہو رہی تھی۔

"میں اپنے گھر میں ایسی ہی بے ترتیبی دیکھنا چاہتی ہوں جس کو سمیٹتے سمیٹتے میں ہلکان ہو جاؤں۔ بچوں کی قلقاریاں ان کے کھلونے' کپڑے کیسی فرحت بخشتے ہیں کوئی میرے دل سے پوچھے۔ تم جانتی ہو بینش میرے شوہر نے مجھے ان خوشیوں سے محروم رکھا ہوا ہے۔ وہ چاہتا ہے میں صبح سے شام تک نک سک سے تیار ہوں جب وہ گھر پر آئے تو میں میک اپ زدہ چہرے سے اس کا استقبال کروں' وہ مجھے اس ڈر سے کچن میں گھسنے نہیں دیتا کہ میرے کپڑوں سے لہسن پیاز کی

بساندھ نہ آئے۔ بھلا وہ بھی کوئی عورت ہے جو کچن کی ملکہ نہ ہو اور سب سے بڑھ کر مجھے ماں کے رتبے سے اس شخص نے محروم رکھا ہوا ہے' اسے اپنے کمرے میں بے ترتیبی بالکل گوارا نہیں بچوں کا رونا' ان کے لیے پریشان ہونا اسے کسی طور برداشت نہیں' وہ نہیں چاہتا کہ میری توجہ اس کے علاوہ کسی اور کو ملے' میری گود بچے کو پالنے کے لیے ہمکتی ہے میرے کان ان کی باتوں اور آوازوں کے لیے ترستے ہیں۔ نواز مجھے میرا حق کیوں نہیں دیتا' میری ممتا کو کیوں ترسا رہا ہے میرے لب بچوں کو بوسہ دینے کے لیے مچل رہے ہیں۔" اس نے سوئے ہوئے ہادی کو ماتھے کو لبوں سے چھوا اس کی ممتا سے محرومی پر میرا دل تڑپ اٹھا۔

"وہ ڈرتا ہے ماں بن کر میرا یہ سڈول فگر بے ڈول ہو جائے گا۔ اس کی بانہوں کے گھیرے میں بزنس پارٹی اٹینڈ کرتی ہوں تو میرے جسم کے نشیب و فراز پر غیر مردوں کی ستائشی نظریں پڑتی ہیں تو نواز کا سر فخر سے تن جاتا ہے اور میں ذلت کے گہرے گڑھے میں جا گرتی ہوں۔ اپنے چہرے پر پڑتی بے باک نگاہیں میرا چہرہ جھلسا دیتی ہیں' نہ چاہتے ہوئے بھی میں گناہ کی مرتکب ہوتی ہوں۔ مجھے اپنے اس خوب صورت سراپے سے نفرت ہو چکی ہے بینش گھن آتی ہے مجھے اپنے وجود سے۔ یہ کیسی محبت ہے بینش جو یوں سرعام بیوی کا تماشا لگاتی ہے۔ یہ کیسی چاہت ہے جو اسے ماں کے منصب پر بھی فائز نہیں ہونے دیتی۔ میں تھک چکی ہوں۔ ٹوٹ چکی ہوں۔"

اس کی مزید جتائی گئی محرومیوں نے مجھے اندر سے لرزا کر رکھ دیا۔ بظاہر ہشاش بشاش نظر آنے والی سونیا کی زندگی کتنی محرومیوں کا شکار تھی اس کا اندازہ مجھے آج ہوا مجھے اپنی زندگی سے جو شکوے ہر وقت رہتے تھے سب بے معنی لگنے لگے۔ سونیا کی زندگی قفس میں گزر رہی تھی اور میں آزاد پنچھی کی طرح زندگی سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ مجھے اس پر ترس آ رہا تھا۔ اس کے جانے کے بعد بھی میرے ذہن سے اس کی باتیں چمٹی رہیں میں اس کے بارے میں تاسف سے سوچتی رہی۔

یہ انسان کی فطرت ہے جو کچھ اسے حاصل ہوتا ہے وہ اس پر قانع نہیں ہوتا اس کی قدر نہیں کرتا مزید کی تمنا' اپنی بے جا خواہشوں کا حصول کی لگن دل میں موجزن ہی رہتی ہے یہی حال میرا تھا۔ جب تک سونیا کے سراپے پر نظر رہی وہ مجھے اپنی نظر میں زندگی سے بھار کشید کرتی محسوس ہوتی تھی ہر لمحہ کھلی کلی' وہ مجھے قوس قزح کا دلفریب رنگ لگا کرتی تھی جو دیکھنے والے کی نظر کو مسحور کر دے۔ اب وہ مجھے وہ کھلا خوشنما گلاب لگ رہی تھی جس کے ساتھ خار بھی جڑے تھے اور ان خاروں سے وہ روز زخم زخم ہوتی تھی ہر زخم سے دکھائی نہ دینے والا خون رستا تھا۔ سوچوں میں غلطاں میں جلدی جلدی کچن سمیٹ کر باہر لاؤنج میں صوفے پر آ بیٹھی۔

☼ ☼ ☼

میں منٹر چھیلنے میں مگن تھی جب محبوب بیڈ روم سے نکل کر لاؤنج میں آئے۔ تاجروں کی ہڑتال تھی سو دکان بند تھی وہ بھرپور نیند لے کر اٹھے تھے۔ میں نے ان کی طرف دیکھا وہ بھی میری ہی طرف دیکھ رہے تھے نگاہوں کا تصادم ہونے پر وہ مسکرا دیے اور میرے برابر صوفہ پر بیٹھ گئے۔ میں جھٹ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی انہوں نے ہاتھ پکڑ کر پھر مجھے اپنے قریب بٹھا لیا۔

"تم تو ایسے گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئیں جیسے کوئی نامحرم تمہارے پہلو میں آ بیٹھا ہو۔" ان کی کہی بات پر میں نے شاکی نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا ارم کی موجودگی میں میں ہمیشہ کمرے سے باہر ان سے فاصلے پر رہی اور اب یہ عادت اتنی پختہ ہو چکی تھی کہ ارم کی شادی کے بعد بھی میں اس فاصلے کو نہ پاٹ سکی۔

اب مجھے یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ مجھ سے ایسی کوئی حرکت سرزد ہو گئی تو محبوب کے جملے پھر سے نہ کان کے ساتھ دل بھی چھید ڈالیں دیکھ شرم کرو بچے بڑے ہو رہے ہیں تمہیں ابھی تک اٹکھیلیاں سوجھ رہی ہیں عمر گزر گئی مگر تمہاری بے وقوفانہ حرکتیں کم نہ ہوئیں۔ سوانے ہیرو کے شگفتہ و برجستہ جملوں کی خواہش دنظروں کی تپش لہجے کی حدت و شوخ جسارتوں کا حسن ماند پڑ چکا تھا۔

اب تو میں اس انتظار میں تھی کہ کب محبوب مجھ پر بزرگی کا لیبل لگا کر میری شخصیت کو مزید سوبر بنا دیں۔

"ناشتا بنادوں آپ کے لیے۔" میں نے ناشتا کے بہانے ان کے قریب سے اٹھنا چاہا۔

"ناشتا بھی کرلیں گے پہلے اپنی زوجہ کے معصوم حسن سے نظروں کو تو سیراب ہونے دو۔"

"کیا....؟" ان کے لفظ مجھ پر بم کی صورت پھٹے تھے' میں ہونقوں کی طرح ان کا چہرہ دیکھنے لگی ان کی دماغی حالت پر شبہ ہونے لگا۔

کیا محبوب ابھی تک نیند کے خمار میں ہیں۔ نیند کے خمار میں بھی یہ تو "دو اور دو چار" کرتے سنائی دیتے ہیں پھر اب کیا ہوا؟

"بے فکر رہو نہ تو میرا دماغ خراب ہوا ہے اور نہ ہی میں نیند میں بول رہا ہوں۔" وہ میری سوچوں کو پڑھ چکے تھے۔

"میں نے یہ کب کہا۔"

"کہا تو نہیں مگر سوچ تو رہی ہوں نا۔" میں خفیف ہو گئی۔

"آہ!... انہوں نے سرد آہ بھری اور میرے کندھے پر سر رکھ دیا۔"

"تمہیں پتا ہے کل میں آئی اسپیشلسٹ کے پاس گیا تھا۔"

"کیوں....؟ طبیعت تو ٹھیک ہے نا آپ کی' سر میں درد وغیرہ تو نہیں رہنے لگا۔" میں نے ان کا سر کندھے سے جدا کر کے آنکھوں میں جھانکا۔

"سر میں تو نہیں البتہ دل میں درد رہنے لگا تھا۔ دل میں اک کسک تھی' چبھن تھی جو کچو کے لگاتی تھی سو میں سیدھا آنکھوں کے ڈاکٹر کے پاس گیا۔" ان کی بے تکی بات پر میں الجھ گئی۔ "ڈاکٹر نے تصدیق کردی کہ آپ کی نزدیک کی نظر کمزور ہے اور خوب صورتی دیکھنے سے قاصر ہے۔ ڈاکٹر نے کچھ ضروری ہدایات دیں۔ آنکھوں کو دائیں بائیں متحرک رکھنے کو کہا میں نے ایسا کیا تو واقعی خوب صورت چیزیں اور خوب صورت لوگ دکھائی دینے لگے" شرارت بھرے لہجے میں کہتے میرے گلابی گال پر ہاتھ پھیرا تو میری دھڑکنیں منتشر ہو گئیں۔

"اتنے دنوں تک مجھے اپنی حسین کم عمر بیوی کا سراپا نظر ہی نہیں آیا۔ سوری یار! اس خشک مزاج و سنجیدہ بندے کے ساتھ تمہیں اپنے خوابوں کو سلانا پڑا۔" وہ میرا ہاتھ پکڑ کر ہولے ہولے سہلا رہے تھے میری مخروطی انگلیاں ان کے مضبوط گرم ہاتھوں میں پھنسی تھیں۔ میرے ماتھے پر پسینہ چمکنے لگا ہتھیلیاں نم ہو گئیں۔ محبوب کا ایک مدت کے بعد اظہار مجھے مسحور کر رہا تھا۔

رات کو بچوں کو آپا کے گھر چھوڑ کر وہ مجھے ڈنر پر لے گئے۔ میرا محبوب مجھے خوابوں کی رنگین دنیا میں لے گیا جہاں پر محبت' اعتماد چاہتیں اور شرار میں تھیں کینڈل لائٹ ڈنر کرتے ہوئے میرے لبوں پر بڑی شرمیلی مسکان تھی۔ کینڈل کی لو محبوب کی آنکھوں کی لو کے سامنے مدھم دکھائی دے رہی تھی۔ ان کے سحر انگیز لفظ میرے چاروں اور رقص کر رہے تھے۔

آج مجھے میرا ہیرو مل گیا تھا جس کی نظریں اپنی ہیروئن کے دلکش سراپے سے الجھ کر رہ گئی تھیں جس کو نہ اطراف کا ہوش تھا نہ زمانے کی پروا۔ مگر ہم دونوں کو جلد ہی ہوش میں آنا پڑا۔

ویٹر کی کھنکار نے ہمیں شرمندہ کردیا جو کھانے کے بعد کافی کا آرڈر سرو کرنے آیا تھا ہم دونوں ہی خفیف ہنس دیے اور کافی کا کپ لبوں سے لگالیا جس کا تلخ ذائقہ ہماری زندگیوں میں مٹھاس گھول رہا تھا۔

ازل سے تا ابد جاناں
فلک کے چاند تاروں سے
میری دھرتی کے ذروں سے
پہاڑوں کی بلندی سے
صبا کی شوخیوں اور پھولوں کی ملاحت سے
تپش خورشید کی اور چاند کی روپہلی کرنوں سے
افق کی وسعتوں اور نیلگوں گہرے سمندر سے
کہیں بڑھ کر کہیں زیادہ
مجھے تم سے محبت ہے۔

✲ ✲

کرن اسماعیل

"یہ ان دنوں کی بات ہے کہ جب میں ایم اے شعبہ بین الاقوامی تعلقات کے امتحان دے کر صبح و شام نوکری کی تلاش میں سرگرداں تھی۔ مختلف میڈیا ہاؤسز میں C.V بھی ڈراپ کی' لیکن کہیں سے کوئی مثبت جواب نہ آیا۔ اس دوران سوچا کہ کیوں نا کسی اسکول میں بطور ٹیچر فرائض انجام دینا شروع کردوں' لیکن فیملی میں سب کا یہ کہنا کہ تم مستقبل میں ایک اچھی صحافی بن سکتی ہو تم میں سیاسی زاویے کو پرکھنے کی سمجھ ہے اس لیے اپنے پروفیشن سے متعلق نوکری کی تلاش جاری رکھو' مجھے بھی لگا کہ شاید ایسا ہی ہے اس لیے آئندہ کسی اور پروفیشن کو جوائن کرنے کے تمام دروازے خود پر بند کرلیے' پھر کیا تھا زندگی روز کے معمول کے مطابق گھر کے کاموں میں صرف ہونے لگی اس دوران صبح و شام کی بدلتی کروٹوں نے مجھے ایک دلچسپ تجربے سے متعارف کروایا کہ دراصل جو لوگ بالکل فارغ ہوں وہی سب سے زیادہ مصروف ہوتے ہیں۔

✡ ✡ ✡

ہوا کچھ یوں کہ اچانک کزن کی شادی میں شرکت کے لیے پنجاب سے مہمانوں کا ایک میلہ امڈ آیا۔ تایا ابو اور ہمارا گھر چونکہ ساتھ ساتھ تھا اس لیے آدھے سے زیادہ رشتے دار ان کے ہاں ٹھہرے اور باقی کے رشتے دار جن میں پھپھو ان کی دو بیٹیاں' چچا ان کی پوری فیملی اور نہ جانے دور قریب کے کتنے ہی رشتے دار ہمارے گھر' بالخصوص مجھے مہمان نوازی کا شرف بخشنے چلے آئے تھے۔ پہلے پہل سب کی آمد نے مجھے بہت زیادہ خوش کردیا تھا کیونکہ ایک عرصے کے بعد کسی خوشی کی تقریب میں پورا خاندان ایک ساتھ جمع ہوا تھا' لیکن پھر جب سب کے سارے کام آہستہ آہستہ میرے ناتواں کندھوں پر یہ کہہ کر لاد دیے گئے' کہ کرن تم فارغ جو ہو' اس لیے یہ کام بھی تم کردو اور وہ کام بھی تم کردو' کبھی کچن میں سب کے من پسند مختلف پکوان بنانے میں مصروف رہتی تو کبھی ڈھیر سارے کپڑے استری کرنے پڑتے' سارے گھر میں کرن نام کی آوازیں مختلف انداز میں لگائی جاتیں کرن میرے لیے فریش جوس بنادو' اپنے چچا کے لیے پھیکا سالن بنانا' کرن بچوں کے کچھ کپڑے چھت کی تار پر لٹکے ہیں اتار لاؤ۔ سارا دن گھر کے کاموں کو کرتے گزر جاتا اور کبھی پل دو پل آرام کرتے کسی کی نظریں مجھ کو ڈھونڈ لیتیں تو کہتیں اچھا فارغ ہو اس لیے آرام ہی کروگی اور میں انہیں حیرت زدہ نگاہوں سے تکتے رہ جاتی کہ میں فارغ ہوں؟

خیر مہندی اور مایوں کے دن قریب آتے ہی مجھے دن میں تارے نظر آنے لگے' کبھی خالہ اور پھپھو کے ساتھ بازار جانا پڑتا اور کبھی گھر میں رک کر شرارتی بچوں کی فوج کو سنبھالنا پڑتا اس سب صورت حال میں خود کو مہندی لگانے کی فرصت تک نہ ملی' ہاں البتہ جن کو مہندی لگائی تھی ان کو لگاتے لگاتے حنا نے کب میرے ہاتھوں پر اپنا رنگ چھوڑا تھا پتا ہی نہ چلا یہ سب

تو مہندی کے دن تک کی روداد تھی۔ شادی کے دن تو عجب تماشا لگا رہا کسی کو سوٹ کے ساتھ میچنگ کی چوڑیاں تلاش کر کے دیتی اور کبھی چائے کے کپ تیار کرنے کے لیے کچن میں برتنوں کے ساتھ جنگ کرتے نظر آتی۔

اس سب صورت حال میں مجھے اپنی تیاری کا موقع ہی نہ ملا اور بارات آنے کو تھی میں اپنے بگڑے حلیے کو ٹھیک کرنے کے بجائے گھر میں پھیلے تمام سامان کو ان کی ترتیب دے رہی تھی کہ اچانک گھر کے باہر دروازے سے ڈھول بجنے کی آواز میری سماعتوں سے ٹکرائی اور مجھے لگا کہ ڈھول کرن کی شادی پر نہیں بلکہ مجھے اپنی حالت زار سے خبردار کرنے کے لیے بجائے جا رہے ہوں کیونکہ میری حالت کام کرنے والی ماسی کی صورت اختیار کر چکی تھی۔ اب فوراً" میں نے اپنے کمرے کی راہ لی اور تیار ہونے کے لیے چل دی۔ لیکن اس دوران بھی نہ جانے کتنے ہی کاموں کے احکامات مجھ پر صادر فرمائے گئے تھے اور میں آئینے کے سامنے طنزیہ مسکراہٹ لبوں پر سجائے خود سے مخاطب کھڑی تھی کہ کرن کون کہتا ہے کہ تم فارغ ہو بلکہ تم ہی سب سے زیادہ مصروف ہو لیکن کاش یہ بات مصروف لوگ بھی سمجھیں جو کہ بالکل فارغ ہیں۔

مقابل ہے آئینہ

اقصیٰ ماہ نور مراج

شاہین رشید

* "آپ کا نام گھر والے کس نام سے پکارتے ہیں؟"
☆ "میرا نام اقصیٰ ہے اور گھر والوں نے بڑے نام رکھے ہوئے ہیں (نہ چھیڑ ملنگاں نوں)
* "کبھی آپ نے یا آئینے نے آپ سے کچھ کہا؟"
☆ "آئینے کو میں اتنا تنگ کرتی اور بے چارے سے کہلوا لیتی ہوں کہ میں خوب صورت ہوں (آہم)۔"
* "آپ کی سب سے قیمتی ملکیت؟"
☆ "میری روشن پاکیزہ سوچیں اور میری دوست آمنہ۔"
* "اپنی زندگی کے دشوار لمحات بیان کریں؟"
☆ "جب میری امی کی وفات اور اب میرے چاچو مظہر عباس کی بیماری میری زندگی کے بڑے دشوار لمحات شمار ہوتے ہیں۔"
* "آپ کے لیے محبت کیا ہے؟"
☆ "محبت شخصیت کو نکھار اعتماد اور وقار بخشتی ہے اور دل و روح کی تسکین کو اجاگر کرنے والا جذبہ ہے۔"
* "مستقبل قریب کا منصوبہ جس پر عمل کرنا آپ کی ترجیح میں شامل ہو؟"
☆ "منصوبے نہیں بناتی اللہ کی ذات پر یقین رکھتی ہوں اور وہی بہترین منصوبوں کو پورا کرنے والا ہے۔"
* "پچھلے سال کی کامیابی جس نے آپ کو مسرور کیا ہو؟"
☆ "کوئی خاص نہیں۔"
* "آپ اپنے گزرے کل اور آنے والے کل کو کیسے بیان کریں گی؟"
☆ "بہترین۔۔۔ پر سکون۔"
* "اپنے آپ کو بیان کریں؟"
☆ "بظاہر نہایت غصے والی پر اندر سے حساس اور رحم دل۔"
* "کوئی ایسا ڈر جس نے آج بھی اپنے پنجے گاڑے ہوئے ہوں آپ میں؟"
☆ "اللہ کا شکر ہے ایسا کوئی ڈر نہیں۔"
* "آپ کی کمزوری اور طاقت؟"
☆ "میری دوست آمنہ ۔۔۔ اور میری بہترین سوچیں۔"
* "آپ خوشگوار لمحات کیسے گزارتی ہیں؟"
☆ "کسی سے شیئر کرکے یا کسی کو کوئی چیز دے کر۔"
* "آپ کی نظر میں دولت کی اہمیت؟"
☆ "تھوڑی ہو تو فاقوں کی نوبت۔ زیادہ ہو تو درد سر بس ضرورت کے مطابق ہو۔"
* "گھر آپ کی نظر میں؟"
☆ "پر سکون جگہ ۔۔۔ جنت کا ٹکڑا، بہترین سرمایہ حیات۔"
* "کیا آپ بھول جاتی ہیں اور معاف کر دیتی ہیں؟"
☆ "معاف تو کر دیتی ہوں لیکن بھولتی نہیں ہوں۔"
* "اپنی کامیابیوں میں کسے حصہ دار ٹھہراتی ہیں؟"
☆ "پہلے اپنی ماں کو اور اب اپنی بہن اور نانی کو۔"
* "کامیابی کیا ہے آپ کی نظر میں؟"
☆ "کامیابی ایک فخر کا احساس اور آگے بڑھنے کی لگن۔"
* "سائنس نے ہمیں مشینوں کا محتاج کر کے کاہل

کر دیا ہے یا واقعی یہ ترقی ہے؟"

☆ "سائنس نے ہمیں کاہل نہیں بلکہ وقت کی قدر سکھائی ہے، لیکن قدر وہی جانتے ہیں جنہیں احساس ہوتا ہے۔"

* "کوئی عجیب خواہش یا خواب؟"

☆ "جی بڑی خواہش ہے کہ کسی طریقے سے چاچو کی بیماری نکال کر سمندر میں پھینک آؤں اور خواب کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے ساتھ ڈنر کروں ہے نہ عجیب۔"

* "برکھا رت کو کیسے انجوائے کرتی ہیں؟"

☆ "پکوڑے بنا کر اور جب تک پکوڑے نہ بناؤں سکون نہیں آتا۔"

* "آپ جو ہیں وہ نہ ہوتی تو کیا ہوتیں؟"

☆ "میں کچھ بھی نہیں ہوں اور کچھ بھی نہ ہوتی۔"

* "آپ بہت اچھا محسوس کرتی ہیں جب؟"

☆ "جب کوئی مجھے پیار سے بلاتا ہے یا کوئی اچھا کام کروں۔"

* "آپ کو کیا چیز متاثر کرتی ہے؟"

☆ "مجھے سادہ خوب صورت چہرے اور معصوم بچے اور ان کی معصوم حرکتیں۔"

* "کیا آپ نے وہ سب کچھ پا لیا ہے جو پانا چاہتی ہیں؟"

☆ "جی کچھ پا لیا ہے اور کچھ رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ وہ بھی دے گا۔"

* "اپنی ایک خوبی اور خامی جو آپ کو مطمئن اور مایوس کر دیتی ہو؟"

☆ "خوبی یہ کہ جو بات دل میں ہو وہی زبان پر ہوتی ہے اور خامی نماز کی پابند نہیں ہوں (افسوس)۔"

* "کوئی ایسا واقعہ جو آج بھی شرمندہ کر دیتا ہو؟"

☆ "اللہ کا شکر ہے ایسا کوئی نہیں جس سے شرمندہ ہوئی یا سوچ کر شرمندہ ہونا پڑے۔"

* "کیا آپ مقابلے انجوائے کرتی ہیں یا خوف زدہ ہو جاتی ہیں؟"

☆ "جناب مقابلے انجوائے کرتی ہوں اور خوف زدہ نہیں ہوتی خوف زدہ کر دیتی ہوں۔"

* "متاثر کن کتاب مصنف مووی؟"

☆ "کتاب قرآن پاک مصنف ہاشم ندیم، مووی نہیں دیکھتی۔"

* "آپ کا غرور؟"

☆ "میرے بھائی حسن اور بہن الفت۔"

* "کوئی ایسی شکست جو آپ کو آج بھی اداس کر دیتی ہو؟"

☆ "نہیں ایسی کوئی نہیں۔ شکست لیتی نہیں دیتی ہوں۔"

* "کوئی شخصیت یا کسی کی حاصل کی ہوئی کامیابی جس نے آپ کو حسد میں مبتلا کیا ہو؟"

☆ "کسی باپ کو اپنی بیٹی سے پیار کرتے دیکھ کر حسد تو نہیں لیکن تشنگی محسوس ہوتی ہے۔"

* "مطالعہ کی اہمیت آپ کی نظر میں؟"

☆ "وقت گزارنے کا بہترین طریقہ۔ معلومات کا خزانہ۔"

* "آپ کی زندگی کی فلاسفی جو آپ اپنے علم اور تجربے مہارت میں استعمال کرتی ہو؟"

☆ "کسی مقصد کے حصول میں کی گئی محنت کوشش کا نام زندگی ہے۔"

* "آپ کی پسندیدہ شخصیت؟"

☆ "میرے چاچو مظہر عباس اور مولانا طارق جمیل۔"

* "ہمارا پاکستان سارا کا سارا خوب صورت ہے آپ کا خاص پسندیدہ مقام؟"

☆ "مری اور راولپنڈی۔"

☆ ☆

شعلہ عنبر

آیت الکرسی

ترجمہ: اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہمیشہ زندہ ہے سب کو سنبھالنے والا ہے۔ نہیں آتی اس کو اونگھ اور نہ نیند۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ کون ہے وہ جو شفاعت کرے اس کے پاس سوائے اس کی اجازت کے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ ان (لوگوں) کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور نہیں وہ احاطہ کر سکتے کسی چیز کا اس کے علم میں سے مگر ساتھ اس چیز کے جو وہ چاہے۔ گھیر لیا ہے اس کی کرسی نے آسمانوں کو اور زمین کو اور نہیں تھکاتی اس کو ان دونوں کی حفاظت اور وہ وہ بلند تر نہایت عظمت والا ہے۔

فوائد:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ہر فرض کے بعد آیت الکرسی پڑھ لیا کرے' اس کو جنت میں جانے سے صرف اس کی موت ہی روکے ہوئے ہے (یعنی اس کے جنت میں داخل ہونے میں صرف مرنے ہی کی دیر ہے)

نسائی ابن حبان' ابن السنی' عن ابی امامۃ الباھلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھ لینے سے دوسری نماز تک اللہ کی حفاظت میں رہے گا۔

(طبرانی فی الکبیر عن الحسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

امام بیہقی کی روایت ہے کہ جو شخص سوتے وقت آیت الکرسی پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے گھر اور اس کے آس پاس کے اہل خانہ کو امن دیتا ہے۔

(مرقاۃ شرح مشکوۃ ملا علی قادری جلد ۲ صفحہ ۵۸۳)

آیت الکرسی جس گھر میں پڑھی جائے جن اور شیطان اس کے قریب نہیں آتے۔

(ترمذی الترغیب والترہیب جلد ۲ صفحہ ۴۳۶)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکایت کی گھر میں کسی چیز میں برکت نہیں ہوتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم آیت الکرسی نہیں پڑھتے جس کھانے اور سالن پر تم آیت الکرسی پڑھ لوگے اللہ تعالیٰ اس کھانے اور سالن میں برکت دے گا۔

(تفسیر در منثور جلد ۳۲۳)

نماز جنازہ میں شرکت کرنا

لکھنؤ کے بازار میں ایک غریب درزی کی دکان تھی جو ہر جنازے میں شرکت کے لیے دکان بند کر دیا کرتا تھا۔ لوگوں نے کہا۔

"اس طرح روز روز جنازے پر جانے سے آپ کے کاروبار کا حرج ہو گا؟" کہنے لگا۔

"علماء سے سنا ہے کہ جب کوئی شخص کسی مسلمان کے جنازے پر جاتا ہے تو کل کو اس کے جنازے پر بھی لوگوں کا ہجوم ہو گا۔ میں غریب ہوں' نہ زیادہ لوگ مجھے جانتے ہیں تو میرے جنازے پر کون آئے گا۔ اس لیے ایک تو مسلمان کا حق سمجھ کر پڑھتا ہوں اور دوسرا یہ کہ شاید کل کو مجھے بھی کوئی کاندھا دینے والا مل جائے۔۔۔!"

اللہ کی شان دیکھیں 1902ء میں مولانا عبدالحئی لکھنوی صاحب کا انتقال ہوا۔ ریڈیو پر بتلایا

گیا' اخبارات میں جنازے کی خبر دی گئی۔ جنازے کے وقت لاکھوں کا مجمع تھا پھر بھی بہت سے لوگ ان کا جنازہ پڑھنے سے محروم رہ گئے۔ جب جنازہ گاہ میں ان کی نماز جنازہ ختم ہوئی تو اسی وقت جنازہ گاہ میں ایک دوسرا جنازہ داخل ہوا اور اعلان ہوا۔

"ایک اور عاجز مسلمان کا جنازہ پڑھ جائیں"

دوستوں! دوسرا جنازہ اس درزی کا تھا مولانا کے جنازے کے سب لوگ بڑے بڑے اللہ والے' علماء کرام سب نے اس درزی کا جنازہ پڑھا اور پہلے جنازے سے جو لوگ رہ گئے تھے وہ بھی اس میں شامل ہو گئے۔ اس غریب درزی کا جنازہ تو مولانا کے جنازہ سے بھی بڑھ کر نکلا' اللہ پاک نے اس درزی بات پوری اکر کے اس کی لاج رکھ لی۔

اقرا امتناز۔۔۔ سرگودھا

سنہری باتیں

1۔ خدا اور موت کو یاد رکھو اور اپنی نیکی اور دوسرے کی بدی کو بھول جاؤ۔ (حضرت حکیم لقمان)

2۔ اگر کسی قوم کو بغیر جنگ کے شکست دینی ہو تو اس کے نوجوانوں میں فحاشی پھیلا دو۔ (سلطان صلاح الدین ایوبی)

3۔ جنگ میں اخلاقی قوتیں تین چوتھائی اہمیت رکھتی ہیں مادی قوت کا رول صرف ایک چوتھائی ہے (نپولین بوناپارٹ)

4۔ مصیبت میں آرام کی تلاش مصیبت کو ترقی دیتی ہے۔ (حضرت امام جعفر صادق)

5۔ یہ عارضی زندگی درحقیقت آپ کے اخلاق کا امتحان ہے اور اس امتحان کا سب سے بڑا میدان آپ کا اپنا گھر ہے۔ (جاوید احمد غامدی)

گل مینا خان اینڈ حسینہ ایچ ایس۔۔۔ مانسہرہ

رب

رب رب کردے بڈھے ہو گئے' ملاں پنڈت سارے
رب دا کھوج کھرا نہ لبھا' سجدے کر کر ہارے
رب تے تیرے اندر وسدا' وچ قرآن اشارے
بلھے شاہ! رب اوہنوں ملسی جیہڑا اپنے نفس نوں مارے

بیمہ پالیسی

امرتسر کا ایک بیمہ ایجنٹ ایک غیر شادی شدہ آدمی سے ملا اور بیمہ زندگی کی اہمیت جتاتے ہوئے بولے۔

"سر آپ بیمہ پالیسی لے لیں آپ کے بال بچوں کو کسی روز دو لاکھ روپے یکمشت ملیں گے تو کتنے خوش ہوں گے۔"

آدمی نے کہا۔ "آج رات میں اس معاملے پر غور کروں گا۔ کل صبح میں اپنے ارادہ سے تمہیں آگاہ کروں گا۔"

دوسری صبح بیمہ ایجنٹ حاضر ہوا تو وہ شخص بولا۔ "میں نے غور کر لیا ہے' واقعی یہ نفع بخش اسکیم ہے۔"

بیمہ ایجنٹ نے خوش ہو کر فارم نکالا اور اس شخص سے اس پر دستخط کرنے کو کہا۔ اس نے کچھ سوچ کر کہا۔ "ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ بال بچے مجھے آپ دیں گے یا آپ کی کمپنی دے گی؟؟"

آرام سے بیٹھ جاؤ

سکندر اعظم اپنی فوج کے ساتھ مسلسل آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ ملک پر ملک فتح کر رہا تھا اور اپنے راستے میں آنے والی ہر رکاوٹ کو کچل رہا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ ساری دنیا کو فتح کرلے اور فاتح عالم کہلائے۔ اسی دوران وہ ایک سمندر کے کنارے پہنچا تو دیکھا کہ درویش راستے میں آنکھیں بند کیے بیٹھے ہیں۔ سکندر نے ان سے کہا۔ "راستہ چھوڑو میری فوج یہاں سے گزرے گی۔"

درویش نے سر اٹھا کر سکندر کو دیکھا اور پھر اسی طرح آنکھیں بند کریں۔ سکندر اپنے گھوڑے سے اترا اور تلوار نکالی اور درویش کی طرف بڑھتے ہوئے گرجا۔ "تم نے میرا حکم نہیں مانا۔" درویش نے آنکھیں کھول کر پوچھا۔ "بیٹا تم کون ہو؟"

سکندر غصے سے بولا میں "سکندر اعظم ہوں۔ کیا تم

مجھے نہیں جانتے؟ آدھی دنیا فتح کر چکا ہوں۔"
"آدھی دنیا تم فتح کر چکے ہو اب کیا کرو گے؟"
درویش نے نرم لہجے میں پوچھا۔
"باقی آدھی دنیا بھی فتح کروں گا۔" سکندر نے اکڑ کر کہا۔
"اس کے بعد کیا کرو گے؟" درویش کا سوال اگلا تھا۔
"پھر آرام سے بیٹھ کر حکومت کروں گا۔" سکندر کا جواب تھا۔
"تم اتنا کچھ کرنے کے بعد آرام سے بیٹھو گے' مگر میں تو ابھی آرام سے بیٹھا ہوں بہتر ہے کہ تم بھی آرام سے بیٹھ جاؤ۔" درویش نے کہا تو سکندر ہکا بکا رہ گیا۔

ثنا شہزاد.... کراچی

حضرت امام زین العابدین نے فرمایا

☆ صالح و شائستہ افراد کے ساتھ نشست و برخواست شائستگی کی دعوت دیتی ہے۔
☆ ناخوش گوار مقدمات پر راضی رہنا یقین کا سب سے بلند درجہ ہے
☆ خبردار گناہوں پر خوش نہ ہونا کیونکہ گناہوں پر خوش ہونا گناہ کرنے سے زیادہ عظیم ہے۔
☆ مومن اپنے گناہوں سے توبہ کی طرف جلدی کرتا ہے اور حرام چیزوں سے منہ موڑ لیتا ہے۔

سیدہ بنت زہرا.... کہروڑ پکا

دکھ.....؟

آنسو ہیں.... یہ آنکھوں میں رہتے ہیں
دریا ہیں.... قطرہ قطرہ بہتے ہیں
موتی ہیں.... جو ایک دوسرے سے جڑے ہوتے ہیں
دھڑکن ہیں.... ہر دل میں بستے ہیں
موسم ہیں.... آتے جاتے رہتے ہیں
ساتھی ہیں.... پل پل ساتھ نبھاتے ہیں۔

فضہ نور.... روہڑی

وفادار

قرضہ دینے والی ایک کمپنی نے اخبار میں اشتہار کروایا "آپ کیوں پریشان ہیں اپنے دوستوں سے قرضہ نہ لیں۔ ہم سے لیں دونوں کے فرق کو سمجھیں۔ آپ کے دوست آپ کو چھوڑ دیں گے۔ ہم آپ کو کبھی نہیں چھوڑیں گے۔"

(ارماہی سرفراز.... نامعلوم)

موت کیا ہے؟

"موت کے معنی فنا کے نہیں ہیں کہ آدمی موت آنے بعد فنا ہو گیا یا ختم ہو گیا۔ ایسا نہیں بلکہ موت کے معنی منتقل ہو جانے کے ہیں اس دار سے اس دار میں' اس جہاں سے اس جہاں میں' تو انتقال ایک دار سے دوسرے دار کی طرف' ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف یہ تو ہوتا رہے گا' مگر انسان مٹ جائے یہ نہیں ہو سکتا اسی لیے میں کہا کرتا ہوں کہ انسان ازلی تو نہیں' لیکن ابدی ضرور ہے" "موت کا اصل مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعے سے عبرت حاصل کی جائے اور اپنے اخیر وقت کو یاد کیا جائے۔

(جواہر حکمت ملفوظات حکیم الاسلام)
حافظہ ربلہ مشتاق.... حاصل پور

نیا سال مبارک ہو

اپنے ساتھ
یادوں کی برسات
اور دعاؤں کی سوغات
اور
آنسوؤں کے بیش بہا خزانے لٹاتی
تمہاری منتظر میر آنکھیں
ہمارے لیے خوشیوں کی کلیاں ڈھونڈ رہی ہیں
اور کہتی ہیں
اے دل کے مکین
نیا سال مبارک ہو

☆ ☆

شگفتہ سلیمان

بسمیٰ خالد ____ فیصل آباد

نہ کوئی رنج کا لمحہ کسی کے پاس آئے
خدا کرے نیا سال سب کو راس آئے

حورین زینب ____ کھروڑ پکا

اب ہم اپنی بھیگی جنوری کی شروعات
تیرے بچھڑے ہوئے عذاب تنہائی سے کرتے ہیں

دانیہ عامر ____ کراچی

مختصر تھی ہوئی شب سیاہ اور وہ بھی طویل تر
محسن ہجر کے ماروں پہ قیامت ہے جنوری

نمرہ، اقرا ____ کراچی

پھر نیا سال، نئی صبح، نئی امیدیں
اے خدا خیر کی خبروں کے اجالے رکھنا

گل مینا خان ____ مانسہرہ

سب کی اپنی اپنی سوچ
سب کا جدا جدا ہے خیال
کسی کا کہنا آیا سال
کوئی کہتا گیا ہے سال

حسینہ ایچ ایس ____ مانسہرہ

اے کاش یہ نیا سال خوشیوں کی نوید لائے
اس ملک کے ہر شہری کو یہ سال راس آئے
نہ ہو پائے خراب کوئی اب نہ اجڑے کوئی گھر
نئے سال کا ہر لمحہ پیغام امن لائے

اقرا مختار ____ سرگودھا

تیرے ہجراں سے تعلق کو نبھانے کے لیے
ہم نے اس سال بھی جینے کی قسم کھائی ہے

آمنہ میاں، محمد نوید ____ ایچ کوکی ملیان

اب تک انتظار کی شمعیں جلائے بیٹھے ہیں
تم نے کہا تھا، میں جنوری میں لوٹ آؤں گا

نشا نورین جاوید ____ جوالا جھنڈا سنگھ

سردیوں کی شام ہے اور دھیان میں ہیں
دھند میں لپٹے ہوئے وعدے کسی کے

عندا ناصر، اقصیٰ ناصر ____ کراچی

اک اور برس بیت گیا اشک و آہ کے ساتھ
اب کے برس خدا کرے کوئی خوشی ملے

ماہم امداد علی ____ نوشہرہ

سال نو میں گلاب ڈھیروں کھلانے ہیں
روٹھے ہوئے دوست سارے منانے ہیں
بند آنکھوں میں جو چبھ رہے ہیں ریت کی طرح
پلکوں کو کھول کر آنسو سارے گرانے ہیں

رباب راجپوت ____ پھول نگر

گو کہ تم بہت دور بس رہے ہو مگر
ان ہواؤں پہ اعتبار کر لینا
نئے سال کی ابتدا ہے جانِ جاناں
تھوڑی دیر ہم کو بھی یاد کر لینا

یاسمین ملک ____ چکوال

ٹھہر گئی ہے زندگی ایک ہی مقام پہ
ہندسے بدل جانے کو سال نو کہتے ہیں

طاہرہ ملک ____ جلال پور پیر والا

یہ سال دے گا خوشی یا کہ گلوں ہی اداس
مجھے بتا بھی تو اس باب میں ستارہ شناس

گڑیا شاہ ____ کھروڑ پکا

ہم سے نہیں رشتہ بھی، ہم سے نہیں ملتا بھی
ہے پاس وہ بیٹھا بھی، دھوکا ہو تو ایسا ہو

صدف عمران ____ کے ڈی اے سوسائٹی

بتاؤ ذرا کون سی بہانے کر آیا جنوری
تم تو کہتے تھے بہت ویران ہے دسمبر

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

بشریٰ محمود

گل مینا خان، کی ڈائری میں تحریر

ڈاکٹر گستاشب خان سیفی کی نظم

خدا کرے کہ نیا سال لائے صبح طرب
تمہاری آنکھ کھلے تو بہار ہی دیکھے
ہر ایک لمحہ نظارے کریں سلام تجھے
تری نگاہ جو دیکھے تو پیار ہی دیکھے
تمہیں ملیں گے نئے سال میں نئے چہرے
پرانے چہروں کو یادوں سے محو کر دو گے
حسین وقت میں سب کچھ بھلا کے رکھ دو گے
کسی کا جام محبت کی مے سے بھر دو گے
نیا سال گزرنے کو آ رہا ہو گا
ہر ایک شخص تمہیں چھوڑ کر جا چکا ہو گا
اس ایک شخص کو ڈھونڈو گے جو کہ اب بھی کہیں
تمہاری یاد کی شمعیں جلا رہا ہو گا

رُباب راجپوت، کی ڈائری میں تحریر

فیض احمد فیض کی نظم

اے نئے سال بتا تجھ میں نیا پن کیا ہے
ہر طرف خلق نے کیوں شور مچا رکھا ہے
روشنی دن کی وہی، تاروں بھری رات وہی
آج ہم کو نظر آتی ہے ہر اک بات وہی
آسماں بدلا ہے افسوس نہ بدلی ہے زمیں
ایک ہندسے کا بدلنا کوئی جدت تو نہیں
اگلے برسوں کی طرح ہوں گے قرینے تیرے
کسے معلوم نہیں بارہ مہینے تیرے
جنوری، فروری اور مارچ میں پڑے گی سردی
اور اپریل، مئی، جون میں ہوگی گرمی
تیرا من دہر میں کچھ کھوئے گا کچھ پائے گا
اپنی میعاد ختم کر کے چلا جائے گا
تو نیا ہے تو دکھا صبح نئی، شام نئی
ورنہ ان آنکھوں نے دیکھے ہیں نئے سال کئی
بے سبب دیتے ہیں کیوں لوگ مبارک بادیں
غالباً بھول گئے ہیں وقت کی کڑوی یادیں
تیری آمد سے گھٹی عمر جہاں میں سب کی
فیض نے لکھی ہے یہ نظم نرالے ڈھب کی

نمرہ، اقرا، کی ڈائری میں تحریر

ابن انشا کی غزل

قرب میسر ہو تو کیا پوچھیں درد ہو تم یا درماں ہو
دل میں آن بسے ہو لیکن مالک ہو یا مہماں ہو

دوری آگ سے دوری بہتر، قربت کا انجام ہے راکھ
آگ کا کام فروزاں ہونا، راکھ ضرور پریشاں ہو

سودا عشق کا سودا ہم نے جان کے جی کو لگایا ہے
عشق یہ صبر و سکوں کا دشمن، پیدا ہو یا پنہاں ہو

عشق وہ آگ جس میں تپ کر سونا کندن بنتا ہے
آگ میں تجھ کو کچھ نہیں ہو تو آ اس آگ میں بریاں ہو

شہر کہ دشت کہو بھی سادھو، ہاں جی سادھو شہر کہ دشت
ہم بھی چاک گریباں ٹھہرے، تم بھی چاک گریباں ہو

مصباح خان، کی ڈائری میں تحریر

منیر نیازی کی نظم

کتابِ عمر کا اک اور باب ختم ہوا
شباب ختم ہوا اک عذاب ختم ہوا

ہوئی نجات سفر میں فریبِ صحرا سے
سراب ختم ہوا اضطراب ختم ہوا

برس کے کھل گیا بادل ہوائے شب کی طرح
فلک پہ فرق کا وہ پیچ و تاب ختم ہوا

جوابدہ نہ رہا میں کسی کے آگے منیر
وہ اک سوال اور اس کا جواب ختم ہوا

قرۃ العین، کی ڈائری میں تحریر

نصیر احمد ناصر کی غزل

دور ہی دور سے اک خواب دکھائی دے گا
کوئی جاگا ہوا عمروں کا دہائی دے گا

نسل در نسل یہی آس چلی آئی ہے
کوئی آئے گا ہمیں دکھ سے رہائی دے گا

شام جب تھک کے در و بام پہ سو جائے گی
اک ستارہ مری پلکوں پہ دکھائی دے گا

رت جگے اونگھتے رہتے ہیں مری آنکھوں میں
کب زمانہ مری نیندوں کو جدائی دے گا

وہ عجب عکس ہے صورت نہیں رکھتا ناصر
آئینہ توڑ کے دیکھو تو دکھائی دے گا

گڑیا شاہ، کی ڈائری میں تحریر

محسن نقوی کی غزل

وسعتِ چشمِ تر بھی دیکھیں گے
ہم تجھے بھول کر بھی دیکھیں گے

زخم پر ثبت کر کے لب اپنے
زخم کو چارہ گر بھی دیکھیں گے

ہجر کی شب سے حوصلے اپنے
بچ گئے تو سحر بھی دیکھیں گے

اک دعا دل سے چھپ کر مانگی تھی
اس دعا کا اثر بھی دیکھیں گے

اک پرانا سفر تو ختم ہوا
اک نئی رہگزر بھی دیکھیں گے

گن تو لینے دو بے کفن لاشیں
بے صدا بام و در بھی دیکھیں گے

رات ہوتے دو، لوگ سونے دو
چاند کو در بدر بھی دیکھیں گے

چھیڑ کر دل کی راکھ کو محسن
اب کے رقصِ شرر بھی دیکھیں گے

کچھ موتی چنے ہیں...

ادارہ

معاف

اگر زندگی کا کچھ حصہ تلخیوں یا محرومیوں کی نذر ہو رہا ہو تو سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں کوئی بہت بڑا انعام دینے والے ہیں۔ ایسا انعام جو اس دنیا میں خوشی اور آخرت میں بخشش کا سبب بن جائے گا۔ بس ہمیں معاف کرنے کا ہنر آنا چاہیے اور سب سے پہلے خود اپنے آپ کو معاف کریں ہر غلطی، ہر بد گمانی کے لیے یہ سب سے ضروری ہے کیونکہ تب ہی ہم دوسروں کو معاف کرنے کے قابل بنتے ہیں۔

(عالیہ بخاری۔۔۔دیوار شب)

فضہ۔۔۔روہڑی

ترازو

زندگی کا ترازو اپنے پلڑے میں خوشی و غم کو تولتا رہتا ہے' خوشیوں کا وزن جھلے کتنا دلکش سوندھا سہی مگر غم کا ایک کانٹا اتنا وزنی تھا کہ پلڑے کو زمین سے اٹھنے ہی نہ دے رہا تھا۔

(قسمتیں ہیں مسافر۔۔۔ مصباح علی سید)

اقرا ممتاز۔۔۔ سرگودھا

پاکستان بنانے والوں کا جذبہ

یہ بمبئی کا ریلوے اسٹیشن تھا پاکستان نیا نیا بنا تھا۔ پاکستان کو ہجرت کرنے والے مہاجرین جوق در جوق یہاں آتے' بعض مایوس لوٹتے اور بعض آزاد ملک و ملت کے سپنے سجائے یہاں سے کوچ کر جاتے تھے۔ میں فرسٹ کلاس کے ایک ڈبے میں بیٹھا تھا کہ ایک بوڑھی عورت گٹھڑی اٹھائے ڈبے میں داخل ہوئی۔ اس وقت لوگوں میں فرسٹ اور سیکنڈ کلاس کی اتنی تمیز نہیں ہوا کرتی تھی۔ خیر! ٹرین بخیر و عافیت روانہ ہوئی۔ کچھ دیر بعد ٹکٹ چیکر لوگوں کے پاس سے ہوتا ہوا اس بوڑھی عورت کے پاس آیا۔ بوڑھی عورت سے ٹکٹ کا تقاضا کیا تو اس نے اپنا دکھڑا سناتے ہوئے کہا بیٹا! میں تو پاکستان جا رہی ہوں اور میرے پاس ٹکٹ کے پیسے بھی نہیں ہیں اس گٹھڑی میں میرا سامان ہے چاہو تو رکھ لو۔ ٹکٹ چیکر کو اس کی باتیں سن کر رونا آگیا اس نے آنسو پونچھے اور بوڑھی عورت کو تاریخی جواب دیا۔ "ماں اگر ہم لوگ یوں کریں گے تو یہ نیا پاکستان کیسے چلے گا ٹکٹ ضرور ادا ہو گا' لیکن وہ میری جیب سے آپ اطمینان رکھیں۔" تاریخ گواہ ہے کہ اس نے ٹکٹ کے پیسے اپنی جیب سے کاٹے اور آگے چل دیا۔ یہ تھا ان لوگوں کا جذبہ جنہوں نے پاکستان بنایا۔

(مولوی مشتاق)

مسرت طارق۔۔۔ مظفر گڑھ

بات

روسی جس چیز میں دنیا میں سب سے آگے ہیں' اس میں جاپان بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ امریکی تو بہت پیچھے ہیں۔ وہ چیز ہے گالیاں۔

کہتے ہیں کہ جرمنوں کی فوج سے روسی قیدی بھاگ کر آئے تو وہ جرمنوں کے لباس میں تھے۔ روسی علاقے میں دیہاتیوں نے انہیں پکڑ لیا کہ تم جرمن جاسوس ہو۔ کیا ثبوت ہے کہ تم روسی ہو۔ تو انہوں نے گالیاں دینی شروع کر دیں۔ روسی دیہاتیوں نے کہا کہ تم واقعی روسی ہو' کیوں کہ اتنی روانی سے کوئی غیر روسی آدمی گالیاں نہیں دے سکتا۔

ایک امریکی ادارے نے روس کی سبزی منڈی میں تین گھنٹے انٹرویوز کیے۔ گالیاں چھانٹنے کے بعد تین منٹ کا انٹرویو باقی بچا۔

(ڈاکٹر محمد یونس بٹ)

عائشہ شاہ۔۔۔ گوجرانوالہ

ہوا، ہوا

یہ تحقیق نہیں ہو سکی کہ اتنی ہوا کہاں سے آ گئی کہ ایک الگ محکمہ آب و ہوا بنانا پڑا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کراچی کی بیرونی بستیوں میں جو تل ہیں یہ ان میں سے نکلتی ہے۔ ہوا عجیب چیز ہے۔ یہ آگ کو جلاتی ہے اور چراغ کو بجھاتی ہے۔ جہاز اسی سے چلتے ہیں اسی سے ڈوبتے ہیں۔ لوگوں کی زندگی کا دارومدار ہوا پر ہے۔

ہوا نہ ملے تو لوگ مر جاتے ہیں۔ ویسے کھانا نہ ملنے سے بھی مر جاتے ہیں، لیکن ہوا نہ ملنے سے لوگ جلدی مر جاتے ہیں۔ ہوا کے نقصانات کئی ہیں۔ بعض لوگوں کو یہ بہت اونچا اڑا کر لے جاتی ہے اور پھر پٹخ دیتی ہے۔ بعض کے پیٹ میں بھر جاتی ہے اور بعض کے سر میں۔ دونوں صورتوں میں یہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔ اس شخص کے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی۔

(ابن انشا)

اقصیٰ، ماہ نور ہراج۔۔۔ واؤوالہ زلمیہ

مرد اور عورت

مرد کی ذات ایک سمندر سے مشابہ ہے۔ اس میں ہمیشہ پرانے پانی بھی رہتے بستے ہیں اور نئے دریا بھی آ کر گلے ملتے ہیں۔ سمندر سے پرانی وفا اور نیا پیار علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ دونوں کے لیے کٹ مرے گا، لیکن عورت جھیل کی مانند ہے۔ جس کا ہر چشمہ اس کے اندر ہی نکلتا ہے۔ ایسے میں جھیل کی زندگی اور ہے اور سمندر اور طرح رہتا ہے۔ ان دونوں کا ہمیشہ یکجا رہنا کس قدر مشکل ہے۔ مچھلی اور ابابیل کے سنجوگ کی طرح اس میں ہمیشہ نظریے کے اختلاف کی گنجائش ہے۔

(بانو قدسیہ۔۔۔ امر بیل)

سیدہ لوبا سجاد۔۔۔ کھروڑپکا

نصیب

اگر صرف ایک دھاگا سلیم چشتی کے مزار کی جالی سے باندھنے سے میری ایک خواہش پوری ہونے کا ذرہ برابر بھی امکان ہوتا تو ایک دھاگا تو کیا میں جولاہا ہو جاتا،

بے انت دھاگے خرید کر ان سے خواہش کے کھیس بننے لگتا، لیکن میں جانتا تھا کہ کسی بھی سحر کی معجزے کی ایک حد ہوتی ہے۔ جس کے پار نصیب نہیں جا سکتا۔

(مستنصر حسین تارڑ)

ارماہی سرفراز۔۔۔ نامعلوم

رزق کا ادب

اماں کو باسی کھانے، پرانے ساگ، اترے ہوئے اچار اور ادھ کھائی روٹیاں، بہت پسند تھیں۔ دراصل وہ رزق کی قدردان تھیں، شاہی دسترخوان کی بھوکی نہیں تھیں میری چھوٹی آپا کئی مرتبہ خوف زدہ ہو کر اونچی آواز میں چیخا کرتیں۔

"اماں حلیم نہ کھاؤ، پھول گیا ہے، بلبلے اٹھ رہے ہیں۔"

"یہ ٹکڑا پھینک دیں اماں، سارا جلا ہوا ہے۔"

"اس سالن کو مت کھائیں، کھٹی بو آ رہی ہے۔"

"یہ امرود ہم نے پھینک دیے تھے اس میں کیڑا نکلا تھا۔"

"لقمہ زمین سے نہ اٹھائیں اس سے جراثیم چمٹ گئے ہیں۔"

"اس کٹورے میں نہ پئیں، یہ باہر بھجوایا تھا۔"

لیکن اماں چھوٹی آپا کی خوف ناک للکاریوں کی پروا کیے بغیر مزے سے کھاتی چلی جاتیں چونکہ وہ تعلیم یافتہ نہیں تھیں، اس لیے جراثیموں سے نہیں ڈرتی تھیں صرف خدا سے ڈرتی تھیں!

(اشفاق احمد۔۔۔ صبحانے فسانے)

افشاں سمیع۔۔۔ کراچی

✲ ✲

روبینہ شریف

غلط خیال

ایک پولیس مین بڑی دیر سے ایک شرابی کو اسٹریٹ لیمپ میں چابی لگاتے دیکھ رہا تھا۔ شرابی کے ہاتھ میں اپنے مکان کی چابی تھی۔

پولیس مین نے نزدیک جا کر مذاقاً کہا۔

"جناب عالی! اس وقت مکان میں کوئی نہیں ہے یہ کوشش ترک کردیجیے۔"

"تمہارا خیال غلط ہے۔" شرابی نے جھومتے ہوئے کہا "اوپر کمرے کی لائٹ جل رہی ہے۔"

عائشہ بی بی۔۔۔ چکوال

گاہک

آرٹسٹ نے گاہک سے کہا "اس تصویر کے پیچھے میرے پانچ سال گزر گئے ہیں۔"

گاہک بولا "اس قدر محنت کرنی پڑی آپ کو اس تصویر پر۔"

آرٹسٹ بولا "جی نہیں تصویر تو ایک ہفتے میں مکمل ہو گئی تھی مگر گاہک پانچ سال بعد ملا ہے۔"

حمیرا خان۔۔۔ کوٹ چھٹہ

احمق مخلوق

دو انگریز ٹہلتے ٹہلتے دریائے تھیمز کے پل پر جا نکلے۔ وہاں انہوں نے ایک خوب صورت لڑکی کو آنسو بہاتے اور بڑبڑاتے ہوئے دیکھا۔

"میرا جینا بے کار ہے۔ میرا محبوب رابرٹ ہر بدھ کو اس جگہ آ کر مجھ سے ملتا ہے لیکن آج وہ ابھی تک نہیں آیا۔ وہ اب مجھ سے اکتا چکا ہے بے زار ہو چکا ہے۔ اسے مجھ سے ذرا سی بھی محبت باقی نہیں رہی ضرور وہ اس وقت روزی کے پاس بیٹھا ہو گا۔ میرے لیے تو اب مرجانا ہی بہتر ہے۔" یہ کہہ کر اس نے دریائے تھیمز میں چھلانگ لگادی۔ اس حادثہ پر افسوس کرتے ہوئے ایک انگریز نے کہا۔

"یہ ہے عورت کی اوقات۔" دوسرا بولا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ ویسے جم! کیا بہتر نہ ہوتا کہ ہم اس احمق لڑکی کو بتا دیتے کہ آج بدھ نہیں منگل ہے۔"

حنا کرن۔۔۔ قصور

فضول خرچ

ایک اسکاچ نے اپنے بیٹے کا کان کھینچتے ہوئے اسے ڈانٹا "تمہیں شرم نہیں آتی؟"

"مگر کیوں؟ میں نے ایسی کون سی حرکت کی ہے؟"

"کل رات میں نے تمہیں ایک لڑکی کے ساتھ ہوٹل میں دیکھا تھا۔ ٹھیک ہے میں نے تمہیں آزادی دی ہے لیکن میں تمہیں اتنی بے دردی سے پیسے لٹاتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔ اچھا بتاؤ رات تم نے کتنی رقم خرچ کی تھی؟"

"صرف ایک ڈالر" لڑکے نے جواب دیا۔

"تمہیں یقین ہے کہ اس سے زیادہ پیسے خرچ نہیں ہوئے؟"

"بالکل ڈیڈی! اس لیے کہ اس لڑکی کے پاس اس سے زیادہ رقم تھی ہی نہیں۔"

عائشہ علی۔۔۔ چوکی

دھوکے باز

ایک حسین و جمیل سیکرٹری غصے سے بھری باس کے کمرے سے باہر نکلی تو اس کے ساتھی ورکر نے پوچھا "جب تم صاحب کے کمرے میں گئی تھیں تو بڑے خوش گوار موڈ میں تھیں۔ اب غصے کے عالم میں باہر آئی ہو... کیا بات ہے؟"

سیکریٹری نے ناک سکیڑتے ہوئے جواب دیا۔

"اس نے مجھ سے پوچھا تھا کہ کیا اب تمہیں فرصت ہے' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ سر! فرصت ہی فرصت ہے میرا جواب سن کر اس نے مجھے 20 صفحات ٹائپ کرنے کو دے دیے... فریبی کہیں کا۔"

صبا خان... ڈی جی خان

بے چارگی

ایک بہت ہی موٹی عورت اسٹیشن پر ریل گاڑی سے اتر رہی تھی چونکہ وہ حد سے زیادہ موٹی تھی اس لیے وہ گاڑی کے دروازے سے عام لوگوں کی طرح سیدھا اترنے کے بجائے الٹا اتر رہی تھی' پلیٹ فارم پر کھڑے ہوئے ایک شخص نے یہ سوچ کر کہ شاید یہ خاتون ریل گاڑی میں سوار ہونا چاہ رہی ہے سہارا دے کر گاڑی میں سوار کرا دیا۔

"خدا کے لیے اب تو اتر جانے دو" اس عورت نے بے بسی سے التجا کرتے ہوئے کہا۔

"ہر اسٹیشن پر میرے ساتھ یہی ہوتا رہا ہے' جہاں مجھے اترنا تھا۔ وہاں سے میں پانچ اسٹیشن آگے آ چکی ہوں۔"

سنبل خان... بورے والا

کہتا ہوں سچ

صاحب نے دیر تک دفتر میں کام کیا پھر سیکرٹری کو ساتھ لے کر ہوٹل میں کھانا کھانے کے بعد فلم دیکھنے گئے۔ پھر صاحب نے سیکرٹری کو گھر چھوڑتے وقت ایک پنسل اس سے لی اور کان میں پھنسالی۔ گھر پہنچتے ہی بیوی نے تاخیر کی وجہ پوچھی۔

صاحب نے سب کچھ سچ بتا دیا۔

"جھوٹ بکواس..." بیوی فاتحانہ انداز میں بولی۔ تمہیں شو مارنے کی عادت ہے' مجھے معلوم ہے تم دیر تک دفتر میں کام کرکے آ رہے ہو پنسل ابھی تک تمہارے کان میں لگی ہوئی ہے۔"

صوفیہ بدر... ملتان

بہادری

جنگ میں ایک بھارتی جنرل اپنے آگے کھڑے ہوئے نوجوانوں سے مخاطب ہو کر بولا۔

"ایک زبردست معرکہ ہے جس میں ایک نڈر اور دلیر سپاہی کی ضرورت ہے جو جوان معرکہ پر جانے کے لیے تیار ہو وہ ایک قدم آگے بڑھ جائے۔"

نوجوان میں حرکت کی لہر دوڑ گئی جنرل نے دوبارہ صف پر نظر ڈالی۔ تو ایک جوان سب سے آگے کھڑا تھا۔ جنرل خوش ہو کر بولا۔ میں تم سے بہت خوش ہوں۔"

جوان کانپتا ہوا بولا۔

لیکن سر... میری بات تو سنیں! میں آگے نہیں بڑھا بلکہ یہ سب ایک قدم پیچھے ہٹ گئے ہیں۔"

نائلہ ثمر... سلانوالی

آسیب زدہ

ایک آدمی کو اپنی بیوی سے زیادہ دلچسپی نہ تھی مگر وہ ہر حال میں اسی کے ساتھ رہ رہے تھے... ایک بار کرائے مکانات دیکھنے نکلے بیوی کے ساتھ' ایک گھر انہیں اچھا لگا' کرایہ کم تھا اور رہنا ہوا بھی اچھا تھا۔

بیوی نے کہا "تم اس میں نہیں رہ سکو گے' سنا ہے کہ مکان آسیب زدہ ہے۔ یہاں کوئی بدروح رہتی ہے۔"

وہ شخص مسکرایا اور کہا۔ "تم فکر نہ کرو میں رہ لوں گا' آخر ایک زمانے سے تمہارے ساتھ رہ رہا ہوں۔"

آسیہ جاوید... علی پور

کرن کا دستر خوان

خالدہ جیلانی

گاجر کا پانی والا اچار

اشیاء:

گاجر	ایک کلو
رائی کٹی ہوئی	چار کھانے کے چمچے
سفید سرکہ	دو کھانے کے چمچے
بغیر چھلا ہوا لہسن	دو ڈلی (باریک چھل لیں)
لال مرچ کٹی ہوئی	چار کھانے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ
گڑ	ایک کھانے کا چمچہ
پانی	تین چار لیٹر

ترکیب:

گاجروں کو چھیل کر بڑے بڑے ٹکڑے کرلیں' درمیان میں سے آدھا کرلیں۔ ایک دیگچی میں گاجروں کو ڈال کر ہلکی سی بھاپ دے لیں۔ بھاپ لگی گاجروں کو نکال کر ایک ٹرے میں پھیلا کر اوپر دیا گیا آدھا مسالا ملا دیں۔ پانی میں باقی مسالا ملا کر پانچ سے دس منٹ تک پکالیں۔ دونوں چیزوں کو دو دن تک الگ الگ دھوپ میں رکھیں۔ دو دن بعد پانی میں رائی کی کھٹاس آجائے گی تو مسالا لگی گاجریں مسالے والے پانی میں ڈال کر اچھی طرح ہلالیں۔ دوبارہ دھوپ میں رکھیں۔ دھیان رکھیں کہ مٹی کے برتن میں یہ اچار ڈالیں تو مزے دار بھی ہوگا اور زیادہ دن تک رہے گا۔ لکڑی چمچہ استعمال کریں۔ چوتھے دن مزے دار گاجر کا پانی والا اچار تیار ہے۔

نوٹ: اسی طریقے سے شلجم اور مولی کا اچار بھی تیار کرسکتے ہیں اور تینوں سبزیوں کو ملا کر بھی اچار تیار کیا جاسکتا ہے۔

بہاری شلجم گوشت

اشیاء:

گوشت (بکرے کے سینے کا)	آدھا کلو
گھی / تیل	ایک پاؤ
ادرک	تیس گرام
سرخ مرچ	چائے کا ایک چمچہ
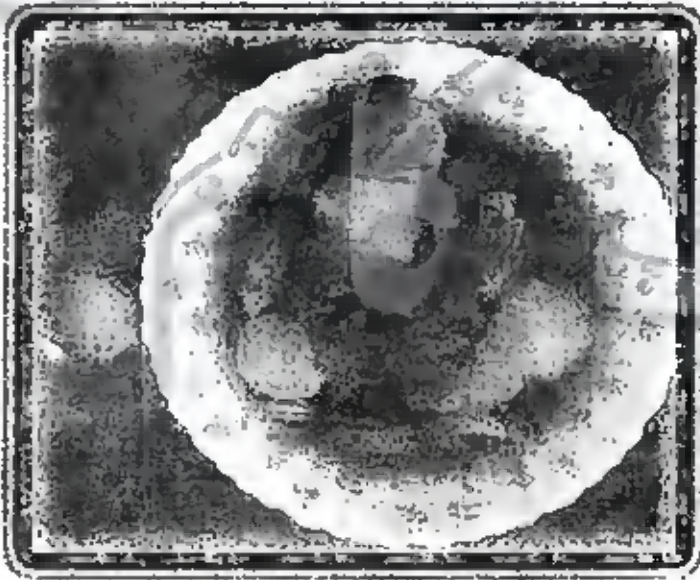
شلجم	تین پاؤ
لہسن	چھ جوے
دہی	ایک پاؤ
ہلدی	ایک چوتھائی چائے کا چمچہ
ہرا دھنیا' ہری مرچ (باریک کٹا ہوا)	حسب پسند
گرم مسالا	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب:

شلجم کو چھیل کر چار، چار ٹکڑے کرلیں۔ پھر ان کو کچو کے دیں۔ اس کے بعد نمک اور ہلدی ملا کر شلجم کے ٹکڑوں پر خوب مل دیں۔ ایک گھنٹے تک اسی طرح پڑا رہنے دیں۔ ایک گھنٹے بعد شلجم کو صاف کپڑے سے خشک کریں۔ اب شلجم، گھی یا تیل میں تل لیں۔ جب بادامی رنگ کے ہو جائیں تو نکال لیں۔ پھر اسی تیل، گھی میں پیاز ڈال کر خوب بھونیں اور اس کے بعد گوشت کو مناسب پانی ڈال کر پکنے دیں۔ جب گوشت گل جائے تو دہی ڈال کر بھون لیں اور پھر شلجم ڈال کر بھونیں اور تھوڑا پانی ڈال کر دم پر رکھ دیں۔
شلجم گلنے کے بعد اس پر گرم مسالا، ہرا دھنیا اور ہری مرچ چھڑک کر پانچ منٹ بعد اتار لیں۔

سبزی پلاؤ

اشیاء:

چاول	ایک کلو
آلو	ایک پاؤ
تیل	دو کپ
پیاز	ایک عدد بڑی
نمک	حسب ضرورت
لہسن ادرک کا پیسٹ	ایک کھانے کا چمچہ
مٹر	ایک پاؤ
گاجر	آدھا پاؤ
گوبھی	آدھا پاؤ
ثابت دھنیا	ایک چمچہ
کالی مرچ	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب:

تیل کو ایک بڑی دیگچی میں ڈال کر گرم کریں۔ پھر اس کے اندر پیاز، لہسن، ادرک، ثابت دھنیا ڈال دیں۔ پھر کچھ دیر بعد مٹر، آلو، گاجر، گوبھی ڈال کر پکائیں۔ پھر اس میں ایک چمچہ کالی مرچ اور نمک بھی ڈال دیں اور ساتھ ہی چاول بھی شامل کردیں اور تھوڑا پانی چاول کے گلنے کے لیے ڈال دیں۔ پھر مکمل طور پر پانی خشک ہونے کے بعد چاولوں کو دس سے پندرہ منٹ تک دم دیں، بھاپ اٹھنے لگے تو چولہا بند کردیں اور اوپر سے ہرا دھنیا اور پودینہ ملا کر چھڑک دیں، خوشبودار سبزی پلاؤ تیار ہے۔

اسپگھٹی میرینارا

اشیاء:

اسپگھٹی (ابال لیں)	200 گرام
مرغی کا گوشت (لمبائی میں کاٹ لیں)	ایک پاؤ
مکھن	ایک کھانے کا چمچہ
کارن فلور	دو کھانے کے چمچے
انڈا (پھینٹ لیں)	ایک عدد
ٹماٹو پیوری	ایک کھانے کا چمچہ
ٹماٹو پیسٹ	ایک کھانے کا چمچہ

مٹر (ابال لیں)	ایک چوتھائی کپ
گاجر (چوپ کرلیں)	ایک عدد
بند گوبھی (چوپ کرلیں)	آدھا کپ
شملہ مرچ (چوپ کرلیں)	ایک عدد
ہری پیاز (چوپ کرلیں)	ایک عدد
سفید مرچ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
سیاہ مرچ پاؤڈر	ایک چوتھائی چائے کا چمچہ
چلی سوس	ایک کھانے کا چمچہ
چائنیز نمک	آدھا چائے کا چمچہ
تیل	حسب ضرورت
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب:

گوشت دھو کر چھلنی میں خشک کرلیں۔ گوشت پہ اچھی طرح کارن فلور، مکھن، نمک اور سفید مرچ پاؤڈر لگا کر دس سے بیس منٹ کے لیے رکھ دیں۔ پین میں تیل گرم کرکے ایک ایک اسٹرپ کو انڈے میں ڈپ کرکے فرائی کرکے ٹشو پیپر پر نکال لیں۔ علیحدہ پین میں تیل گرم کرکے اس میں ٹماٹو پیسٹ اور ٹماٹو پیوری ڈال کر دو منٹ پکائیں۔ مٹر، شملہ مرچ، گاجر، بند گوبھی، ہری پیاز، سفید مرچ پاؤڈر، سیاہ مرچ پاؤڈر، چائنیز نمک، اسپگیٹی، فرائی کیے ہوا اسٹرپس، سویا سوس اور چلی سوس ڈال کر دو سے تین منٹ پکائیں۔ ڈش میں نکال کر کیچپ کے ساتھ گرم گرم سرو کریں۔

گجریلا

اشیاء:

دودھ	ایک کلو
گاجر (کدوکش کی ہوئی)	دو عدد
چاول	آدھا کپ (بلینڈ کیے ہوئے)
سوکھا دودھ یا کھویا	آدھا کپ
چینی	چار کھانے کے چمچے
الائچی پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
کیوڑا	ایک چائے کا چمچہ
سلور پیپر	چار سے پانچ عدد
پستہ، بادام	گارنش کے لیے

ترکیب:

پین میں دودھ، گاجر، چاول، کھویا یا سوکھا دودھ اور الائچی پاؤڈر شامل کرکے پکنے کے لیے رکھ دیں اور چمچہ ہلاتے رہیں۔ جب یہ گاڑھا ہوجائے تو اس میں چینی اور کیوڑہ ایسنس شامل کرکے پانچ سے آٹھ منٹ تک پکنے دیں۔ پھر پیالے میں نکال لیں، پستے، بادام اور سلور پیپر سے گارنش کرکے سرو کریں۔

محمود بابر فیصل نے یہ شگفتہ سلسلہ سنہ 1978ء میں شروع کیا تھا۔ ان کی یاد میں یہ سوال و جواب شائع کیے جا رہے ہیں۔

ذوالقرنین

شہزادی گلناز ..... لاہور

س: "ذوالقرنین بھائی! کسی انسان کے اندر اگر کوئی خامی ہو تو وہ کبھی اور کے اظہار کرنے پر اس تلخ حقیقت کو کبھی برداشت نہیں کرتا۔ لیکن وہ زندگی جیسی تلخ حقیقت سے کس طرح گزرتا ہے؟"

ج: "بی بی! اتنی چھوٹی عمر میں اتنا گاڑھا فلسفہ!"

مدثرہ ناز ..... ربوہ

س: "کسی زمانے میں لوگوں کا خیال تھا زندگی ایک سفر ہے سہانا مگر اب؟"

ج: "اب سفر کے نام ہی سے ڈاکوؤں کا خیال آجاتا ہے تو!"

زریں فرزانہ ..... شاہ پور صدر

س: "بھائی جان! کیسے ہوتے ہیں وہ لوگ جنہیں منزل مل جاتی ہے؟"

ج: "چلو مل کر انہیں ڈھونڈیں۔"

سحر عروس ..... راولپنڈی

س: "دیدہ بھائی ذرا یہ تو بتائیں کہ آپ دیدوں کی کون سی قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔ ویسے سنا ہے (شاید حقیقت ہو) کہ آپ کے دیدوں کا پانی ڈھل چکا ہے۔ کیا واقعی ایسا ہے؟"

ج: "جی ہم تو دیدہ ور ہیں۔"

طلعت بانو ..... راولپنڈی

س: "بھیا! ایک بات تو بتائیں کہ زندگی ایک آزمائش ہے تو قیامت کیا چیز ہے؟"

ج: "اس کا نتیجہ۔"

فریدہ شاہ ..... لاہور

س: "بھیا! مختلف چیزیں جوڑنے کے لیے کئی سلوشن بازاروں میں دستیاب ہیں۔ لیکن ٹوٹے ہوئے انسان کو کس چیز سے جوڑا جائے؟"

ج: "حسن سلوک کے مرہم سے۔"

سیدہ ناز ..... احمد نگر

س: "کیا آپ کے حسن کا راز بھی فلمی ستاروں کی طرح انٹرنیشنل لکس ہے؟"

ج: "جی نہیں یہ خداداد ہے۔"

شائستہ امتیاز ..... گجرات

س: "دنیا کی سب سے حسین شے کون سی ہے؟"

ج: "ہماری والدہ تو ہمیں کہتی ہیں۔"

سنبل خان بٹ.... بورے والا

سب سے پہلے تو میں آپ کو کرن کے اسٹاف اور قاری بہنوں کو نئے سال کی مبارک باد پیش کرتی ہوں' ساتھ ہی طیارے کے حادثے میں شہید ہونے والوں کے ورثا سے اظہار افسوس خاص طور پر جنید جمشید بھائی کے لیے دل دکھ سے بھر گیا ہے۔

میں کئی سالوں سے یہ پرچہ پڑھ رہی ہوں' مگر اب اس نے جس طرح سے آگے کی جانب قدم بڑھائے ہیں' اس کا کریڈٹ میں آپ لوگوں کو پیش کرنا چاہتی ہوں۔ "راہنزل؟" غائب ہائے ہائے یہ کیا ہوا تنزیلہ جی۔

"من مورکھ کی بات نہ مانو" آسیہ مرزا نے کافی عرصے کے بعد انٹری دی' مگر زبردست۔ خاص طور پر حازم' فرح بخاری کا "گل کہسار" کا جان دار ناول ہے پڑھ کر مزا آرہا ہے۔ ناولٹ سارے ہی اچھے تھے' مگر سباس گل کا "عشق والا لو" اور ملیحہ راشد کا "سچائی کی منزل" بازی لے گیا۔ اب بات ہو جائے مکمل ناول "دل تیری اسیری کا بہانہ ڈھونڈے" اف صدف جی کچھ زیادہ ہی طویل نہیں ہو گیا' مگر جب ناول پڑھا تو منہ سے واہ واہ نکل گئی بہت ہی جان دار اور شان دار تحریر۔ انعم کا کردار دل کو چھو گیا اور ایشال نے ہنسنے پر مجبور کیا۔ اب آتی ہے افسانوں کی باری۔ جی ہاں سب نے ہی کمال کر دیا بہت ہی اچھے اور سبق آموز انداز میں اختتام ہوئے۔ شفق افتخار کا "تجھ سے جا الجھے" سب پر بھاری نکلا۔ مصنفہ تک تعریف پہنچاویں۔ ارے ہاں ایک بات تو رہ گئی اس بار "میری بھی سنیے" میں ایمن خان کی سننا بہت اچھا لگا وہ مجھے بہت پسند ہیں۔ باقی کے تمام سلسلے پسند آئے۔ میں تو یہ ہی کہوں گی اوور آل فنٹاسٹک۔

ج۔ پیاری سنبل! کرن کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔

نشا جاوید.... پوتالہ جھنڈا سنگھ

چار ماہ کی دوری ایسی لگی جیسے صدیوں سے دور ہوئے ہوں' مگر کرن سے تعلق ضرور رہا چاہے دیر بعد ہوتا تھا۔ جی ہاں اس دوری کی وجہ یہ تھی کیوں کہ اب نشا نورین نشا جاوید بن گئی ہے' ستمبر 2016ء میں میری شادی ہو گئی ہے۔ نیا گھر' نئے لوگ' نیا ماحول' مگر کرن نے ہر لمحہ میرا ساتھ دیا' مگر وہاں سے کرن نہیں ملتا سو اس لیے جب اپنے میکے آتی ہوں تو سب ماہ کے کرن تلاش کرتی ہوں سو اس لیے دیر ہو جاتی ہے۔ کرن سے ملاقات کرنے میں' اب میں میکے آئی ہوں تو سوچا کیوں نہ خط لکھا جائے تو اب حاضر ہوں۔

پیاری سی ماڈل ایک طرف دیکھتی ہوئی پیاری لگ رہی تھی۔

حمد باری تعالیٰ پڑھی پھر نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔

"دل تیری اسیری کا بہانہ ڈھونڈے" صدف آصف نے لکھ کر دل جیت لیا۔ ناولٹ ابھی پڑھے نہیں' وقت کم ہے خط لکھنے میں' اب جا کے سسرال میں پڑھوں گی۔

باقی کرن کے ہر سلسلے اپنی جگہ اے ون ہوتے ہیں۔ پھر تفصیل سے حاضر ہوں گی۔ آخر میں سب بہنوں کو نیا سال بھرپور چاہتوں کے ساتھ مبارک ہو۔

ج۔ پیاری نشا! سب سے پہلے تو "کرن" کی طرف سے آپ کو شادی کی بہت بہت مبارک ہو' زندگی کے اس نئے سفر میں آپ کو ڈھیروں خوشیاں ملیں۔ بہت خوشی ہوئی کہ آپ کرن کے لیے وقت نکال ہی لیتی ہیں۔

حافظہ رملہ مشتاق..... حاصل پور

سب سے پہلے تمام کرن اسٹاف' مصنفین وقارئین کو نیا سال مبارک ہو! اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب پر اپنی بے بہار رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔

اب آتے ہیں تبصرے کی طرف کرن ہمیشہ کی طرح لیٹ ملا' ٹائٹل بہت اچھا تھا۔ ماڈل بہت پیاری لگ رہی تھی' ہیئر اسٹائل سب ہی منفرد تھا۔ حمد ونعت سے مستفید ہوئے۔ انٹرویو میں ایمن خان کا انٹرویو پڑھا اور شادی مبارک پڑھ کر بہت اچھا لگا۔

"راپنزل" نہ دیکھ کر اداسی ہوئی۔ "من مورکھ کی بات" بہت زبردست جارہا ہے لیکن فضا کی ماں نے اچھا نہیں کیا پہلے اپنی منوالی اور اب فضا بے چاری کو اس کے باپ کی نظروں میں بھی گرادیا نصیر بہت اچھا نکلا۔ حوریہ اور حازم کتنے خوش تھے اب پتا نہیں ان کے ساتھ کیا ہوگا؟ آسیہ جی ان تینوں کو کچھ نہیں ہونا چاہیے۔

مکمل ناول دونوں ہی بہت زبردست "گل کہسار" نام ہی بہت اچھا ہے۔ "دل تیری اسیری کا بہانہ ڈھونڈے" صدف آصف ویل ڈن جب بھی آتی ہیں چھا جاتی ہیں۔ ناولٹ میں ابھی "عشق والا لو" پڑھا ایشال کھری کھری فرجاد کو سناتی ہے لڑکیوں ایسا ہی ہونا چاہیے اور پھر ہیپی اینڈ زبردست' افسانے سب ہی اچھے تھے بٹ کنیز نور علی کا "کس نام سے پکاروں" مجھے تو بہت اچھا لگا۔ ہم سب بہنیں' کزنز اینڈ فرینڈز سب ہی پڑھتی بلکہ حاصل پور سے بوریوالہ تک رسالے بھیجتے ہیں وہ مجھ سے ناراض ہیں کہ ہمارے نام کیوں نہیں لکھے۔ کرن میں ان کے نام شامل کرنا۔ سسٹرز حفصہ' مافیا' کزنز ریحانہ' فرزانہ' نبیلہ' ناہید' بھابھی' ساجدہ۔

کرن میں ہر چیز لاجواب ہے۔ ایک ریکویسٹ ہے کہ کرن صفحات کچھ زیادہ کرلیں۔ کہ ایک دوسرے کو کوئی پیغام دینا چاہئیں تو ہم لکھ سکیں ایک نیا سلسلہ شروع کریں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو؟ ہر ماہ ارادہ ہوتا ہے تبصرہ کا مگر وہی رونا ٹائم کی کمی کا۔

ج ۔ پیاری رملہ۔ آپ غائب مت ہوا کریں اور کوشش کیا کریں کہ ہر ماہ "کتاب میرے نام" میں حاضر ہوں۔ لیجیے جناب آپ کی کزنز اور فرینڈز کے نام شامل کرلیے اب تو ان کی ناراضی ختم ہوجائے گی۔ فرمائش نوٹ کرلی گئی ہے۔

ثوبیہ شاہین..... ملتان

دسمبر کا شمارہ ہاتھ میں آیا۔ پیاری سی ماڈل کو دیکھتے ہی رہ گئے' ہلکا میک اپ اور سادہ سے انداز میں بہت پیاری لگ رہی ہے۔

حمد ونعت سے دل کو سکون وراحت ملی۔ اس کے بعد "راپنزل" ڈھونڈا نہیں ملا تو صبر کیا' آسیہ مرزا کا "من مورکھ کی بات نہ مانو" تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہا ہے۔ باقی سب چھوڑ کر صدف آصف کے ناول پر نگاہ دوڑائی اور پھر صفحات پڑھتی چلی گئی۔ بہت عرصے بعد ایسی شاندار تحریر پڑھنے کو ملی۔ کہیں اعیان اور انعم کے بیچ دوریوں نے دل کو مٹھی میں جکڑا تو کہیں وجدان اور ایشال کی کھٹی میٹھی محبت نے مسکرانے پر مجبور کیا۔ ویلڈن صدف جی۔ اس کے بعد شبانہ شوکت کے ناول نے دل کو خوش کیا' بڑے اچھے انداز میں بہار کی امید پیدا کی اور کرداروں کے ساتھ مکمل انصاف کیا۔ "گل کہسار" بھی فرح بخاری نے ٹھیک لکھا۔ موضوع نے کچھ خاص متاثر نہیں کیا۔ اس بار کے سارے ناولٹ شاندار رہے اور افسانوں میں' نظیر فاطمہ' صائمہ اقبال اور شفق افتخار بازی لے گئیں۔ آخر میں ایک فرمائش پلیز چائنیز اور مختلف سوپ کی تراکیب بھی شائع کریں۔ باقی کے سلسلے بھی اعلا تھے۔ شعروں کے انتخاب بھا گئے۔

ج ۔ پیاری ثوبیہ! پہلے آپ یہ بتائیں کہ آپ غائب کہاں تھیں۔ ہمیں خوشی ہوتی ہے آپ ہر ماہ شامل ہوتی ہیں۔

حافظہ ست البنات..... تونسہ شریف

دسمبر کا کرن بہت پسند آیا۔ مغرب سے کچھ دیر پہلے آیا رسالہ میں اس وقت کھانا بنارہی تھی۔ جلدی سے

نامے میرے نام کھولا۔ (آٹے والے ہاتھوں سے) اپنا خط دیکھ کر بہت خوشی ہوئی اتنا محبت بھرا جواب اتنی پیار بھری شکایت یقین کیجیے کچھ لمحے تک تو میں ارد گرد سے بلکہ کھانا بنانے سے بھی بے خبر ہوگئی کہ میرا پہلا ہی خط سند قبولیت پاگیا اور اتنا پیار کہ جیسے برسوں سے ہم اک دوسرے کو جانتے ہوں۔

اداریہ دل کو چھو گیا ہر بار کی طرح۔ مبارک باد فائزہ بھٹی آپ کو بھائی کی شادی کی۔ آسیہ مرزا صاحب کا ناول بہت خوب صورت انداز میں آگے بڑھ رہا ہے۔ قاری خود کو ہر جگہ ساتھ محسوس کرتا ہے کرداروں کے بہت بد فطرت ہے حوریہ کا دیور' حوریہ کے ساتھ اور حازم کے ساتھ اچھا کھینچے گا۔ محبت کرنے والوں کے دشمن تو ہوا کرتے ہیں۔ بابر کو اچھائی کی طرف لائیے گا آسیہ جی! آپ کے قلم کے لیے مشکل تو نہیں ہے نا۔ تنزیلہ ریاض صاحبہ کا ناول نہ پاکر دکھ ہوا' ہر ماہ بہت شدت سے انتظار ہوتا ہے۔ "راہ منزل" کا "گل کہسار" کی دوسری قسط بھی زبردست تھی باقی آئندہ نے مزا خراب کر دیا۔ صدف آصف کا مکمل ناول اچھا لگا۔ شبانہ شوکت کا محبتوں بھرا ناولٹ بہت اچھے انداز میں مکمل ہوا پہلی قسط تو دوبار پڑھی تھی اور اب دوسری کو ابھی ایک ہی بار پڑھا ہے۔ محبتوں سے گندھی ہوئی کہانی ہے بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ اولاد کو دیوانگی کی حد تک پیار کرنے والے زاروں بہت اچھے لگے۔ ہمارے اپنے ابو جی بھی ہم کو ایسے پیار کرتے ہیں۔ میری امی کرن میں میرا نام دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔ "زاویہ نظر" میں شبینہ نے بہت سمجھ داری سے کام لیا۔ جیٹھانی اور دیورانی کو منہ کی کھانی پڑی۔ "زندگی تجھ کو جیا ہے کیسے" میں شوہر کا بیوی کے قدموں میں بیٹھنا اچھا نہیں لگا مرد تو حاکم ہے پھر عورت کے قدموں میں کیوں؟ صرف ماں کے قدم ہی اس قابل ہیں کہ ان میں بیٹھا جائے بیوی سے معافی کے اور بھی کئی طریقے ہو سکتے ہیں۔ "عشق والا لو" کرداروں کے نام خوب صورت نہیں تھے۔ کہانی گزارے لائق تھی۔ کنیز نور علی! ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ نام منفرد ہو مگر ہو آسان اور بامعنی۔ "تجھ سے جا الجھے" کچھ خاص نہیں تھی۔ "سچائی کی منزل" بہت ہی زبردست لکھا ملیحہ راشد نے۔

ج۔ پیاری بہن! بہت اچھا لگا کہ آپ نے اس دفعہ بھی تبصرہ کیا اور ہمیں امید ہے کہ اب آپ کا ہر ماہ تبصرہ شامل ہو گا۔

صباخان... ڈی۔ جی۔ خان

اگر اس کو بلاوجہ کی تعریف نہ سمجھی جائے تو سب سے پہلے میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ کرن کا معیار دن بہ دن بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے' اس کے پیچھے تمام اسٹاف کی محنت شامل ہے۔

اب آتے ہیں دسمبر کے کرن کی طرف۔ ٹائٹل بہت اعلا ہے۔ اس کے بعد حمد و نعت کو بہت عقیدت سے پڑھا۔ "مقابل آئینہ" کنیز فاطمہ کا انداز بنایا۔ گوہر ممتاز سے ملاقات بہت شاندار لگی۔ اس کے بعد تمام فہرست پر ایک نظر ڈالی تو دیکھا کہ سارے نام ہی پسندیدہ دکھائی دیے۔ سب سے پہلے "من مورکھ کی بات نہ مانو" پڑھا آسیہ مرزا کی کیا بات ہے اس کے بعد شبانہ شوکت کے ناولٹ کا دوسرا حصہ پڑھا مزا آیا اچھی کہانی تھی۔ "گل کہسار" فرح بخاری نے بھی اچھا لگا ہے اس کے بعد مکمل ناول "دل تیری اسیری کا بہانہ ڈھونڈے" نام کی طرح ناول بھی طویل تھا مگر میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ صدف آصف نے کمال کا لکھا' منہ سے بے ساختہ زبردست نکلا۔ بہت ہی حساس سی کہانی اچھے انداز میں لکھی گئی۔

افسانوں میں نظیر فاطمہ اور شفق افتخار بازی لے گئیں۔ ناولٹ میں سب سے بہترین سباس گل کا "عشق والا لو" لگا باقی تمام سلسلے بھی اچھے تھے۔

ج۔ پیاری صبا کرن کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔

ثناء شہزاد... کراچی

دسمبر کا شمارہ حسب روایت 12 کو ملا۔ جلدی سے سب سے پہلے حمد و نعت پڑھ کر "نامے میرے نام" پر انٹری دی۔ مگر یہ کیا وہاں میں موجود نہیں تھی میں

ایک دم شاکڈ رہ گئی اتنے ٹائم سے اپنے خط کرن میں دیکھتی رہی ہوں اور اب اچانک میرا خط غائب ہو گیا یہ تو غلط بات ہے نا۔ پھر میں نے سوچا کے شاید آپ کو ملا نہیں ہو گا کیونکہ ایسا تو کبھی نہیں ہوا مجھے کرن میں ہر بار جگہ ملتی ہے۔ میری یہی کوشش ہوتی ہے کہ میں جلدی سے کرن پڑھ کر 20 تاریخ سے پہلے خط روانہ کر دوں۔ اب پتا نہیں کس کس نے میری کمی کو محسوس کیا ہو گا۔ آپ لوگوں کو میں ایک گڈ نیوز دوں ہماری بہت پیاری مصنفہ شبینہ گل آپی کے آنگن میں ایک ننھی پری آئی ہے وہ دو بیٹوں کے بعد ایک کیوٹ سی گڑیا کی مما بن گئی ہیں میری طرف سے بہت مبارک ہو۔

اب تبصرے کی طرف آتی ہوں اس بار میرے موسٹ فیورٹ ناول "راپنزل" جس کا تھا انتظار وہ غیر حاضر تھا۔ آسیہ مرزا صاحبہ "من مورکھ کی بات نہ مانو" بہت اچھا جا رہا ہے مگر یہ کیا کر دیا حازم اور حوریہ کی کار کا ایکسیڈنٹ پلیز حوریہ اور حازم کو کہانی سے ہٹا مت دیجیے گا۔ نصیر کا فضا کی حمایت میں بولنا اچھا لگا وہ بابر سے ہزار درجے بہتر شوہر ثابت ہو گا۔

افسانے سب اچھے تھے۔ صدف آصف "دل تیری اسیری کا بہانہ ڈھونڈے" بہت زبردست لکھا فوزیہ نے سلطانہ کے ساتھ اتنا غلط کیا جبکہ سلطانہ کی اولاد ہی آخر میں اس کے کام آئی۔ وجدان اور ایشال کی نوک جھونک اچھی لگی۔ اعیان صاحب کو بھی شکر ہے اینڈ میں عقل آ ہی گئی، "بخت جاگ اٹھے" حمیرا نوشین نے بھی اچھا لکھا تھا اس فیملی نے تو کنجوسی کے تمام ریکارڈ توڑ دیے تھے آخر میں بڑا اچھا سبق ملا۔ "عشق والا لو" سباس گل نے بھی شاندار لکھا پہلے تو ایشال پر بہت غصہ آیا ایک ہی بات پکڑ کر بیٹھ گئی ہے مگر پھر اس کی بات صحیح لگی فرجاد کا اس طرح سر عام روکنا اور پرپوز کرنا غلط طریقہ تھا کوئی بھی شریف لڑکی یہ برداشت نہ کرتی۔ ملیحہ راشد نے بھی اچھے موضوع پر لکھا۔ اب آتے ہیں اس کہانی کی طرف جو اس ماہ کی بیسٹ کہانی تھی۔ جی ہاں شبانہ شوکت کی "امید بہار رکھنا" پورے کرن کی جان تھی پچھلے مہینے نہیں پڑھی تھی اس ماہ ایک ساتھ دونوں اقساط پڑھیں اور پڑھ کر مزا آ گیا۔ زارون اور ایلیا اتنے چھوٹے چھوٹے مما پاپا بن گئے۔ ثنالیہ اور نوینتا نام اچھے لگے۔ فہزاد انکل اور ولید جیسے مخلص اور بے ریا لوگ آج کے دور میں کہاں ہیں جنہوں نے بغیر کسی غرض کے اتنا ساتھ دیا ویسے زارون نے بھی ان کے احسانوں کا حق ادا کر دیا۔

آخر میں جاتے جاتے آپ سب کو سال نو بہت بہت مبارک ہو پلیز اس بار کرن میں لازمی میرا خط چھپنا چاہیے ورنہ آپ کی ہماری ناراضی ہو جائے گی۔

ج ۔ پیاری ثنا ـــــ آپ کا خط تاخیر سے موصول ہوا تھا اس لیے شائع نہ ہو سکا مگر پڑھا ضرور گیا تھا۔ اور ہماری طرف سے بھی شبینہ گل کو بہت بہت مبارک ہو۔

عابش جنجوعہ ..... تونسہ شریف

دسمبر کا کرن کچھ تاخیر سے ملا۔ "من مورکھ کی بات نہ مانو" زبردست جا رہا ہے آخری سطریں پڑھ کر کچھ خوف محسوس ہوا حازم اور حوریہ کے بارے..... بابر کے بارے میں مجھے لگتا ہے اچھا ہو جائے گا وہ۔ "راپنزل" نہ دیکھ کر مزا کرکرا ہو گیا۔

"امید صبح بہار رکھنا" کا اختتام اچھا ہوا۔ بہت مزے کا ناولٹ تھا۔ کاش! زارون کی مما کا انتقال نہ ہوتا۔ پھر خیال آیا کہ ناولٹ کیسے بنتا پھر "گل کہسار" زبردست ہے۔ افسانے کچھ خاص نہیں لگے۔ فائزہ بھٹی کو بھائی کی شادی کی بہت مبارک باد۔ "مقابل ہے آئینہ" میں کنیز فاطمہ سے مل کر اچھا لگا۔ مستقل سلسلے سارے ہی بہترین ہیں۔

ج ۔ پیاری بہن عابش! آپ کے خطوط ہمیں نہیں ملے ورنہ ضرور شامل کیے جاتے دیکھ لیجیے یہ خط ملا اور شائع کر دیا گیا۔

اقرا امتنانہ ..... سرگودھا

ٹائٹل گرل دل کو بہت بھائی۔ ٹائٹل گرل سے نظریں چرا کر اندر چھلانگ لگائی۔ پہلے تو آپ کا بہت تھینکس کہ آپ نے پڑھائی کے لیے میری حوصلہ

افزائی کی۔

"میری بھی سنیے" میں ایمن خان سے ملاقات اچھی رہی۔ ایمن خان تو بہت ینگ ایکٹر ہیں۔ "مقابل ہے آئینہ" میں کنیز فاطمہ کو جان کر خوشی ہوئی۔

مکمل ناول "گل کہسار" فرح بخاری کی تحریر بڑی جاندار رہی۔ اس دفعہ تو فرح جی نے گھما ہی ڈالا۔ اب اسجد اور صنوبر کا کیا قصہ ٹپک پڑا۔ ویسے ایک بات فرح کی ماننی پڑے گی کہ گل آویزہ کو بڑا بہادر بنایا ہوا ہے چلو جی اسجد عالم کو گل آویزہ کا کچھ خیال تو آیا۔ اسجد عالم ایک بڑا نیک دل آدمی ہے۔ بلاور تو ایک نمبر کا کمینہ آدمی ہے۔ ہر وقت کوئی نہ کوئی چال چلتا ہی رہتا ہے۔ پھر بھی گل آویزہ اس کی دال نہیں گلنے دیتی۔ اب دیکھیے بلاور گل آویزہ کے ساتھ کیا کرتا ہے۔

مکمل ناول "دل تیری اسیری کا بہانہ ڈھونڈے" صدف آصف کی تحریر زیادہ پسند نہیں آئی شروع سے بہت بور لگی لیکن درمیان میں بیسٹ رہی۔ فوزیہ کو اپنی دوست کا کچھ تو احساس کر لینا چاہیے تھا سلطانہ نے مشکل وقت میں فوزیہ کی مدد کی۔ لیکن فوزیہ بیگم تو آستین کا سانپ نکلیں۔ ایسے لوگ دوستی کے نام پر دھبا ہوتے ہیں۔ وجدان نے اپنی بھائی کا بڑا ساتھ دیا۔ اعیان تو بس اللہ میاں کی گائے نکلا اپنی سوتیلی ماں کی انگلیوں پر ناچنے والا وہ تو بھلا ہو وجدان کا جس نے اپنی بھابھی کا ساتھ دیا۔ ایشال اور وجدان کا کپل بیسٹ رہا۔ اینڈ میں فوزیہ بیگم کے ساتھ اس کی اپنی اولاد انوشے نے بڑا اچھا کیا۔

ناولٹ "عشق والا لو" سباس گل ویل ڈن سباس جی اتنی اچھی تحریر لکھنے پر۔ کہانی ہیپی اینڈ رہی۔ فرجاد کا کردار بڑا پسند آیا۔ آج کے دور میں فرجاد جیسے مخلص اور فرمانبردار مرد ہوتے ہیں۔ خدا ہمیشہ ایسے لوگوں کو پسند کرتا ہے۔ جو دوسروں کی اتنی ہی عزت اور پیار کرتا ہوں۔ ایشال، فریال کی نوک جھوک بیسٹ رہی۔

افسانہ "تجھ سے جا الجھے" شفق افتخار کا نام ہی کافی ہے۔ شفق افتخار کی تحریر بڑی زبردست ہوتی ہیں۔ لیکن صرف افسانہ لکھا۔ شفق جی کوئی کرن کے لیے مکمل ناول بھی لکھیے۔ بڑا سرپرائز دیا۔ عینا اور عباس کی شادی ہو رہی تھی۔ تیمور ہی ان دونوں کے ملنے کا سبب بنی۔

اس دفعہ کرن کے ساتھ خاتم النبین کی کتاب بہت پسند آئی۔ اس کتاب کو پڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بہت کچھ معلومات حاصل کیں کرن کتاب مفت تو ہمارے لیے تحفہ ہوتی ہے۔

میری طرف سے سب لوگوں کو ہیپی نیو ایئر بہت بہت مبارک ہو۔

ج: پیاری اقرا کرن پر تبصرہ کرنے کا بے حد شکریہ۔

سدرہ مرتضیٰ ...... کراچی

بہت معذرت کے پچھلے کچھ مہینوں سے میں غائب رہی آپ کی محفل سے۔ پر اس ماہ صدف آصف کے ناول نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں اپنا قلم اٹھاؤں۔ صدف آصف عمدہ تحریر اِن فیکٹ آپ کی اب تک کی تمام تحریروں میں یہ ٹاپ پر رہے گی۔ مکافات عمل کے خوف سے اگر لوگ اللہ سے ڈرنے لگے تو کیا ہی بات ہے۔ بہت اچھی کوشش تھی سوئے ہوئے ضمیر کے لوگوں کو جاگنے کی "من مورکھ کی بات نہ مانو" میں تو بابر کی طرف سے ڈر ہی لگا رہتا ہے کہ کچھ غلط نہ کر دے وہ۔ حازم اور حوریہ کا ایکسیڈنٹ ایک خطرناک موڑ ہو گا اس کہانی کا "گل کہسار" فرح بخاری کا بھی ایک بے حد خوب صورت ناول۔ گل آویزہ کا کردار بہت پیارا اور معصوم لگا۔ ہر قسط کے آخری سین انتہائی دلچسپ ہوتا ہے کہ اگلی قسط کا انتظار مشکل ہو جاتا ہے۔ "عشق والا لو" سباس گل کی ایک سبق آموز کہانی تھی۔ بہت سادہ طرز میں انہوں نے کہانی کو سمیٹا اور سب سے اہم بات یہ کہ اس مہینے "راپنزل" کو بہت یاد کیا۔

ج: پیاری سدرہ اتنے مہینوں کی غیر حاضری کے بعد آپ پھر ہماری محفل میں شریک ہوئیں بہت خوشی ہوئی۔ مگر آپ نے تبصرہ نامکمل سا کیا ہے ہمیں خوشی ہوگی جو آپ ہر کہانی پر اپنی رائے کا اظہار کریں۔